محاسبۂ قادیانیت

- جناب صلاح الدین ٹیکسلا
- ایف ڈبلیو سکیمپ جج ہائیکورٹ لاہور
- جناب ملک احمد خان کمشنر بہاولپور
- جناب سید میر ساکن گجرات
- جناب خاقان بابر ایڈووکیٹ
- مولانا عبدالمجید فاروقی لاہور
- مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاریؒ
- جناب ابوسعید محمد شریف قریشی
- جناب شیخ اظہار الحق ایڈووکیٹ
- مولانا صہیب حسن برمنگھم
- جناب محمد اسحق قریشی جہلمی
- جناب سید عباس حسین شاہ گردیزی
- مولانا سید محمد حسین شاہ نیلوی
- جناب نور محمد قریشی ایڈووکیٹ
- حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

جلد ۸

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : محاسبہ قادیانیت جلد ہشتم (۸)

مصنّفین :

جناب صلاح الدین ٹیکسلا　　جناب ابوسعید محمد شریف قریشی

ایف.ڈبلیو سکیمپ جج ہائیکورٹ لاہور　　جناب شیخ اظہار الحق ایڈووکیٹ

جناب ملک احمد خان کمشنر بہاول پور　　مولانا صہیب حسن برمنگھم

جناب سید میر ساکن گجرات　　جناب محمد اسحاق قریشی جہلمی

جناب خاقان بابر ایڈووکیٹ　　جناب سید عباس حسین شاہ گردیزی

مولانا عبدالمجید فاروقی لاہور　　مولانا سید محمد حسین شاہ نیلوی

مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاریؒ　　جناب نور محمد قریشی ایڈووکیٹ

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

صفحات : ۵۶۰

قیمت : ۳۵۰ روپے

مطبع : ناصر زین پریس لاہور

طبع اوّل : جون ۲۰۱۷ء

ناشر : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

Ph: 061-4783486

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست رسائل مشمولہ……محاسبہ قادیانیت جلد ۸

☆……	عرض مرتب	حضرت مولانا اللہ وسایا	۴
۱……	اسلام اور مرزائیت	جناب صلاح الدین صاحب	۷
۲……	قرآن مجید اور قادیانیت	〃 〃 〃	۱۳
۳……	بیانات مرزا	مولانا ابوسعید محمد شریف قریشی	۱۹
۴……	ایف.ڈبلیو سکیمپ جج ہائیکورٹ لاہور کا فیصلہ	ایف.ڈبلیو سکیمپ جج ہائیکورٹ	۴۷
۵……	قادیانی عبادت گاہ ڈیرہ غازیخان کے فیصلہ کے شرعی مباحث کا ترجمہ	جناب شیخ اظہار الحق ایڈووکیٹ	۵۳
۶……	فیصلہ کمشنر بہاول پور ڈویژن	جناب ملک احمد خان کمشنر	۷۳
۷……	مرزاغلام احمد قادیانی کے بارہ میں خدائی فیصلہ	جناب مولانا صہیب حسن برمنگھم	۸۵
۸……	مرزائی امت کی عقلمندی ودانائی	جناب سید میر ساکن گجرات	۱۰۱
۹……	اعجاز الحق نمبر۲	جناب محمد اسحاق قریشی جہلمی	۱۰۷
۱۰……	قادیانیوں سے درس رواداری اور ہمارے قومی وملی تقاضے	جناب خاقان بابر ایڈووکیٹ	۱۱۱
۱۱……	قومی اسمبلی میں تقریر	جناب سید عباس حسین گردیزی	۱۲۱
۱۲……	قادیانی کی گالی کا حق دار کون ہے؟	مولانا عبدالمجید فاروقی لاہور	۱۳۷
۱۳……	تفسیر، آیت رفع عیسیٰ علیہ السلام	جناب سید محمد حسین شاہ نیلویؒ	۱۴۹
۱۴……	مرزاغلام احمد کادیانی سرسید احمد خان کی نظر میں	مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاریؒ	۱۷۹
۱۵……	مرزائی مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟	〃 〃 〃	۱۸۵
۱۶……	نزول مسیح آخر کیوں؟	جناب نور محمد قریشی ایڈووکیٹ	۱۹۳
۱۷……	حیات مسیح اور ختم نبوت	〃 〃 〃	۲۰۳
۱۸……	مرزاغلام احمد قادیانی کے کارنامے	〃 〃 〃	۳۱۵
۱۹……	قادیانی غیر مسلم کیوں؟ بجواب اک حرف ناصحانہ	〃 〃 〃	۴۶۷
۲۰……	فیصلہ آسمانی درباب مسیح قادیانی	مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ	۵۵۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

الحمد للّٰہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی ۰ امابعد!

محض اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے محاسبہ قادیانیت کی جلد ہشتم آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس جلد میں:

۱/۱...... جناب صلاح الدین صاحب ٹیکسلا کا رسالہ ''اسلام اور مرزائیت'' ستمبر ۱۹۷۳ء کا۔

۲/۲...... جناب صلاح الدین صاحب کا رسالہ ''قرآن مجید اور قادیانیت'' مطبوعہ سن ۱۹۷۳ء۔

۳...... جناب مولانا ابوسعید محمد شریف قریشی جہلمی کا رسالہ ''بیانات مرزا'' مرتبہ ۱۹۵۲ء۔

۴...... ایف.ڈبلیو سکیمپ جج ہائیکورٹ لاہور کا فیصلہ ہائیکورٹ لاہور ۱۹۳۸ء۔

۵...... ''قادیانی عبادت گاہ ڈیرہ غازی خان کے فیصلہ کے شرعی مباحث کا ترجمہ'' از جناب شیخ اظہار الحق ایڈووکیٹ لاہور۔

۶...... ''فیصلہ کمشنر بہاول پور ڈویژن'' از جناب ملک احمد خان کمشنر، ۱۸؍نومبر ۱۹۷۲ء۔

۷...... جناب مولانا صہیب حسن برمنگھم کا رسالہ ''مرزا غلام احمد قادیانی کے بارہ میں خدائی فیصلہ''

۸...... جناب سید میر ساکن ملک پور جہاڑا گجرات کا منظوم رسالہ ''مرزائی امت کی عقلمندی ودانائی'' طبع دوم دسمبر ۱۹۸۲ء۔

۹...... جناب محمد اسحاق قریشی جہلمی نے ۸؍جنوری ۱۹۶۸ء کو رسالہ لکھا جس کا نام ہے: ''اعجاز الحق نمبر۲''

۱۰...... جناب خاقان بابر ایڈووکیٹ لاہور نے ۱۲؍مارچ ۱۹۸۶ء کو نوائے وقت میں شائع ہونے والے ایک مضمون کا جواب لکھا۔ پھر جسے پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا۔ ''قادیانیوں سے درس رواداری اور ہمارے قومی وملی تقاضے''

۱۱...... سید عباس گردیزی ملتان ایم.این.اے نے ۳؍ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں تقریر کی۔ پھر اسے پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا۔ جس کا نام ’’قومی اسمبلی میں تقریر‘‘ رکھا۔

۱۲...... مولانا عبدالمجید فاروقی گنج مغل پورہ لاہور نے ۲۰؍دسمبر ۱۹۸۰ء کو رسالہ لکھا۔ جس کا نام تھا: ’’قادیانی کی گالی کا حق دار کون ہے؟‘‘

۱۳...... سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ لکھا جس کا نام رکھا: ’’تفسیر، آیت رفع عیسیٰ علیہ السلام‘‘ یہ رسالہ پہلی دفعہ جنوری ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔

۱/۱۴...... مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ’’مرزا غلام احمد کادیانی سر سید احمد خان کی نظر میں‘‘

۲/۱۵...... مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ’’مرزائی مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟‘‘

۱/۱۶...... جناب نور محمد قریشی ایڈووکیٹ لاہور نے اپریل ۱۹۹۴ء میں کتاب لکھی: ’’نزول مسیح آخر کیوں؟‘‘

۲/۱۷...... جناب نور محمد قریشی ایڈووکیٹ لاہور نے اکتوبر ۱۹۹۷ء میں معروف منکر حدیث قمر عثمانی کے جواب میں کتاب ’’حیات مسیح اور ختم نبوت‘‘ تحریر کی۔

۳/۱۸...... جناب نور محمد قریشی ایڈووکیٹ لاہور نے ۲۰۰۱ء میں کتاب لکھی: ’’مرزا غلام احمد قادیانی کے کارنامے‘‘

۴/۱۹...... جناب نور محمد قریشی ایڈووکیٹ لاہور نے مرزا طاہر قادیانی کے پمفلٹ ’’اک حرف ناصحانہ‘‘ کا جواب لکھا: ’’قادیانی غیر مسلم کیوں؟ بجواب اک حرف ناصحانہ‘‘

۲۰...... مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقالہ ’’فیصلہ آسمانی در باب مسیح قادیانی‘‘

کل بیس رسائل محاسبہ قادیانیت آٹھویں جلد (ہذا) میں شامل اشاعت ہیں:

۱......	جناب صلاح الدین ٹیکسلا	کے	۲	رسائل
۲......	جناب ابوسعید محمد شریف قریشی جہلمی	کا	۱	رسالہ
۳......	ایف.ڈبلیو سکیمپ جج ہائیکورٹ کا فیصلہ		۱	عدد
۴......	جناب شیخ اظہار الحق ایڈووکیٹ لاہور	کا	۱	رسالہ
۵......	جناب ملک احمد خان کمشنر بہاول پور کا فیصلہ		۱	عدد
٦......	مولانا صہیب حسن برمنگھم	کا	۱	رسالہ
۷......	جناب سید میر ساکن گجرات	کا	۱	رسالہ
۸......	جناب محمد اسحاق قریشی جہلمی	کا	۱	رسالہ
۹......	جناب خاقان بابر ایڈووکیٹ	کا	۱	رسالہ
۱۰......	جناب سید عباس حسین شاہ گردیزی	کا	۱	رسالہ
۱۱......	مولانا عبدالمجید فاروقی لاہور	کا	۱	رسالہ
۱۲......	مولانا سید محمد حسین شاہ نیلوی	کا	۱	رسالہ
۱۳......	مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاریؒ	کے	۲	رسائل
۱۴......	جناب نور محمد قریشی ایڈووکیٹ	کی	۴	کتب
۱۵......	حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ	کا	۱	مقالہ

....

گویا۱۵حضرات کے رسائل کا مجموعہ: ۲۰ رسائل وکتب

اس جلد میں یکجا ہوگئے ہیں۔ فلحمد ﷲ تعالیٰ!

محتاج دعاء: فقیراللہ وسایا!

۲۴؍شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ، مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۱۷ء

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

اسلام اور مرزائیت

جناب صلاح الدین صاحب ٹیکسلا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

برادران اسلام! آپ حضرات اس حقیقت سے ناآشنا نہیں ہیں کہ آج کے اس دور میں اسلام کے خلاف کیا کیا سازشیں ہورہی ہیں۔ برصغیر میں انگریز کو جب مسلمانوں کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تو اس نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے اور جذبۂ جہاد کو ختم کر کے ہمیشہ کے لئے کمزور ومغلوب رکھنے کے لئے مذہب کی آڑ میں ہی سازشیں شروع کرادیں۔ فروعی اختلافات پیدا کرائے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑوایا اور ساتھ ہی ساتھ مذہب کی بنیاد ہی کو ختم کرنے کے لئے ’’جھوٹی نبوت‘‘ کو جنم دیا جس نے باقاعدہ پروگرام کے تحت اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا اور ایک ایک کر کے تمام بنیادوں کو گرانے کی کوشش شروع کر دی۔ یہی فتنہ موجودہ دور میں خطرناک ترین فتنہ ہے اور آج کل ہمارا علاقہ بھی اس کی زد میں آنا شروع ہوگیا ہے۔ اس کے انسداد کے لئے انجمن ہذا نے جو بحمداللہ عرصہ نوسال سے تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ یہ فیصلہ کیا ہے کہ مسلمان بھائیوں کو اس فتنہ کی اصلیت وحقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے ہر ماہ پمفلٹ شائع کر کے تقسیم کئے جائیں۔ اس سلسلہ کا پہلا پمفلٹ حاضر خدمت ہے جن دوستوں نے ہماری اپیل پر تعاون کا یقین دلایا ہے ہم ان کے ممنون ہیں اور باقی تمام مسلمان بھائیوں سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ تمام سیاسی اور مذہبی اختلافات سے بالاتر ہوکر دامے، درمے، قدمے، سخنے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں اور منسلک شدہ کوپن پر کر کے دفتر انجمن نزد مرکزی جامع مسجد ٹیکسلا میں پہنچادیویں۔

اسلام اور مرزائیت

اگرچہ مرزائیت کو اسلام کے مقابلے میں کھڑا کر کے دونوں کا تقابل کرنا ایک قبیح سی بات ہے۔ کیونکہ اسلام تو خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ایک کامل دین اور راہ ہدایت ہے۔ جب کہ مرزائیت انگریز کا پیدا کردہ ایک سیاسی ومذہبی فتنہ ہے جو مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔ لیکن افسوس تو اسی بات کا ہے کہ ہمیں مجبوراً یہ تقابل کر کے مرزائیت کو اسلام سے الگ ایک مذہب ثابت کرنا پڑتا ہے اور یہ اس لئے کہ ہمارے بعض نادان مسلمان بھائی ابھی تک مرزائیت کو مسلمانوں ہی کا ایک گروہ سمجھ بیٹھے ہیں اور ان کو کافر کہنے میں تأمل محسوس کرتے ہیں۔ آئندہ سطور میں اسلام کے بنیادی عقائد کے مقابلے میں ''فتنہ مرزائیت'' کے خیالات ونظریات کو پیش کیا جارہا ہے تاکہ یہ اندازہ کیا جاسکے کہ کیا ان عقائد کی بناء پر مرزائیوں کو مسلمان کہا جاسکتا ہے؟

خدائے تعالیٰ

اسلام کی بنیاد کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے پہلے جزو میں خالق کائنات کے متعلق ہر مسلمان کو یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی صفات میں کوئی ہمسر یا شریک نہیں۔ وہ ایک ایسی پاک اور منزہ ذات ہے جس کے ساتھ کسی قسم کے عیب، برائی اور بیہودہ پنی کا تصور بھی گناہ عظیم ہے۔ اسی طرح انسان کی جو کہ اشرف المخلوقات ہے کسی ادنیٰ، بشری صفت کو بھی اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ کرنا دائرہ اسلام سے اخراج کا سبب بن جاتا ہے۔ مثلاً انسان کھاتا ہے، پیتا ہے، نکاح کرتا ہے، بچے جنتا ہے وغیرہ! اگر ان میں سے کوئی صفت خدا سے بھی منسوب کردی جائے تو خدائے تعالیٰ کی ذات کا تقدس کہاں باقی رہے گا؟

اب آپ خداوند قدوس کے بارے میں مرزائیت کے خیالات ملاحظہ فرمائیے:

۱...... قاضی یار محمد قادیانی ٹریکٹ نمبر۳۴ موسوم بہ ’’اسلامی قربانی‘‘ مطبوعہ ریاض الہند پریس امرتسر میں لکھتا ہے: ’’حضرت مسیح موعود نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ نے رجولیت کی قوت کا اظہار فرمایا۔‘‘

۲...... خدا گناہ بھی کرتا ہے اور نیکی بھی کرتا ہے۔ (حقیقت الوحی ص۱۰۳، خزائن ج۲۲ ص۱۰۶)

۳...... خدا روزہ بھی رکھتا ہے اور افطار بھی کرتا ہے۔ (حقیقت الوحی ص۱۰۳، خزائن ج۲۲ ص۱۰۷)

۴...... ’’انت منی بمنزلۃ ولدی‘‘ خدا نے مجھ سے کہا کہ تو میرے نزدیک اولاد کی مانند ہے۔ (حقیقت الوحی ص۸۶، خزائن ج۲۲ ص۸۹)

۵...... خدا مجھے کہتا ہے کہ تو مجھ میں سے ہے اور میں تجھ سے۔

(دافع البلاء ص۷، خزائن ج۱۸ ص۲۲۷)

۶...... خدا تیرے اندر اتر آیا۔ (کتاب البریہ ص۸۵، خزائن ج۱۳ ص۱۰۳)

محمد رسول اللہ ﷺ

کلمہ طیبہ کی دوسری جزو جس میں ہر مسلمان حضور خاتم النّبیین ﷺ فداہ امی وابی کی رسالت کا اقرار اس عقیدے کے ساتھ کرتا ہے کہ خدائے قدوس کے بعد افضل کائنات آپ ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ امام الانبیاء کے جمیع کمالات آپ کی ذات اقدس میں موجود ہیں اور آپ کی تشریف آوری کے بعد خدا نے نبوت کا دروازہ بند کر دیا ہے اور اب کسی نئے نبی کی

ضرورت باقی نہیں رہی۔ جو دین آپ لائے ہیں وہ مکمل اور قیامت تک کے انسانوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ لیکن فتنۂ مرزائیت کے بانی مرزاغلام احمد قادیانی ان کی ذات عالی کے بارے میں کیا کیا زہرافشانیاں کرتا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے:

۱...... ہندوؤں کے نظریہ تناسخ کے مطابق حضور اکرم ﷺ کے بارے میں لکھتا ہے: ’’اسی طرح ابراہیم نے اپنی خو اور طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے قریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد پھر عبداللہ پسر عبدالمطلب کے گھر جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔‘‘ (تریاق القلوب ص۱۵۵، خزائن ج۱۵ ص۴۷۷)

۲...... پھر اسی تناسخ کا سہارا لے کر خود ظلی و بروزی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں محمد مجتبیٰ ہوں اور احمد مختار ہوں۔ (تریاق القلوب ص۶، خزائن ج۱۵ ص۱۳۴)

۳...... کلمہ طیبہ کے دوسرے جزو کے بارے میں لکھتا ہے: ’’چنانچہ میری نسبت یہ وحی اللہ ہے محمد رسول اللہ اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔‘‘

(ایک غلطی کا ازالہ ص۴، خزائن ج۱۸ ص۲۰۷)

۴...... اسی پر بس نہیں بلکہ خود کو افضل ثابت کرنے کے لئے لکھتا ہے: ’’بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روحانیت چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی ان دنوں میں بہ نسبت ان سالوں کے اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے۔ بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔‘‘

(خطبہ الہامیہ ص۱۸۱،۱۸۲، خزائن ج۱۶ ص۲۷۱،۲۷۲)

۵...... اس کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند و سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔ (اعجاز احمدی ص۷۱، خزائن ج۱۹ ص۱۸۳)

۶...... روضۂ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک
میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۱۴، خزائن ج۲۱ص۱۴۴)

۷...... مرزا قادیانی نے (تحفہ گولڑویہ ص۴۰، خزائن ج۱۷ص۱۵۳) پر لکھا کہ نبی کریم ﷺ کے معجزات کی تعداد تین ہزار ہے اور پھر اپنے متعلق (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۶، خزائن ج۲۱ ص۷۶) پر لکھا کہ میرے معجزات دس لاکھ ہیں۔

۸...... مرزا بشیرالدین محمود خلیفہ ثانی امت مرزائیہ نے اپنے ایک خطبے میں اعلان کیا۔ اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ محمد ﷺ سے بھی کوئی شخص بڑا درجہ حاصل کر سکتا ہے تو میں کہا کرتا ہوں کہ خدا نے اس مقام کا دروازہ بند نہیں کیا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر محمد ﷺ سے کوئی شخص بڑھنا چاہے تو بڑھ سکتا ہے۔ (الفضل مورخہ ۱۶/جون ۱۹۵۶ء ص۸)

۹...... ’’یہ بالکل صحیح بات ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ محمد رسول اللہ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔‘‘

(بیان مرزا محمود مندرجہ الفضل قادیان ج۱۰ نمبر۵ ص۵ کالم، مورخہ ۱۷/جولائی ۱۹۲۲ء)

۱۰...... محمد پئے چارہ سازئ امت
ہے اب احمد مجتبیٰ بن کے آیا
حقیقت کھلی بعث ثانی کی ہم پر
کہ جب مصطفیٰ میرزا بن کے آیا

(الفضل قادیان مورخہ ۲۸/مئی ۱۹۲۸ء)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

قرآن مجید

اور

قادیانیت

جناب صلاح الدین صاحب ٹیکسلا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اللہ جل شانہ کا بے انتہاء فضل واحسان ہے کہ ہم پروگرام کے مطابق امت مرزائیہ کے باطل عقائد کو عوام کے سامنے لانے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ گزشتہ تین پمفلٹوں میں خدائے ذوالجلال، حضور خاتم النّبیین محمد رسول اللہ ﷺ جمیع انبیاء کرام، شعائر اللہ اور اہل بیت عظام کے بارے میں مرزاغلام احمد قادیانی اور اس کے خلفاء کی ہرزہ سرائیوں کو پیش کیا گیا۔ اس اشاعت میں قرآن مجید کی تحریف اور توہین کے حوالہ جات نقل کئے گئے ہیں۔ جن سے آپ بخوبی یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مرزائی قرآن مجید کے بارے میں کیا نظریات رکھتے ہیں۔

ہمیں بعض دوستوں کی طرف سے یہ اطلاع ملی ہے کہ مرزائی ہمارے پیش کردہ حوالوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ہماری کتابوں میں سے نہیں ہیں۔ ہم پوری ذمہ داری سے تحقیق کے بعد یہ حوالے درج کرتے ہیں۔ اگر کوئی مرزائی اپنی تسلی کے لئے حوالہ دیکھنا چاہے تو ہم ثبوت فراہم کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ نیت اصلاح ہو تضیع اوقات مقصود نہ ہو۔

معاونین تحریک سے ایک بار پھر اپیل کی جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں ہمیں اپنے مفید مشورے اور تجاویز ارسال فرمائیں تا کہ ان کی روشنی میں تحریک کو مزید پروان چڑھایا جائے۔

قرآن کریم میں تحریف

مرزاغلام احمد قادیانی نے اسلام کے بنیادی عقائد میں ردوبدل کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی بعض آیات میں تحریف کرنے کا کافرانہ فعل بھی سرانجام دیا ہے۔ جیسا کہ خود اس نے اپنی کتاب (ازالہ اوہام حصہ اوّل ص ۱۳۷، ۱۳۸، خزائن ج۳ ص ۱۷۰) پر لکھا ہے: ”ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن پاک خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع

اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہوسکتا اور نہ کم ہوسکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہوسکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کو تبدیل یا تغیر کرسکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔''

مرزا قادیانی کے اپنے اس فیصلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مرزائی حضرات بھی اور ہمارے مسلمان بھائی بھی آگے آنے والے حوالہ جات کو پڑھ کر دیانتداری سے فیصلہ کریں کہ کیا یہ تحریف قرآن نہیں ہے اور کیا بقول خود مرزا قادیانی جماعت مؤمنین سے خارج اور ملحد اور کافر نہیں ہے؟

تحریف نمبر:۱

مرزا قادیانی نے اپنی کتاب (حقیقت الوحی ص۱۳۰، مطبوعہ ۱۹۰۷ء) پر قرآن کریم کی ایک آیت یوں لکھی ہے:''**الم یعلموا انه من یحادد اللہ ورسول یدخله نارًا خالدًا فیھا ذلک الخزی العظیم**'' جب کہ اصل آیت میں ''**یدخله نارًا**'' کی جگہ ''**فان له نار جھنم**'' ہے۔

تحریف نمبر:۲

اسی کتاب کے (ص۱۵۴) پر ایک اور آیت یوں تحریر کی ہے:''**یوم یأتی ربک فی ظلل من الغمام**'' حالانکہ یہ آیت کریمہ قرآن مجید میں اس طرح ہے:''**ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام**'' پہلے پانچ الفاظ کو سرے سے حذف کرکے اپنے پاس سے تین الفاظ لگادیئے۔

تحریف نمبر:۳

(ازالہ اوہام ص۶۲۹، طبع ۱۹۵۱ء) میں مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ اللہ جل شانہ قرآن میں

ارشاد فرماتا ہے:’’**وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القٰی الشیطٰن فی امنیته**‘‘ حالانکہ قرآن کریم میں یہ آیت اس طرح ہے:’’**وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی**‘‘ اس آیت مبارکہ سے’’**من قبلک**‘‘ کا لفظ حذف کر دیا۔ کیونکہ اس لفظ سے ختم نبوت کی دلیل ملتی ہے۔

قرآنی آیات کا اپنی طرف انتساب

قرآن مجید میں جو آیات مبارکہ حضور خاتم النّبیین محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان میں سے کئی آیات کو مرزا قادیانی نے اپنے متعلق ظاہر کیا ہے۔ ان میں سے مثال کے طور پر دو حوالے درج کئے جاتے ہیں:

۱...... اور مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ’’**ھو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ ودین الحق لیظھره علی الدین کله**‘‘ (اعجاز احمدی ص۷، خزائن ج۱۹ ص۱۱۳)

۲...... ’’**وما ارسلناک الا رحمة للعالمین**‘‘ اور ہم نے تجھے دنیا پر رحمت کے لئے بھیجا ہے۔ (اربعین نمبر۳ ص۳۲، خزائن ج۱۷ ص۴۲۱)

قرآن مجید کی توہین

۱...... مرزا قادیانی نے بار بار یہ دعویٰ کر کے قرآن مجید کی شان کو گھٹانے اور اس کی توہین کرنے کی کوشش کی ہے کہ میرے الہامات قرآن مجید کے برابر ہیں۔ نمونہ کے لئے ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں:’’میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف اور خدا کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح قرآن شریف کو یقینی اور قطعی

طور پر خدا کا کلام سمجھتا ہوں۔ اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔“ (حقیقت الوحی ص۲۱۱، خزائن ج۲۲ ص۲۲۰)

حالانکہ مرزا قادیانی کے الہامات اتنے مبہم، فضول اور واہیات ہیں کہ انہیں ایک عقلمند انسان کا کلام بھی نہیں کہا جاسکتا۔

۲...... اس کے ساتھ ساتھ کھلے لفظوں میں قرار کو سخت زبان قرآن دیتے ہوئے ان الفاظ میں توہین کا ارتکاب کیا ہے: ”قرآن شریف جس آواز بلند سے سخت زبانی کے طریق کو استعمال کر رہا ہے ایک غایت درجہ غبی اور نادان بھی اس سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔“

(ازالہ اوہام ص۲۸، خزائن ج۳ ص۱۱۶ حاشیہ)

قرآن میں قادیان

مرزا قادیانی نے اپنی کتاب (ازالہ اوہام ص۷۶،۷۷، خزائن ج۳ ص۱۴۰) پر قادیان کا اعزاز ثابت کرنے کے لئے لکھا ہے۔ ”ایک روز کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم مرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر بآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا کہ ”انا انزلناہ قریبًا من القادیان“ تو میں نے سن کر بڑا تعجب کیا کہ کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے۔ تب میں نے نظر ڈال کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن کے دائیں صفحہ شاید قریب نصف کے موقع پر ہی یہ الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔ تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے اور میں نے کہا تین شہروں کا نام بڑے اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے۔ مکہ اور مدینہ اور قادیان۔“

اب خود ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا قرآن مجید کے بارے میں ان تحریرات کے بعد مرزا قادیانی اوراس کے اندھے مقلدین یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔

لعنۃ اللہ علی الکذبین

''مرزاغلام احمد قادیانی کے نزدیک ملت اسلامیہ سڑاہوادودھ ہے۔''

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

''ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کوفراموش نہیں کرنا چاہئے۔ بانی تحریک (مرزاغلام احمد قادیانی) نے ملت اسلامیہ کوسڑے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اوراپنی جماعت کوتازہ دودھ سے اوراپنے مقلدین کوملت اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کاحکم دیا تھا۔

علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار، اپنی جماعت کا نیانام (احمدی) مسلمانوں کی قیام نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اوران کا سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ دنیائے اسلام کافر ہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پردال ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں دور ہیں۔ جتنے سکھ، ہندوؤں سے، کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہندومندروں میں پوجانہیں کرتے۔ اس امر کو سمجھنے کے لئے کسی خاص ذہانت یاغوروفکر کی ضرورت نہیں ہے کہ جب قادیانی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ پھر وہ سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل رہنے کے لئے کیوں مضطرب ہیں؟'' (حرف اقبال ص۱۳۷،۱۳۸)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

بیانات مرزا

جناب مولانا ابو سعید محمد شریف قریشی جہلمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجمالی فہرست

سبب تالیف کتاب ---------- ۲۱
مقدمہ، بیانات مرزا ---------- ۲۲
بیان اوّل ---------- ۲۳
دوسرا بیان ---------- ۲۴
بیان سوم ---------- ۲۵
بیان چہارم ---------- ۲۵
بیان پنجم ---------- ۲۵
بیان ششم ---------- ۲۶
بیان ہفتم ---------- ۲۷
آٹھواں بیان ---------- ۲۸
بیان نہم ---------- ۲۹
بیان دہم ---------- ۳۰
بیان یازدہم ---------- ۳۱
بیان دوازدہم ---------- ۳۱
بیان سیزدہم ---------- ۳۳
بیان چہاردہم ---------- ۳۴
بیان پانزدہم ---------- ۳۵
بیان شانزدہم ---------- ۳۶
بیان ہفدہم ---------- ۳۶
بیان ہیزدہم ---------- ۳۷
بیان نوزدہم ---------- ۳۷
بیان بستم ---------- ۳۹
اکیسواں بیان ---------- ۴۰
بائیسواں بیان ---------- ۴۰
تیئسواں بیان ---------- ۴۱
چوبیسواں بیان ---------- ۴۱
پچیسواں بیان ---------- ۴۲
چھبیسواں بیان ---------- ۴۳
ستائیسواں بیان ---------- ۴۴
اٹھائیسواں بیان ---------- ۴۴
انتیسواں بیان ---------- ۴۵
تیسواں بیان ---------- ۴۶
اکتیسواں بیان ---------- ۴۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبب تالیف کتاب

ہمارے ملک پنجاب ضلع گورداسپور میں ایک قریہ ہے جس کا نام قادیان ہے۔ وہاں مرزاغلام احمد نامی ایک شخص بقول خود کئی ایک عہدوں پر فائز المرام ہونے کے مدعی تھے۔ اس لئے آپ کے پیرو بھی صاحب ممدوح کی نسبت مختلف الخیال ہیں۔ کوئی تو آپ کو ولی اللہ اور محض مجدد ہی ماننے پر اکتفاء کرتا ہے اور کوئی برگزیدہ خدا، مسیح موعود اور ظلی نبی کہہ کر اپنی خوش اعتقادی کا ثبوت دیتا ہے۔ البتہ مامور من اللہ اور ملہم خداوندی ہونے پر سب کے سب متفق ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ مرزا قادیانی نے اپنے تئیں رسول اور نبی کا مصداق جانا۔

چونکہ اہل اسلام بعد آنحضرت ﷺ ہر مدعی نبوت کو ازروئے تعلیم شریعت کاذب سمجھتے ہیں۔ اس لئے مرزا قادیانی کو مسیح موعود یا مامور من اللہ ماننے سے محترز رہے۔ صاف اور صریح لفظوں میں مرزا قادیانی کی تکذیب پر کمربستہ ہوگئے تو اس پر مرزا قادیانی نے اپنی صداقت کے لئے ایک دوبار بدیں الفاظ پیش کیا۔ ’’ہمارا صدق کذب جانچنے کے لئے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر کوئی محک ....نہیں ہوسکتا۔‘‘

اس پر جناب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری نے آپ کے الہامات اور پیش گوئیوں پر محققانہ تبصرہ لکھا اور ایسی تغلیط فرمائی کہ جملہ دعاوی مرزا خاک میں مل گئے۔ چاہئے تھا کہ مرزا قادیانی اور آپ کے حواری جھوٹی شوخی اور بے جا تعلّی چھوڑ کر خاموش ہو جاتے۔ لیکن وہ ایسا کرنے کے عوض بیش از پیش سرگرمی دکھانے لگے اور مرزائیت کی شہرت عالمگیر ہوگئی اور بعض مخلصین اس کو صداقت مرزا پر عرض کرنے لگے۔

احباب نے مجبور کیا کہ ہم بھی اپنے فیصلے پر جو مرزاغلام احمد قادیانی کی نسبت ہم نے قبل ازیں دیا تھا۔ نظرثانی کریں۔ چنانچہ ازسرنو مرزائی لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا۔ متواتر کتب بینی اور مذاکرات کے بعد اس نتیجہ پر جا پہنچے کہ مرزا قادیانی نہ تو مسیح موعود ہیں۔ نہ مجدد و مامور ہیں۔ دعویٰ نبوت میں بھی سچے نہیں۔ بلکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو مرزا قادیانی بحالت موجودہ ازروئے تحریرات مستندہ ومسلمہ ایک راست باز انسان بھی نہیں قرار دیئے جاسکتے۔ چہ جائیکہ نبی ورسول اور مامور من اللہ مان کر تحقیقات وتصریحات مذہبی میں ان کا قول قول فیصل سمجھا جائے یا کم ازکم اختراعات مرزا کا اتباع کیا جاوے اور ہمارے اس دعوے پر حسب ذیل دلائل ہیں۔ جن کی

موجودگی میں ہر منصف یہ رائے قائم کرنے میں حق بجانب ہوسکتا ہے کہ مرزا قادیانی دجال، کذاب اور معمولی شخصیت کے آدمی تھے۔’’وان ارید الا الاصلاح وما توفیقی باللہ وتوکلت علیہ والیہ انیب‘‘ خاکسار مؤلف

مقدمہ ...... بیانات مرزا

چونکہ مرزا قادیانی ہمارے سامنے ایک مخبر کی حیثیت میں پیش ہوئے ہیں۔اس لئے ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم آپ کے فرمان (کہ میں مسیح موعود ہوں اور جز’’ابن مریم مرگیا حق کی قسم‘‘ کہ تصدیق کرنے سے پیشتر آپ کو مخبرانہ حیثیت سے جانچیں۔اگر آپ راست باز نکلیں تو آپ کی خبر کو سچا جان کر تصدیق کریں اور اگر برخلاف اس امر کے، کاذب یا غلط گو ثابت ہوجائیں تو آپ سے دور ہی رہنے میں اپنی بہتری خیال کریں اور آپ کی کسی بات کی افواہ وہ بظاہر کتنی ہی مفید یا مضر کیوں نہ نظر آئے) کی بھی تائید نہ کریں جب تک کہ کوئی دوسرا معتبر شخص ایسا کہنے والا نہ پائیں۔کیونکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ کسی خبر کا غلط یا صحیح ہونا ازروئے واقعات ہوتا ہے یا مخبر کے صدق یا کذب پر موقوف ہے اور خبر میں سامع کو صدق وکذب ہردو کا احتمال ہوتا ہے۔یہی سبب ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک میں یہ قانون رائج ہوگیا ہے کہ خبر کی فوری تصدیق یا مطلق انکار سے پہلے مخبر کو اپنے حالات یا دیگر مقالات سے جانچا جائے۔اگر کاذب ثابت ہو تو ہرگز اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔نہ ہی اس کی بیان کردہ بات پر مدارکار رکھیں۔

الحمدللہ! ہمارا یہ اصول مرزا قادیانی کے نزدیک بھی مسلم ومستند ہے۔اپنی کتاب چشمہ معرفت میں لکھتے ہیں:’’جو کوئی ایک بات میں جھوٹا ہوجائے اس کی باقی دوسری باتوں پر بھی اعتبار نہیں رہتا۔‘‘ (چشمہ معرفت ص۲۲۲، خزائن ج۲۳ ص۲۳۰)

پس ہم صدق وکذب مرزا کے لئے گواہی بھی تحریرات مرزا ہی سے پیش کریں گے اور اگر ضرورت ہوئی تو اقوال مرزائیہ کو بھی بطور تائید نقل کریں گے۔تاکہ کوئی شخص بعد میں یہ نہ کہہ سکے کہ مخالفین مرزا کی گواہی قابل پذیرائی نہیں۔اس طرح محققین ومتلاشیان حق کو مرزا قادیانی کی بابت صحیح رائے قائم کرنے میں آسانی ہوگی۔اگر آپ صداقت شعار نظر آئے تو آپ کا ساختہ پرداختہ واقعی منظور کرنا پڑے گا۔خدانخواستہ اگر غلط گوئی یا کذب بیانی آپ کا پیشہ اور معمول نکلا تو مرزائیوں کو مخاطب کر کے یہ تو کہہ سکیں گے ؎

کس بت پہ مر رہے ہو دیتے ہو جان کس پر؟
عاشق ہوتے ہو کس پر اور کس کے معتقد تھے؟

اور مرزا قادیانی کے اس قول کو بھی مردود کرنا پڑے گا ؎

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے
من بعرفاں نہ کمترم زکسے
آنچہ دادہ است ہر نبی راجام
دادآں جام را مرابتمام

داعی الی الحق: ابوسعید محمد شریف قریشی

بیان اوّل

جناب مرزا قادیانی اپنی مایۂ ناز کتاب (تحفہ گولڑویہ ص۴۳ حاشیہ، خزائن ج۱۷ ص۲۱۱) میں ایک روایت بدیں الفاظ نقل کرتے ہیں: ''نسائی نے ابوہریرہؓ سے دجال کی صفت میں آنحضرتﷺ سے یہ حدیث لکھی ہے:''یخرج فی آخر الزمان دجال یختلون الدنیا بالدین یلبسون للناس ''یعنی آخری زمانہ میں ایک گروہ دجال نکلے گا۔ وہ دنیا کے طالبوں کو دین کے ساتھ فریب دیں گے۔ یعنی اپنے مذہب کی اشاعت میں بہت سامال خرچ کریں گے۔''

مرزا قادیانی کو ہم اس بیان میں جھوٹا جانتے ہیں۔ کیونکہ اصل حدیث میں یہ لفظ رجال بالراء ہے۔ جس کے معنی بہت سے لوگ ہیں۔ دجال بالدال نہیں۔ بلکہ مرزا قادیانی نے رجال کو دجال لکھ کر عام مسلمانوں کو فریب دیا ہے۔ رفع اشتباہ کے لئے ہم مشکوٰۃ شریف ج۲ ص۴۵۴ سے اس حدیث کو اصلی الفاظ میں پیش کئے دیتے ہیں۔ وہو ہذا!

''یخرج فی آخر الزمان رجال یختلون الدنیا بالدین ''مطلب یہ کہ آخری زمانے میں بہت سے لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو دین کے ساتھ دنیا کمائیں گے اور یہ حدیث تو دراصل مرزا قادیانی جیسے دنیاداروں اور نمائشی آدمیوں کے حق میں تھی مگر مرزا قادیانی نے خواہ مخواہ ایک واحد شخص مسیح الدجال (جو قرب قیامت ظاہر ہوگا) پر اس کو چسپاں کر دیا۔

کیا کوئی علم وفضل کا مدعی مرزائی ہے جو ہمیں مرزا قادیانی کے منقولہ الفاظ میں یہ حدیث (حدیث کی کسی مستند اور صحیح الطبع کتاب جس میں صحت کتابت احادیث کا خاص التزام کیا گیا ہو) دکھا دے؟ اور اگر ایسا کرنا ان کے مقدور سے باہر ہے جیسا کہ ہمیں تجربہ سے معلوم ہے تو براہ کرم وہ ہمیں مرزا غلام احمد کذاب تھا کہنے میں برحق خیال کریں اور یہ طعن ہرگز نہ دیں کہ غیر احمدی مرزا غلام احمد قادیانی کو بلاوجہ کذاب کہتے ہیں۔ مرزائیو! سچ ہے تم افراط وتفریط میں جا پھنسے ہو اور ہم حداعتدال سے نہیں بڑھے۔ خدا تمہیں بھی اس امر کی توفیق بخشے تاکہ پنجۂ دجال سے نجات پاؤ۔ آمین!

دوسرا بیان

مرزا قادیانی جھوٹ بولنے کے عادی تھے۔ جھوٹ بول کر مخالفین پر رعب جمانے میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ عوام تو درکنار آپ خدا اور اس کے سچے رسول پر افتراء کرنے سے بھی نہیں باز آتے تھے۔ چنانچہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے آپ کا ایک تحریری بیان نقل کرتے ہیں جو دو افتراؤں سے مرکب ہونے کی وجہ سے ڈبل جھوٹ کہلانے کا مستحق ہے۔ کیونکہ اس میں مرزا قادیانی نے بدو وجہ جھوٹ بولا ہے۔ اوّلاً امام بخاری کی صحیح بخاری پر۔ ثانیاً سیدنا ومولانا آنحضرت ﷺ پر۔

بہر حال مرزا قادیانی فرماتے ہیں: بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے آواز آئے گی۔ ’’ھٰذا خلیفة اللہ المھدی‘‘ (شہادت القرآن ص۴۱، خزائن ج۶ ص۳۳۷)

ہمارا مطالبہ

مرزائی علماء سے ہمارا صرف اسی قدر مطالبہ ہے کہ وہ یہ حدیث مرزا قادیانی کے منقولہ الفاظ میں صحیح بخاری میں دکھادیں۔ ورنہ ہمارے ساتھ متفق ہوکر اتنا کہہ دیں کہ یہ مرزا قادیانی نے جھوٹ لکھا ہے۔

دفع دخل

بعض ہوشیار مرزائی اس گرفت سے تنگ آکر منہ چڑانے لگ جاتے ہیں۔ ٹال مٹول کی غرض سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس مقام پر بخاری کا لفظ سہو کاتب ہے اور واقعی اگر یہ ہے کہ تو ہمارا کوئی حق نہیں کہ مرزا قادیانی کی نسبت ایسا خیال رکھیں جس کے حقیقتاً آپ متحمل نہیں۔ مگر اس کا تصفیہ یونہی نہیں ہوسکتا۔ تاوقتیکہ مرزا قادیانی کا اصل مسودہ دکھا کر یہ نہ ثابت کرلیں کہ اصل مسودہ میں یہ لفظ نہیں۔ اگر طبع شدہ شہادت القرآن میں سے بھی نکلے تو سوائے اس کے نہیں کہ کاتب کی ایجاد ہے۔

ورنہ اگر بلا اصل مسودہ دیکھئے اور دکھایئے یہ مان لیا جاسکتا ہے یا ایسا عذر صحیح ہوسکتا ہے تو کتاب مذکور کے ہر لفظ اور ہر فقرے کی بابت یہ کہا جاسکتا ہے کہ سہو کاتب ہے۔ جس کو کوئی پڑھا لکھا عاقل غالباً منظور نہیں کرے گا۔ فافہم!

بیان سوم

مرزا قادیانی (ریویو آف ریلیجنز ج ۲ نمبر۱۱،۱۲ ص ۴۳۷، بابت ماہ نومبر، دسمبر ۱۹۰۳ء) میں فرماتے ہیں: ’’اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ اس مسیح موعود کی تیرھویں صدی میں پیدائش ہوگی اور چودھویں صدی میں اس کا ظہور ہوگا۔‘‘

کیا کوئی مرزائی ہے جو مرزا قادیانی کی محولہ احادیث بصحت سند مرفوع حدیث کی صحیح الطبع کتاب سے دکھائے جن سے مرزا قادیانی کا بیان سچا تسلیم کیا جاسکے؟ اور یہ ترجمہ ہوسکے جو بڑے میاں کرتے ہیں۔ دیدہ باید!

بیان چہارم

’’آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کسی شہر میں وبا نازل ہو تو اس شہر کے لوگوں کو چاہئے کہ بلاتوقف اس شہر کو چھوڑ دیں۔‘‘

(اشتہار اگست ۱۹۰۷ء، اخبار بدر قادیان ج ۶ نمبر ۳۵ ص ۹، مورخہ ۲۲؍ اگست ۱۹۰۷ء)

یہ بھی قادیانی نبی کا جھوٹ ہے۔ کسی مرفوع اور صحیح حدیث میں یہ مضمون نہیں۔ حامیان دجال غور کریں۔

بیان پنجم ...... سفید جھوٹ

مرزا غلام احمد قادیانی جن کو خدا جانے مرزائی کن کن القابات سے مخاطب کرتے ہیں اپنی آخری تصنیف حقیقت الوحی میں ارشاد فرماتے ہیں: ’’مجدد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اگرچہ اس امت کے بعض افراد مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہیں اور قیامت تک مخصوص رہیں گے۔ لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جائیں۔ وہ نبی کہلاتا ہے۔‘‘ (حقیقت الوحی ص ۳۹۰، خزائن ج ۲۲ ص ۴۰۶)

اس عبارت پر مرزا قادیانی نے بھی خط کھینچا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت پوری کی پوری مجدد صاحب کے کلام کا ترجمہ ہے۔ بس اس عبارت کی بابت ہمارا مطالبہ ہے کہ مجدد صاحب کے مکتوبات میں ہمیں دکھادو۔ اگر نہ دکھا سکو یا وہ عبارت مکتوبات شریف میں تمہیں نہ ملے۔ جس کا یہ ترجمہ ہوسکے جو مرزا قادیانی نے لکھا ہے تو مرزائیہ کو چاہئے کہ ہمارے دعویٰ کہ ’’مرزا قادیانی کا جھوٹ بولنا اس کا معمول تھا‘‘ کی تصدیق کریں۔ کیونکہ دروغگو کی متابعت

کرنا شان مسلمان نہیں ہے۔ الحذر اے مرزائیاں الحذر!

بیان ششم

مرزا قادیانی کی کذب بیانی تقریباً ہندوستان بھر میں ضرب المثل ہوچکی ہے۔ کیونکہ دروغ بافی اور افتراء پردازی میں جتنا ملکہ آپ کو حاصل تھا کوئی بڑا کذب بھی اس کا لگا نہیں کھا سکتا۔ چنانچہ مرزا قادیانی کی افتراء پردازی کا نمونہ مندرجہ ذیل ہے۔ جس پتہ لگ جائے گا کہ مرزا قادیانی موصوف کس قماش کے بزرگ تھے؟ اور مرزائی ان کو اپنا بزرگ ماننے اور دوسروں کو منوانے میں کہاں تک حق بجانب ہیں؟

''غرض موتہ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف۔ اس وجہ سے اس آیت کی دوسری قرأت میں موتہم واقع ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھرتی تو دوسری قرأت میں موتہم کیوں ہوتا۔ دیکھو تفسیر ثنائی کہ اس میں بڑے زور سے ہمارے اس بیان کی تصدیق موجود ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابوہریرہؓ کے نزدیک یہی معنی ہیں۔ مگر صاحب تفسیر لکھتا ہے کہ ابوہریرہؓ فہم قرآن میں ناقص ہے اور اس کی درایت پر محدثین کو اعتراض ہے۔ ابوہریرہؓ میں نقل کرنے کا مادہ تھا۔ درایت اور فہم سے بہت ہی کم حصہ رکھتا تھا اور میں کہتا ہوں اگر ابوہریرہؓ نے ایسے معنی کئے ہیں تو یہ اس کی غلطی ہے۔ جیسا کہ اور کئی مقام میں محدثین نے ثابت کیا ہے کہ جو امور فہم اور درایت کے متعلق ہیں۔ اکثر ابوہریرہؓ ان کے سمجھنے میں ٹھوکر کھاتا ہے اور غلطی کرتا ہے۔''

(ضمیمہ براہین احمدیہ ص۲۳۴ ج۵، خزائن ج۲۱ ص۴۱۰)

ہمارا مطالبہ

پس جو لوگ مرزا قادیانی کو صداقت شعار سمجھتے ہیں وہ بتائیں کہ تفسیر ثنائی مصنفہ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ سردار جماعت اہل حدیث (مولوی فاضل) امرتسری کی کون سی جلد میں اور کس صفحہ پر یہ مضمون ہے؟ بہتر ہوگا اگر مرزائی مہربانی کر کے اصل عبارت نقل کریں اور حوالہ صحیح دیں اور اگر وہ تفسیر ثنائی کی کوئی عبارت نقل نہ کریں جس کا یہ مضمون ہو کہ ابوہریرہ فہم قرآن میں ناقص (غبی) ہے تو اس سے صاف سمجھا جائے گا کہ مرزا قادیانی نے اس تحریر میں حضرت ابوہریرہؓ پر افتراء باندھا ہے اور دوسرا جھوٹ یہ کہا کہ تفسیر ثنائی میں لکھا ہے کہ ابوہریرہؓ فہم قرآن میں

ناقص ہے۔حالانکہ عرف[1] عام میں تفسیر ثنائی کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے۔اس میں یہ عبارت کہیں نہیں۔پس اے ناظرین اب بھی اگر ہم مرزا قادیانی کو دروغ باف (جھوٹا) نہ کہیں تو آپ ہی ازروئے انصاف بتائیں۔ایسے مفتری اور کاذب کو سچا کہہ کر یا اس کی بتائی باتوں پر اعتبار کر کے ہم حق بجانب رہ سکتے ہیں یا ایسے مہر نیمروز کی طرح چمکنے والے جھوٹے بیانات کی ماجودگی میں مرزا قادیانی ہی راست باز یا نبی ہو سکتے ہیں؟ جن کے ارشادات کا بلاچون وچرا اور بغیر تحقیق کئے مان لینا فرائض مؤمنین میں داخل ہے۔میرے دوستو! مرزائیوں کو سنا کر کہہ دو۔

ابھی دلربائی کے انداز سیکھو آساں نہیں دل لبھانا کسی کا

بیان ہفتم

مرزا قادیانی کی تحریرات میں ایک روایت مرفوعاً بالفاظ ذیل لکھی ہے:''**فاخبر رسول اللہ ﷺ خیر الانام ان الشمس تنکسف عند ظہور المہدی فی النصف من ہذا الایام یعنی الثامن والعشرین**''

(نور الحق حصہ دوم ص۱۹، خزائن ج۸ ص۲۰۹)

اس قادیانی قول کا ثبوت ہمیں کتب احادیث میں نظر نہیں آیا۔اس لئے مرزا قادیانی کو ان کے اس بیان میں بھی مثل عقیدہ ثانیہ (کہ مرزا قادیانی کی زبان اور قلم آشنائے صدق نہ تھی) کاذب جانتے ہیں۔ہاں! اگر علم وفضل کا مدعی کوئی قادیانی کسی کتاب حدیث میں یہ روایت مرفوعاً نبی علیہ السلام کا قول بالفاظ منقولہ مرزا قادیانی دکھادے تو اس بیان میں ہم اپنی خطا کا اقرار کر لیں گے اور ساتھ ہی ہمارے مطالبہ کو پورا کرنے والے کو پچاس روپیہ نقد انعام بھی دیں گے۔جو بوقت فیصلہ کسی مسلمہ امین کے ہاں جمع کرادیا جائے گا۔

مرزائیو! بولو کیا کہتے ہو؟

مجھ سا مشتاق نہ جہاں میں پاؤ گے کہیں گرچہ ڈھونڈو گے چراغ رخ زیبا لے کر

---

[1] بعض لوگ مرزا قادیانی کے ساتھ دل لگی کرتے ہوئے تفسیر ثنائی سے تفسیر مظہری مصنفہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مراد لیتے ہیں۔گو مرزا قادیانی کا یہ منشاء کہ وہ تفسیر ثنائی سے تفسیر مظہری مراد لیتے ہیں۔ان کی کسی تحریر میں ہماری نظر سے نہیں گزرا۔تاہم مرزائیوں کو معذور جان کر یہ بھی مان لیتے ہیں اور ان کو موقعہ دیتے ہیں کہ تفسیر مظہری سے ہی یہ عبارت دکھادیں جو انہوں نے ابوہریرہؓ کی نسبت لکھی ہے کہ ابوہریرہؓ فہم قرآن میں ناقص تھا۔وغیرہ!

آٹھواں بیان

بعض لوگ مرزاقادیانی کو معمولی سچا آدمی خیال کرتے ہیں اور بعض موافق سچا ملہم اور نبی اللہ مانتے ہیں۔ ہمیں ہر دو کے بیانات کی تسلیم اور تصدیق میں تأمل ہے۔ کیونکہ (ہم اپنے خیالات متعلقہ مرزاقادیانی پر چند ایک دلائل رکھتے ہیں) بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ مرزاقادیانی نے ایک بات کہی بلکہ خداتعالیٰ کا اس کو الہام بھی بتایا۔ مگر جب باد مخالف کو دیکھا تو فوراً پہلے قول سے انکار کر دیا۔ بعض آدمی جن کو مرزاقادیانی کے پہلے الہامات یاد نہ ہوں وہ مرزاقادیانی کے دام افتادگان میں داخل ہو جائیں تو جائے تعجب نہیں۔ لیکن ہم علیٰ وجہ البصیرت ایسا کریں تو کیوں؟ چنانچہ بات کہہ کر پھر مکر جانے پر مرزاقادیانی کی مسلمہ تحریرات مندرجہ ذیل بطور گواہ ہیں۔ وہو ہذا!

مرزاقادیانی فرماتے ہیں: ''ہمارے ایک مخلص دوست (مولوی عبدالکریم) اسی بیماری سرطان (کاربنکل) سے فوت ہوگئے تھے۔ ان کے لئے میں نے دعا کی تھی مگر ایک بھی الہام ان کے لئے تسلی بخش نہ تھا۔'' (حقیقت الوحی ص۳۲۶، خزائن ج۲۲ ص۳۳۹)

حالانکہ بقول مرزاقادیانی جب تو دعا کرے تو میں سنوں گا۔ یہ خدائی وعدہ ہے۔ خیر ہمیں اس سے غرض نہیں۔ ہمارے مطلب کی بات آ گے ہے۔ جس سے پتہ چلے گا کہ ''ایک الہام بھی مولوی عبدالکریم کے لئے تسلی بخش نہ تھا۔'' بیان کرنے میں مرزاقادیانی کہاں تک سچے ہیں۔ ناظرین حقیقت الوحی ۱۹۰۸ء کی تصنیف ہے اور اس سے کئی سال پہلے کی تحریرات ہم یہاں درج کرتے ہیں جن سے معلوم کیا جائے گا کہ مولوی عبدالکریم کی بابت تسلی بخش الہام ہوئے۔ مرزاقادیانی نے ان کو تسلی بخش سمجھا، اوروں کو سمجھایا۔

۲۱؍ستمبر کو مرزاقادیانی، مولوی عبدالکریم کے لئے بہت دعا کرتے رہے۔ پر الہام ہوا:

''طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع'' (اخبار الحکم ج۹ نمبر۳۳ ص۲ کالم۴ حاشیہ، مورخہ ۲۴؍ستمبر ۱۹۰۵ء)

ناظرین کیا مرزاقادیانی کا یہ الہام مولوی عبدالکریم کی صحت یابی کے متعلق تسلی بخش ہونے میں کسی تشریح کا محتاج ہے؟ کیا بفرض محال مولوی عبدالکریم صحت پا جاتے تو صرف اسی ایک الہام کو لے کر مرزاقادیانی کودتے؟ اور اپنے الہام کا ہر موقعہ پورا ہونا دیکھ کر مرزاقادیانی جامے میں سما سکتے تھے؟ اور للکار کر اپنے مخالفین کو ۱۰؍اکتوبر ۱۹۰۵ء کے مندرجہ ذیل الہامات پر متوجہ نہ کرتے؟

۱...... ’’آج کل چونکہ مولوی عبدالکریم کے واسطے بہت دعا کی جاتی ہے۔اس واسطے امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو شفا دے گا۔‘‘

۲...... ’’اس سے بظاہر مولوی صاحب کی طرف اشارہ ہے۔‘‘

۳...... ’’آج تک جس قدر الہامات اور مبشرات ہوئے تھے ان میں نام نہ تھا۔لیکن آج تو اللہ تعالیٰ نے خود مولوی عبدالکریم کو دکھا کر صاف طور پر بشارت دی ہے۔‘‘

۴...... ’’کفن میں لپیٹا گیا‘‘ ’’ان المنایا لا تطیش سھامھا‘‘ (یہ عبارت مرزا قادیانی کی ہے) یہ اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ قضا وقدر تو ایسی ہی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے رد بلا کر دیا۔(یعنی مولوی عبدالکریم اب نہیں مرے گا)‘‘

(الحکم ج۹ نمبر۳۲، مورخہ ۱۰؍ستمبر ۱۹۰۵ء)

آپ کا مردود الدعا ہونا اور خودساختہ باتوں کو الہام جتا کر شائع کرنا ہم مانتے ہیں۔ مرزائیو! دیکھا، ہم نے مرزائی دروغ گوئی اور کذب بیانی کا کیسے ثبوت دیا؟ جو مرزائی ہمارے ان حوالہ جات کو غلط ثابت کرے گا اس کو بھی انعام دیا جائے گا۔

بیان نہم

مرزاغلام احمد قادیانی ازالہ اوہام تقطیع کلاں بار سوم میں صحیح مسلم سے نواس بن سمعان کی ایک روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ’’یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے۔جس کو ضعیف سمجھ کر رئیس المحدثین امام بخاری نے چھوڑ دیا ہے۔‘‘

(ازالہ اوہام ص۲۲۰، خزائن ج۳ ص۲۰۹)

چونکہ مرزا قادیانی نے اپنے اس تحریر بیان کی صحت پر کوئی حوالہ نقل نہیں کیا جہاں سے ملاحظہ کر لینے کے بعد کوئی محقق مرزا قادیانی کا بیان تصدیق کر سکے کہ واقعی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا روایت (نواس بن سمعان) کو ضعیف جان کر چھوڑ دیا ہے۔اس لئے ہم اپنے تجربہ کی بناء پر کامل یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر یہ افتراء کیا ہے۔کیا کوئی علم وفضل کا مدعی مرزائی مرزا قادیانی کے اس دروغ بے فروغ کو سچ بتا سکتا ہے؟ یا مرزا قادیانی کی تحریر کا حوالہ بتا سکتا ہے؟ جہاں امام بخاری نے اس حدیث کے متعلق اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہو۔جیسا کہ ارشاد مرزا سے مفہوم ہوتا ہے؟ جب تک مرزائی عالم ہمیں اس کا پورا پورا پتہ نہ بتائیں گے ہم مرزا قادیانی کو مفتری اور کذاب کہنے میں روبحق متصور ہوں گے۔

اور بقول شخصے

رسول قادیانی کی رسالت ، شرارت ہے بطالت ہے جہالت ہے
کہیں تو مرزائیوں کا چیخنا اور چلانا ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے؟

بیان دہم

تحریر اوّل

’’حضرت مسیح کو واقعہ صلیب ۳۳ سال کی عمر میں پیش آیا تھا۔‘‘

(راز حقیقت ص۲، خزائن ج۱۴ ص۱۵۵)

تحریر دوم

’’احادیث میں آیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد عیسیٰ ابن مریم نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی۔ پھر فوت ہوکر اپنے خدا سے جاملا۔‘‘ (تذکرۃ الشہادتین ص۲۷، خزائن ج۲۰ ص۲۹)

اس پر ہمارا یہ سوال ہے کہ چونکہ ہر تحریرات میں عمر مسیح کی نسبت مرزا قادیانی نے جو کچھ لکھا ہے احادیث کی بناء پر لکھا ہے۔ دوسرے جب کہ تذکرہ والی عبارت میں صریحاً لفظ بعد لکھا ہوا موجود ہے۔ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ مرزا قادیانی کے نزدیک حضرت عیسیٰ ابن مریم کی عمر ۱۵۳ سال ہوئی۔ پس مرزا قادیانی کا حضرت مسیح ابن مریم کی عمر کو ۱۵۳ سال کہنا کس سند اور مستند کتاب کے معتبر حوالہ سے ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بعد واقعہ صلیب (بقول مرزا قادیانی) ۱۲۰ سال زندہ تسلیم کرنا جب احادیث کی بناء پر ہے تو ہم ایسے محقق کی نسبت کیسے یہ یقین کرلیں کہ ۳۳ سال قبل از واقعہ صلیب حضرت مسیح کا عمر پانا اس (مرزا قادیانی) کا بلا ثبوت حدیث ہے۔

پس اسی پر ہمارا یہ مطالبہ ہے جو ان دونوں عبارتوں کے ملانے سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ساری عمر (قبل از وقوعہ صلیب وبعد واقعہ صلیب) ۱۵۳ سال کی ہوئی تھی۔ کن صحیح حدیثوں سے ثابت ہے؟ اگر مرزائیو! مرزا قادیانی نے تمہیں ۱۵۳ سال عمر والی حدیث نہیں بتائی تھی تو سچ بتاؤ تم نے کیسے یقین کرلیا؟ کیا تمہارے نزدیک کوئی جھوٹا آدمی بھی مسیح موعود ہوسکتا ہے؟ اگر کذاب مسیح موعود نہیں ہوسکتا تو کذبات مرزا کی کیا تاویل کرتے ہو؟ جس سے مرزا قادیانی جھوٹے بھی گو ہو جائیں۔ لیکن تمہاری عقیدت میں رائی بھر فرق نہیں آسکتا؟

ناظرین! کیا ان دونوں عبارتوں کے ملانے سے صاف نہیں سمجھا جاتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ساری عمر بقول مرزا قادیانی احادیث کی رو سے ۱۵۳ سال کی ہوئی تھی۔ بس ایسی حدیثوں کا ثبوت ہم چاہتے ہیں جو محال ہے۔ ہم منتظر ہیں۔ مرزائی عالم حدیثوں کا ثبوت دیتے ہیں یا اس امر کا اعتراف کرتے ہیں۔ جھوٹ مرزا قادیانی کا معمول عام تھا۔

بیان یازدہم

مرزا قادیانی نے لکھا ہے: ’’کافی حصہ اس قسم کی حدیثوں کا موجود ہے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس برس لکھی ہے اور جن میں بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ وموسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کرتے۔‘‘ (اربعین نمبر۲ ص۲۶، خزائن ج۱۷ ص۳۷۴)

یہ کسی حدیث صحیح میں نہیں۔ یعنی اگر عیسیٰ اور موسیٰ زندہ ہوتے تو میری پیروی کرتے۔ کسی حدیث کا ترجمہ نہیں بالخصوص کسی حدیث متصل السند اور صحیح میں عیسیٰ نہیں آیا۔ البتہ ’’**لو کان موسٰی حیًا لما وسعہ الا اتباعی**‘‘ بروایت جابر مشکوٰۃ شریف ص۳۰ میں اور مرقات ص۲۰۶ اور ۲۰۷ ج۱ میں مذکور ہے۔

بیان دوازدہم

(کتاب کنز العمال ج۷ ص۲۶۸، مختصر کنز برحاشیہ مسند احمد ج۶ ص۵۶) پر ایک حدیث بایں الفاظ لکھی ہے: ’’**ینزل اخی عیسٰی ابن مریم من السما علی اجبل افیق امامًا**‘‘

یعنی ابن عباس نے کہا کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم آسمان سے امام عادل ہوکر اتریں گے۔ وغیرہ!

اس حدیث کو مرزا قادیانی نے اپنی کتاب (حمامتہ البشریٰ ص۸۸،۸۹، خزائن ج۷ ص۳۱۲) پر یوں نقل کیا ہے: ’’**فی حدیث ابن عباس قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ینزل اخی عیسٰی ابن مریم علٰی جبل افیق امامًا**‘‘ بکمال ہوشیاری اور عیاری ابن مریم کے بعد کا لفظ ’’**من السماء**‘‘ جو حدیث کنز العمال میں علیٰ جبل افیق سے پہلے لکھا ہے، چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ وہ آپ کے دعویٰ مندرجہ (حمامتہ البشریٰ ص۱۸، خزائن ج۷ ص۱۹۷) کے مخالف تھا۔ مرزا قادیانی کا دعویٰ انہی کے الفاظ میں نقل کرنے کے بعد دروغ مرزا کا ثبوت دیں گے۔

مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ’’**والعجب من القوم انہم یفھمون من نزول**[1] **عیسیٰ نزول من السماء ویزیدون لفظ السماء من عندھم ولا تجد اثرا منہ فی الحدیث**‘‘ (حمامتہ البشریٰ ص۱۸، خزائن ج۷ص۱۹۷)

یعنی تعجب ہے کہ علمائے اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے سمجھتے ہیں کہ وہ آسمان سے اتریں گے اور ’’سماء‘‘ کا لفظ اپنے پاس سے زیادہ کرتے ہیں اور تم کسی حدیث میں اس کا ہرگز نشان نہ پاؤ گے۔

ناظرین مرزا قادیانی یہاں دو دعوے کئے ہیں۔ اوّل یہ کہ علمائے اسلام ’’سما‘‘ کا لفظ اپنی طرف سے ایزاد کرتے ہیں۔ دوم کسی حدیث میں ’’سما‘‘ کا لفظ ہرگز نہیں۔ لیکن معزز ناظرین سے صرف اتنا التماس ہے کہ وہ ہماری نقل کردہ حدیث رسالہ ہذا بحوالہ کنز العمال اور مختصر کنز پر نظر فرمائیں کہ اس روایت میں لفظ ’’من السماء‘‘ آیا ہے یا نہیں۔ اگر آیا ہے تو مرزا قادیانی نے یہ علماء کرام پر افتراء کیا یا نہیں۔ ’’...... **یزیدون لفظ السماء من عندھم**‘‘ لیکن جب خود یہی حدیث نقل کرتے ہیں تو یہودیانہ کتر و بیونت سے باز نہیں آتے اور ’’**من السماء**‘‘ صریحاً ہضم کر جاتے ہیں۔

مرزائیو بولو! شیشے کا گھر بنا کر اوروں پر پتھر برسانے والا کون ہوتا ہے؟

دوستو! کیا ہمارا حق نہیں کہ ایسے خائن کو دجال اور کذاب کہیں؟ یا جو خبر یا روایت آپ کی وساطت سے ہم تک پہنچے بغیر تحقیق کئے تسلیم نہ کریں۔ کیونکہ ہم آپ (مرزا قادیانی) کو معتبر راوی خیال نہیں کرتے۔ مخبر صادق پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ کاذب کی کوئی نہیں سنتا اور مرزا قادیانی کا کاذب ہونا لاکلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا قادیانی اگر کوئی حدیث بیان کرے یا کسی واقعہ کی بابت خبر دے یا کوئی روایت بیان کرے تو فوراً ہم یقین نہیں کر لیتے۔ بلکہ مرزا قادیانی کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

---

[1] مرزا قادیانی یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ ورنہ علماء اسلام مطلق نزول سے تو کبھی بھی آسمان سے نازل ہونا مراد نہیں لیتے۔ تاوقتیکہ کوئی قرینہ ان کو یہ معنی لینے پر مجبور کرے مثلاً آپ کا یہ دعویٰ صحیح ہوسکتا تھا۔ جب مولوی لوگ ’’**انزلنا الحدید**‘‘ لفظ ’’انزل‘‘ کو پا کر لوہے کا نزول آسمان سے مانتے اور اگر ایسا نہیں تو آپ کا فریب محض ہے کہ علمائے اسلام لفظ نزول سے ہی صرف عیسیٰ ابن مریم کا آسمان سے نازل ہونا سمجھتے ہیں۔ ایسا ہی آپ لفظ توفی اور رفع کا ذکر کرتے ہوئے افتراً بیان کرتے ہیں کہ رفع کا لفظ رفع روحانی کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ مگر مولوی ضد کرتے ہیں۔ ہمارے بھولے مرزا اور مرزائیو! سنو ہم کہتے ہیں جہاں توفی اور رفع کے ساتھ صاف الیٰ آوے اور فاعل خدا ہو زندہ اٹھانا مراد ہوتے ہیں خالی توفی کے معنی پورا پورا لینا یا بقرینہ موت ہوسکتے ہیں اور ہیں۔

مرزا قادیانی ہم آپ کی کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ تاوقتیکہ تم جھوٹ بولنا نہ چھوڑ دو اور ہم آپ کی کسی تحریر پر بھروسا نہیں رکھتے۔ جب تک تمہارے حوالہ جات کو اصل کتب سے نہ ملالیں۔

آپ ہی اپنے جوروستم کو دیکھو
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

بیان سیزدہم

بعض لوگ ہمیں کہتے ہیں جس شخص کا یہ مقولہ ہو کہ: ''جھوٹ بولنا نجس کھانے کے برابر ہے۔'' (حقیقت الوحی ص۲۰۶، خزائن ج۲۲ ص۲۱۵) کبھی وہ بھی اس قبیح اور شرمناک فعل کا عمداً مرتکب ہوسکتا ہے۔ لیکن جب ان کو حقیقت حال سے آگاہ کیا جاتا ہے تو سرتسلیم خم کرتے ہوئے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔ گویا زبان حال سے وہ اس وقت یہ کہتے معلوم ہوتے ہیں۔ واہ مرزاجی! ہاتھی کے دانتوں کی طرح تمہاری حالت کچھ اور ہے۔ لیکن نمائشی اقوال سے دھوکہ دے ہی دیتے ہو۔

ناظرین! ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے جھوٹ لکھے ہیں۔ جن سے بے علم اور سادہ لوح لوگ واقف نہ ہونے کی صورت میں فریب خوردہ ہوگئے۔ مثلاً: ''مولوی غلام دستگیر کی کتاب دور نہیں۔ مدت سے چھپ کر شائع ہوچکی ہے۔ دیکھو کس دلیری سے لکھتا ہے کہ ہم دونوں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔'' (حقیقت الوحی ص۶۹، خزائن ج۲۲ ص۷۱)

مرزا قادیانی کی ...... عبارت دعویٰ سے کہتے ہیں مولوی غلام دستگیر مرحوم کی مصنفہ کتاب فتح الرحمانی میں کہیں نہیں اور یہ مولوی صاحب پر مرزا قادیانی کا بے جا افتراء ہے۔ کیا کوئی دل اور گردے والا مرزائی یہ عبارت مولوی غلام دستگیر کی کتاب سے دکھا کر مرزا قادیانی کو سچا ثابت کرسکتا ہے؟ اگر نہیں تو قادیانی گدی کے وارثو! اور مرزا قادیانی کو مجدد ماننے والو! انصاف سے بتانا کہ اس قدر زبردست جھوٹ کہنے والا کبھی خدا کا سچا ملہم ہوسکتا ہے؟ بفرض محال اگر سوائے مرزا قادیانی کے کوئی اور ہستی ہوتی اور اس کے اسی قدر جھوٹ تمہارے سامنے بیان کئے جاتے تو سچ بتانا کبھی تم اس کو مسیح موعود مان سکتے؟ اگر وہ لاکھ قسمیں دے کر بھی کہتا کہ ابن مریم مرگیا ہے تو اس کا اعتبار کر لیتے یا ٹکا سا جواب دیتے کہ ہم کذاب کی باتوں کی تصدیق نہیں کرتے؟ لہٰذا جاؤ اور کسی دوسرے منڈیر پر بیٹھو۔

میرے دل کو دیکھ کر کذب مرزا دیکھ کر بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

بیان چہاردہم

گو یہ امر متحقق ہو چکا ہے کہ مرزا قادیانی کذب بیانی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ تاہم مرزا قادیانی کی فریب دہی اور مکاری میں بے مثل ایک تحریر پیش کرتے ہیں جس سے بخوبی روشن ہو جائے گا کہ مرزائے قادیانی آنجہانی اپنی بات بنانے کے لئے واقعات مسلمہ کا انکار بھی کر دیتے تھے۔ چنانچہ اپنی کتاب (حقیقت الوحی ص۳۴۶، خزائن ج۲۲ ص۳۵۹) پر لکھتے ہیں: ''صاحبزادہ عبداللطیف کی شہادت بھی میری سچائی پر ایک نشان ہے۔ کیونکہ جب سے خدا نے دنیا کی بنیاد رکھی ہے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ کوئی شخص ایک جھوٹے مکار مفتری کے لئے اپنی جان دے۔''

مرزائیو! خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتلانا جب سے خدا نے دنیا کی بنیاد رکھی ہے اور تو نہ سہی، مسیلمہ کذاب کے فدائیوں نے مسیلمہ کے لئے اپنی جانیں دی تھیں یا نہیں؟ عبداللطیف کا مارا جانا مسیلمہ کذاب کے مریدوں کے قتل ہونے کے بعد ہے یا نہیں؟ اگر بلاشبہ عبداللطیف سے فدایان مسیلمہ کا مسیلمہ کے لئے خون بہا دینا مقدم ہے اور تاریخ عالم اس کا ثبوت دیتی ہے تو بتاؤ مرزا قادیانی کا عبداللطیف کے مارے جانے کو لے کر کودنا اور اس واقعہ کو اپنے افتراء و کذب سے بریت کے لئے بطور گواہ صفائی پیش کرنا مکاری نہیں تو اور کیا ہے؟

کیا مسیلمہ کذاب کے واقعہ کو چھپا کر مرزا قادیانی نے یہ عمداً جھوٹ بولا ہے یا نہیں کہ جب سے خدا نے دنیا کی بنیاد ڈالی ہے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا۔

کیا تم نہیں جانتے کہ مسیلمہ کذاب اور مفتری تھا؟ کیا مسیلمہ کے سینکڑوں متبعین اس کے لئے قتل نہیں ہوئے؟ کیا حواریان مرزا کی طرح مریدان مسیلمہ اس کو سچا نہیں سمجھتے تھے؟ کیا کسی مفتری کے موافقین کا قتل ہو جانا مفتری کذاب کی صداقت کی دلیل ہو سکتا ہے؟ اگر ہو سکتا ہے تو مسیلمہ کے کذاب ہونے پر آپ کے پاس جو ثبوت ہیں تحریر کرو۔

امر تنقیح

جب سے خدا نے دنیا کی بنیاد رکھی ہے مسیلمہ کے ماننے والے لوگوں نے اپنی جانیں دے دیں۔ حالانکہ وہ یقیناً مفتری اور کذاب تھا۔ جس طرح مریدوں کا اس کے لئے قتل ہونا مان کر مسیلمہ کو پھر بھی سچا نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح مرزا قادیانی کے لئے عبداللطیف کا جان دے دینا اگر مان بھی لیا جائے پھر بھی مرزا قادیانی کا اپنے دعاوی میں سچا ہونا ثابت نہیں ہو جائے گا۔

کیونکہ ایسے لوگوں کے جان دینے سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے اعتقاد میں پکے تھے۔ جیسے دیگر بت پرست وغیرہ۔ کون نہیں جانتا عقیدہ میں پختہ ہونا امر دیگر ہے اور اعتقاد میں سچا اور بات ہے؟ فافہم!

ناظرین کرام! جو شخص عام اور معمولی واقعات کو بھی اپنا نشان قرار دے لے۔ جن کی موجودگی میں اپنے سے پہلوں کو کاذب جانے کیا اس شخص کا یہ حق ہے کہ باوجود کذب شعار ہونے کے اپنے تئیں خداتعالیٰ کا ملہم و مامور بتاوے؟

مرزائیو! کیا اب بھی ہمارا حق نہیں کہ مرزا قادیانی کی روح کو سنا کر یہ شعر پڑھیں

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

وما علینا الا البلاغ

ابوسعید ٹاہلیانوالہ

بیان پانزدہم

مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنی کتاب فتح رحمانی میں مرزا غلام احمد قادیانی کے گمراہ کن رویہ کو زیر نظر رکھتے ہوئے دعا کی کہ خداوندا مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو توبہ نصوح کی توفیق دے یا ہلاک کر۔ اس میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ مرزا قادیانی میری زندگی میں مریں تو میں سچا اور نہ ہی یہ لکھا جس سے یہ مفہوم نکلے کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہے وہ پہلے مرے۔ یعنی صداقت خود یا تکذیب مرزا کا انحصار اس پر رکھا ہو۔ اب مرزا قادیانی کا بیان سنئے: ”غلام دستگیر کی کتاب دور نہیں۔ مدت سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ دیکھو کس دلیری سے لکھتا ہے کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔“ (اربعین نمبر۳ ص۹، خزائن ج۱۷ ص۳۹۴)

کیا کوئی مرزائی مولوی ہے جو بالفاظ منقولہ مرزا قادیانی مولوی غلام دستگیر کی کتاب سے یہ عبارت دکھادے۔ اگر نہ دکھا سکے تو بتائیے کہ اگر یہ مرزا قادیانی کا دروغ نہیں تو کیا جھوٹ کے سر سینگ ہوتے ہیں؟

مرزائیو! کیا مولوی غلام دستگیر قصوری پر تمہارے پیرومرشد نے افتراء نہیں کیا؟ اگر کیا ہے تو مرزا قادیانی کے کاذب اور مفتری ہونے میں شک کیوں کرتے ہو؟ لو اگر مولوی غلام دستگیر قصوری کی کتاب میں مرزا قادیانی کی منقولہ عبارت دکھا دو تو مبلغ روپیہ انعام لو۔ ورنہ کہہ دو: ”لعنۃ اللہ علی الکاذبین“

بیان شانزدہم

جو شیشہ دیکھتا ہے اسے اپنا ہی چہرہ دکھائی دیتا ہے۔ پچھلے بیان میں تو مرزا قادیانی نے ایک معمولی انسان پر افتراء کیا۔ جس کا ثبوت ہم نے دیا۔ اب ہم مرزا قادیانی کے ایک ایسے افتراء کا ثبوت دیتے ہیں جس سے ثابت ہوگا کہ رسول خدا پر مرزا قادیانی نے افتراء کیا ہے۔ قرآن شریف پر بہتان باندھا ہے۔ ناظرین اس بیان میں تو مرزا قادیانی نے کمال ہی کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں: ''تمام کی تمام قرآن شریف اور حدیث کی پیش گوئیاں پوری ہوئیں۔ جن میں یہ لکھا تھا کہ مسیح موعود آکر علماء کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔ وہ اسے کافر قرار دیں گے اور اس کے قتل کا فتویٰ دیں گے۔'' (اربعین ص۱۷، خزائن ج۱۷ ص۴۰۴)

مرزا قادیانی کے اس ارشاد بے بنیاد کے متعلق ہمارا صرف یہی مطالبہ ہے کہ اگر کوئی مرزائی عالم قرآن مجید کی کسی آیت سے بالتصریح مرزا قادیانی کا دعویٰ دکھادے یا کسی صحیح حدیث مرفوع اور متصل السند میں مرزا قادیانی کے اس بیان کی تصدیق دکھادے تو ہم مرزا قادیانی کو مسیح موعود تسلیم کر لینے کا وعدہ کرتے ہیں اور اگر کوئی آیت اور حدیث اس مضمون کی تمہیں نہ ملے تو کہہ دو کہ مرزا قادیانی نے قرآن شریف، حدیث نبوی اور علماء کرام پر افتراء کیا ہے۔

بیان ہفدہم

مولوی کرم دین ساکن بھیں ضلع جہلم نے مرزا غلام احمد قادیانی کو بذریعہ مقدمہ جہلم طلب کیا۔ ان ایام میں مرزا قادیانی بوجہ دعاوی کے خاص طور پر مشہور تھے۔ اس لئے ان کی زیارت کے لئے قرب وجوار سے مخلوق خدا غیر معمولی تعداد میں جمع ہوتی رہی۔ قادیان تشریف لے جانے کے بعد مرزا قادیانی نے اپنی ایک چٹھی اخبار عام میں ۲۸؍جنوری ۱۹۰۳ء کی مرقومہ شائع کی۔ اس میں لکھتے ہیں کہ: ''ان لوگوں میں سے قریب بارہ سو آدمی یہیں بیعت میں داخل ہوئے۔ یعنی میرے مرید ہوئے۔''

لیکن (ریویو آف ریلیجنز ج۲ نمبر۲ ص۸۰، بابت ماہ فروری ۱۹۰۳ء) پر بیعت کنندگان جہلم کی تعداد چھ سو درج ہے اور ان ہر دو سے پہلے الحکم قادیان میں مندرجہ ذیل عبارتیں مبائعین مرزا بمقام جہلم کی تعداد کی مظہر ہے۔ ''تمام سفر جہلم میں جس قدر مردوزن نے مرزا قادیانی کے ہاتھ پر بیعت کی ان کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے۔'' (الحکم ج۷ نمبر۴ ص۱۵، کالم۳، مورخہ ۳۱؍جنوری ۱۹۰۳ء)

ناظرین! ہم مرزا قادیانی کے بیان کو سچا خیال کریں یا ریویو اور الحکم کے بیانات کو صادق گردانیں۔ اگر مرزا قادیانی کے مریدان با اخلاص کو راست گو سمجھیں تو مرزا قادیانی دروغگو ماننے پڑتے ہیں۔

مرزائیو! کیا کوئی معقول وجہ پیش کرو گے۔ جس کی رو سے ہم اخبار الحکم اور ریویو کی رپورٹوں کو غلط کہہ کر مرزا قادیانی کو راست باز قرار دے سکیں؟ ورنہ ہم تینوں کو جھوٹا قرار دیں گے اور اگر مرزا قادیانی کی بریت چاہتے ہو تو جہلم میں بیعت ہونے والوں کی اسم وار معہ سکونت وضلع مکمل فہرست شائع کرو۔

بیان ہیزدہم

مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ’’پھر غلام حیدر خاں نے حاکم عدالت کو وہ ہزارہا آدمی دکھائے جو میرے دیکھنے کے لئے آئے تھے۔‘‘ (چٹھی مرزا قادیانی کی مطبوعہ اخبار عام مورخہ ۲؍فروری ۱۹۰۳ء)

حالانکہ بمقدمہ یعقوب علی تراب ایڈیٹر اخبار الحکم بنام مولوی کرم دین مرزا قادیانی حلفی بیان میں فرماتے ہیں: ’’مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ غلام حیدر نے عدالت کو میرے مرید دکھائے تھے یا نہیں۔‘‘

پہلا بیان مرزا قادیانی نے اخبار عام کی تردید میں یقیناً بوثوق کمال تحریر فرمایا تھا۔ لیکن مقدمہ یعقوب علی تراب میں اس کے خلاف لکھواتے ہیں۔ چونکہ ہر دو بیانات باہمی متناقض ومتبائن ہیں۔ اس لئے بامر مجبوری مرزا قادیانی کو حق پوش کہتے ہیں۔ مرزائیو! اختلاف کی وجہ بتاؤ اور غور کرو کہ اختلاف بیانی ملہم خداوندی کے کذب پر دلیل تو نہیں ہوسکتی؟ چونکہ ہمارے نزدیک ملہم ربانی کاذب ہونے کے ثبوت میں اس کا ایک ہی واقعہ کو ایسی صورت میں بیان کیا جس سے اختلاف بیانی ثابت ہو۔ امر مسلم ہے اس لئے ہم بھی مرزا قادیانی پر دروغگوئی کا الزام لگاتے ہیں اور آپ کے کاذب ہونے پر دلیل گردانتے ہیں۔

بیان نوزدہم

مرزا قادیانی اپنے ایک سرکلر مجریہ البدر مورخہ ۱۹؍جولائی ۱۹۰۶ء میں لکھتے ہیں: ’’طالب حق کے لئے میں یہ بات پیش کرتا ہوں کہ میرا کام جس کے لئے میں اس میدان میں کھڑا ہوں یہی ہے کہ میں عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑ دوں اور بجائے تثلیث کے توحید کو پھیلاؤں اور

آنحضرت ﷺ کی جلالت اور عظمت اور شان دنیا پر ظاہر کروں۔ پس اگر مجھ سے کروڑ نشان بھی ظاہر ہوں اور یہ علت غائی ظہور میں نہ آئے تو میں جھوٹا ہوں۔ پس دنیا مجھ سے کیوں دشمنی کرتی ہے۔ وہ میرے انجام کو کیوں نہیں دیکھتی۔ اگر میں نے اسلام کی حمایت میں وہ کام کر دکھایا جو مسیح موعود مہدی موعود کو کرنا چاہئے تھا تو پھر میں سچا ہوں اور اگر کچھ نہ ہوا اور مر گیا تو پھر سب گواہ رہیں کہ میں جھوٹا ہوں۔'' (البدر قادیان ج۲ نمبر۲۶ ص۳، کالم۲، مورخہ۱۹/جولائی۱۹۰۶ء)

ناظرین! ہم سچے دل سے اعتراف کرتے ہوئے اس امر کے گواہ ہیں کہ جو کام مسیح ابن مریم نزول قبل قیامت کے وقت کرنے تھے وہ مرزا قادیانی نے نہیں کئے۔ بلکہ جس قدر غیر معمولی امور کو اپنی صداقت کا نشان پیش کیا بھی وہ ایک بھی حسب اطلاع پورا نہیں ہوا۔ مثلاً احادیث میں جو نشان مسیح ابن مریم کے لئے آئے ہیں ان سے مرزا قادیانی قطعاً محروم ہیں۔

۱...... مسیح موعود فج الروحاء سے حج کا احرام باندھیں گے۔

۲...... حضرت عیسیٰ زمین کی طرف اتریں گے۔

۳...... نکاح کریں گے۔

۴...... اوران کے ہاں اولاد پیدا ہوگی۔

۵...... پینتالیس برس زمین پر حاکم عادل رہ کر فوت ہوں گے۔ (مدینہ طیبہ میں انتقال کریں گے)

کوئی نہیں جانتا کہ مرزا قادیانی بلاحج کئے مر گئے ہیں اور جس نکاح کو اپنی کرامت بتایا کرتے تھے نہیں ہوا جس کے الفاظ ہیں۔ نفس پیش گوئی اس عورت (محمدی بیگم) کا اس عاجز (مرزا قادیانی) کے نکاح میں آنا تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔

(انجام آتھم ص۳۱، خزائن ج۱۱ص۳۱)

اس وقت تک کہ میں اس سے نکاح کروں اس لڑکی کا زندہ رہنا، باوجود سخت مخالفت اس کے اقارب کے میرے نکاح میں آجانا۔ (آئینہ کمالات اسلام ص۳۲۵، خزائن ج۵ص۳۲۵)

اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی۔

(انجام آتھم ص۳۱ حاشیہ، خزائن ج۱۱ص۳۱)

مرزائیو! کیا عیسائیوں نے صلیب پرستی کو چھوڑ دیا ہے؟ کیا عیسائیوں کے دلوں میں عظمت اور جلال محمدیہ کی شان ظاہر ہوئی؟ کیا محمد رسول اللہ کی اتباع سے ایسے ہی انسان پیدا ہونا مسلمانوں کے لئے موجب افتخار ہے کہ مرزا قادیانی جیسا کاذب پیدا ہو جو دشمنان اسلام ہی کے

گن گا تا رہے۔ اگر کہیں مرزا قادیانی کا نام مخالفین کے سامنے لے دیا تو قیامت تک پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ بلکہ خدالگتی یہی ہے کہ آریہ نیوگ پر ہندو اعتراض پر اتنے نہیں گھبراتے جتنے مرزا قادیانی اور آپ کے مقالات کو پیش کر کے مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ پس اگر اس قدر روشن دلائل کی موجودگی میں بھی ہم مرزا قادیانی کو سچا ہی شمار کیے جائیں تو پھر آپ ہی بتائیں کہ ہماری اس حماقت کا بھی کوئی ٹھکانا ہے؟

بیان بستم

سنوں کس کس کی میں یارب یقیں کس کس پہ ہو مجھ کو
قاصد کا بیاں کچھ ہے صبا کچھ اور کہتی ہے

مرزا قادیانی مخالف کو زک پہنچانے کے لئے وہ وہ باتیں بنانے کے عادی ہیں جن کا سر ہوتا ہے نہ پیر۔ بلکہ غصے میں آ کر مخالف کو بے طرح بدنام کرتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالحکیم خاں پٹیالوی کو جب خدا نے ہدایت کی اور اس نے مرزا قادیانی کی حلقہ بگوشی سے کنارا کیا تو مرزا قادیانی آپے سے باہر ہو کر فرمانے لگے۔

سو پہلے وہ امر دیکھنے کے لائق ہے جس کی وجہ سے عبدالحکیم خاں ہماری جماعت سے علیحدہ ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ نجات اخروی حاصل کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہر وہ شخص جو خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جانتا ہے۔ گو آنحضرت ﷺ کا مکذب ہے۔ وہ نجات پائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ایک شخص اسلام سے مرتد ہو کر بھی نجات پا سکتا ہے اور ارتداد کی سزا اس کو دینا ظلم ہے۔ مثلاً حال میں ہی جو ایک شخص عبدالغفور نام مرتد ہو کر آریہ سماج میں داخل ہوا اور دھرم پال نام رکھایا اور آنحضرت ﷺ کی توہین اور تکذیب میں دن رات کمربستہ ہے۔ وہ بھی عبدالحکیم خاں کے نزدیک سیدھا بہشت میں جائے گا۔“ (حقیقت الوحی ص۶۹، خزائن ج۲۲ ص۷۲)

ڈاکٹر عبدالحکیم خاں مندرجہ بالا اقتباس کو غلط قرار دے کر مرزائیوں کو چیلنج دیتا ہے اور بطور عوض الخدمت ان کو پانچ سو روپیہ انعام دینے کا بھی وعدہ کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں: ”یہ ہے مرزا قادیانی کی دیانت اور امانت۔ میری کوئی عبارت نقل نہیں کی۔ بلکہ اپنے الفاظ میں ہی ایک بہتان باندھ کر اس پر انشاء پردازی شروع کر دی اور کمال چالاکی سے اس افتراء کی تردید میں چالیس صفحہ سیاہ کرتا چلا گیا ہے۔ میرے رسائل الذکر الحکیم نمبر۴ اور المسیح الدجال میں

سے کوئی مرزائی یہ عبارت دکھادے۔ یا کوئی ایسی عبارت دکھادے۔ جس کا یہ مفہوم ہو جیسا کہ مرزاقادیانی نے بیان کیا ہے تو پانچ سو روپیہ انعام۔‘‘ (الذکر الحکیم نمبر۶ ص۸۵)

چونکہ کسی مرزائی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق مرزاقادیانی کو سچا بناتا اور ڈاکٹر صاحب کی تحدی کو توڑتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزائی کیمپ میں عبدالحکیم خاں کا یہ اعتراض (کہ مرزاقادیانی نے مجھ پر یہ جھوٹ بولا ہے) مقبول اور مسلم ہو چکا ہے۔ بنابریں ہم اس مخترعہ ومتحدثہ عبارت کو مرزاقادیانی کا جھوٹ قرار دیتے ہیں اور مرزائیوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھی مرزاقادیانی کو کاذب، دجال اور مفتری کہا کریں۔ ورنہ ہم کہیں گے کہ قادیانی اور اس کے حواری حق اور صداقت شعار نہیں۔ مرزائیو! کونوا مع الصادقین!

اکیسواں بیان

’’جب میری امت سخت درجہ کی یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرلے گی تب فارس کے اصل میں سے ایک ایمان کا تعلیم دینے والا پیدا ہوگا۔‘‘ (فتح اسلام مرزا ص۱۴، خزائن ج۳ ص۹)

کوئی مرزائی وہ فرمان نبوی بتا سکتا ہے؟ جس کا یہ مطلب ہو جیسا کہ مرزاقادیانی کر رہے ہیں؟ ’’الیس فیکم رجل رشید‘‘ چونکہ مندرجہ بالا بیان کسی صحیح متصل سند اور مرفوع حدیث میں نہیں آیا اور مرزاقادیانی نے باوجود ملہم ہونے کے رسول اکرم پر بہتان باندھا ہے۔ لہٰذا ہم بروئے بیان ہذا مرزاقادیانی کو مفتری اور کاذب خیال کرنے میں برحق ہیں۔ جب کوئی مرزائی ہمیں اس مطالبہ کا جواب دے گا۔ کذبات مرزا سے اس نمبر کو حذف کر دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔

بائیسواں بیان

’’یہ عیسیٰ مسیح اور مہدی صاحب کیسے ہوں گے جو آتے ہی لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے۔ یہاں تک کہ اہل کتاب سے جزیہ بھی قبول نہیں کریں گے اور وہ آیت ’’حتّٰی یعطوا الجزیۃ من یدوھم صاغرون‘‘ کو بھی منسوخ کر دیں گے۔ یہ دین اسلام کے کیسے حامی ہوں گے جو آتے قرآن کی ان آیتوں کو بھی منسوخ کر دیں گے جو آنحضرت کے وقت میں بھی منسوخ نہیں ہوئیں۔‘‘ (کشتی نوح ص۶۸، خزائن ج۱۹ ص۷۴)

مرزائیو! جب تک مرزاقادیانی کی اس یاوہ گوئی کو مسلمہ کتب عقائد اسلامیہ ومسلم ومستند علمائے کرام کی تصریحات سے ثابت نہ کرو گے ہم مرزاقادیانی کو اس بیان میں جھوٹا اور مفتری جاننے میں روبحق ہوں گے اور بآواز بلند یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا کرنا مسیح کی کوئی ڈیوٹی نہیں۔ نہ

مہدی موعود کا یہ کام ہے کہ جو اسلام قبول نہ کرے۔ اسے شمشیر کے گھاٹ اتارتا پھرے۔ ھاتوا برھانکم انکنتم صدقین!

تیئسواں بیان

کتاب تذکرۃ الشہادتین جو غالباً اکتوبر۱۹۰۳ء میں مرزاقادیانی کی طرف سے شائع ہوئی کے (ص۳۴، خزائن ج۲۰ص۳۶) پر تحریر ہے کہ: ’’مجھے خدا کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اب تک دولاکھ سے بھی زیادہ میرے ہاتھ پرنشان ظاہر ہو چکے ہیں۔‘‘

لیکن تعجب کہ ابھی سات صفحے بھی اور کتاب نہ لکھی اور یہ لکھ دیا کہ: ’’جس شخص کے ہاتھ سے اب تک دس لاکھ نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔‘‘ (تذکرۃ الشہادتین ص۴۱، خزائن ج۲۰ص۴۳)

ایک ہی کتاب میں یہ دومتضاد اقوال اور اس قدر مبالغہ (اختلاف بیانی) موجود ہے کہ پناہ خدا۔ پھر مزہ یہ کہ ساڑھے چار سال کے بعد مئی ۱۹۰۷ء میں تعداد نشانات کے متعلق بیان کرتے ہوئے حیرت انگیز نفی کا یوں اظہار کرتے ہیں: ’’میرے نشان تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۶۸، خزائن ج۲۲ص۵۰۳، حقیقت الوحی ص۴۶، خزائن ج۲۲ص۵۷، اخبار البدر ج۲ نمبر۱۶ ص۳ کالم۳، مورخہ ۱۹؍جولائی ۱۹۰۶ء)

دوستو! ایسے مہندس اور ریاضی دان کو اگر ہم کاذب نہ جانیں تو کیا کہیں؟ جسے ایک ہی معقول بات کہنے سے عمر بھر دشمنی رہی ہو۔

میرے کہنے پہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے

چوبیسواں بیان

مرزاقادیانی کی شوخیوں نے ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کو بھی الہامی بنادیا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے مندرجہ ذیل الہام بقول خود اخباروں میں شائع کرایا۔ مرزا آج سے چودہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔

تو اس پر کب ہوسکتا تھا کہ مرزاقادیانی کا ملہم خاموش رہ جاوے اور مرزاقادیانی رپورٹر ایجنسی کی طرح کوئی الہام وضع نہ کریں۔ فوراً تبصرہ نامی ایک اشتہار نکالا اور لکھ دیا کہ: ’’خدا مجھے کہتا ہے کہ دشمن کو کہہ دے کہ خدا تجھ سے مواخذہ لے گا۔ میں تیری عمر کو بھی بڑھادوں گا یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ جولائی ۱۹۰۷ء سے چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیش گوئی کرتے ہیں ان سب کو میں جھوٹا کروں گا اور تیری عمر بڑھادوں گا۔ تا معلوم ہو کہ میں خدا

ہوں۔ دشمن جو تیری موت چاہتا ہے وہ خود تیری آنکھوں کے روبرو اصحاب فیل کی طرح برباد اور تباہ ہوجائے گا۔‘‘ (اعلان وتبصرہ مرزا، مجموعہ اشتہارات ج۳ص۵۹۱)

ناظرین! چونکہ ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی مرزا غلام احمد قادیانی کے روبرو نہیں مرا نہ تباہ وبرباد ہوا نہ مرزا قادیانی کی عمر چودہ ماہ کے عرصے سے ایک منٹ بھی متجاوز ہوئی۔ اس لئے اس بیان میں بھی مرزا قادیانی کو مفتری علی اللہ کا لقب دیتے ہیں۔ کیونکہ مرزا قادیانی کا بیان مندرجہ بالا خداوند تعالیٰ پر صریح بہتان اور افتراء محض ہے جس کی وجہ سے خود بدولت مثل اصحاب فیل کے ڈاکٹر صاحب ممدوح کے روبرو چل بسے۔ پس اقتباس بالا قیامت تک کے لئے کذب مرزا پر مہر ہوکر رہ گیا ہے۔

مرزائیو! بتاؤ کیا ایسے الہامات ہی کی بناء پر مرزا قادیانی کو مامور وملہم من اللہ مانتے ہو؟ ہاں کہہ دو کہ ڈاکٹر صاحب نے دل ہی دل میں خائف ہوکر مرزائیت کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ جیسا کہ ابوسعید بٹالوی کی بابت بے پر کی اڑایا کرتے ہو۔ یا آتھم عیسائی کی نسبت مشہور کرتے ہو۔ جلدی کرو۔ ورنہ ہم تو مرزا قادیانی کا امتحان لے رہے ہیں جو نمبران کو ملے گا ضرور دیں گے۔ یاد رکھو اس الہامی جھوٹ کو ملا کر کذبات مرزا کی تعداد چوبیس ہوگئی ہے۔ حالانکہ بقاعدہ مرزا قادیانی تمہارے فرضی مسیح موعود امتحان صداقت میں بری طرح فیل ہیں۔

پچیسواں بیان

آج دعویٰ ان کی یکتائی کا باطل ہوگیا
روبرو آئینہ جب ان کے مقابل ہوگیا

مرزا قادیانی اپنی تصنیف (انجام آتھم ص۲۸۲، خزائن ج۱۱ص ایضاً حاشیہ) پر لکھتے ہیں:

’’وازمنا ان لا تخاطب العلماء بعد هذا التوضيحات ولو سبونا وهذا منا خاتمة المخاطبات‘‘ یعنی ہم نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس سے بعد علماء سے خطاب نہ کریں گے۔ گو وہ ہم کو گالیاں دیں اور یہ کتاب ہمارے خطابات کا خاتمہ ہے۔

نوٹ: انجام آتھم ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے بعد (اشتہار معیار الاخیار ص۳، مجموعہ اشتہارات ج۳ص۲۷۰) پر آپ لکھتے ہیں جو ۲۵؍مئی ۱۹۰۰ء کا مطبوعہ ہے۔

’’اگر آپ لوگ (علمائے اسلام) اب بھی اس قاعدہ کے موافق جو سچے نبیوں کی شناخت کے لئے مقرر کیا گیا ہے قادیان سے کسی قریب مقام میں جیسا کہ بٹالہ ہے یا اگر آپ کو

انشراح صدر میسر آوے تو خود قادیان میں ایک مجلس منعقد کریں جس مجلس کے سرگروہ آپ کی طرف سے چند ایسے مولوی صاحبان ہو جو کہ حلم اور برداشت اور تقویٰ اور خوف باری تعالیٰ میں آپ لوگوں کے نزدیک مسلم ہوں۔ پھر ان پر واجب ہوگا کہ منصفانہ طور پر بحث کریں۔''

ناظرین کرام! خدا کو حاضر وناظر جان کر بتادیں کہ مرزا قادیانی نے بعد اشاعت انجام آتھم علمائے وقت سے خطاب کیا یا نہیں اور بحث کے لئے اجازت دی یا نہیں؟ اگر فقرہ منصفانہ طور پر بحث کریں مرزا قادیانی نے لکھا ہے تو آپ نے اپنے پختہ ارادہ مندرجہ انجام آتھم کی عمداً خلاف ورزی کی ہے یا نہیں؟ پھر مرزا قادیانی کا مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری کے رقعہ اولیٰ کے جواب میں: ''چونکہ انجام آتھم میں میں خدا تعالیٰ سے قطعی عہد کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے کوئی بحث نہیں کروں گا۔'' (انجام آتھم ص۲۸۲، خزائن ج۱۱ص۲۸۲)

لکھنا جب کہ مولانا حسب دعوت مرزا قادیانی مرزائی پیش گوئیوں کی پڑتال کے لئے قادیان تشریف لے گئے تھے اور رقعہ ثانی کے الجواب میں منجانب مرزا قادیانی مولوی سرور شاہ مرزائی کا یہ تحریر کرنا کہ: ''مرزا قادیانی انجام آتھم میں اور نیز اپنے رقعہ مرقومہ جواب رقعہ سامی میں قسم کھا چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے ہیں کہ مباحثہ کی شان سے مخالفین سے کوئی تقریر نہ کریں گے۔''

جھوٹ صریح نہیں تو اور کیا ہے؟ اور کذب مرزا پر بایماً مرزا قادیانی، سرور شاہ نے مہر ثبت نہیں کی تو کیسے ہوگی؟

بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

پس ہم مرزا قادیانی کے متذکرہ صدر بیانات میں صریح تناقض وتضاد دیکھ کر کذبات مرزا میں ایک اور جھوٹ کا اضافہ کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

چھبیسواں بیان

مرزا قادیانی مندرجہ ذیل تحریر پر تزویر اپنی ایک تصنیف اتمام الحجۃ میں لکھ گئے ہیں: ''مگر ضرور تھا کہ آنحضرت ﷺ کی یہ پیش گوئی بھی پوری ہوتی کہ مہدی معہود یعنی وہی مسیح موعود جب ظہور کرے گا تو اس وقت کے مولوی اس پر فتویٰ کفر لکھیں گے اور پھر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ فتویٰ لکھنے والے تمام دنیا کے شریروں سے بدتر ہوں گے اور روئے زمین پر ایسا کوئی بھی فاسق نہیں ہوگا۔'' (اتمام الحجۃ ص۲۳، خزائن ج۸ص۳۰۲)

ہم اس بیان میں بھی مرزا قادیانی کو کاذب جانتے ہیں۔ کوئی حدیث اس مضمون کی مؤید نہیں کہ مسیح موعود یا مہدی معہود پر علمائے اسلام فتویٰ تکفیر لکھیں گے یا حضورﷺ نے فرمایا ہو کہ مفتی (فتویٰ نویس) شریروں سے پر اور لاثانی فاسق ہوں گے۔

اگر کوئی مرزائی علم وفضل کا مدعی سیرۃ النبوی کا ماہر کوئی روایت مستند مرفوع الیٰ النبیﷺ میں یہ مضمون بتادے تو ہم شکریہ کے ساتھ قبول کرلیں گے اور اس بیان کا کوئی نمبر مرزا قادیانی کو نہ دیں گے۔

ستائیسواں بیان

’’اور قرآن شریف سے یہ بھی ثابت ہے کہ مسیح موعود چودھویں صدی ہجری میں آئے گا۔‘‘ (تقریروں کا مجموعہ ص۳۶، تحفہ گولڑویہ ص۳۶، خزائن ج۱۷ ص۱۴۸)

مرزائی بتادیں کہ قرآن مجید میں وہ کون سی آیت ہے جس میں بالتصریح چودھویں صدی میں مسیح موعود کے آنے کا ذکر مذکور ہے؟ جو ایسی آیت کا پتہ بتائے یک صد روپیہ انعام لے۔

ہاں اگر ایسی کوئی آیت نہ ملے تو مرزا قادیانی کو مفتری علی اللہ اور کاذب جان کر اس کی کسی آوردہ وبیان کردہ خبر کی تصدیق سوائے تحقیق کر لینے کے نہ مانا کریں۔

’’حدیثوں سے ثابت ہے کہ اس مسیح موعود کی تیرھویں صدی میں پیدائش ہوگی اور چودھویں صدی میں اس کا ظہور ہوگا۔‘‘ (ریویو آف ریلیجنز قادیان نمبر۱۱، ۱۲ ص۴۲۷)

کسی حدیث نبوی میں یہ مضمون نہیں ملتا جس کا منشاء یہ ہو کہ آنحضرتﷺ نے ایسا بیان کیا ہو جیسا کہ مرزا قادیانی لکھتے ہیں۔ اس لئے اس افتراء علی الرسول کے عوض ہم مرزا قادیانی کو مفتری اور غلط گو کہتے ہیں۔ مرزائیو! تم میں کوئی ہے جو ان احادیث کا ہمیں پتہ دے کر مرزا قادیانی کو اس الہام سے بری کرے، جس کا مرزا قادیانی ذکر کر رہے ہیں۔

اٹھائیسواں بیان

’’حدیثوں سے ظاہر ہے کہ بالآخر اس پر یقین کرلیا گیا کہ یہی (ابن صیاد) ہی دجال معہود ہے۔ چنانچہ صحابہ نے قسمیں کھا کر کہا کہ اب ہمیں اس میں شک نہیں کہ یہی دجال معہود ہے اور آنحضرت نے بھی آخرکار یقین کرلیا۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۲۲۱، خزائن ج۳ ص۲۱۰)

اس پر ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ آنحضرتﷺ نے اپنی کس حدیث میں اس امر پر تصریح فرمائی ہے کہ ابن صیاد ہی دجال معہود ہے۔ وہ کس کتاب مستند میں ہے۔ یاد رہے حدیث متصل

مرفوع السند اور صحیح المتن ہو جس میں لکھا ہو کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابن صیاد وہی المسیح الدجال ہے جس کی حدیث میں اسے اطلاع دی تھی کہ اسے عیسیٰ ابن مریم قتل کرے گا۔ مرزا کی بگڑی بنانے والو! کیا ہمیں ان احادیث کا پتہ دو گے۔ جہاں لکھا ہو کہ آنحضرت ﷺ نے بھی ابن صیاد[1] ہی کو دجال معہود یقین کر لیا تھا اور کوئی دجال نہیں۔

اور نیز یہ بھی بتاؤ کہ اگر آنحضرت نے اس صیاد ہی کو یقتل الدجال کا مصداق المسیح الدجال یقین کر لیا تھا تو پھر مرزا قادیانی کا کیا حق ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے برخلاف یہ تحریر فرمائیں کہ: ''مسیح دجال جس کے آنے کی انتظار تھی یہی پادریوں کا گروہ ہے۔''

(ازالہ اوہام ص۴۹۶، خزائن ج۳ ص۳۶۶)

مرزا قادیانی کو اہل سنت والجماعت اور نیز حنفی بتانے والو! تم بھی بتاؤ کہ مرزا قادیانی اگر سنی تھے تو نزول من السماء کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کو آپ کس طرح اہل سنت بناتے ہیں۔ اہل سنت کی معتبر و مستند اور مسلم کتاب شرح عقائد نسفی کے ص۲۲۴ پر حضرت مسیح ابن مریم کے دوبارہ تشریف لانے اور نزول من السماء کا عقیدہ درج ہے۔ کیا مرزا قادیانی کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح قرب قیامت آسمان سے نزول فرما کر دجال کو قتل کریں گے؟ **ھاتوا برھانکم انکنتم صادقین!**

انتیسواں بیان

''قرآن شریف بلکہ تورات کے بعض صحیفوں میں یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔'' (کشتی نوح ص۵، خزائن ج۱۹ ص۵)

قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ نہیں لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔

---

[1] بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابوبکرؓ صحابی ایک دوسرا صحابی اکٹھے ایک یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور ابن صیاد اور اس کی ماں پر وہ نشانات جو المسیح الدجال کے حضور سے سنے تھے منطبق پائے تو سمجھا کہ دجال معہود ابن صیاد ہی ہے اور حضرت عمرؓ نے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ مگر آپ نے اجازت نہ دی اور فرمایا۔ اگر یہ دجال ہے تب تو تو اس کا قاتل نہیں۔ بغیر عیسیٰ ابن مریم کے اس کا قاتل اور کوئی نہیں۔ نہ معلوم مرزا قادیانی کو کیسے علم ہو گیا کہ آنحضرت ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر یقین رکھتے تھے؟

تیسواں بیان

’’احادیث میں مسیح موعود کی یہ بھی نشانی ہے کہ پہلے اسے بڑے زور سے کافر ٹھہرایا جائے گا۔‘‘ (ضمیمہ انجام آتھم ص۱۲،۱۳، خزائن ج۱۱ ص۲۹۶)

کسی حدیث کی مستند مسند میں حضور انور کی صحیح حدیث موجود نہیں جس میں مرزا قادیانی کی بیان کردہ نشانی کو مسیح موعود کی نشانی بتایا گیا ہو۔ البتہ احادیث مرزا میں ایسے بے شمار بیان موجود ہیں جن میں مذکور ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی اور یہ امر ہفوات مرزا میں داخل ہے۔ (نزول المسیح ص۴۴، ۷، ۱۸، خزائن ج۱۸ ص۳۹۶) کا مطالعہ کریں۔ لہٰذا اس بیان میں بھی ہم مرزا قادیانی کو پورے نمبروں میں پاس پاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی صدق شعار نہ تھے۔ لہٰذا مرزا قادیانی کا یہ فتویٰ جھوٹ بولنا مرتد ہونے سے کم نہیں۔ سچ اور مرزا قادیانی بقول خود مرتد۔

اکتیسواں بیان

’’اے حضرات مولوی صاحبان! پھر اگر آپ محض ضد کی راہ سے یہ کہیں کہ مسیح ابن مریم فوت تو ضرور ہوگیا تھا مگر اسی خاکی جسم میں اس کی روح آ گئی تو کیا اس کا کوئی ثبوت بھی ہے۔ ماسوا اس کے اس صورت میں دو موتیں اس کے لئے تجویز کرو گے۔ یہ کہاں لکھا ہے اور کس کی ہدایت ہے کہ خدا تعالیٰ موت اولیٰ پر کفایت نہ کرے اور سارے جہاں کے لئے ایک موت اور مسیح ناکردہ گناہ پر دو موتوں کی تکلیف نازل ہو۔ کیا کوئی حدیث ہے یا قرآن شریف کی آیت جو ان دو موتوں کے بارے میں آپ کے پاس ہے؟‘‘ (ازالہ اوہام ص۲۶۹، خزائن ج۳ ص۳۵۱)

مسلمانوں کا کوئی مولوی ایسا عقیدہ نہیں رکھتا کہ مسیح مر گیا اور اس کی روح پھر اسی کے جسم میں اس عالم میں آ گئی تھی۔ نہ ہی کوئی مسلمان مولوی اس کے لئے کسی حالت میں ان کی دو موتوں کا قائل ہے نہ کسی سلف مسلمان کا یہ عقیدہ کسی کتاب میں مرقوم شدہ موجود ہے کہ عیسیٰ کو دو موتیں ہوں گی۔ یہ افتراء محض مرزا قادیانی کی کذب بیانی ہے۔ کوئی مرزائی مولوی ہے جو مرزا قادیانی کے اس دروغ بے فروغ کو ثابت کر کے مرزا قادیانی کو اس بیان میں سچا ثابت کرے اور بتائے کہ فلاں مولوی صاحبان کا یہ عقیدہ ہے اور وہ اس عقیدہ پر قرآن وحدیث سے ثبوت نہیں رکھتے۔ اس لئے مرزا قادیانی ان کی تردید فرما رہے ہیں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین!

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

الیف. ڈبلیو سکیمپ جج ہائیکورٹ لاہور

کا

فیصلہ

الیف. ڈبلیو سکیمپ جج ہائیکورٹ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فیصلہ ہائیکورٹ لاہور

بہ نگرانی: شیخ عبدالرحمٰن مصری قادیان

ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے جو حکم شیخ عبدالرحمٰن مصری کی اپیل کے خلاف دیا ہے اس پر نظرثانی کے لئے موجودہ درخواست ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن مصری سے مجسٹریٹ فسٹ کلاس کے حکم کے ماتحت ۱۴؍مارچ ۱۹۳۸ء کو ضمانت حفظ امن طلب کی گئی تھی اور اس حکم کے خلاف ڈپٹی کمشنر نے ۲۴؍مئی ۱۹۳۸ء کو اپیل مسترد کر دیا تھا۔ لہٰذا اب وہ عدالت ہذا میں نظرثانی کی درخواست دے رہا ہے۔ چنانچہ اس عدالت کے ایک فاضل جج نے حکومت کو حاضری کا نوٹس دیا۔

موجودہ کارروائی کی تحریک کا اصل باعث وہ اختلاف ہے جو جماعت احمدیہ قادیان کے اندر رونما ہوا ہے۔ درخواست کنندہ اس انجمن کا صدر ہے جو خلیفہ سے شدید اختلاف کے باعث علیحدہ ہو چکی ہے۔ درخواست کنندہ کے خلاف الزام یہ ہے کہ اس نے دو پوسٹر شائع کئے۔ اوّلاً پی اے اگزبٹ جو مورخہ ۲۹؍جون ۱۹۳۷ء کو شائع ہوا اور ثانیاً اگزیبٹ پی جی جو ۱۳؍جولائی ۱۹۳۷ء کو شائع کیا گیا۔ ان پوسٹروں کے ذریعہ درخواست کنندہ نے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ پوسٹر بجائے خود قابل اعتراض نہیں ہیں۔

مدعی نے اگزبٹ پی جی میں سے ایک پیرا کی بناء پر اپنا دعویٰ قائم کیا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے: ’’میرے عزیزو! میرے بزرگو! آپ نے اپنے ایک بے قصور بھائی، ہاں اس بھائی کو جس نے محض آپ لوگوں کو ایک خطرناک ظلم کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے اپنی عزت اپنے مال اپنے ذریعہ معاش کو قربان کر دیا ہے۔‘‘

مدعی کا دارومدار ایک اور پیرا پر بھی ہے جس کا خلاصہ یوں دیا جاسکتا ہے: ’’موجودہ خلیفہ میں ایسے سخت عیوب ہیں کہ اسے معزول کرنا ضروری ہے اور میں نے اپنے آپ کو جماعت

سے اس لئے علیحدہ کیا ہے تاکہ میں ایک نئے خلیفہ کے انتخاب کے لئے جدوجہد کرسکوں۔‘‘

میری رائے میں متذکرہ بالاقسم کے بیانات بجائے خود ایسے نہیں ہیں کہ ان کی بناء پر کسی شخص کی حفظ امن کی ضمانت طلب کی جائے۔ مگر عدالت میں درخواست کنندہ نے ایک تحریری بیان دیا ہے۔ جس کے دوران میں اس نے یہ کہا: ’’موجودہ خلیفہ سخت بدچلن ہے۔ یہ تقدس کے پردے ہیں۔ عورتوں کا شکار کھیلتا ہے۔ اس کام کے لئے اس نے بعض مردوں اور بعض عورتوں کو بطور ایجنٹ رکھا ہوا ہے۔ ان کے ذریعہ یہ معصوم لڑکیوں اور لڑکوں کو قابو کرتا ہے۔ اس نے ایک سوسائٹی بنائی ہوئی ہے جن میں مرد اور عورتیں شامل ہیں اور اس سوسائٹی میں زنا ہوتا ہے۔‘‘

درخواست کنندہ نے آگے چل کر بیان کیا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ قوم کو اس قسم کے گندے شخص سے آزاد کرائے۔

اب اگر پوسٹر کو جس کا خلاصہ میں نے اوپر بیان کیا ہے درخواست کنندہ کے اس بیان کی روشنی میں جو اس نے عدالت میں دیا ہے پڑھا جائے۔ جیسا کہ بہت سے پڑھنے والے ایسا کریں گے تو ان کا رنگ کچھ اور ہی ہو جائے گا اور میری رائے میں یہ امر قابل اعتراض ہو جاتا اور حفظ امن کی ضمانت طلبی کا متقاضی ہے۔

ایک اور امر بھی ہے۔ مورخہ ۲۳ر جولائی کو خلیفہ نے ایک خطبہ دیا جو بعد میں یکم راگست کے الفضل میں جو کہ جماعت کا سرکاری پرچہ ہے چھپا۔ اس خطبہ میں خلیفہ نے جماعت سے علیحدہ ہونے والے شخصوں پر حملے کئے ہیں اور ایسے الفاظ ان کی نسبت استعمال کئے جن کی نسبت میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ وہ منحوس اور افسوسناک تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فخرالدین نے جو اس انجمن کا سیکرٹری تھا جس کے صدر شیخ عبدالرحمٰن مصری ہیں۔ ان کا جواب لکھا جس میں اس نے یہ لکھا: ’’اسی لئے تو ہم جماعت سے بار بار آزاد کمیشن کا مطالبہ کر رہے ہیں تاکہ اس کے روبرو تمام امور اور شہادتوں اور مخفی در مخفی حقائق و دقائق پیش ہوکر اس قضیہ کا جلد فیصلہ ہو جائے کہ کس کا خاندان فحش کا مرکز یا بالفاظ دیگر وہ ہے جو خلیفہ نے بیان کیا ہے۔‘‘

اب اس بیان میں خلیفہ کے خطبہ کے بیان کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں اس نے اپنے دشمنوں اور مخرجین کے خاندانوں کے متعلق یہ کہا تھا کہ ان میں سے حیا اور پاکیزگی جاتی رہے گی اور وہ فحش کا اڈہ بن جائیں گے۔ میری رائے میں فخر الدین کے اس پوسٹر کا مطلب صاف اور واضح ہے اور ایسا ہی قادیان میں اس کا مطلب سمجھا گیا۔ کیونکہ صرف دو دن بعد ۷/اگست کو ایک متعصب مذہبی مجنون نے فخر الدین کو مہلک زخم لگایا۔

میاں محمد امین خاں نے جو درخواست کنندہ کا وکیل ہے اس امر پر زور دیا ہے کہ شیخ عبدالرحمٰن مصری اس آخری پوسٹر کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ واقعات یہ ہیں کہ انجمن ایک مختصر سی حیثیت رکھتی تھی۔ جس کا صدر عبدالرحمٰن اور سیکرٹری فخر الدین تھے۔ اصل پوسٹر ہاتھ کا لکھا ہوا تھا جو اب دستیاب نہیں ہوسکتا۔ البتہ اس کی ایک نقل ایک کانسٹیبل نے کی تھی جس کا یہ بیان ہے کہ اس کے نیچے فخر الدین سیکرٹری مجلس احمدیہ کے دستخط تھے۔ مگر اس امر کے برخلاف فخر الدین کے لڑکے نے اصل مسودہ پیش کیا ہے۔ جو اس کے باپ نے اس کی موجودگی میں لکھا تھا اور جس کے نیچے صرف اس قدر دستخط ہیں۔ فخر الدین ملتانی میں کانسٹیبل کے بیان کو قابل قبول سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اسے جھوٹ کہنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی جو وجہ صفائی کے گواہ میں پائی جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ اس کا مقصد اپنے لیڈر کو چھڑانا ہے۔

یہ امر کہ فخر الدین نے اصل مسودہ پر سیکرٹری کے الفاظ نہ لکھے تھے۔ ظاہر نہیں کرتا کہ صاف کردہ اور شائع کنندہ کاپی پر بھی یہ الفاظ نہیں لکھے گئے تھے۔ میری رائے میں شیخ عبدالرحمٰن پر بھی اس پوسٹر کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ خصوصاً اس بیان کے سامنے جو انہوں نے عدالت میں دیا ہے ان حالات میں مقامی حکام نے شیخ عبدالرحمٰن کے برخلاف جو کچھ کارروائی حفظ امن کی ضمانت کی کی۔ وہ مناسب تھی۔ ایک ہزار روپیہ کی ضمانت کچھ بھاری ضمانت نہیں ہے اور یہ ضمانت دی جاچکی ہے اور نصف سے زائد عرصہ گزر بھی چکا ہے۔ لہٰذا درخواست مسترد کی جاتی ہے۔

دستخط: ایف. ڈبلیو سیکمپ جج عدالت عالیہ ہائیکورٹ لاہور، مورخہ ۲۳/ستمبر ۱۹۳۸ء

قادیانی خلافت اور شیخ مصری کی شہادت

حضرات! مذہبی اور اخلاقی دنیا میں ایک مصلح، خلیفہ اور امیر قوم کے لئے سب سے زیادہ ضروری مقدس اور پاکیزہ ہونا اس کا ذاتی کریکٹر اور کردار ہے۔ اگر یہ مضبوط نہیں تو پھر تمام دعوے ہیچ اور باطل ہیں۔ مرزامحمود احمد خلیفہ قادیان کے مخلص مریدوں نے تحقیق ومشاہدہ کے بعد ان کے چال چلن پر اعتراضات کئے۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ خلیفہ صاحب یوسف صدیق کی طرح اپنے معترضین کی واقعات وحقائق کی روشنی میں تسلی کرتے۔ مگر افسوس کہ باوجود بار بار مطالبہ اور دعوت مباہلہ کے خلیفہ صاحب کو اس امر فیصل کی اب تک ہمت وجرأت نہیں ہوئی اور نہ ہی وجود جرائم کے باعث تازیست ہوسکے گی۔ ’’فتمنو الموت ان کنتم صادقین‘‘

خلیفہ قادیانی کا اپنے متعلق اقرار جرم

جو تو نے دی تھی مجھ کو طاقت خیر ۔۔۔ میں کر بیٹھا ہوں اس کا بھی صفایا
سمٹ کر بن گئی نیکی سویدا ۔۔۔ افق پر چھا گئیں میری خطایا
میں حیوانوں سے بدتر ہو رہا ہوں ۔۔۔ نہیں تقویٰ میں حاصل کوئی پایا

(کلام محمود ص۱۰۲)

شیخ عبدالرحمٰن مصری کی قادیانی جماعت میں شخصیت

۱...... مصری صاحب مرزا قادیانی کے مخصوص فدائی اور صحابی ہیں۔

۲...... قادیان ہی میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔

۳...... قادیانی جماعت کے فرمان خصوصی کے ماتحت حصول تعلیم کے لئے مصر گئے۔

۴...... پھر قادیان واپس آکر بی۔اے پاس کیا۔

۵...... تبلیغ یورپ کے لئے خلیفہ صاحب کے ہمراہ یورپ گئے۔

۶...... عرصہ بیس سال تک مدرسہ احمدیہ قادیان کے ہیڈ ماسٹر رہے۔

۷...... ۱۹۳۵ء میں جب مجلس احرار اسلام اور قادیانی جماعت کے درمیان جنگ مباہلہ شروع ہوئی تو خلیفہ قادیان نے اپنی تمام جماعت کی طرف سے احرار کے مقابلہ میں شرائط مباہلہ طے کرنے کے لئے شیخ عبدالرحمٰن مصری کو ہی بطور مستند نمائندہ پیش کیا۔

آخر شیخ عبدالرحمٰن مصری مورخہ ۲۹ رجون ۱۹۳۷ء کو خلیفہ قادیانی کی بیعت سے الگ ہوگئے اور تنسیخ بیعت کے اسباب ووجوہات مصری صاحب کا وہ بیان ہے جو کہ انہوں نے خلیفہ صاحب کے متعلق عدالت میں دیا ہے۔ خدا ایسے خلیفوں سے محفوظ رکھے۔ آمین!

لباس خضر میں یاں سینکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر

ختم نبوت اور قادیانی فتنہ

ہشیار ہو اے ختم نبوت کے محافظ کس کام میں مصروف ہے باطل کی ہوا دیکھ

برادران ملت! ختم نبوت کا عقیدہ تمام اسلامی دنیا کا اجماعی عقیدہ ہے اور اسی عقیدہ پر ہی ملت اسلامیہ کی وحدت ومرکزیت کا انحصار ہے۔ پس جو شخص حضرت خاتم الانبیاء کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ودجال اور باغی ومرتد ہے ۔

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

مرزائی فتنہ کی منافی اسلام تعلیمات ختم نبوت کا صریح انکار، نبوت باطلہ کا اقرار، انبیاء علیہم السلام، خلفاء، اولیاء کی توہین وتنقیص، جہاد اسلامی کی تنسیخ ومذمت، پاکستان وملت اسلامیہ کے خلاف تخریبی سرگرمیاں، دشمنان اسلام کی تعریف ومدح، امت محمدیہ کو گمراہ ومرتد کرنے کے ایمان ربا پروگرام، پاکستان میں ایک خالص مرزائی صوبہ بنانے کی خطرناک سکیم۔ ان تمام حقائق کی تفصیلات کو معلوم کرنے کے لئے دیکھو ہماری تازہ کتاب ''قادیانی نبوت'' جس میں مرزائی مذہب کے عقائد باطلہ کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

(ابوالسیف عتیق الرحمٰن فاروق، مورخہ ۲۸ رمئی ۱۹۴۹ء چنیوٹ)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

قادیانی عبادت گاہ ڈیرہ غازی خان کے فیصلہ کے

شرعی مباحث کا ترجمہ

جناب شیخ اظہار الحق ایڈووکیٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبدالرحمٰن مبشر بنام امیر علی شاہ

نمبر مقدمہ سی.آر/۱۰۱۱/۱۹۷۶

۸- اس ترمیم (آئین) کے ذریعے لوگوں کے جذبات بہت حد تک مطمئن ہوگئے اور تحریک اپنا مقصد پورا ہونے کی وجہ سے ختم ہوگئی۔ کچھ عرصہ کے بعد متعصب مسلمانوں کے علماء کے ایک گروہ اور ان کے پیروکاروں نے یہ خیال کیا کہ صرف مسلمان ہی اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہہ سکتے ہیں۔ صرف وہ ہی اذان دے سکتے ہیں اور صرف وہ ہی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ رسول پاک نے تربیت دی ہے، نہ کہ کفار۔ انہوں نے ان ترامیم کی یہ تعبیر کی کہ احمدی یا قادیانی اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ اس طرح یہ حق بھی نہیں کہ اذان کے ذریعہ لوگوں کو عبادت کے لئے بلائیں یا اس طریقہ سے نماز پڑھیں جس طریقہ سے رسول پاک ﷺ نے حکم دیا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پنجاب کے مختلف مقامات پر دعوے کئے گئے۔ موجودہ مسئول علیہم (مسلمانوں) نے یہ دعویٰ سب سے پہلے کیا کہ وہ ڈیرہ غازی خان میں احمدیوں کی ایک پرانی مسجد میں نماز پڑھنے کا حق رکھتے ہیں اور یہ استدعا کی کہ لاہوری اور قادیانی گروپ کے ڈیرہ غازی خان کے احمدیوں کو مستقل طور پر روکا جائے کہ وہ ڈیرہ غازی خان کے مسلمانوں کو مسجد میں اذان دینے یا نماز ادا کرنے سے نہ روکیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب انہیں مذکورہ بالا مقدمات کا علم ہوا تو انہوں نے ایک دعویٰ کیا جس کے نتیجہ میں موجودہ درخواست ہائے نگرانی ۱۰۱۳-۱۰۱۱، ۱۹۷۶ء وجود میں آئیں جن کا اس حکم کے ذریعے فیصلہ کیا جارہا ہے۔

یہ مختلف نوعیت کا مقدمہ ہے اور اس میں بنائے دعویٰ بھی مختلف ہے۔ اس کے ذریعے اب اس استقرار حق کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ مرزائی یا احمدی جو کہ غیر مسلم ہیں وہ اپنی عبادت گاہوں کو مساجد نہیں کہہ سکتے نہ اس میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ جس میں قیام رکوع وسجود اس طریقے سے ہو جس طریق سے اسلام نے حکم دیا ہے۔ ایک استدعا برائے حکم امتناعی دوامی کا بھی اضافہ کیا گیا ہے جس میں مرزائیوں کو اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہنے اس میں اذان دینے یا اسلامی طریق سے نماز پڑھنے سے منع کرنے کو کہا گیا ہے۔

۱۰- دعویٰ کی بنیاد بالا آئین ترمیم ہے۔ عرضی دعویٰ کے پیرا نمبر۳ میں یہ کہا گیا ہے کہ مرزائی اپنی عبادت گاہوں کو مسجد کہتے ہیں اور اس میں اس طرح نماز ادا کرتے ہیں جس طرح

اسلامی شریعت میں حکم ہے۔ علاوہ ازیں وہ اذان، نماز، قیام، رکوع وسجود، تلاوت قرآن اور نبی کریم پر درود وسلام اور دعا میں مسلمانوں کی نقالی کر سکتے ہیں۔ پیرا نمبر۵ میں مزید کہا گیا ہے کہ مسجد صرف مسلمانوں کی عبادت گاہ کا نام ہے۔ کوئی کافر یہ حق نہیں رکھتا کہ مسجد کو تعمیر کرے یا اپنی عبادت گاہ کو مسجد سے مشابہ بنائے یا اپنی عبادت گاہوں کا رخ کعبہ کی طرف کرے۔ مسجد میں کفار کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح نماز اور عبادت کے دوسرے طریقے صرف مسلمانوں کے لئے ہیں۔ کوئی غیر مسلم ان طریقوں پر عبادت نہیں کر سکتا۔ نماز بھی ایک شعار ہے جو صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے اور جو شخص اذان دیتا ہے اس کا بھی مسلمان ہونا ضروری ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ڈیرہ غازی خان میں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہے اور مرزائیوں کی ان حرکات سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں اور اس طرح امن عامہ کو بھی خطرہ ہے۔

۱۳۲- اسلامی قانون وحی پر مبنی ہونے کے باعث عام طور پر عدل وانصاف اور نیک نیتی کے اصولوں کے مطابق ہے۔ میں نے پہلے جی سنیل کی کتاب اصول عدل کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ عدل کا نظام فطری انصاف اور نیک نیتی پر قائم کیا گیا ہے۔ الٰہی قانون یا اس پر مبنی قوانین سے زیادہ فطری انصاف کہاں ممکن نہیں۔ الٰہی قانون فی الحقیقت فطری قوانین کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ یہ نیکی اور اخلاقی اقدار پر مبنی ہیں۔ اسلامی قانون کی نیک نیتی نہ صرف قاضی کی نیک نیتی ہے بلکہ روبرو پیش ہونے والے فریقین کی نیک نیتی کے ہم معنی بھی ہے۔ یہ ایسے اصولوں پر مبنی ہے جس میں رشتہ داروں، ہمسایوں، غیروں کے ساتھ اچھا سلوک، تمام شہریوں کے ساتھ مساوی سلوک جس میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے ساتھ مساوات، رواداری اور مذہبی اور ایسے ہی دیگر معاملات میں عدم اجبار شامل ہے۔ عدل کا جو عدالتی اختیار انگلستان میں بارھویں صدی میں معرض وجود میں آیا اسلام اس سے غیر متعارف نہ تھا۔ مفتی، قاضی اور دوسرے فقہائے نئے اصول معلوم کرنے کے لئے اپنی زندگیاں صرف کر دیں تاکہ قیاس کے ذریعے نئے حالات کے ساتھ عہدہ برآمد ہوا جاسکے۔ یہ عین ممکن ہے کہ بعض معاملات میں یہ اصول جس وقت معلوم کئے گئے تھے۔ اس وقت تصوراتی ہوں۔ لیکن ان کا استعمال بعد میں قابل ذکر نتائج کا ذریعہ بنا۔ یہ اصول عدل کے استعمال کی اچھی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

۱۳۴- امام مالک نظریۂ استحسان کے بڑے مداح تھے اور وہ اسے علم کے دس میں سے نو حصے تصور کرتے تھے۔

۱۳۵- مصالح مرسلہ کے اصول میں جو افادی نظریہ پنہاں ہے اور جسے امام مالک نے

دریافت کیا مکمل عدل ہے۔ چونکہ اس کا مقصد ایسے قوانین کی دریافت ہے جس سے امت کی زیادہ سے زیادہ بھلائی ہوسکے۔

۱۳۶- انصاف، عدل اور نیک نیتی کے اصولوں کے استعمال سے قوانین کا دریافت کرنا اسلامی سیاست کا لازمی جزو ہے جیسا حدیث معاذ سے ظاہر ہوتا ہے جو قرآن اور حدیث کی غیر موجودگی میں قانونی خلا پر کرنے کے لئے اجتہاد کو ایک یقینی طریقہ ثابت کرتی ہے۔

۱۳۷- میرا اس بارے میں مسلمانوں کے وکلاء کے مؤقف کے ساتھ مکمل اتفاق ہے کہ جن معاملات میں فریقین مسلمان ہوں، انصاف اور عدل کے اسلامی اصولوں کو انگریزی قانون کے اصولوں کی بجائے نافذ کرنا چاہئے۔

۱۳۸- سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ اصول قادیانی غیر مسلموں پر بھی استعمال ہوسکتا ہے۔ اگرچہ کفار کے معاملات میں اسلامی قانون پر عمل نہیں ہوسکتا۔ لیکن مذکورہ بالا سوال کا میری رائے میں جواب اثبات میں ہے وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرح کفار کا یہ طبقہ قرآن وسنت کی پابندی کا دعویٰ کرتا ہے۔ ان حالات میں مجھے کوئی شبہ نہیں کہ وہ کفار جو مسلمانوں کے قوانین کی پابندی کا دعویٰ کرتے ہیں ان پر بھی اسی طرح کے انصاف وعدل اور نیک نیتی کے اصول لاگو ہوں گے۔ نتیجتاً دونوں فریقین (یعنی مرزائی اور مسلمان) پر اسلامی قانون لاگو ہوگا۔ جیسا کہ قبل ازیں کہا جاچکا ہے مجھے اس سے اتفاق ہے کہ اس دعویٰ کے موضوع سے تعلق رکھنے والے حقوق وفرائض سے متعلقہ اگر قرآن وسنت کا کوئی حکم موجود ہو تو فیصلہ اس کے مطابق ہوگا۔ بشرطیکہ رائج الوقت قانون اس بارے میں مانع نہ ہو۔ میں یہاں اس بات میں اس امر کا اضافہ کردوں گا کہ یہ عدالت صرف قرآن وسنت کے احکامات کی پابند ہے۔ لیکن علماء اور فقہاء کی آراء واجتہاد سے آزاد ہے۔ عدالت ان آراء اور اجتہادات کو اور انصاف وعدل کے اصولوں کو اپنے طور پر پرکھے گی۔ کیونکہ کوئی عدالت ایسے آراء واجتہادات کی تقلید کی پابند نہ ہے۔

۱۴۰- دعویٰ میں جو استدعا کی گئی ہے اس کے بارے میں مسلمانوں کے وکلاء نے شرعی قانون میں سے کوئی ایسی دلیل نہیں دی جس سے ثابت ہو کہ مرزائیوں کے خلاف اس مقدمہ کی وجوہات سے متعلقہ کوئی حقوق وابستہ ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے تفصیل کے ساتھ دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ لیکن انہوں نے صرف یہ ثابت کیا ہے کہ مسجد کو عبادت گاہ کے طور پر سب سے پہلے مسلمانوں نے تعمیر کیا۔ نماز باجماعت پڑھنے کے لئے اذان کا طریقہ انہوں نے رائج کیا اور ان کا نماز ادا کرنے کا طریقہ کسی پچھلی امت میں رائج نہیں تھا۔ لیکن یہ ثابت کرنے کے لئے نہ کوئی

قرآن کی آیت پیش کی گئی ہے نہ کوئی حدیث بیان کی گئی اور نہ ہی کسی امام کی رائے کا ذکر کیا گیا کہ کوئی غیر مسلم اپنی عبادت گاہ کو مسجد سے مشابہ تعمیر نہیں کرسکتا اور نہ اسے مسجد کے نام سے منسوب کر سکتا ہے یا اس میں اذان دے سکتا ہے یا مسلمانوں کے طریقہ پر نماز ادا کرسکتا ہے۔ بہت سے فرقوں کو پچھلے زمانے میں اس وقت کے بادشاہ یا خلیفہ نے کافر قرار دیا تھا لیکن ان کی نماز یا ان کی عبادت گاہ میں دخل اندازی کی کوئی ایک مثال بھی پیش کی گئی۔ یہ ثابت کرنا کہ یہ تمام ارکان اسلام کی وجہ سے معرض وجود میں آئے الگ بات ہے۔ لیکن یہ بالکل ہی دوسری بات ہے کہ اسلام نے ان ارکان کو اپنے ساتھ اس قدر مخصوص کرلیا کہ کوئی کافر خواہ وہ قرآن وحدیث پر یقین رکھتا ہو ان ارکان کو اپنی عبادت کا طریقہ نہیں بنا سکتا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص بغیر مسلمان ہوئے مسلمانوں کی عبادت گاہوں میں مسلمانوں کے طریقہ پر عبادت کرنے سے روحانی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ میں صرف ان کفار کی نشاندہی کررہا ہوں جو کہتے ہیں کہ وہ اپنی روحانی ترقی کے لئے قرآن وسنت کے احکام وقوانین کو مانتے ہیں۔ ابتدائی عدالت نے اور ڈسٹرکٹ جج کی عدالت نے بہت سی قرآنی آیات اور احادیث اور فقہاء کی آراء کو حوالہ دیا ہے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کے مقدمہ کو ثابت نہیں کرتی۔

۱۴۱- یہ ثابت کرنے کے لئے کہ قرآن نے مسلمانوں کی عبادت گاہ کو مسجد کہا ہے۔ سورۃ الحج کی آیت نمبر۴۰ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جس میں یہ کہا گیا ہے: ''وہ لوگ جن کو نکالا ان کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے تو ڈھائے جاتے تکئے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے۔ اللہ کا بہت اور اللہ مدد کرے گا اسکی جو مدد کرے گا اس کی بے شک اللہ زبردست ہے زوروالا۔''

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کی عبادت گاہ کو مسجد کا نام دیا گیا ہے۔ لیکن کیا اس آیت سے اصل بات ثابت ہوتی ہے؟ یہ بات ثابت کرنے کے لئے کہ غیر مسلم مسجد نہیں بنا سکتے۔ سورۃ توبہ کی آیت نمبر۱۷ پر انحصار کیا گیا جو اس طرح ہے: ''ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شٰھدین علی انفسھم بالکفر'' آیت نمبر:۲۸ کا بھی حوالہ دیا گیا ہے جس میں مشرکین کو کعبہ کے اندر داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ آیت کہتی ہے:

آیت نمبر:۱۷ کی تشریح کے بارے میں مسٹر اسماعیل نے ابن العربی کی ''احکام القرآن ج۲ص۸۷'' کے حوالے سے یہ کہا ہے کہ اس سے مشرکین کے لئے مسجد میں داخل ہونا

اور اسے بنانا یا اس کی مرمت کرنا دونوں کام منع ثابت ہوتے ہیں۔ آیت نمبر: ۲۸ کا حوالہ بھی اس ضمن میں دیا گیا ہے کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین کعبہ کے اندر داخل نہیں ہو سکتے۔ اس دلیل کی رو سے الفاظ ''ان یعمروا'' کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ کافر مسجد کی تعمیر ہی نہیں کر سکتے جس میں چند مجتہدین کے حوالے دیئے گئے ہیں اور جسے ملک غلام علی صاحب نے تیار کیا ہے جو اپنے آپ کو مولانا مودودی کا معاون خاص لکھتے ہیں۔

۱۴۲- یہ دونوں آیات ظاہری طور پر مشرکین کے بارے میں معلوم ہوتی ہیں جن مسلمانوں کے وکلاء سے یہ بات کی گئی تو مسٹر محمد اسماعیل نے کہا کہ مشرک کا لفظ کافر کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جب کہ مسٹر ریاض الحسن نے کہا کہ احمدی بھی مشرک ہیں۔ مسٹر ریاض الحسن کے مطابق شرک کی کئی اقسام ہوتی ہیں۔

(۱) شرک بالذات (۲) شرک بالصفات (۳) شرک بالحقوق

انہوں نے شرک بالذات کی تعریف یوں کی ہے کہ اس شرک میں خدا پر یقین کے علاوہ دیگر اشیاء کو بھی خدائی میں شریک سمجھا جاتا ہے۔ شرک بالصفات خدا کے علاوہ دیگر اشیاء کو خدائی صفات کا حامل سمجھتا ہے۔ شرک بالحقوق ایک ایسا شرک ہے جو اپنے اعمال سے خدا کی خدائی اور اس کی صفات کی نفی کرتا ہے۔

۱۴۳- مسٹر مجیب الرحمٰن نے تیسری قسم سے اتفاق نہیں کیا۔ جب کہ پہلی دو اقسام سے متفق ہیں جیسا کہ قرآن کی دسویں سورۃ کی آیت نمبر: ۶۹ اور انتیسویں سورۃ کی آیت نمبر: ۱۷ سے ظاہر ہے۔ پہلی آیت میں مندرج ہے۔

دوسری آیت بت پرستی سے متعلق ہے۔

مسٹر ریاض الحسن کے مطابق دوسری سورۃ کی آیت نمبر ۱۶۵ تیسری قسم کے مشرکین کے بارے میں ہے۔ یہ اس طریقے سے شروع ہوتی ہے۔

میں اس سے متفق نہیں ہوں۔ چونکہ صاف طور پر یہ آیت بت پرستی سے متعلق ہے۔ انہوں نے نویں سورۃ کی آیت نمبر ۳۱ اور بیالیسویں سورۃ کی آیت نمبر ۲۱ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ لیکن یہ دونوں آیات بھی کسی ایسے شخص سے متعلق نہیں ہیں جو خدا کی خدائی اور صفات پر یقین رکھتے ہوئے اپنی حرکات سے ہر دو کی نفی کرتا ہے۔ نویں باب (سورۃ توبہ) کی آیت نمبر ۳۱ ان سے متعلق ہے جنہوں نے اللہ کے علاوہ اپنے علماء، سادھو اور مسیح ابن مریم کو بھی اپنا خدا بنایا۔ ابن مریم کے ذکر سے یہ آیت بھی ان آیات کے زمرے میں آجاتی ہے جن میں دسویں سورۃ کی آیت

نمبر۶۹ شامل ہے۔ بتالیسویں باب (الشوریٰ) کی آیت نمبر۲۱ مندرجہ ذیل ہے۔
اس آیت کا اشارہ ان اقوام کی طرف ہے جن کو تباہ کر دیا گیا۔ عمومی طور پر یہ وہ اقوام تھیں جنہوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں کا انکار کیا۔ ان کا مذاق اڑایا اور ان پر ظلم وستم روا رکھا۔
۱۴۴- ریاض الحسن نے چوتھی سورۃ کی آیت:۴۱، ۱۱۶، ۱۱۸، ۷، ۴۷تا۵۴ اور اکتالیسویں سورۃ کی آیت:۴۰ کا بھی حوالہ دیا ہے۔ چوتھی سورۃ کی آیت:۴۸ اور ۱۱۶ بت پرستوں سے متعلق ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ چوتھی سورۃ کی آیت:۶۵ اور باسب چوبیس کی دوسری آیات جن کا متن اوپر آچکا ہے۔ منافقین کے بارے میں ہیں۔ ریاض الحسن نے وضاحت کی ہے کہ انہیں ان آیات پر اس لئے استدلال ہے کہ شرک کا لفظ منافقت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اوپر دی گئی آیات جو منافقین سے متعلق ہیں اور سورۃ توبہ کی آیت:۱۷، ۲۸ کی شان نزول کے پیش نظر اس نتیجہ کا کوئی جواز نہ ہے۔ اب میں سورۃ توبہ کی ان دو آیات کی طرف آتا ہوں۔
۱۴۵- ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دو آیات مکہ کی پاک مسجد کے بارے میں ہیں۔ ابن کثیر آیت:۱۷ کی تفسیر یوں کرتا ہے کہ لفظ مساجد (جمع) لفظ مسجد (واحد) کے طور پر بھی پڑھا جاتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس کا تعلق صرف مکہ کی مسجد سے ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے مطابق (دیکھو ترجمان القرآن) آیت نمبر:۱۷ کا امتناع آیت نمبر:۲۸ کا ابتدائیہ ہے۔ جس کی رو سے بت پرستوں کو نویں سن ہجری میں کعبہ شریف میں داخل ہونے پر مکمل پابندی لگ گئی۔ مولانا مودودی کو بھی اس رائے سے اتفاق ہے۔ اگرچہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت عمومی احکام کا درجہ بھی رکھتی ہے۔ یہ امر کہ آیت:۱۷ کا تعلق صرف اور صرف مکہ کی مسجد سے ہے۔ اس بات سے بھی واضح ہے کہ آیت نمبر۱۹ میں لفظ ''مسجد الحرام'' استعمال کیا گیا ہے۔
آیت نمبر:۱۷ کی نزول کی وجہ صرف یہ واضح کرنا تھا کہ فتح مکہ کی وجہ سے کعبہ میں بت پرستی کے اختتام کے بعد اور اس میں خدا کی عبادت کے قیام کی وجہ سے بت پرستوں کا ہر تعلق اس پاک مسجد سے کٹ گیا اور ان کا مسجد میں داخلہ بے معنی ہوگیا۔ بعدازاں ان کا کعبہ میں داخلہ آیت:۲۸ کے مطابق ممنوع ہوگیا۔
۱۴۶- فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ امتناع صرف کعبہ کی حد تک ہے۔ یا عام مساجد پر بھی اس کا اطلاق ہے۔ اہل مدینہ اور امام مالک کے خیال میں یہ امتناع ہر مسجد کے بارے میں اور مسجد میں ہر طرح کے داخلے کے بارے میں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق یہ امتناع صرف کعبہ کی مسجد سے متعلق ہے اوراس کا اطلاق دیگر مساجد پر نہیں ہوتا۔ چونکہ رسول پاک ﷺ کی زندگی میں بنی ثقیف کے طائفہ کو مدینہ کی مسجد میں ٹھہرایا گیا اور ثمامہ کو بھی اس مسجد میں ایک ستون سے باندھا گیا۔ مزید برآں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خیال کے مطابق آیت نمبر:۲۸ بت پرستوں کا کعبہ میں داخلہ کلی طور پر ممنوع قرار نہیں دیتی۔ یہ آیت صرف یہ ہدایت رکھتی ہے کہ کفار کو شان وشوکت سے داخل ہونے کی اجازت نہ ہو۔ (تفسیر حقانی، تفسیر ماجدی) مولانا مودودی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نقطہ نظر کو مزید اس طرح واضح کیا ہے کہ مشرکین کا داخلہ صرف ادائیگی حج، عمرہ اور دیگر رواجی رسوم کے لئے بند ہے۔ ترجمان القرآن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا اس مسجد میں داخلہ عمر بن عبدالعزیز نے بند کیا۔ بہرحال حنفی نقطۂ نگاہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

۱۴۷- ڈاکٹر حمید اللہ اپنی کتاب ''مسلمانوں کا طرز ریاست'' (**Muslim Conduct of State**) کے چوتھے اڈیشن کے ص۲۵۲ پر لکھتے ہیں: ''مکہ کا مسئلہ کچھ الجھا ہوا ہے۔ قرآن میں نویں سورۃ کی آیت:۲۸ کہتی ہے کہ کفار چونکہ ناپاک ہوتے ہیں۔ اس دن سے وہ پاک مسجد میں نہیں جاسکتے۔ میرے ذاتی خیال میں اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ کعبہ مسلمانوں کے قبلہ کے طور پر مختص ہو چکا تھا۔ اس لئے کفار کو اس میں غیر اسلامی اور بت پرستانہ رسومات کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس کے علاوہ اس آیت کے کچھ اور معنی نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ خلیفہ عمر عیسائی سائلوں کو جمعہ کا خطبہ دیتے وقت بھی مسجد کعبہ میں باریابی دیتے تھے۔ (خراج ابویوسف) اگرچہ متعصبین اس حد تک بھی گئے ہیں کہ کوئی غیر مسلم مکہ میں نہیں رہ سکتا۔ سوائے سفیران کے اور وہ بھی اس وقت جب خود مسلمان حکمران مکہ میں موجود ہو۔ مگر میں اپنی تفسیر کے ساتھ چمٹے رہنے کی جسارت کرتا ہوں۔ اس کی وجہ بہت سیدھی سادی ہے اور وہ یہ کہ پرانا طریق میرے حق میں ہے۔ پہلے نمبر پر یہ عین ممکن ہے کہ مکہ کا ایک باسی ایک غیر مسلم غلام رکھتا ہو۔ خصوصی طور پر ام اولاد اور یہ ناممکن ہے کہ آقا اور غلام ایک ہی جگہ نہ رہ سکیں۔ دوسرے نمبر پر پہلی سن ہجری کا ایک عیسائی طبیب ابوداؤد عبدالرحمٰن کا واقعہ ہے جو ابن سعد کے طبقات ص۳۶۵ پر درج ہے۔ وہ جبیر ابن مطعم کا غلام تھا اور کعبہ کی مسجد کے عین نیچے مطب کرتا تھا۔ تیسرے نمبر پر ابن قیم متعدد واقعات لکھتے ہیں جن میں رسول خدا اور صحابہ کے زمانے میں عیسائیوں کو مکہ اور مدینہ میں ان کے مسلمان وارثان نے دفن کیا۔''

چھٹے اڈیشن میں انہوں نے سرخسی کے نقطہ نظر کا اضافہ کیا ہے۔ چوتھے اڈیشن کے پیرا

نمبر۲۰۳ کی بجائے چھٹے ایڈیشن کے پیرا نمبر۲۰۴ رکھا گیا۔ اس میں ذکر ہے: ’’سرخسی کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ کعبہ مسلمانوں کے قبلہ کے طور پر مختص ہوچکا ہے۔ اس لئے غیرمسلموں کو اس کی حدود میں بت پرستانہ رسوم ادا کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔ اس کے علاوہ کوئی معنی نہیں نہ کوئی بندش ہے۔‘‘

پیراگرام۲۰۴ کے نوٹ میں شرح السیر الکبیر کا مندرجہ ذیل حوالہ دیا گیا ہے: ’’ہمارے حنفی مکتبۂ فکر کے مطابق وہ مسجد کعبہ میں داخلہ سے منع نہیں کئے جاسکتے۔ کیونکہ انہیں کسی دوسری مسجد میں داخلہ سے منع نہیں کیا گیا ہے۔‘‘

اس لحاظ سے مسلمان حکومت کی غیرمسلم رعایا اور غیرملکی غیرمسلم یکساں ہیں اور قرآن کی یہ آیت جوان کا داخلہ منع کرتی ہے اس کی تفسیر صرف اس طرح کی جانی چاہئے کہ غیرمسلم مسجد کعبہ میں اسلام سے پیشتر کی رسوم ادا کرتے ہوئے نہ داخل ہوں۔

۱۴۷- جامع الشواہد میں مولانا ابوالکلام آزاد نے متعدد حوالہ جات یہ ثابت کرنے کے لئے دیئے ہیں کہ مہتمم مسجد کی اجازت کے ساتھ غیرمسلموں کے مسجد میں داخلہ پر کوئی پابندی نہیں۔ مذکورہ بالا حنفی نقطۂ نظر کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سعودی گورنمنٹ کا غیرمسلموں کے مکہ میں داخلے کا امتناعی حکم بالکل غلط ہے۔

۱۴۸- اگلا سوال یہ ہے آیا غیرمسلمانوں کے ادائیگی نماز پر پابندی ہے کہ نہیں اس سوال کا جواب ایک حدیث کے حوالے سے دیا جاسکتا ہے۔ نجران کے ساٹھ آدمیوں کا ایک طائفہ رسول کریم کے پاس آیا۔ جب ان کی عبادت کا وقت ہوا تو انہوں نے مسجد نبوی میں کھڑے ہوکر مشرق کی طرف عبادت کی۔ صحابہ کرام کے اعتراض پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ انہیں ایسا کرنے دو۔ (حیات محمد ﷺ، ترجمہ سیرت رسول اللہ صفات ۲۷۰،۲۷۱، المواہب ج۱ ص۲۴۳، سیرت النبی ﷺ شبلی نعمانی ج۲ ص۴۸۳)

۱۴۹- ابن قیم کی رائے میں اس واقع سے کوئی عام اصول اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ رائے اس حد تک درست ہو تو ہو کوئی کافر مہتمم مسجد کی اجازت کے بغیر اپنی عبادت نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر فاضل مصنف کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ایسی اجازت دے ہی نہیں سکتے تو میں مؤدبانہ طور پر اس سے اختلاف کروں گا۔ تاآنکہ بعد کی کوئی احادیث یا نظیر دکھائی جاوے۔ جس میں رسول پاک نے مختلف طرزعمل کا مظاہرہ کیا ہو۔ چونکہ یہ رسول پاک کی حدیث ہے اور کوئی ایسے حالات نہیں ہیں جو اس کی عمومی نوعیت بطور اصول اور اس پر عملدرآمد میں مانع ہوں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ حافظ

ابن قیم کی رائے منطقی طور پر کیسے درست ہوسکتی ہے۔ میرے اس نظریے کو مولانا ابوالکلام آزاد کی جامع الشواہد سے تقویت ملتی ہے۔

۱۵۰- یہ بحث کہ معبد کی مرمت غیر مسلم نہیں کر سکتے۔ نویں سورۃ کی آیت:۱۷ پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔ جس میں الفاظ ''ان یعمروا'' استعمال ہوئے ہیں۔ ملک غلام علی نے اپنے نوٹ میں امام ابوبکر جصاص حنفی، امام ابوالقاسم، امام راغب اصفہانی، امام محمد بغوی، علامہ زمخشری، امام عبدالرحمٰن ابن الجوزی، امام فخر الدین رازی اور امام محمد بن ابراہیم کا حوالہ دیا ہے کہ اس آیت میں لفظ مشرکین سے کفار بھی مراد ہے۔ انہوں نے امام ابوبکر جصاص حنفی امام عبدالرحمٰن ابن الجوزی، امام فخر الدین رازی اور امام محمد بن ابراہیم کا مزید حوالہ دیا ہے کہ الفاظ ''یعمروا'' کثیر المعانی ہیں اور مسجد کی تعمیر اور مرمت پر بھی محیط ہیں۔

۱۵۱- ان میں کسی نکتہ پر بھی اتفاق نظر نہیں آتا۔ تفسیر حقانی، تفہیم القرآن اور ترجمان القرآن میں صرف مشرکین کا ذکر ہے۔ بہرحال یہ کوئی ضروری نکتہ نہیں۔ چونکہ لفظ مشرکین کسی طور بھی لفظ کفار کا ہم معنی نہیں ہوسکتا۔

۱۵۲- الفاظ ''ان یعمروا'' کے معانی پر بھی اختلاف ہے۔ تفسیر ماجدی میں ذکر ہے کہ بعض مفسرین کے مطابق کوئی کافر کسی مسجد کا خادم یا متولی نہیں ہوسکتا۔ جب کہ بعض کا خیال ہے کہ امتناع صرف داخلے کے بارے میں ہے۔ انتظام کے بارے میں نہیں۔ بعض دیگر کے خیال میں مرمت وغیرہ کے لئے بھی کفار کو اجازت نہیں۔

۱۵۳- مولانا مودودی کے مطابق مشرکین کا متولی، مجاور یا خادم ہونا مناسب نہیں۔ ترجمان القرآن کے مطابق وہ تولیت کے نااہل ہیں۔ تفسیر ماجدی میں بعض فقہاء کی آراء نقل ہیں جن کے مطابق مسجد کی تعمیر اگر سودمند سمجھیں تو کفار بھی کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ یہ عوامی پالیسی کے خلاف نہ ہو۔

۱۵۴- اسلام کا نظام مساجد، نامی کتاب کے ص ۱۵۵ پر بھی اسی رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ یہ کتاب مسئول علیہ (مسلمانوں) نے پیش کی ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبدالحئی کے متعدد فتوے میری نظر سے گزرے ہیں۔ (حوالہ کے لئے دیکھو فتویٰ رشیدیہ صفحات ۴۰۹، ۴۱۶) جن سے صاف عیاں ہے کہ غیر مسلموں کے مسجد کی تعمیر پر کوئی عذر ممکن نہیں اور وہ مساجد میں اپنی طور کی عبادت بھی کر سکتے ہیں۔ درحقیقت ایسی مثالیں موجود ہیں جن کے مطابق ہندو راجاؤں نے اپنی مسلمان رعایا کے لئے مساجد تعمیر کیں۔ ایسی مثالوں کا ذکر فتاویٰ

مولانا عبدالحئیؒ میں بھی ہے۔ یہ بحث کہ غیر مسلم مساجد کی تعمیر نہیں کر سکتے۔ فتاویٰ اور حنفی مکتب فکر کے خلاف ہے۔

۱۵۵- مسٹر ریاض الحسن کی مزید بحث باب نہم (سورۃ توبہ) کی آیت:۱۰۷ پر مبنی ہے۔ اس میں مسجد ضرار کا ذکر ہے۔ اس آیت کے ہمراہ آیات نمبر۱۰۸، ۱۰۹ بھی پڑھی جانی چاہئیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۵۶- یہ آیات مندرجہ ذیل واقعہ کے باعث نازل ہوئیں۔ جب رسول پاکﷺ بطور مہاجر مدینہ آئے تو وہ شہر سے باہر بنی عمرو بن العوف کے علاقے میں ٹھہرے۔ کچھ روز کے بعد شہر میں گئے اور ایک مسجد تعمیر کی جس جگہ رسول پاک شہر سے باہر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے وہاں بھی ایک اور مسجد تعمیر کر دی جس کا نام مسجد قبا رکھا۔ رسول پاکﷺ کم وبیش ہر ہفتہ دو رکعت اس مسجد بھی ادا کیا کرتے تھے۔ آپ نے مسجد قبا میں نماز ادا کرنے کو پارسائی سے تعبیر فرمایا۔ ایک عیسائی پادری ابوعامر نامی رسول پاک کی ہجرت سے پہلے مدینہ میں بہت بارسوخ تھا۔ اس کے کہنے میں آ کر منافقین نے مسجد تعمیر کی۔ رسول پاکﷺ کی ہجرت کے بعد اس عیسائی پادری کو کوئی نہ پوچھتا تھا۔ وہ مدینہ سے بھاگ گیا اور قریش مکہ کو راضی کر لیا کہ احد کے مقام پر مسلمانوں پر حملہ کریں۔ اس نے کفار کی صفوں میں شامل ہو کر ہر لڑائی میں مسلمانوں کے خلاف حصہ لیا۔ اپنے مقصد میں ناکام ہو کر وہ شام چلا گیا اور وہاں سے منافقین کو خط لکھا کہ وہ رومیوں کا ایک بہت بڑا لشکر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے لائے گا۔ اس لئے اس نے معاندانہ نظریہ سے ایک مسجد بنانے کو کہا۔

۱۵۷- تفسیر حقانی کے مطابق اس نے منافقین کو مسجد بنانے، لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے اور اسلحہ اکٹھا کرنے کی ہدایت کی۔ ابن کثیر نے ابن عباس کا حوالہ دیا ہے کہ ابوعامر نے مسجد بنانے کی ہدایت مندرجہ ذیل مقاصد کے تحت دی تھی۔

اوّل...... ہتھیار اور دیگر سامان جنگ اکٹھا کرنے اور مسجد میں چھپانے کے لئے۔

دوم...... اپنے لئے پناہ گاہ اور کمین گاہ کے طور پر استعمال کرنے کے لئے۔

ترجمان القرآن میں یہ مسجد بنانے کا مقصد ایک ایسی عمارت کی تعمیر تھا جس سے یہ ممکن ہو سکے کہ:

۱...... منافقین کی گروہ بندی ہو سکے اور ان کا ایک طاقتور گروہ وجود میں آ سکے۔

۲...... بحث مباحثہ اور سازش کے لئے ایک جگہ ہو۔

۳...... ابوعامر کے ایجنٹوں کو عارضی قیام کے لئے ایک ایسی جگہ میسر آسکے جہاں ان کی شناخت ممکن نہ ہو۔

۱۵۸- مزید کہا گیا ہے کہ طے یہ تھا کہ جونہی رومن لشکر مسلمانوں کو ختم کرے منافقین عبداللہ ابن ابی کو اپنا بادشاہ بنالیں گے۔

۱۵۹- تفسیر ماجدی کے مطابق اس مسجد کی تعمیر کا مقصد مسلمانوں کے درمیان نفاق پیدا کرنا اور رسول پاک ﷺ پر تنقید کرنا تھا۔

۱۶۰- تفہیم القرآن میں بھی مولانا مودودی نے انہی مقاصد کا ذکر کیا ہے۔

۱۶۱- ان تمام تفاسیر میں اس امر پر اتفاق ہے کہ اس مسجد کی تعمیر کا اصل مقصد مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنا اور انہیں ایک دوسرے کے خلاف صف آراء کرنا ہی نہ تھا بلکہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری اور ان کو نیست ونابود کرنے کا مقصد بھی تھا۔

۱۶۲- یہ غدارانہ اور ملحدانہ مقاصد تھے جن کے لئے مسجد ضرار تعمیر کی گئی۔ منافقین نے رسول پاک ﷺ کو بتانے کے لئے یہ بہانا بنایا کہ مسجد میں بھیڑ بھاڑ سے بچنے اور اس علاقے کے مسلمانوں خصوصاً بیمار اور ضعیف لوگوں کے لئے نزدیکی علاقے میں نماز ادا کرنے کی سہولت ہوگی۔ انہوں نے برکت کے لئے رسول پاک ﷺ سے اس مسجد میں نماز ادا کرنے کی استدعا کی۔ اس وقت رسول پاک ﷺ تبوک کی جانب تشریف لے جارہے تھے اور آپ نے فرمایا کہ وہاں سے واپسی پر اس بارے میں سوچیں گے۔ تبوک سے واپسی پر مندرجہ بالا آیت کا نزول ہوا جس سے منافقین کے ناپاک ارادوں سے مطلع کیا گیا۔ اس پر رسول پاک ﷺ نے مالک بن قسیم کو اس عمارت کے گرانے کا حکم دیا۔ جس کے تحت اس کو مسمار اور نذر آتش کر دیا گیا۔

۱۶۳- ریاض الحسن نے اس واقعہ اور آیت:۱۰۷ کے حوالے سے کہا ہے کہ غیر مسلموں کو مسجد کی تعمیر کی اجازت نہ دینے میں خدا کا ارادہ واضح ہوجاتا ہے۔ انہیں اس امر سے اختلاف نہیں کہ اگر مندرجہ بالا تمام کے تمام نقائص ایک ساتھ موجود ہونے ضروری ہوں تو اس کا اطلاع دعویٰ ہذا والی مسجد پر نہیں ہوتا۔ آیت میں اس کے عبادت گاہ ہونے کے علاوہ مندرجہ ذیل شرائط کی موجودگی ضروری ہے۔

۱...... مبنی بر مخالفت وکفر ہو۔

۲...... مقصد ایمان والوں کے درمیان نفاق پھیلانا ہو۔

۳...... اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ میں ایک مورچہ کی حیثیت رکھتی ہو۔

مگران کا استدلال ہے کہ ایک طرف ''ضرارا وکفرا'' کی درمیانی ''و'' اور ''کفرا وتفریقا بین المؤمنین'' اور ''ارصادًا لمن حارب الله'' کا یہ مطلب نہیں کہ تمام تر نقائص کا ایک ساتھ موجود ہونا ضروری ہے۔ نتیجتاً کافروں کی تعمیر کردہ مسجد کا گرایا جانا ضروری ہے۔ اس زمرہ میں ان کا کہنا ہے کہ ''ضرار'' کا انتہائی مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ عمارت مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہو۔ الفاظ ''حارب الله'' کے بارے میں ان کا مؤقف ہے کہ لفظ حارب صرف ایسی جنگ کے لئے ہی استعمال نہیں ہوتا جس میں اسلحہ استعمال کیا گیا ہو۔ بلکہ ''حارب اللسان'' کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ یعنی الفاظ و بحث وتکرار کی لڑائی۔ انہوں نے دوسری سورۃ کی آیت:۲۷۹ کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں سودخوروں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا خوف دلایا گیا ہے۔ ان کے مطابق ''حارب الله'' کے الفاظ ارتداد، سازش اور اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ پر بھی محیط ہیں۔

۱۶۴- مسٹر مجیب الرحمٰن نے دلیل دی ہے کہ سورۃ نمبر:۱۰۷ ان حملہ آوروں سے متعلق ہے جو تبوک نہیں گئے۔ انہوں نے کہا کہ ''حارب الله'' سے مراد ''حارب اللسان'' نہیں ہے۔ ان کے مطابق ''ضرار'' کو ''کفرا وتفریقا'' کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہئے۔ ان کے مطابق کارروائی کا مقصد جھگڑے سے بچنا ہے۔ اسی طرح انہوں نے دلائل دیئے کہ ''کفرا'' کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد کافروں کی بنی ہوئی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کفر کی تشہیر کے مقصد کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ ان کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ قرآن میں مسجد ضرار کے انہدام کا کوئی حکم نہ ہے۔ جیسا کہ آیت:۱۰۸ سے ظاہر ہے۔ حکم صرف یہ ہے کہ اس میں نماز کے لئے کبھی کھڑے نہ ہوں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ مسجد بعض سرپھرے افراد نے گرائی ہوگی۔ انہوں نے مفتی محمد شفیع کی کتاب ''آداب مساجد'' کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں مسجد ضرار کی تعریف کی گئی ہے۔

۱۶۵- اس کتابچہ کے صفحات نمبر۴۴،۴۵ پر مفتی محمد شفیع رقمطراز ہیں کہ: ''مسجد ضرار منافقین نے درحقیقت اس غرض سے بنائی تھی کہ مسجد کعبہ میں نمازیوں کی کمی ہو کہ مسلمانوں کے مابین تفرقہ پڑے۔ دوسری غرض یہ تھی کہ منافقین مسجد میں اپنی معاشرتی مجالس میں نبی کریم پر نکتہ چینی کرسکیں۔'' مفتی صاحب نے آٹھویں سورۃ کی آیت:۱۰۸ کو اس طرح واضح کیا ہے کہ اس کے مطابق مسلمانوں کو اس مسجد میں نماز کی ادائیگی کی ممانعت ہے۔ مفتی صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمانوں کو مؤمنین کے درمیان نفاق پیدا کرنے، پہلے سے موجود مساجد میں نمازیوں کی کمی پیدا کرنے یا دولت کی نمائش کرنے یا اپنی مخیّرانہ صفات کی تشہیر کرنے کے مقاصد سے نئی مسجد کی

تعمیر سے باز رکھا جاسکے۔ مفتی صاحب کے مطابق ایسی مسجد ضرار کے زمرے میں آئے گی۔

۱۶۶- مفتی صاحب نے تفسیر کشاف کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کے ایک حکم کا حوالہ دیا ہے۔ جس کی رو سے ایک محلّہ میں دو مساجد کی تعمیر سے منع کیا ہے۔ مبادا کہ ایک مسجد دوسری میں نمازیوں کی کمی کا باعث ہے۔

۱۶۷- رسالہ کے ص ۵۵ پر مفتی محمد شفیع کہتے ہیں کہ مسجد ضرار سرے سے مسجد تھی ہی نہیں۔ چونکہ منافقین نے اسے مسجد کی غرض سے تعمیر ہی نہ کیا تھا اس کا مقصد صرف دھوکہ دہی کو چھپانا تھا۔ بہرنوع انہوں نے اس کا اضافہ کیا ہے کہ اگر مسجد ایک مسلمان کی بناء ہوئی ہو تو چاہے اس کا مدعا کچھ بھی ہو یہ مسجد ہی تصور ہوگی۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نفاق کو ختم کرنے یا نمازیوں کی سہولت کے لئے جو مسجد تعمیر کی جائے وہ مسجد ضرار نہیں کہلا سکتی۔ اس حصہ پر بھی انحصار کیا گیا۔

۱۶۸- مجھے ریاض الحسن کی اس دلیل سے اتفاق نہیں کہ ''و'' (بمعنی ''اور'') ''او'' (بمعنی ''یا'') کے طور پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی چوتھی جلد کے صفحات ۶۵۴ اور ۶۵۸ پر مفتی محمد شفیع کے دو فتویٰ درج ہیں۔ دونوں باران سے سوال کیا گیا تھا کہ آیا مسجد کی انتظامیہ سے اختلاف کی بناء پر جو نئی مسجد تعمیر کی جائے گی اور جس کا اثر پہلی مسجد میں نمازیوں کی تعداد میں کمی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ مسجد ضرار کے زمرے میں آئے گی؟ مفتی صاحب نے اس کے خلاف حکم لگایا اور اس کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کسی مسجد کے مسجد ضرار کہلوانے کے لئے ہر چار شرائط کا ایک ہی وقت میں پایا جانا لازم ہے۔ یہ فتویٰ مسٹر ریاض الحسن کے دلائل کا مکمل جواب ہے۔

۱۶۹- کم از کم ایک بات تو عیاں ہے کہ ایک مسجد، مسجد ضرار صرف تب بنتی ہے جب کہ اس کا مقصد مسلمانوں کو ضرر پہنچانا ہو۔ ہم خیال لوگوں کی عبادت کرنے کے لئے غیر مسلموں کی یا مشرکوں کی بنائی ہوئی کسی مسجد کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے تعمیر کی گئی ہے اور نہ ہی وہ مسجد ضرار کی اس تعریف میں آتی ہے جو مفتی صاحب نے کی ہے۔ لہٰذا عیاں ہے کہ غیر مسلموں کی تعمیر شدہ ان کی اپنی عبادت گاہ صرف غیر مسلموں کی تعمیر شدہ ہونے کے باعث مسجد ضرار میں تبدیل نہیں ہوئی۔

۱۷۰- ایک اور نکتہ قابل غور یہ ہے کہ قرآن مسجد کے گرانے کا حکم نہیں دیتا۔ صرف مسلمانوں کو اس میں نماز ادا کرنے سے روکتا ہے۔ اگرچہ میں مسٹر مجیب الرحمٰن کی اس بات سے متفق نہیں کہ بعض سرپھروں نے خود ہی مسجد کو گرادیا۔ یعنی رسول پاک ﷺ نے اس کو گرانے کا حکم

نہیں دیا۔ مگر میرا نظریہ یہ ہے کہ مسجد کو گرانے کی کوئی خاص وجوہات ہوں گی۔

۱۷۱- مسجد ضرار کی تعمیر کا مقصد مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے ہتھیار اکٹھے کرنا تھا۔ اس لئے مسجد بنانا غداری کے مترادف تھا۔ مزید برآں مسجد ان لوگوں نے بنائی تھی جو منافق ثابت ہوچکے تھے جن کے بارے میں قرآن میں ہے کہ وہ اللہ اور روز قیامت پر یقین رکھتے ہیں جب کہ وہ نہیں رکھتے۔

(دوسری سورۃ کی آیت:۸)

''مگر وہ نہیں جانتے۔''

''ان کے دل میں مرض ہے۔''

''بے شک وہ شر پسند ہیں۔''

''مگر وہ جب ایمان والوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ ایمان والے ہیں جب وہ شیاطین کے درمیان جاتے تو ان کی ہمراہی کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف مذاق کررہے تھے۔''

عمارت ان شر پسندوں نے بنائی تھی جنہوں نے اپنے چہرے پر مسلمانوں کے نقاب اوڑھ رکھے تھے۔ جب کہ ان کا اصل مقصد امت کو نقصان پہنچانا تھا۔ ان شروع کے دنوں میں جب اسلام ابھی طاقت پکڑ رہا تھا۔ ایک ایسی عمارت جس میں مسلمانوں اور رسول کی حکومت کے خلاف سازشیں کی جارہی ہوں۔ برداشت نہیں کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کی دولت مشترکہ کو اندرونی تباہی سے بچانے کے لئے عمارت کے انہدام کا حکم ضرور دیا ہوگا۔ اس مقصد حکومت کے خلاف جنگ کی سازشوں کو ختم کرنا ہوگا۔ کسی اور ضرر رساں مقصد کے لئے بنائی گئی مسجد کے متعلق قرآن کا صرف یہ حکم ہے کہ مسلمان اس میں عبادت نہ کریں۔ اس کے گرائے جانے کی سزا کا کوئی جواز نہیں ہے۔

۱۷۲- مسئول علیم کے فاضل وکیل اس بات سے متفق ہیں کہ منافقین کفار سے بدتر ہیں۔ اس کے باوجود یہ بات قابل غور ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ان کی مسجد کا افتتاح کیا اور جب تک وحی سے مسجد ضرار کے تعمیر کا مقصد عیاں نہ ہوگیا آپ نے اس میں نماز ادا کرنے میں عذر نہ کیا۔ منافقین کے صرف مسجد بنانے پر عذر مناسب نہ سمجھا گیا۔ عذر اس عمارت کی تعمیر پر کیا گیا۔ جس کا مقصد نقصان پہنچانا تھا۔ اس کے گرائے جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے، سامان حرب جمع کرنے اور غداری کئے جانے کا احتمال تھا۔

۱۷۳- بحث کے دوران قادیانیوں کی عبادت گاہ کا رخ کعبہ کی طرف رکھنے، محراب بنانے، گنبد، مینار اور کنگرے تعمیر کرنے پر بھی اعتراض اٹھایا گیا۔ اس سوال کے جواب کے لئے اسلام میں مساجد کی تعمیر کی تاریخ کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

۱۷۴- سب سے اعلیٰ مسجد کعبہ ہے اس کے بعد کا درجہ مسجد اقصیٰ کا ہے جو تین مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں مقدس مقام کی حاصل ہے۔ یہ مسجد اسلام میں قبلہ اوّل تھی۔ مسلمانوں کی اوّلین تعمیر شدہ عمارت مسجد کعبہ تھی۔ اس میں کوئی مینار، طاق یا محراب نہ تھا۔

(ڈکشنری آف اسلام ہجرز)

۱۷۵- اس کے بعد مسجد نبوی تعمیر ہوئی۔ یہ مسجد کچی اینٹوں، کھجور کے تنوں کے ستونوں اور کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں کی چھتوں سے بنائی گئی۔ اس پر مٹی کا لیپ کیا گیا۔ (کتاب وفا والوفا باخبار دارالمصطفیٰ ﷺ حصہ اوّل ص۲۲۳) یہ امر صحیح مسلم کی احادیث سے ثابت ہے۔ (مترجم سید رئیس احمد جعفری ص۳۵۴،۳۵۵) منبر لکڑی کا بنا تھا۔ (صحیح مسلم ص۳۶۶، حدیث نمبر۵۶۸) کوئی گنبد نہ تھا۔ کافی عرصہ بعد ایک آٹھ پہلو گنبد بنایا گیا۔ (ص۴۳۵) چھجے بھی نہ تھے اور امام کے لئے نماز پڑھانے کی کوئی مخصوص جگہ یا محراب نہ تھی۔ محراب اور چھجہ عمر بن عبدالعزیز نے بنوائے۔ کچھ لوگ جو اس اضافے کے بعد مسجد کو دیکھنے گئے ان کی رائے تھی کہ محراب اور چھجہ سے مسجد کے وقار میں اضافہ ہوا۔ (کتاب وفا الوفا ص۲۷۲) لغات اسلام میں ہجز لکھتا ہے کہ محراب، طاق اور مینار مسجد نبوی کی تعمیر کے اسی برس بعد الولید نے تعمیر کروائے۔ (ص۳۲۹) عمر بن عبدالعزیز نے ہی پہلی مرتبہ ہر کونے پر ایک مینار کل چار مینار تعمیر کروائے۔ (کتاب وفا الوفا ص۲۷۳) اس تاریخ سے واضح ہے کہ مساجد میں محراب، طاق، چھجے، مینار اور امام کے نماز پڑھانے کی مخصوص جگہ بہت بعد کی اختراع ہیں۔ رسول پاک کی تعمیر کردہ مسجد سادہ ترین شکل کی ہے۔ جس کا مقصد نمازیوں کو دھوپ، سردی اور بارش سے بچانا تھا۔ شروع میں اس کا رخ بھی کعبہ کی طرف نہ تھا۔ چونکہ قبلہ مسجد اقصیٰ تھا۔ احکام وحی کے بعد اس کا رخ کعبہ کی جانب کیا گیا۔ اس طرح اسلام میں مسجد کی کوئی خاص شکل نہیں دی گئی۔ دراصل دنیا کی مساجد کی اشکال ایک دوسرے کے ساتھ مختلف علاقوں میں چنداں مماثلت نہیں رکھتیں۔

۱۷۶- مسئول علیہم (مسلمانوں) کے حق میں دھوکہ دہی پر مبنی دلیل دی جاسکتی ہے۔ مگر انہوں نے یہ سوال نہیں اٹھایا۔ مزید برآں یہ دلیل صرف انجانوں کے بارے میں دی جاسکتی ہے۔ اس کا اطلاق کسی خاص علاقے کے عام لوگوں پر نہیں ہوسکتا۔ جنہیں جاننا چاہئے کہ فلاں

عبادت گاہ قادیانیوں کی ہے۔ جب کہ ایسی غلطی اب تک گزشتہ بیسیوں سالوں سے نہیں ہوئی تو اب بھی جب کہ قادیانی آئینی طور پر غیر مسلم تسلیم کئے جاچکے ہیں۔ ایسی غلطی کا احتمال نہیں ہے۔

۱۷۷- جو اوپر کہا جاچکا ہے اس کا اطلاق اذان پر بھی ہوتا ہے۔ رسول پاک کو متعدد آراء دی گئیں کہ مدینہ میں اجتماع نماز کے لئے لوگوں کو اکٹھا کرنے کی کیا ترکیب کی جائے۔ سنکھ یا گھنٹیوں کا بجانا یا آگ جلانے کی رائے دی گئی۔ مگر رسول خدا نے انہیں منظور نہ کیا۔ آخر کار اذان کے ذریعے مسلمانوں کو نماز کے لئے بلانے کا فیصلہ ہوا۔ نماز کی طرف بلانے کے اس طریقہ کے اعلیٰ ترین ہونے کے بارے میں متعدد احادیث ہیں۔ مگر یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ کسی غیر مسلم کو اذان دینے کی اجازت نہیں ہوسکتی ہے۔ البلاغ مورخہ ۳۰/ رجب ۱۹۶۰ء کے ص۶۰ پر ابو محذورہ سے مروی ایک واقعہ تحریر ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ بچے تھے تو نو دیگر ساتھیوں کے ہمراہ حنین کی سمت روانہ تھے۔ راستے میں رسول خدا جنگ حنین سے واپس آتے ہوئے ملے۔ موذن نے اذان دی۔ ابو محذورہ نے مذاق کرنا شروع کردیا اور موذن کی نقل کرتے ہوئے اذان دینے لگے۔ رسول پاک ﷺ نے لڑکوں کو ان کے سامنے لانے کا حکم دیا۔ پھر ان سے پوچھا کہ اونچی آواز میں کون اذان دے رہا تھا۔ ابو محذورہ کے ساتھیوں نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ رسول پاک ﷺ نے انہیں روک لیا اور اپنی ہدایت کے مطابق اذان دینے کے لئے کہا۔ رسول پاک ﷺ نے اسے چاندی کی تھیلی دی اور اس کے ماتھے کو چھوا۔ ابو محذورہ کہتے ہیں کہ جو مخالفانہ جذبہ ان کے اندر موجود تھا وہ محبت میں بدل گیا۔

۱۷۸- مجیب الرحمٰن نے دلیل دی ہے کہ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ابو محذورہ اس وقت تک مسلمان نہ تھے۔ اس دلیل کو رد نہیں کیا گیا۔ مجھے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے اس اوّلین دور میں وہ اذان کو مذاق نہیں کرسکتے تھے اور رسول پاک کے خلاف مخالفانہ اور ناپسندیدگی کے جذبات نہیں رکھ سکتے تھے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن تھے کہ وہ غیر مسلم ہوں۔ اس واقعہ سے سائلاں (مرزائیوں) کو مدد ملتی ہے۔ کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں کیا گیا جس میں غیر مسلموں کو اذان دینے سے منع کیا گیا ہو۔

۱۷۹- مجیب الرحمٰن نے بحر الرائق سے حوالہ دیا ہے۔ مسئلہ یہ پوچھا گیا تھا کہ آیا کسی بھی مذہب سے متعلق کافر اذان دینے سے مسلمان ہوجاتا ہے۔ کافی بحث کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ کوئی ذمی مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اذان دینے کا عادی نہ ہو۔

۱۸۰- مجیب الرحمٰن اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں کہ قادیانی اذان دینے کے

باعث مسلمان ہوں۔ یہ امر غیر متعلق ہے۔ بہر حال یہ بات صاف ہے کہ ذمیوں یا کفار کے اذان دینے پر کوئی پابندی نہیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ کسی ذمی کے اذان دینے کو اس کے کفر سے اسلام کی طرف آمد کا ارتقائی درجہ کہا جاوے۔

۱۸۱- محمد اسماعیل نے بھی بحر الرائق کے ص۲۴۶ کا حوالہ دیا ہے جس پر تحریر ہے کہ کوئی غیر مسلم اذان نہیں دے سکتا اور کسی بھی مذہب کے پیروکار ذمی کی اذان درست نہیں۔ مگر اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کسی مسلم کے اذان دینے پر مسلمان نماز ادا کریں اور اذان دینے کے لئے اپنی مساجد میں کفار کو نہ رکھیں۔ مگر اس کا یہ مطلب کسی صورت نہیں کہ غیر مسلم اذان دے ہی نہیں سکتے۔

۱۸۲- مزید عذر نماز کی ادائیگی کے بارے میں ہے جس میں مسلمانوں کی مانند قیام رکوع وسجود ارکان ہیں۔ مگر یہ سر عام نماز یا مسجد میں باجماعت یا فرداً ادائیگی تک محدود ہے۔ یہ بیان چوہدری محمد اسماعیل نے دیا جس کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر کوئی شخص کسی مخصوص طریقہ سے چھپ کر نماز پڑھ سکتا ہے تو اسے اس طریقہ سے سر عام نماز پڑھنے سے کیسے روکا جاسکتا ہے۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اصل مقصد صرف قادیانیوں کو مسجد کی تعمیر اور استعمال سے روکنا ہے۔

۱۸۳- محمد اسماعیل کے مقدمہ کی بنیاد مشکوٰۃ ج۱ ص۱۲۶ کی اس حدیث پر ہے جس کی رو سے صلوٰۃ مسلمان اور کافر میں تمیز کرتی ہے۔ مگر حدیث مجیب الرحمٰن کی مددگار ہے۔ چونکہ ان کے مطابق جو صلوٰۃ ادا کرتا ہے مسلمان ہے۔ مجھے دونوں میں سے کسی کے ساتھ اتفاق نہیں۔ اس حدیث کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ صلوٰۃ کفر کی جانب جانے سے روکتی ہے۔ مگر یہ صلوٰۃ مسلمان کی ہونی چاہئے۔ ایک مسلمان کی نظر میں کافر کی اذان کی طرح کافر کی نماز بھی بے وقعت ہے۔ مگر اگر کوئی غیر مسلم نماز ادا کرنا ہی چاہے تو اس حدیث میں امتناع موجود نہیں۔

۱۸۴- آئینی دفعات قادیانیوں کو دیگر غیر مسلم اقلیتوں کے برابر لے آتی ہیں جنہیں آئین خود اپنی مذہبی آزادی دیتا ہے۔ یعنی اپنے مذہب کے مطابق کام کرنے، عبادت کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی آزادی ہے۔ مسلمان حکومت میں ذمیوں کے بھی یہی حقوق ہیں۔ ایک مسلمان حکومت میں تمام غیر مسلم ذمی کہلاتے ہیں۔ عربی زبان میں ذمہ کے معنی ضمانت کے ہیں اور ذمی وہ شخص ہے جس کے حقوق کی ضمانت دی گئی ہو۔ اپنی کتاب قادیانی مسئلہ کے ص۱۹۹ پر مولانا مودودی ذمیوں کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے نمبر پر وہ جو کسی معاہدہ کے تحت خود مختاری سے اسلامی حکومت کے حق میں دستبردار ہو جاتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر مفتوح جنگ اور تیسرے نمبر پر وہ جو ان دو اقسام کے علاوہ ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں: (دیکھو ص۲۰۰)

کہ ذمیوں کے کم از کم حقوق برائے شریعت مندرجہ ذیل ہیں: ’’مکمل مذہبی آزادی، مذہبی تعلیم دینے کی اجازت، مذہبی لٹریچر کی اشاعت کی اجازت قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے مذہبی بحث کی آزادی، عبادت گاہوں، مذہبی قوانین، جان ومال اور عزت کی حفاظت، دیوانی اور فوجداری قوانین میں مسلمانوں کے مساوی حقوق۔ حکومت کی طرف مسلمانوں اور ذمیوں کے ساتھ برابر سلوک، معاشرتی اور تجارتی معاملات میں برابر مواقع اور ضرورت کے وقت بیت المال سے مدد۔‘‘

۱۸۵- مولانا مودودی نے دو احادیث نقل کی ہیں جن کے مطابق رسول پاک نے مفتوح غیر مسلموں سے جزیہ کے علاوہ کسی قسم کی تحصیل کی ممانعت کی ہے اور روز قیامت ایسے لوگوں کے خلاف خود مستغیث ہونے کا خوف دلایا ہے جو غیر مسلموں کے خلاف مظالم کریں یا حقوق میں کسی قسم کی کمی کریں۔ اس کے بعد مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب (الجہاد فی الاسلام ص۲۷۶) پر لکھتے ہیں کہ ان کے مذہب میں دخل اندازی کی اجازت نہیں۔

۱۸۶- (ص۲۷) پر انہوں نے وہ عہدنامہ نقل کیا ہے جو رسول پاک ﷺ نے نجران والوں سے کیا تھا اور جس میں ان کی مذہبی آزادی کی خصوصی طور پر ضمانت دی گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر، خالد بن ولید، ابوعبیدہ، حبیبہ بن مسلم اور حذیفہ کی عہدناموں کا ذکر ہے۔ جن میں بھی ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو غیر مسلموں کو مذہبی آزادی کی ضمانت دیتے ہیں اور ان کی عبادت گاہوں کے نہ گرائے جانے اور ان کے انتظام میں دخل اندازی سے باز رہنے کا وعدہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ذمیوں کے حقوق کا خلاصہ دیا ہے۔ (۲۸۷ تا ۲۹۸) جو یہ ہیں۔ خون بہا کی مساوی رقم، دیوانی اور فوجداری قانون کے تحت برابر حقوق، عبادت گاہوں میں دخل اندازی سے احتراز اور اس کے مرمت کے حقوق، جن علاقوں میں مسلمان آباد نہیں ان میں نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کا اختیار، اپنے مذہب کے مطابق اعمال، جبری بھرتی سے آزادی، تجارت پر مساوی واجبات معذوری کی صورت میں جزیہ کی معافی، ضرورت کے وقت بیت المال سے امداد جزیہ کی وصولی میں جبر سے آزادی اور غداری کے علاوہ اپنے حقوق کی کلی آزادی واستعمال۔

۱۸۷- مسلمان حکومت میں غیر مسلموں کے حقوق مسلمانوں کے مساوی ہیں۔ دراصل بعض لحاظ سے وہ مسلمانوں سے بہتر ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کی حفاظت کے لئے جنگ کریں۔ (بخاری۱۷۴،۵۶ج۴) اور رسول پاک ﷺ کو کہتے سنا گیا کہ ان کا خون ہمارا خون ہے۔ ان کی جائیداد ہماری جائیداد کی مانند ایک اور اطلاع کے مطابق معاہد کا مال مسلمانوں پر غیر قانونی

ہے۔ اپنی کتاب اسلامی ریاست میں مولانا مودودی کہتے ہیں: ’’ذمی دو اقسام کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو مسلمان حکومت کے ساتھ عہدنامہ کر کے ذمی بنے اور دوسرے وہ جو بغیر کسی عہدنامے کے بنے۔ پہلی قسم کے ذمی عہدنامہ کے مطابق سلوک کے مستحق ہوں گے جہاں تک دوسری قسم کے ذمیوں کا معاملہ ہے، ہم ان کی زندگیوں، مال اور عزت کی اسی طرح حفاظت کریں گے۔ جیسے خود اپنی زندگیوں مال اور عزت کی۔ ان کا خون بہا مسلمانوں کے خون بہا کے برابر ہوگا۔ انہیں مکمل مذہبی آزادی ہوگی۔ ان کی عبادت گاہوں کی حرمت ہوگی۔ انہیں حق ہوگا کہ اپنی مذہبی تعلیم کا بدوبست کریں اور اسلامی تعلیم ان پر ٹھونسی نہیں جائے گی۔‘‘

مزید ص۵۳۰ پر ہندو کے جواب میں کہ آیا ہندوؤں کو حق ہوگا کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرسکیں یہ کہا گیا: تبلیغ کی کئی اقسام ہیں ان میں سے ایک قسم یہ ہے کہ ایک مذہبی ٹولہ اپنے ہم مذہبوں کو مذہبی تعلیم دیتا ہے۔ ایسے حقوق تمام مذاہب کو مسلمان ریاست میں ہوں گے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مذہبی ٹولہ تحریروں اور لٹریچر کے ذریعے تبلیغ کرنا چاہیں یا اپنے اور کسی دیگر مذہب میں موازنہ کریں۔ اس کی بھی اجازت ہوگی۔ مگر اسلامی ریاست میں کسی مسلمان کو اپنا مذہب تبدیل کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ تیسری قسم میں کوئی مذہبی ٹولہ تحریک کا اہتمام کرتا ہے جس کا مقصد اسلامی اصولوں کے بجائے اپنے مذہبی اصول قیام عمل میں اس طرح لانا چاہتا کہ ملک میں موجود نظام اسلامی تبدیلی ہو۔ اس کی اجازت نہ ہوگی۔

عبدالوحید خاں اپنی کتاب (تاریخ افکار ریاست ص۱۸۱) پر مسلمانوں کی مذہبی رواداری کے بارے میں لکھتے ہیں: ’’کم وبیش تمام ادوار میں مذہبی رواداری مسلمانوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ ایسی مثالیں موجود ہیں جب حکومت کی طرف سے مسلمانوں پر مذہبی پابندیاں عائد کی گئیں اور انہیں صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ (چونکہ ان کے مذہبی نظریات، بادشاہ کے مذہبی نظریات سے مختلف ہوسکتے تھے) مگر تاریخ میں کوئی مثال موجود نہیں۔ جیسی مذہبی آزادی اور مساوی حقوق کی مثال غیرمسلموں کو مسلم ریاست میں بطور رعایا کے حاصل ہے۔‘‘

وہ لکھتے ہیں کہ اسلامی حکومت میں مختلف مذاہب کے لوگوں کو مکمل آزادی تھی اور وہ اپنے ضمیر کے مطابق اپنے مذاہب پر عمل پیرا تھے۔ حکومت کا فرض تھا کہ ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرے۔ المتوکل کے زمانے میں ذمیوں پر جبر کی چند مثالیں ڈھونڈی جاسکتی ہیں۔ مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ غیرمسلموں نے حکومت کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا اور سازشیں ان کی عبادت گاہوں سے جنم لیتی تھیں۔

مورخہ ۱۲؍نومبر ۱۹۷۷ء

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

فیصلہ

کمشنر بہاول پور ڈویژن

جناب ملک احمد خان کمشنر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

عقیدۂ ختم نبوت دین اسلام کا ضروری عقیدہ ہے۔ اس بناء پر اسلام کے نام لیوا ہر فرقہ وملت کا یعنی پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کافر اور مرتد ہیں اور اس کے پیرو بھی کافر خارج از اسلام ہیں۔

اس مذہب (قادیانیت) کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ یہ یہود اور برطانیہ کا لگایا ہوا پودا ہے۔ امت مسلمہ میں افتراق وانتشار پیدا کرنے کے لئے ان دشمنان اسلام نے مرزا قادیانی مذکور کو آلۂ کار بنایا تھا اور انگریزی حکومت کی تلقین اور ہمت افزائی نے ان میں دعویٰ نبوت کرنے کی جرأت پیدا کی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ انگریزوں کے کاسہ لیس اور وفادار رہے اور ان کے پیرو اسلامی ممالک میں جاسوسی کر کے اس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ۱۹۳۴ء میں ملا عبدالحکیم قادیانی اور انور علی قادیانی انگریزوں کی جاسوسی کے لئے افغانستان گئے تھے۔ مگر راز فاش ہوگیا اور حکومت افغانستان نے ان مرتدوں کو پھانسی پر لٹکا کر واصل جہنم کیا۔ اس سے پہلے ۱۹۰۲ء میں ایک شخص عبداللطیف نامی کو جو قادیانی ہوگیا تھا افغانستان میں بجرم ارتداد سنگسار کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں کو افغانستان سے سخت عداوت ہے۔ پاکستان اور افغانستان کے تعلقات خراب کرنے میں ان لوگوں کا بڑا دخل ہے۔ مسٹر ظفر اللہ خان قادیانی نے تو اپنے زمانۂ وزارت خارجہ میں دونوں ملکوں میں جنگ وخون ریزی کرانے کی ناپاک کوشش کی تھی۔ آج بھی قادیانی اسرائیلی حکومت اور مسیحی سلطنتوں کے فائدے کے لئے اسلامی ممالک میں جاسوسی کرتے رہتے ہیں اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا کر انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ قادیانیوں کے ارتداد کے بارے میں افغانستان عدالت عالیہ کا فیصلہ تو آپ حضرات کے علم میں ہی ہوگا۔ جس کے تحت عبداللطیف مذکور کو بربنا ارتداد سنگسار کر دیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں بعض دوسرے ممالک نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ ۱۹ر نومبر ۱۹۲۷ء کو ماریشس (بحر ہند کا ایک جزیرہ) کے چیف جسٹس نے مرزائیوں کے عقائد باطلہ کی بناء پر انہیں مرتد اور

خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ ۳۰ر جنوری ۱۹۳۵ء کو مصطفیٰ کمال اتاترک ایسے شخص نے جو وسیع القلبی میں حدود سے بھی متجاوز ہوگئے تھے علماء ترکیہ کے فتویٰ کو تسلیم کرتے ہوئے مرزائیوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ حکومت شام نے جناب شیخ ابوالیسر عابدین مفتی اعظم جمہوریہ شام کے فتویٰ کو درست تسلیم کرتے ہوئے قادیانیوں کے خلاف کارروائی کی اوران کے دفتر واقع محلہ شاغور گلی المزاز کو سربمہر کردیا۔ حجاز، مصر اور عراق کی حکومت نے بھی علماء اسلام کے فتویٰ کو تسلیم کرتے ہوئے قادیانیوں کو کافر قرار دیا ہے۔

۱۹۳۲ء میں مقدمہ بہاولپور کے مشہور فیصلہ نے قادیانیت اور ارتداد کے مترادف کو خوب واضح کر دیا ہے۔ یہ مقدمہ ایک مسلمان خاتون مسماۃ عائشہ صاحبہ نے اپنے مرزائی شوہر عبدالرزاق کے خلاف دائر کیا تھا۔ سیشن جج جناب محمد اکبر صاحب نے ۷ر فروری ۱۹۳۵ء کو فیصلہ سنایا کہ مرزائی کافر و مرتد ہیں۔ لہٰذا یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ قیام پاکستان کے بعد جناب شیخ محمد اکبر ڈسٹرکٹ جج راولپنڈی نے ۳ر جون ۱۹۵۵ء کو ان کے کفر کا فیصلہ دیا۔ بعدازاں جیمس آباد (سندھ) کے سول جج جناب محمد رفیق کوریجہ پی.سی.ایس، جنہیں فیملی کورٹ جج کے اختیارات بھی حاصل ہیں نے ۱۳ر جولائی ۱۹۷۰ء کو ایک احمدی مرد مسمی نذیر احمد برق قادیانی اور مسلمان لڑکی امتہ الہادی کے نکاح کو ناجائز قرار دیتے ہوئے فیصلہ صادر فرمایا۔

زیرنظر فیصلہ جو بصورت کتابچہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ مذکورہ تمام فیصلوں میں ایک مفید اضافہ ہے۔ یہ فیصلہ بے حد لائق تحسین اور قابل مبارکباد ہے جہاں ہم محترم کمشنر صاحب بہادر کو مبارکباد پیش کرتے ہیں وہاں موجودہ دور میں عدلیہ کی آزادی بھی قابل صد تبریک ہے۔ جس کی وجہ سے ایک ذمہ دار افسر اپنی جرأت ایمانی کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔

قارئین کرام کے علم میں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک مذکورہ قسم کے جتنے فیصلے ہوئے ہیں مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہیں۔ ہم مجلس تحفظ ختم نبوت بہاولپور کے مخلص رکن جناب حاجی محمد قاسم صاحب کے بھی ممنون ہیں جنہوں نے مولانا غلام محمد صاحب مبلغ بہاولپور کو اس مقدمہ کی تفصیلات بہم پہنچائیں تو انہوں نے فاضل وکیل جناب اللہ نواز صاحب سے ملاقات کر کے مرزائی عقائد کے بارے میں کتب پیش

کیں۔ فاضل وکیل نے نہایت محنت وجانفشانی سے مقدمہ کی تیاری اور پیروی کر کے فاضل عدالت سے اپنا مؤقف منوالیا۔ جس کا نتیجہ اس فیصلہ کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ فاضل وکیل نے مجلس تحفظ ختم نبوت بہاولپور کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ ریمارکس دیئے کہ یہ کامیابی دراصل مجلس ختم نبوت بہاولپور مساعی جمیلہ اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔

مجلس اس قسم کے جملہ مقدمات کی پیروی کرتی ہے۔ لہٰذا جملہ مسلمانوں سے استدعا کرتی ہے کہ جہاں مرزائیت مصروف تبلیغ ہے یا اس قسم کے مقدمات عدالتوں میں زیر سماعت ہیں اس کی اطلاع جماعت کے دفتر مرکزیہ کو پہنچا کر ممنون فرمائیں۔

محمد عبداللہ لدھیانوی

دفتر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان

نقل حکم اخیر مورخہ ۱۸/نومبر ۱۹۷۲ء بعدالت جناب ملک احمد خان صاحب

پی سی ایس، ٹی کیو اے کمشنر بہاولپور ڈویژن بہاولپور

(۱)اپیل نمبرداری نمبر۵۵، مرجوعہ ۷/اکتوبر۱۹۷۲ء

(۲)اپیل نمبرداری نمبر۵۶، مرجوعہ ۷/اکتوبر۱۹۷۲ء

(۱)محمد شریف ولد موتی قوم جٹ باجوہ سکنہ چک نمبر۵۲، تحصیل وضلع رحیم یارخان

بنام: فضل احمد نواب قوم جٹ باجوہ سکنہ چک نمبر۵۲ تحصیل وضلع رحیم یارخان

(۲)فضل محمد ولد موتی قوم جٹ باجوہ سکنہ چک نمبر۵۲ تحصیل وضلع رحیم یارخان

(اپیلانٹس) بنام: فضل احمد مذکور (رسپانڈنٹ)

تاریخ سماعت: ۱۸/نومبر۱۹۷۲ء

اشخاص حاضر: (۱)فضل محمد اپیلانٹ ہمراہ وکیل میاں اللہ نواز۔

(۲)محمد شریف اپیلانٹ ہمراہ وکیل قاضی نذیر احمد۔

(۳)فضل احمد سپانڈنٹ ہمراہ وکیل چوہدری نصیر احمد۔

حکم: یہ اے سی وکلکٹر صاحب سب ڈویژن رحیم یارخان کے حکم مورخہ ۲۶/ستمبر۱۹۷۲ء کے خلاف دو اپیلیں ہیں۔ جس کی رو سے صاحب موصوف نے فضل احمد رسپانڈنٹ کو چک نمبر۵۲/ پی

کے مشرقی پتی کا مستقل نمبردار مقرر کردیا ہے۔

ریکارڈ کے ملاحظہ سے پایا جاتا ہے کہ چک نمبر۵۲ کی دو پتیاں ہیں۔ غربی پتی کا نمبردار محمد کاظم ہے۔ جب کہ شرقی پتی کا نمبردار اب تحت حکم زیر اپیل فضل احمد رسپانڈنٹ کو مقرر کیا گیا ہے۔ پہلے بھی بحکم مورخہ ۸رنومبر ۱۹۶۹ء، ڈی سی صاحب رحیم یار خان نے اور پھر بحکم ۱۰رجنوری ۱۹۷۲ء اے سی صاحب رحیم یار خان نے اس کو مستقل نمبردار مقرر کردیا تھا۔ مگر ہر دو مرتبہ اپیل پیش ہونے پر یہ کیس ریمانڈ کردیا گیا۔ پہلی مرتبہ یہ کیس اس لئے ریمانڈ کیا گیا کہ پہلے اس چک کا پتی وارہ مناسب صورت میں منظور کیا جائے اور پھر نمبرداری کا فیصلہ کیا جائے۔ دوسری مرتبہ اس لئے ریمانڈ کیا گیا کہ بعض امیدواران (جنہوں نے اپیل کی تھی) کے کوائف پر کوئی بحث نہ کی گئی تھی۔ اس پتی کا کل رقبہ ۱۶۴۳ ایکڑ ہے۔ جس کا زراجرت ایک سال (ربیع ۱۹۷۱ء وخریف ۱۹۷۱ء مبلغ ۱۰۹۰۰/۹۰ روپے ہے) فریقین کے کوائف حسب ذیل ہیں:

۱...... فضل محمد اپیلانٹ قوم جٹ عمر ۳۵ سال، رقبہ پتی زیر بحث ۳۵ر۱ ایکڑ رقبہ دیگر ۱۵ر۱ ایکڑ، تعلیم ان پڑھ، رہائش چک نمبر۵۲، رپورٹ پولیس، مقدمہ نمبر۱۱ جرم زیر دفعہ 392 P.P.C میں ملوث ہے۔

۲...... محمد شریف اپیلانٹ قوم جٹ عمر ۴۸ سال، رقبہ پتی زیر بحث ۱۴۲ ایکڑ رقبہ دیگر ۱۵ر۱ ایکڑ، تعلیم مڈل چک نمبر۵۲/ پی، رپورٹ پولیس بے داغ، وراثتی حق۔

۳...... فضل احمد رسپانڈنٹ قوم جٹ عمر ۶۰ سال رقبہ پتی زیر بحث ۳۰ر۱ ایکڑ رقبہ دیگر ۳۱ر۱ ایکڑ، تعلیم میٹرک، رہائش چک ۵۲/ پی، رپورٹ پولیس بے داغ، وراثتی حق۔

آج فریقین ہمراہ وکلاء حاضر ہیں۔ ہم نے ان کے عذرات کی سماعت کر لی ہے۔ فضل محمد، اپیلانٹ کے فاضل وکیل نے اصرار کیا کہ زیر بحث عہدہ نمبرداری کے لئے فضل محمد اپیلانٹ کا حق تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ:

۱...... کلکٹر صاحب نے اس بات پر غور ہی نہیں فرمایا کہ فضل احمد رسپانڈنٹ احمدی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے جو مسلم امت سے بالکل الگ تھلگ ایک گروہ ہے۔ اس فرقہ کا مسلم امت سے سوشل، کمرشل اور ریلیجنس کسی قسم کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس پتی میں رسپانڈنٹ ایک واحد پتی

دار ہے جو احمدی ہے۔ جب کہ دیگر تمام پتی داران مسلمان اہل سنت والجماعت ہیں۔ لینڈ ریونیو رولز ۱۹۶۸ء کے رول نمبر ۱۷ (ایف) میں تقرر نمبردار کے لئے کمیونٹی کی اہمیت اور طاقت کو زیر غور رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ قوم اور ہم خیال افراد کا گروہ یعنی کاسٹ اور کمیونٹی میں بہت فرق ہے۔ دی یونیورسل انگلش ڈکشنری میں (جو ہنری سیسل ویلڈ لندن کی شائع شدہ ہے) لفظ کمیونٹی کے جو مطالب اور معانی بیان کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

A) Fellon - Ship.

B) A society of people living inproviemity to each other in one locality, under some Conditions of life, and having some common bond of organization, political or religious.

اب مطالب اور معانی کی رو سے کمیونٹی کا مطلب ہم قوم افراد کا گروہ ہرگز نہیں سمجھا یا جائے گا۔ بلکہ اس کا مطلب صرف ہم خیال، سیاسی یا مذہبی حیثیت سے متحد لوگوں کا ایک گروہ سمجھایا جائے گا۔ اس لحاظ سے احمدی اور مسلمان دو الگ الگ گروہ (**Communities**) ہیں۔ مذہبی اور معاشرتی دونوں حیثیتوں سے ان کے درمیان کوئی اتحاد اور اتفاق نہیں ہے۔ احمدی گروہ کے مذہبی رہنما مرزا بشیرالدین محمود نے اپنی کتابوں میں احمدی گروہ کے لئے درج ذیل قسم کی متعدد ہدایات دی ہیں۔

۱...... غیراحمدی کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔

۲...... غیراحمدی کے پیچھے غیراحمدی کا جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔

۳...... غیراحمدی کو نکاح میں لڑکی دینا ناجائز ہے۔

۴...... ہمارا حج مسلمانوں کے حج سے الگ ہے۔

۵...... بچوں کی تعلیم کے لئے ہمارے سکول بھی مسلمانوں کے سکول سے الگ ہونے چاہئیں۔

اس موقعہ پر فاضل وکیل نے کتاب انوار خلافت اور برکات خلافت سے متذکرہ بالا ہدایت کی تائید وتصدیق میں متعدد حوالے پیش کئے۔

سرظفراللہ خان وزیرخارجہ پاکستان نے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔اس بارے میں جب مقدمہ کے دوران مسٹرایم.ایم احمد سے سوال کیا گیا تو جواب میں انہوں نے کہا کہ احمدی اورغیراحمدی چونکہ ایک دوسرے کومسلمان نہیں سمجھتے۔اس لئے احمدی ہونے کی وجہ سے انہوں نے غیراحمدی (قائداعظم) کا جنازہ نہیں پڑھا ہوگا۔قائداعظم مسلمان قوم کے ابوطالب تھے۔جس طرح رسول اللہ نے ان کا جنازہ نہیں پڑھا تھا......اسی طرح سرظفراللہ خان نے بھی قائداعظم کا جنازہ نہ پڑھا۔ان تمام باتوں سے یہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ احمدی گروہ کے افراد مذہبی اورمعاشرتی حیثیت سے مسلمانوں سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔یہ خودبھی اپنے آپ کوایک علیحدہ کمیونٹی قرار دیتے ہیں۔ان کے ان ہی عقائد وخیالات اور معاشرتی طورطریق کی بناء پر پاکستان کی حسب ذیل تین معزز عدالتوں کے محترم ججوں نے ان کومسلمانوں سے علیحدہ ایک قوم قراردیا ہے۔

۱...... محمداکبرصاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر بمقام بہاولپور (فیصلہ مورخہ ۷رفروری ۱۹۳۵ء)

۲...... شیخ محمداکبرصاحب ڈسٹرکٹ جج کیمبل پور بمقام راولپنڈی (فیصلہ ۳رجون ۱۹۵۵ء)

۳...... ایم.آرکوریجہ، پی.سی.ایس فیملی سول جج جیمز آباد فیصلہ مورخہ ۱۳رجولائی ۱۹۷۰ء

اس لحاظ سے رسپانڈنٹ جوزیربحث پتی میں احمدی عقیدہ کا واحد پتی دار ہے مسلمان پتی داران کانمبردار مقرر کئے جانے کے لئے بالکل نااہل ہے۔

یہ کہہ دینا ہرگز درست نہیں ہے کہ فریقین ایک ہی قوم جٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔اس لئے ان کے مذہبی اورمعاشرتی اختلاف کوپیش نظر نہ رکھنا چاہئے۔جٹ ایک قوم ضرور ہے۔مگر کمیونٹی نہیں ہے۔یہ مذہبی اورمعاشرتی اختلاف اس قدر اہم ہے کہ ایک قوم کے افراد ہونے باوجود یہ ایک دوسرے کی شادی بیاہ،غمی اورموت، جنازہ اورنماز بلکہ سکول اورمسجد تک کی تعمیر میں کوئی تعاون نہیں کرتے۔اس چک کے آبادکاران (مسلم پتی داران) نے چندہ جمع کر کے ایک بڑی مسجد تعمیر کی ہے۔رسپانڈنٹ نے نہ صرف اس مسجد کے لئے چندہ دینے سے انکار کردیا تھا بلکہ اس کی تعمیر میں رکاوٹ ڈالی تھی۔اسی طرح اپیلانٹ اوراس کے بھائیوں نے پرائمری سکول کے لئے ۴رکنال اراضی دی تھی۔جب کہ رسپانڈنٹ نے نہ صرف یہ کہ اس سکول کی تعمیر کے لئے کوئی چندہ نہ دیا تھا۔بلکہ چارسال تک اس کی تعمیر میں رکاوٹ ڈالتا رہا۔

اس چک کی پہلی پتی کا نمبردار محمد کاظم ہے جو کہ نہ صرف احمدی ہے بلکہ رسپانڈنٹ کا بہنوئی بھی ہے۔ گویا اس چک کی دونوں نمبرداریاں ایک ہی خاندان میں محدود کردی گئی ہیں۔ جب کہ ریونیو بورڈ کی متعدد رولنگز میں اس بات کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس طرح سالم چک پر ایک ہی خاندان کی اجارہ داری قائم ہوجاتی ہے۔

زیر بحث پتی میں اپیلانٹ کی اراضی ۳۵ر۱ ایکڑ ہے۔ جب کہ رسپانڈنٹ کی راضی ۳۰ر۱ ایکڑ ہے۔ اس لحاظ سے بھی اپیلانٹ کو رسپانڈنٹ پر فوقیت حاصل ہے۔

اپیلانٹ کا بھائی محمد شریف اس چک کا دس سال تک عارضی نمبردار رہ چکا ہے۔ اپیلانٹ اپنی قوم کا نہایت قابل اعتماد فرد ہے۔ غیر سزایافتہ ہے۔ نمبرداری کے لئے اہل ہے۔ اپیلانٹ نے اپنے خاندان کے متعدد افراد مجاہد فورس میں بھرتی کر کے ملک کے دفاع میں بھی حصہ لیا تھا۔ جب کہ رسپانڈنٹ نے ایسی کوئی خدمات انجام نہیں دی ہیں۔

دوسرے اپیلانٹ محمد شریف کے فاضل وکیل نے مندرجہ بالا بحث کے ابتدائی تین نکات کی تائید کرتے ہوئے اصرار کیا کہ محمد شریف اپیلانٹ چونکہ پہلے اس چک میں دس سال تک عارضی نمبردار رہ چکا ہے اور یہ کہ وہ ۴۲ر۱ ایکڑ اراضی کا اس پتی میں مالک ہے۔ جب کہ فضل محمد (اپیلانٹ) کی اراضی اس پتی میں ۳۵ر۱ ایکڑ ہے اور فضل احمد (رسپانڈنٹ) کی اراضی ۳۰ر۱ ایکڑ ہے۔ اس لحاظ سے وہ دونوں پر فوقیت رکھتا ہے اور اس بات کا بجا طور پر حقدار ہے کہ زیر بحث پتی کا اس کو نمبردار بنادیا جائے۔ فضل احمد رسپانڈنٹ کے فاضل وکیل نے اصرار کیا کہ حکم زیر اپیل درست صادر کیا گیا ہے اور حسب ذیل وجوہ کی بناء پر اس کو برقرار رکھا جائے۔

رسپانڈنٹ اگرچہ احمدی ہے۔ تاہم پاکستان کا ایک شہری ہونے کی بناء پر سوسائٹی کے تمام حقوق حاصل کرنے کا وہ برابر کا حقدار ہے۔ زیر بحث عہدہ نمبرداری کے لئے اس کا مذہبی عقیدہ ہرگز زیر بحث نہیں لایا جانا چاہئے۔ بلکہ اس پتی کے آبادکاران کی قومیت (**Tribal Composition**) ہی کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ ورنہ اس طرح دیوبندی اور بریلوی بھی علیحدہ علیحدہ کمیونٹی قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ریونیو بورڈ نے بھی نمبرداری مقدمات میں صرف قوم (**Cast**) پر بحث کی ہے اور گوت (**Sub cast**) کو نظرانداز کردیا ہے۔

(اس موقعہ پر فاضل وکیل نے ریونیو رولنگ نمبر۵۹۵ ج۲ کی کچھ عبارت بھی پڑھ کر سنائی) اپیلانٹس اور رسپانڈنٹ چونکہ جٹ قوم کے فرد ہیں۔ اس لئے اس لحاظ سے کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔

اس چک کی دوسری پتی کا نمبردار محمد کاظم احمدی نہیں ہے بلکہ وہ اہل سنت جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس موقعہ پر فاضل وکیل نے محمد کاظم کا ایک بیان حلفی بھی پیش کیا جس میں اس نے ظاہر کیا ہے کہ وہ جماعت احمدیہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

رسپانڈنٹ اس پتی میں اس قدر با اثر اور با اخلاق شخص ہے کہ زیر بحث عہدہ نمبرداری کے لئے دس امیدوار تھے۔ ان میں سے فضل محمد وغیرہ تین بھائی تھے۔ ان تینوں بھائیوں کے سوا باقی تمام امیدوار رسپانڈنٹ کے حق میں دست بردار ہوگئے اور خود ان بھائیوں کا یہ حال ہے کہ یہ آپس میں بھی متفق نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ اب بھی دونوں بھائیوں (فضل محمد اور محمد شریف) نے علیحدہ علیحدہ اپیل دائر کی ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنے بھائی کے حق میں دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ان تین بھائیوں کے علاوہ رسپانڈنٹ کا اور کوئی بھی مخالف نہیں ہے۔ رسپانڈنٹ کے خلاف ۱۲۲فراد کے دستخطوں سے جو درخواست ۲۰ر مارچ ۱۹۷۱ء کو دی گئی ہے۔ وہ فرضی ہے۔ متعدد افراد نے حاضر ہوکر اس کے فرضی ہونے کی بابت ریونیو آفیسر کے روبرو بیان بھی دیا ہے۔

رسپانڈنٹ پہلے بھی دو مرتبہ نمبردار مقرر کیا جاچکا ہے اور اب تیسری مرتبہ نمبردار مقرر کیا گیا ہے۔ کلکٹر صاحب کا انتخاب اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتا ہے اور یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کو نظر انداز کردیا جائے۔

فضل محمد اپیلانٹ ڈاکہ زنی کے ایک کیس میں ملوث ہے۔ اس کے مقابلہ میں رسپانڈنٹ صاف کردار کا مالک ہے۔ اس موقع پر فاضل وکیل نے **F.I.R** مقدمہ نمبر۱۱، مورخہ ۲۰ر جنوری ۱۹۷۰ء تھانہ صدر رحیم یار خان جرم زیر دفعہ ***392/PPC*** کا حوالہ دیا اور ریونیو بورڈ کی وہ رولنگ بھی پیش کی جس میں ایک بے داغ کریکٹر کے ذمہ دار کو فوجداری مقدمہ میں ملوث کیا۔ امیدوار پر ترجیح دی گئی۔

اس چک کے ۲۳ر افراد نے اپنے دستخطوں سے ایک درخواست ۱۸ر مارچ ۱۹۷۱ء کو

تحصیلدار صاحب کی خدمت میں پیش کی تھی جس میں انہوں نے رسپانڈنٹ کی سماجی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کو نمبردار مقرر کرنے کی استدعا کی تھی۔ اس درخواست میں انہوں نے ظاہر کیا تھا کہ اس کے گاؤں کے لوگوں پر رسپانڈنٹ کے بہت احسانات ہیں۔ رسپانڈنٹ کی کوششوں سے اس گاؤں میں سرکاری ہسپتال، سکول اور ڈاکخانہ بنا تھا۔ جس سے گاؤں کے لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ وہ رسپانڈنٹ کے مذہبی فرقہ وارانہ اختلاف کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ بلکہ اس کو اپنا نمبردار دیکھ کر خوشی محسوس کریں گے۔

محمد شریف اپیلانٹ بھی نمبرداری کے لئے نااہل ہے وہ اگرچہ عارضی نمبردار رہ چکا ہے۔ لیکن اس کی اس نااہلی کی بناء پر کلکٹر صاحب ضلع رحیم یارخان نے اس کو مستقل نمبردار مقرر نہ کیا تھا۔ کلکٹر صاحب نے اپنے فیصلہ مورخہ ۱۲رنومبر ۱۹۶۶ء میں اس کے متعلق صاف صاف تحریر فرمایا ہے کہ وہ اکثر باقی دار رہتا ہے۔ بذریعہ وارنٹ مطالبہ داخل کرتا رہا ہے۔ ایک مرتبہ عارضی نمبرداری کے دوران معطل بھی کیا گیا تھا۔ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۶۵ء کو چوبیس گھنٹہ حوالات میں رہ چکا ہے۔ فرائض نمبرداری باقاعدہ طور پر انجام نہیں دیتا رہا۔

رسپانڈنٹ کا رقبہ اس چک میں (۶۰) ایکڑ ہے۔ جب کہ اپیلانٹس کا رقبہ علی الترتیب ۳۵ اور ۱۴۲ ایکڑ ہے۔ نیز رسپانڈنٹ میٹرک پاس ہے جب کہ فضل محمد ان پڑھ ہے اور محمد شریف مڈل۔

چیئرمین صاحب ڈسٹرکٹ ڈیولپمنٹ کمیٹی یارحیم یارخان نے سال ۱۹۵۹،۵۸ء میں میلا مویشیاں واسپان کے موقع پر رسپانڈنٹ کو (**Best Village**) قرار دیا تھا۔ علاوہ ازیں رسپانڈنٹ کے کافی رشتہ داران اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ اس موقعہ پر فضل محمد اپیلانٹ کے فاضل وکیل نے ہماری توجہ محمد کاظم کے حلفی بیان کی طرف مبذول کرائی اور اصرار کیا کہ اس بیان میں اس نے رسپانڈنٹ سے رشتہ داری کا انکار نہیں کیا ہے۔ فاضل وکیل نے مزید کہا کہ رسپانڈنٹ کا وہی رقبہ زیر غور لانا ہوگا جو اس پتی میں واقعہ ہے جیسا کہ لینڈ ریونیو رولز ۱۹۶۸ء کے رول نمبر ۱۷ (بی) میں ہدایت کی گئی ہے اور ریکارڈ سے ظاہر ہے کہ زیر بحث پتی میں رسپانڈنٹ کا رقبہ صرف ۳۰ر ایکڑ ہے۔ فاضل وکیل نے مزید کہا کہ پتی وارہ کے کاغذات یہاں موجود نہیں ہیں۔ ان کا اگر ملاحظہ کر لیا جائے تو یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ پتی وارہ کی تیاری میں رسپانڈنٹ کے حق میں

عملہ فیلڈ نے بڑی طرفداری سے کام لیا ہے۔ فاضل وکیل نے یہ بھی کہا کہ مسلمانوں کے اندر دیوبندیوں اور بریلویوں کے مابین اس طرح کا اختلاف ہرگز نہیں ہے جو مسلمانوں اور احمدیوں میں پایا جاتا ہے۔ احمدی نہ صرف مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں بلکہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ ایک کمیونٹی بھی قرار دیتے ہیں۔

ریکارڈ ملاحظہ کرنے اور فاضل وکلاء کی مندرجہ بالا بحث سماعت کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ فضل محمد اپیلانٹ کے فاضل وکیل کے دلائل کافی وزن دار ہیں۔ اپیلانٹس اور رسپانڈنٹ اگرچہ ایک ہی قوم جٹ کے افراد ہیں۔

مگران کے مذہبی، سماجی اور معاشرتی اختلاف نے ان کو ایک دوسرے سے بالکل جدا کردیا ہے۔ نمبرداری کے لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ پتی داران اور نمبردار کے درمیان ایسا کوئی اختلاف نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ لینڈ ریونیو رولز ۱۹۶۸ء کے رول نمبر ۱۷ میں قوم کی بجائے کمیونٹی کی اہمیت اور طاقت (Strength & Importance) زیرغور رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ کمیونٹی کے عنوان پر فاضل وکیل کے دلائل نہایت تشفی بخش ہیں۔ جو رسپانڈنٹ چونکہ اس پتی میں صرف ایک ہی احمدی کمیونٹی کا پتی دار ہے۔ اس لئے وہ اس پتی کی نمبرداری کے لئے بالکل نااہل ہے جو شخص اپنی پتی کے زمینداران میں سماجی، معاشرتی اور مذہبی معاملات میں کسی قسم کا بھی تعاون نہ کرے۔ بلکہ اختلاف کا مظاہرہ کرے وہ کسی صورت میں بھی اس پتی کی نمبرداری کے لئے موزوں نہیں ہے۔ اگرچہ کچھ افراد نے رسپانڈنٹ کے حق میں درخواست دی ہے تاہم اس کے خلاف بھی کچھ افراد نے درخواست دی ہے۔ مسجد اور سکول کی تعمیر میں رسپانڈنٹ کی طرف سے کوئی حصہ لینے کی بجائے الٹا مخالفت اور رکاوٹ پیدا کرنا ایسی بات ہے جس کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

اگر یہ صورتحال نہ بھی ہوتی، تب بھی رسپانڈنٹ اسی پتی کی نمبرداری کے لئے موزوں نہیں تھا۔ کیونکہ اس چک کی دوسری پتی کا نمبردار محمد کاظم ہے جو رسپانڈنٹ کا قریبی رشتہ دار ہے۔ علاوہ ازیں رسپانڈنٹ کا رقبہ اس پتی میں صرف ۱۳۰ ایکڑ ہے جب کہ اپیلانٹس فضل محمد اور محمد شریف کا رقبہ علی الترتیب ۳۵ر۱ ایکڑ اور ۴۲ر۱ ایکڑ ہے۔ اس لحاظ سے رسپانڈنٹ کو اپیلانٹس پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ رسپانڈنٹ کے فاضل وکیل نے فضل محمد اپیلانٹس کو جس فوجداری مقدمہ میں

ملوث ظاہر کیا ہے وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ مقدمہ نہ صرف ابھی زیر کارروائی ہے بلکہ یہ مقدمہ اس نمبرداری کیس کے دوران اس کے خلاف دائر ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مقدمہ اس نمبرداری کی وجہ سے محض پارٹی بازی کی بناء پر اس کے خلاف دائر ہوگیا ہو اور وہ اس میں باعزت بری بھی ہو جائے۔ رسپانڈنٹ کے فاضل وکیل نے اس امر کی کوئی تردید نہیں کی کہ فضل محمد اپیلانٹ نے گزشتہ جنگ کے موقعہ پر اپنے خاندان کے متعدد افراد مجاہد فورس میں بھرتی کر کے ملک کے دفاع میں حصہ لیا تھا۔ فضل محمد کی ان خاندانی خدمات کے مقابلے میں یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ رسپانڈنٹ نے سال ۵۸،۱۹۵۹ء میں میلہ مویشیاں واسپان کے موقعہ پر ایک بہترین دیہاتی (Best Villager) ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا تھا۔ رسپانڈنٹ کے فاضل وکیل کا یہ استدلال بھی درست نہیں ہے کہ فضل محمد وغیرہ تین بھائیوں کے سوا دیگر سب امیدواران رسپانڈنٹ کے حق میں دستبردار ہوگئے۔ مثل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف تین امیدوار عبدالعزیز، نور محمد اور بشارت اللہ دستبردار ہوئے ہیں۔ سید سرور شاہ اگرچہ پہلے دستبردار ہوگیا تھا۔ لیکن اس نے پھر دوبارہ نمبردار بنائے جانے کی درخواست بھی دے دی۔ رسپانڈنٹ کو صرف ایک معاملہ میں اپیلانٹس پر فوقیت حاصل ہے۔ وہ یہ کہ رسپانڈنٹ میٹرک ہے جب کہ فضل محمد اور محمد شریف علی الترتیب ان پڑھ اور مڈل ہیں۔ دیگر کوائف کے پیش نظر رسپانڈنٹ کے میٹرک تک تعلیم یافتہ ہونے کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ جب کہ اکثر زمینداران ان پڑھ ہونے کے باوجود کامیابی سے فرائض نمبرداری انجام دے رہے ہیں۔ ان حالات میں ہم حکم عدالت ماتحت منسوخ کرتے ہیں۔ محمد شریف اپیلانٹ کو اگرچہ رقبہ اور تعلیم میں فضل محمد اپیلانٹ پر فوقیت حاصل ہے۔ تاہم کلکٹر صاحب ضلع کے فیصلہ مورخہ ۱۲؍نومبر ۱۹۶۶ء کے بموجب اس کے عارضی عرصہ نمبرداری کی کارگزاری چونکہ تسلی بخش نہیں پائی گئی ہے اور اس کے فاضل وکیل نے اس کی کوئی تردید نہیں کی ہے۔ اس لئے فضل محمد کو اس پر ترجیح دیتے ہوئے ہم اس کی اپیل نامنظور کرتے ہیں اور فضل محمد کی اپیل منظور کرتے ہوئے اس کو چک نمبر ۵۲/پی کی پتی شرقی کا مستقل نمبردار مقرر کرتے ہیں۔ حکم سنایا گیا۔

تحریر: ۱۸؍نومبر ۱۹۷۲ء

دستخط: ملک احمد خان، کمشنر بہاولپور ڈویژن بہاولپور

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

مرزا غلام احمد قادیانی کے بارہ میں

خدائی فیصلہ

جناب مولانا صہیب حسن برمنگھم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرزاغلام احمد قادیانی کے بارے میں خدائی فیصلہ

پروپیگنڈے کے کسی ماہرفن نے خوب کہا ہے کہ اگرکسی جھوٹ کو قابل قبول ٹھہرانا ہوتو اسے اس کثرت کے ساتھ دہرایا جائے کہ لوگ جھوٹ کو سچ سمجھنے پر مجبور ہوجائیں۔ غالباً یہی تکنیک مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنی زندگی میں اوران کے لاتعداد گماشتوں اور خلفاء نے پچھلے اسّی سال سے جاری رکھی ہوئی ہے۔ جس کی ایک تازہ مثال مرزاطاہر احمد امام جماعت احمدیہ کا تمام مسلمانوں کو مباہلے کا چیلنج دینا ہے۔ مرزاطاہر نے اپنے ایک کتابچے میں ایک تو مرزاغلام احمد قادیانی کے اس چیلنج کو دہرایا ہے جس کا فیصلہ خود مرزا کی حسرت ناک ہلاکت کی شکل میں ظاہر ہوچکا ہے اور جس کے بارے میں مزید تفصیل آئندہ اوراق میں پیش کی جائے گی۔ دوسرے انہوں نے اکٹھ ایسے امور کا ذکر کیا ہے جو ان کی دانست میں قادیانی جماعت، مرزاغلام احمد اور ان کے خلفاء پر وقتاً فوقتاً لگائے گئے الزامات کی فہرست میں آتے ہیں۔ ان امور میں اٹھائیس کا تعلق مرزا قادیانی کے عقائد سے، گیارہ کا قادیانی جماعت کے دشمنان اسلام کے ساتھ روابط سے، سترہ کا پاکستان دشمنی سے اور پانچ کا مرزاطاہر احمد کی ذات سے تعلق ہے۔

مرزاطاہر احمد بار بار لعنت اللہ علی الکاذبین کی تکرار کے ساتھ یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ الزامات بے بنیاد ہیں۔ جہاں تک عقائد سے متعلق امور کا تعلق ہے تو وہ مرزاغلام احمد اوران کے خلفاء ومتوسلین کی اپنی تحریروں سے ثابت ہیں جنہیں علماء اسلام پچھلے اسّی سالوں سے عوام الناس کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں اور جن کی تاویل خود مرزائی حضرات سے بنائے نہیں بنتی اور جہاں تک پاکستان دشمنی کا تعلق ہے تو ہندوستان کی تقسیم سے قبل ضلع گورداسپور کو ہندوستان کی تحویل میں دینے کے سلسلہ میں ظفراللہ خان کا کردار کبھی پوشیدہ نہیں رہا ہے۔ مرزامحمود احمد کے اکھنڈ بھارت بنوانے اور قیام پاکستان کے بعد بلوچستان کو قادیانی اڈے میں تبدیل کرنے کے عزائم کے ثبوت تحریری طور پر موجود ہیں۔ حالیہ واقعات جیسے سانحہ اسلام آباد اور مولانا اسلم قریشی کے اغوا اور بازیابی کا واقعہ ابھی زیر تحقیق ہیں اور ہنوز نگاہیں پردہ اٹھنے کی منتظر ہیں۔

مرزا طاہر کا پاکستان سے فرار ان کے خلاف الزامات کی جوابدہی سے پہلو تہی پر خود ایک زبردست دلیل ہے۔ مرزا طاہر احمد نے اکسٹھ الزامات کی فہرست گنوانے کے بعد بڑے معصومانہ انداز میں جماعت احمدیہ کے ان عقائد کو بیان کیا ہے جس سے بادی النظر میں ان کی اسلامیت پر کوئی حرف آتا نہیں دکھائی دیتا۔ لیکن ہم باادب گزارش کریں گے کہ مرزا طاہر نے قادیانیت کا اصلی چہرہ چھپانے کی ایک اور ناکام کوشش کی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ملت اسلامیہ پچھلی صدی سے مرزائیت کے ساتھ برسرپیکار ہے۔ عالم اسلام کا نمائندہ ادارہ رابطہ عالم اسلامی اور پاکستان کی قومی اسمبلی قادیانیت کو خارج از اسلام قرار دے چکی ہے۔ یقیناً اس طویل کشمکش کے کچھ اسباب ہیں۔ ہمیں مرزا قادیانی کے اکسٹھ دعاوی کے ثبوت بہم پہنچانے کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں کہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اسے بخوبی انجام دے چکی ہے۔ ہم یہاں قادیانی امت کے چندان عقائد اور اقدامات کا ذکر کریں گے جنہیں مرزا طاہر احمد نے پردۂ اخفاء میں رکھ کر خود قادیانیت کے ساتھ غداری کی ہے۔ ہم مرزا طاہر کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ یہ ثابت کریں کہ یہ عقائد مرزا غلام احمد اور ان کے خلفاء اور متوسلین کی تحریروں یا طرز عمل سے ثابت نہیں ہوتے اور اگر وہ ایسا نہ کرسکیں تو پھر ان پر خود واضح ہو جائے گا کہ ''**لعنة الله علی الکاذبین**'' کا مصداق کون ہے؟

۱...... ''ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔'' (ملفوظات احمدیہ ج۱۰ص۱۲۷)

''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔''

(دافع البلاء ص۱۱، خزائن ج۱۸ص۲۳۱)

''میں اپنی نسبت کہتا ہوں کہ خدا نے مجھے رسول اور نبی کے نام سے پکارا ہے۔''

(ایک غلطی کا ازالہ ص۴، خزائن ج۱۸ص۲۱۱)

۲...... ''مسیح موعود ہونے کا دعویٰ۔'' (ازالہ اوہام ص، خزائن ج۳ص۱۲۲)

۳...... ''جو شخص تیری پیروی نہ کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہ ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔'' (مجموعہ اشتہارات ج۳ص۲۷۵)

۴...... تمام اہل اسلام کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں: ''سوم یہ کہ کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرے عقائد ہیں۔'' (آئینہ صداقت ص۳۵)

۵...... خاتم النّبیین ہونے کا دعویٰ: ’’میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت: ’’وآخرین منھم لما یلحقوا بھم‘‘ بروزی طور پر وہی خاتم الانبیاء ہوں۔‘‘

(ایک غلطی کا ازالہ ص۵، خزائن ج۱۸ ص۲۱۲)

۶...... آنحضرت ﷺ کی دوسری بعثت ہونے اور رحمت اللعالمین کا لقب پانے کا دعویٰ: ’’یہ مسلمان کیا منہ لے کر دوسرے مذاہب کے بالمقابل اپنا دین پیش کر سکتے ہیں۔ تاوقتیکہ وہ مسیح موعود (یعنی مرزا قادیانی) کی صداقت پر ایمان نہ لائیں جو فی الحقیقت وہی ختم المرسلین تھا کہ خدائی وعدہ کے مطابق دوبارہ آخرین میں مبعوث ہوا اور وہی فخر اوّلین وآخرین ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے رحمۃ للعالمین بن کر آیا تھا۔‘‘

(الفضل قادیان ج۳ نمبر۴۲ ص۳ کالم۳، مورخہ ۲۶؍ستمبر ۱۹۱۵ء)

یہی وجہ ہے کہ مرزائیوں کو دوسرے کلمہ شہادت کی ضرورت پیش نہیں آئی کہ وہ ’’محمد رسول اللہ‘‘ میں مرزا غلام احمد کو بھی داخل سمجھتے ہیں۔ (کلمۃ الفصل ص۱۵۸)

۷...... اللہ کے بیٹے کی مانند ہونا: ’’بقول مرزا ان پر یہ وحی نازل ہوئی: ’’انت منی بمنزلۃ ولدی انت منی بمنزلۃ اولادی‘‘ یعنی تو مجھ سے بمنزلہ میرے بیٹے کے ہے، تو مجھ سے بمنزلہ میری اولاد کے ہے۔‘‘ (تذکرہ ص۳۹۹)

۸...... ’’کن فیکون‘‘ کی طاقت رکھنے کا دعویٰ: بقول مرزا ان پر یہ الہام نازل ہوا: ’’انما امرک اذا اردت شیئًا ان تقول لہ کن فیکون‘‘ اے مرزا تیری شان یہ ہے کہ جب تو کسی چیز کا ارادہ کرے تو اس سے کہہ دے کہ ہو جا، پس وہ ہو جائے گی۔

(تذکرہ ص۵۱۹)

۹...... ’’مرزا پر ایمان نہ لانے والے کنجریوں کی اولاد ہیں۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۷، خزائن ج۵ ص۵۴۷)

۱۰...... مرزا قادیانی پر نازل ہونے والی کتاب کا نام ’’الکتاب المبین‘‘ ہے جس کے بیس اجزاء ہیں۔ ہر جز میں کئی آیات ہیں۔ (النبوۃ فی الالہام ص۴۳، حقیقت الوحی ص۳۹۱)

۱۱...... صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی: ’’ابوہریرہ فہم قرآن میں ناقص ہے۔ اس کی درایت پر محدثین کو اعتراض ہے۔ ابوہریرہ میں نقل کرنے کا مادہ تھا اور درایت اور فہم سے بہت کم حصہ رکھتا تھا۔‘‘ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۲۴۴، خزائن ج۲۱ ص۴۱۰)

۱۲…… مرزا قادیانی نے مقتدر علماء کرام کو غلیظ گالیوں سے نوازا۔ (ہم چونکہ مرزا قادیانی کی غلیظ زبان کو دہرانا نہیں چاہتے۔ اس لئے معذرت خواہ ہیں۔ مرزائی بخوبی جانتے ہیں کہ مرزا قادیانی کی کتابیں ان مغلظات کا شاہکار ہیں)

۱۳…… کسی مسلمان کے پیچھے نماز جائز نہیں: ’’ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ کیونکہ وہ خداتعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں کسی کا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے۔‘‘

(انوار خلافت ص۹۰)

۱۴…… مسلمانوں سے رشتہ ناطہ جائز نہیں: ’’حضرت مسیح موعود کا حکم اور زبردست حکم ہے کہ کوئی احمدی غیر احمدی کو لڑکی نہ دے۔‘‘ (برکات خلافت ص۷۵)

۱۵…… مسلمان کی نماز جنازہ تک جائز نہیں: ’’قرآن شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جو بظاہر اسلام لے آیا ہے، لیکن یقینی طور پر اس کے دل کا کفر معلوم ہوگیا ہے تو اس کا بھی جنازہ جائز نہیں۔ پھر غیر احمدی کا جنازہ کس طرح پڑھنا جائز ہوسکتا ہے۔‘‘

(انوار خلافت ص۹۲)

۱۶…… احادیث کو جانچنے کا واحد طریقہ مرزا قادیانی کی ذات ہے: ’’اور جو شخص (یعنی مرزا غلام احمد) حکم ہوکر آیا ہے۔ اس کا اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پاکر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پاکر رد کر دے۔‘‘ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص۱۰، خزائن ج۱۷ ص۵۱)

۱۷…… ’’مسجد اقصیٰ جس کا ذکر سفر اسراء میں ہے۔ مسجد قادیان ہی ہے۔‘‘

(خطبہ الہامیہ ص ج حاشیہ، خزائن ج۱۶ ص۲۱)

۱۸…… مرزا طاہر احمد اپنی جماعت کے نماز، روزہ، حج کو اسلام کی نشانی قرار دے کر اپنی جماعت کو مسلمان باور کرانے کی کوشش میں ہیں۔ لیکن ان کی جماعت کے نماز، روزہ، حج کی حقیقت خلیفہ قادیان مرزا محمود احمد خود مرزا قادیانی کے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں: ’’یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم ﷺ، قرآن،

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔ غرض آپ نے تفصیل سے بتایا ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔‘‘ (الفضل قادیان ج۱۹ نمبر۱۳، مورخہ ۳۰؍جولائی ۱۹۳۱ء)

۱۹…… قادیانی امت تمام مکفرین ومکذبین ومخالفین کو کافر ٹھہراتی رہی ہے۔ ہم مرزا طاہر احمد سے پوچھتے ہیں کہ وہ قائداعظم کو مسلمان تسلیم کرتے تھے یا نہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ ظفر اللہ خاں نے قائد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی؟

اسی طرح ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ پاکستان بننے سے پہلے سر فضل حسین کو وہ مسلمان تسلیم کرتے تھے یا نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ قادیانی جماعت کا آرگن ’’الفضل‘‘ انہیں اپنی جماعت کا محسن تسلیم کرتا ہے اور خود ظفر اللہ خاں پر بھی ان کے بے پایاں احسانات تھے۔ اس کے باوجود ان کی وفات پر ظفر اللہ خاں نے ان کی نماز جنازہ ادا نہ کی؟

۲۰…… ہم مرزا طاہر احمد سے یہ بھی سوال کرتے ہیں کہ محمد علی کی قائم کردہ لاہوری جماعت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو سوائے مرزا قادیانی کی نبوت کے اور تمام عقائد میں آپ کی جماعت کی ہمنوا ہے؟

مرزا طاہر احمد عوام الناس سے اپنے اصل عقائد چھپا کر سرخرو ہونا چاہتے ہیں۔ اب ان کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو ان عقائد کی نفی کر کے ان عقائد کے حاملین بشمول اپنے باپ اور دادا پر لعنت بھیجیں اور از سر نو دائرہ اسلام میں داخل ہوں یا پھر اپنے کذب ودجل پر قائم رہ کر ’’**لعنۃ اللہ علی الکاذبین**‘‘ کے مصداق ٹھہریں۔

مرزا طاہر احمد نے قادیانی جماعت کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے مباہلہ کا سہارا لیا ہے۔ چونکہ اس سے قبل مرزا غلام احمد بھی یہی پانسہ پھینک چکے ہیں۔ اس لئے مباہلہ کی شرعی حیثیت جاننے کے لئے ہم قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قرآن میں یہود ونصاریٰ دونوں کو چیلنج دیا گیا ہے۔

یہود کے بارے میں کہا گیا: ’’**قل ان کانت لکم الدار الآخرۃ عند اللہ خالصۃ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیھم واللہ علیم بالظالمین** (بقرہ:۹۵)‘‘ ﴿کہو اگر اللہ کے یہاں آخرت کا گھر خاص تمہارے لئے ہے دوسروں کو چھوڑ کر تو تم مرنے کی آرزو کرو۔ اگر تم سچے ہو، مگر وہ کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے۔ بسبب اس کے جو وہ اپنے آگے بھیج چکے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے۔﴾

ابن کثیراس آیت کے تحت حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ فریقین میں سے جو جھوٹا ہے اس پر موت کی دعا کرو۔

اور مزید وضاحت کے طور پر لکھتے ہیں کہ: ’’بموجب قول ابن عباس یہود سے ایک منصفانہ بات کہی گئی اور وہ یہ کہ اگر تم یہ اعتقاد رکھتے ہو کہ تم تمام لوگوں کو چھوڑ کر اللہ کے دوست ہو، اللہ کے بیٹے اور محبوب ہو، اہل جنت میں سے ہو اور باقی سب جہنمی ہیں تو پھر مباہلہ کرلو اور فریقین میں سے جو جھوٹا ہے اس پر بددعا کرو اور جان لو کہ مباہلہ لامحالہ جھوٹے کی جڑ اکھاڑ پھینکتا ہے۔ تو جب انہیں اس بات کا یقین ہوگیا اور آپ کی صداقت کو جان گئے تو وہ مباہلہ سے کنی کترا گئے۔ کیونکہ وہ اپنے جھوٹ اور افتراء کو جانتے تھے اور نبیوں کی صفت کو ایسے ہی جانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو۔ لیکن وہ ہمیشہ اسے چھپاتے رہے۔ اس مباہلہ کو ’’تمنی‘‘ کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ ہر حق پسند چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مقابل باطل مناظرہ باز کو ہلاک کرے اور خاص طور پر اس وجہ سے بھی کہ اس طرح سے حق کو بخوبی اظہار ہوجاتا ہے۔ مباہلہ موت پر کیا گیا کیونکہ یہود زندگی کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ وہ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ موت کے بعد ان کا انجام بہت برا ہوگا۔‘‘ (ابن کثیر ج۱ ص۱۲۷)

نصاریٰ نجران کے مقابلہ میں کہا گیا: ’’**فمن حاجک فیه من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنة اللہ علی الکاذبین** (آل عمران:۶۱)‘‘ ﴿پھر جو تم سے اس بارے میں حجت کرے بعد اس کے کہ تمہارے پاس علم آچکا ہے تو ان سے کہو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو، اور ہم اور تم خود بھی جمع ہوں، پھر ہم مل کر دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔﴾

ابن کثیر نے ابن اسحاق کے حوالے سے ان آیات کے شان نزول میں لکھا ہے کہ ہجرت کے نویں سال نجران کے عیسائیوں کا ساٹھ سواروں پر مشتمل ایک وفد مدینہ آیا۔ جس میں ان کے چودہ ذی علم اور بااثر افراد شامل تھے۔ نبی ﷺ انہیں اسلام لانے کی دعوت دیتے رہے اور ان پر عیسائیت کے عقائد کا بوداپن ظاہر کرتے رہے۔ لیکن وہ آنحضور ﷺ کی بات نہ مانے۔ سورۂ آل عمران کے ابتدائی حصہ کی بیشتر آیات اسی محاکمہ پر مشتمل ہیں۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ سے خبر آگئی اور آپ کے اور ان کے درمیان فیصلہ کا وقت آپہنچا اور

آپ کو ان پر لعنت بھیجنے کی دعا کرنے اور انہیں بھی ایسی ہی دعا کرنے کی طرف بلایا گیا تو یہ لوگ آپ سے مہلت طلب کرنے لگے۔ ان کے لیڈر عبدالمسیح نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اے جماعت نصاریٰ تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ نبی مرسل ہیں اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فیصلہ کن بات لے کر آئے ہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ جب کبھی کسی شخص نے کسی نبی کے بالمقابل لعنت کی دعا (مباہلہ) کیا ہے تو نہ ان کے بڑے بھائی رہے اور نہ ہی چھوٹے، اور اگر تم ایسا کرو گے تو جڑ سے اکھاڑ پھینک دیئے جاؤ گے اور اگر تم واقعی اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو اور عیسیٰ کے بارے میں اپنے اعتقاد کو نہیں چھوڑنا چاہتے تو اس شخص سے مصالحت کر لو اور اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے جزیہ کی ادائیگی پر آمادگی ظاہر کی اور واپس نجران چلے گئے۔

امام احمد نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ ابوجہل (اللہ اسے برباد کرے) نے ایک مرتبہ کہا کہ اگر محمد ﷺ کو میں نے کعبہ کے قریب نماز پڑھتے دیکھا تو میں ان کی گردن پر پیر رکھ دوں گا تو اس پر اللہ کے رسول نے کہا۔ اگر وہ ایسا کر بیٹھتا تو فرشتے اسے سب کے سامنے دبوچ لیتے اور اگر یہودی موت کی تمنا کر بیٹھتے تو وہ ختم ہو جاتے اور آگ میں اپنی جگہوں کو بھی دیکھ لیتے اور اسی طرح اگر (نصاریٰ نجران) مباہلہ کے لئے نکل آتے تو وہ اس حال میں لوٹتے کہ نہ ان کا مال رہتا نہ اہل وعیال۔ یہ روایت امام بخاری، ترمذی اور نسائی نے بھی ذکر کی ہے۔

ان دنوں آیات اور ان کے سیاق وسباق سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱...... اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے کتاب اللہ کی روشنی میں یہود اور نصاریٰ پر پوری طرح اتمام حجت کر لیا اور ان پر ان کے عقائد کی کمزوری صاف صاف واضح کر دی۔

۲...... یہود اور نصاریٰ نجران سے مباہلہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ یعنی اللہ کے رسول نے اس وقت تک ان سے مباہلہ نہیں کیا جب تک کہ اللہ کی طرف سے یہ حکم نہ آ گیا، کیونکہ اس حکم کے بموجب اگر یہ دونوں گروہ مباہلہ کر بیٹھتے تو ان کے لئے ہلاکت مقدر تھی۔

۳...... یہود اور نصاریٰ بخوبی جانتے تھے کہ ایک سچے نبی کے ساتھ مباہلہ کرنا، ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔ اس لئے انہوں نے مباہلہ سے اعراض کیا۔

۴...... اللہ کی عام سنت یہی ہے کہ ہر شخص کو اس دنیا میں مہلت دی جاتی ہے۔ یہ نہیں ہوا کہ جہاں کوئی شخص کوئی باطل فکر لے کر اٹھے۔ اسے فوراً ہی ہلاک کر دیا جائے۔ اگر ایسا ہوتا

تو دنیا میں باطل کا وجود ہی نہ ہوتا۔ باطل کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔

۵...... چونکہ انبیاء اللہ کے حکم سے مباہلہ کرتے ہیں۔ اس لئے امت کے عام افراد کو حق واضح کرنے کے لئے دلیل و برہان کو اپنا شعار بنانا چاہئے۔ یہ اللہ کی سنت رہی ہے کہ بالآخر غلبہ حق ہی کو ہوتا ہے اور باطل مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی چونکہ اپنے تئیں نبی سمجھتا تھا۔ اس لئے علمائے اسلام اور خاص طور پر مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے دندان شکن حملوں کی تاب نہ لا کر اس نے نوح علیہ السلام کی تقلید کا سہارا لیا۔ اسے نوح علیہ السلام سے خصوصی تعلق کا بھی زعم تھا۔ اس نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ اللہ نے اسے نوح کے نام سے بھی پکارا ہے۔ (بحوالہ سیرت المہدی)

مرزا قادیانی نے یہ سمجھا کہ جس طرح نوح علیہ السلام نے کفار کے لئے ہلاکت کی دعا کی تھی جس کے نتیجہ میں تمام کفار غرق ہوگئے۔ اس طرح اس کی دعا کے نتیجہ میں ملت اسلامیہ کا کم ازکم ایک فرد یعنی مولانا ثناء اللہ تو اس کی اپنی حیات کے دوران ضرور ہی ہلاک ہو جائیں گے۔ بلکہ اسے تو اپنی صداقت کا یہاں تک یقین تھا کہ اپنی دعا کو الہامی قرار دے دیا۔ لیکن مرزا قادیانی یہ بھول گئے کہ نوح علیہ السلام ایک سچے نبی تھے۔ جن کی دعا قبول ہوئی اور کفار ہلاک کئے گئے۔ جب کہ مرزا قادیانی خود ایک جھوٹے متنبّی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق کافی مہلت دی کہ شاید وہ راہ راست پر آجائیں۔ اللہ تعالیٰ کو غالباً یہی منظور تھا کہ مرزا قادیانی اپنے ہتھیار سے خود ہی مغلوب ہو۔ اس لئے مرزا قادیانی اپنی ہی دعا کے تیرہ ماہ بعد خود ہی ہلاکت کی موت مرا اور اس طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قادیانیت کے دجل وفریب کی قلعی کھل گئی۔

مرزا طاہر احمد غالباً مباہلہ کو کرکٹ کا میچ سمجھ رہے ہیں۔ جس کی پہلی اننگ میں شکست کھانے کے بعد اب وہ نئے کھلاڑی لے کر سامنے آرہے ہیں۔ لیکن ان پر واضح ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے مذاق ان کے لئے بہت مہنگا ثابت ہوگا۔ انہوں نے کمال چالاکی سے امت مسلمہ کے ہر بڑے چھوٹے کو مباہلہ کا چیلنج دیا ہے۔ کیونکہ وہ یہ تو جانتے ہیں کہ بہر حال ہر شخص کو مرنا ہے اور ہر سال قضائے الٰہی سے بے شمار لوگ بشمول علماء وصلحاء فوت ہو جاتے ہیں۔ مرزا طاہر اس تاک میں ہیں کہ جہاں کوئی مخالف فوت ہو وہ فوراً اپنے اور اپنی جماعت کے سچا ہونے کا ڈھنڈورہ پیٹنا شروع کردیں۔ مرزا طاہر کا یہ مشغلہ اب مسلمانوں کو مزید گمراہ نہ کر سکے گا۔

ہم سطور ذیل میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مرزا غلام احمد کی محاذ آرائی اور مرزا قادیانی کی المناک شکست کی روئیداد مولانا صفی الرحمٰن اعظمی کی کتاب ''فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ'' سے پیش کررہے ہیں تا کہ ہر خاص وعام پر واضح ہو جائے کہ جس طرح مسیلمہ کذاب کے کذب ودجل کا فیصلہ ایک مسلمان مجاہد کی تلوار سے اس کی زندگی میں ہوگیا تھا۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی کے کذب وافتراء کا آسمانی فیصلہ بھی ۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء کو ہو چکا۔

راقم: صہیب حسن، امیر جمعیۃ اہل حدیث، لندن

خدائی فیصلہ اور قادیانی نبوت کے تابوت میں آخری کیل

ہنستا ہے میرے حال پہ ظالم ابو الوفا ڈرتا ہوں میں کہیں یہ قضا کی ہنسی نہ ہو

قادیانیت کے خلاف مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی مجاہدانہ سرگرمیوں، عالمانہ گرفتوں اور فاضلانہ مواخذات کے مقابلے سے جب مرزا قادیانی اور ان کی پوری امت عاجز آگئی...... اور مولانا کی ہیبت سے قادیانی ایوان میں زلزلے برپا رہنے لگے تو مرزا قادیانی نے ۱۵؍اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس نے رہتی دنیا تک کے لئے مرزا قادیانی کے صدق وکذب کا دوٹوک اور حتمی فیصلہ کر دیا۔ وہ اشتہار بتمام وکمال یہ ہے:

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یستنبؤنک احق ھو قل ای وربی انہ لحق

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب السلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

مدت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں مردود، کذاب، دجال، مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا۔ مگر چونکہ میں حق کے پھیلانے کے لئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں اور مجھے ان گالیوں اور ان تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد

کرتے ہیں جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہوسکتا۔ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ لذت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے۔ تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔ پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی ہی میں وارد نہ ہوئیں تو میں خداتعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیش گوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک! بصیر وقدیر جو علیم وخبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین! مگر اے میرے کامل اور صادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے، بلکہ طاعون وہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے۔ جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔ آمین! یا رب العالمین! میں ان کے ہاتھ بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے لئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت ''**لا تقف ما لیس لک به علم**'' پر بھی عمل نہیں کیا اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بدآدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بداثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ مگر میں

دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہیں تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔آمین ثم آمین!''ربنا فتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین. آمین'' بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم: عبداللہ الصمد میرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ واید

مرقومہ ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء، یکم/ربیع الاوّل ۱۳۲۵ھ

(مجموعہ اشتہارات ج۳ص ۵۷۸،۵۷۹)

یہ اشتہار اپنا مضمون بتلانے میں کسی حاشیہ یا شرح کا محتاج نہیں۔اس اشتہار کے بعد ۲۵/اپریل ۱۹۰۷ء کو قادیانی اخبار بدر میں مرزا قادیانی کا ایک اور بیان شائع ہوا جو یہ تھا: ''مرزا قادیانی نے فرمایا: زمانہ کے عجائبات ہیں۔رات کو ہم سوتے ہیں تو کوئی خیال نہیں ہوتا کہ اچانک الہام ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے وقت پر پورا ہوتا ہے۔کوئی ہفتہ، عشرہ نشان سے خالی نہیں جاتا۔ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ایک دفعہ ہماری توجہ اس طرف ہوئی اور رات کو توجہ اس کی طرف تھی اور رات کو الہام ہوا۔''اجیب دعوۃ الداع''صوفیاء کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دعا ہے۔باقی سب اس کی شاخیں۔''

خلاصہ یہ کہ مرزا قادیانی نے اشتہار بالا میں جو دعا کی تھی کہ مرزا قادیانی اور مولانا ثناء اللہ میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جائے۔یہ دعا خدا کی تحریک پر کی گئی تھی اور اس کی مقبولیت کا مرزا قادیانی کو الہام بھی ہو گیا تھا۔اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا وہ یہ ہے کہ اس اشتہار کی اشاعت کے تیرہ مہینہ بارہ دن بعد ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۴/ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ کو مرزا قادیانی اس اشتہار میں نامزد کردہ ایک بیماری ہیضے سے انتقال کر گئے اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ، مرزا قادیانی کے انتقال کے بعد مسلسل چالیس برس تک پوری تاب وتوانائی کے ساتھ حق کا پھریرا

لہراتے اور باطل کے علم کو سرنگوں کرتے ہوئے زندہ رہے۔ اس طرح مرزا قادیانی کی اپنی دعا وطلب کے مطابق خدائے تعالیٰ کا یہ دوٹوک فیصلہ ہوگیا کہ وہ برسر باطل اور کذاب ودجال تھے اور مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ برسرحق اور صادق۔ اس سلسلے میں کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

لکھا تھا کاذب مرے گا پیشتر　　کذب میں سچا تھا پہلے مر گیا

ایک صاحب نے فارسی میں ارشاد فرمایا ہے ؎

گفت مرزا مر ثناء اللہ را　　میرد اوّل ہر کہ ملعون خداست
خود روانہ شد بسوئے نیستی　　بود خود ملعون لیکن گفت راست

آیئے! مرزا قادیانی کی موت کی تفصیلات بھی قادیانی مآخذ کی زبانی سنتے چلیں۔

مرزا قادیانی کہا کرتے تھے کہ مجھے الہام ہوا ہے: ’’انی احافظ کل من فی الدار‘‘ (یعنی اے مرزا! تیرے گھر کے ہر فرد کی میں (خدا) حفاظت کروں گا۔ (البشریٰ ج۲ ص۱۴۰)) اس خدائی الہام کے باوجود اپریل یا مئی ۱۹۰۸ء میں مرزا قادیانی کو اپنے اہل وعیال سمیت بیماری کے سبب قادیان اور الامان ودارالشفاء چھوڑ کر تبدیلی آب وہوا کے لئے لاہور جانا پڑا۔ مگر جب لاہور وارد ہوئے تو زندہ نہ پلٹ سکے۔ ان کی موت کیوں کر واقع ہوئی۔ اس کی جو تفصیلات قادیانی اخبار الحکم ۲۸؍مئی ۱۹۰۸ء کے ضمیمہ میں شائع ہوئی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ’’۲۵؍مئی ۱۹۰۸ء کی شام کو مرزا قادیانی پر ان کی قدیم بیماری اسہال کا دورہ ہوا۔ گیارہ بجے رات میں ایک زوردار دست آنے پر ازحد کمزوری ہوگئی۔ دو اور تین بجے کے درمیان ایک اور زبردست دست آنے پر نبض بالکل بند ہوگئی۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں نے حالت معمول پر لانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ لیکن مرزا قادیانی مسلسل گیارہ گھنٹے تک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر ۲۶؍مئی کو سوا دس بجے فوت ہوگئے۔‘‘

تقریباً یہی بیان مرزا قادیانی کی اہلیہ کا ہے۔ ان سے ان کے صاحبزادے روایت کرتے ہیں: ’’پہلے ایک پاخانہ آیا اور اتنے میں آپ کو ایک اور دست آیا۔ مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ پاخانے نہ جاسکتے تھے۔ اس لئے چارپائی کے پاس ہی بیٹھ کر فارغ ہوئے اور پھر اٹھ کر لیٹ گئے اور میں پاؤں دباتی رہی۔ مگر ضعف بہت ہوگیا اس کے بعد ایک اور دست آیا اور پھر آپ کو ایک اور قے آئی۔ جب آپ قے سے فارغ ہوکر لیٹنے گئے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ پشت کے بل چارپائی پر گر گئے اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگرگوں ہوگئی۔‘‘

(سیرۃ المہدی حصہ اوّل ص۱۰۹)

گویا ’’یضربون وجوههم وادبارهم‘‘ کا نقشہ تھا۔ مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے آرگن پیغام صلح نے ۳/مارچ ۱۹۳۹ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ: ’’بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرزاقادیانی کی موت کے وقت ان کے منہ سے پاخانہ نکل رہا تھا۔‘‘

(الاعتصام مورخہ ۱۴/جون ۱۹۶۸ء)

موت کے بعد مرزاقادیانی کو جس مرحلے سے گزرنا پڑا وہ بھی کچھ کم عبرت انگیز نہ تھا۔ مرزاقادیانی کا مدفن تو قادیان میں ان کا بنوایا ہوا ’’بہشتی مقبرہ‘‘ تھا۔ لیکن چونکہ ان کی موت انبیاء ومرسلین کی سنت کے برخلاف مدفن قادیان سے کوئی ستر میل دور احمدیہ بلڈنگ لاہور میں ہوئی تھی۔ اس لئے انہیں بذریعہ ٹرین لاہور سے قادیان لانے کا فیصلہ کیا گیا۔ جب مرزاقادیانی کا جنازہ لاہور ریلوے اسٹیشن لے جانے کے لئے احمدیہ بلڈنگ سے باہر نکالا گیا تو زندہ دلان لاہور نے اس کا بڑا شاندار استقبال کیا۔ یعنی راستے بھر مرزاقادیانی کے جنازے پر اس قدر غلاظتیں اور پاخانے پھینکے گئے کہ ان کی لاش بدقت تمام اسٹیشن تک پہنچ سکی۔ (اہل حدیث مورخہ ۱۸/اکتوبر ۱۹۴۰ء)

خدائی فیصلے کا یہ نتیجہ تو مرزاقادیانی کے تمام موافقین ومخالفین نے دیکھا۔ مگر خود مرزاقادیانی کو بھی ان کی حین وحیات سامان عبرت فراہم کرنے میں قدرت نے کسی بخل سے کام نہ لیا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۴/جون ۱۸۹۹ء کو جب مرزاقادیانی کا چوتھا لڑکا مبارک احمد پیدا ہوا تو مرزاقادیانی نے اپنی کتاب تریاق القلوب میں بڑی دھوم دھام کے ساتھ اعلان کیا کہ یہی وہ مصلح موعود ہے جس کی پیدائش اور آمد کی بابت میں نے ۲۰/فروری ۱۸۸۶ء والے اشتہار میں پیشین گوئی کی تھی۔ مرزاقادیانی کو اس لڑکے پر اس پیشین گوئی کے چسپاں ہونے کا اس قدر یقین تھا کہ انہوں نے اس کا نکاح صرف آٹھ سال کی عمر میں بحالت نابالغی ہی ستمبر ۱۹۰۷ء میں کردیا تھا۔ لیکن ابھی اس کی تقریب نکاح کی مسرت وشادمانی سے مرزاقادیانی سرمست ہی تھے کہ اس لڑکے کی روح قبض کرنے کے لئے ملک الموت آپہنچا۔ مسیح قادیان نے اس کی جان بچانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ ان کی تدبیروں اور بے قرارانہ دعاؤں کی جو کیفیت تھی اس کا نقشہ کسی شاعر نے کیا خوب کھینچا ہے۔ کہتا ہے ؎

سر بسجدہ ہے مسیحا کہ میری بات رہے
ملک الموت کو ضد ہے کہ میں جاں لے کے ٹلوں

لیکن خدائی فیصلہ کے سامنے مرزاقادیانی کی ایک نہ چلی۔ ۱۶/ستمبر ۱۹۰۷ء کو یہ لڑکا مرزاقادیانی کے تمام دعوؤں، پیش گوئیوں، آرزوؤں، تمناؤں، دعاؤں اور التجاؤں کو ٹھکراتا اور

پامال کرتا ہوا اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گیا۔

اس لڑکے کی موت نے مرزا قادیانی جیسے بوڑھے باپ کو جس غم والم، کرب واذیت اور ذلت ورسوائی کی دوہری آفت سے دوچار کیا۔ وہ مرزا قادیانی کے لئے موت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اس لئے اس لڑکے کی موت مرزا قادیانی کی دعا کے ان الفاظ کے عین مطابق تھی کہ: ''جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے یا کسی اور سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔''

مگر مرزا قادیانی کے دل پر تو مہر لگ چکی تھی۔ اس لئے انہیں اس واقعہ سے بھی عبرت نہ ہوئی۔ بالآخر اس تنبیہ کے بعد چند ماہ کی مزید مہلت گزار کر مرزا قادیانی خدائی قہر کی گرفت میں اس طرح آئے کہ ان کی موت ان کے کذاب ودجال ہونے کی دائمی اور خدائی علامت بن گئی۔

''فجعلناها نکالا لما بین یدیها وما خلفها وموعظة للمتقین''

مرزا قادیانی کے برعکس مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ پر اس اشتہار کا اثر یہ رہا کہ وہ اس پورے عرصے میں آرام وآسائش اور سکون وعافیت سے رہے اور نہ صرف یہ کہ ردقادیانیت کے سلسلے میں آپ کا جوش وخروش پہلے سے فزوں تر ہو گیا۔ بلکہ اس اشتہار کے صرف ڈیڑھ ماہ بعد آپ نے قادیانیت کی تردید کے سلسلے میں اپنے معرکۃ الآراء اور لاثانی جریدے مرقع قادیانی کا اجراء فرمایا جو مرزا قادیانی کی موت کے بعد بھی تقریباً نصف سال تک جاری رہا۔

تنبیہ:

خدائی فیصلہ کے تحت مرزا قادیانی کی موت کو جو واقعہ پیش آیا اس میں عبرت وموعظت کے بہت سے پہلو ہیں۔ لیکن ہم ان سب سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف ایک بات لکھنی ضروری سمجھتے ہیں جس وقت یہ واقعہ پیش آیا ہے متحدہ ہند (موجودہ ہندوستان وپاکستان) کے طول وعرض میں اہل اسلام کے ہر مکتب خیال کی چوٹی کی شخصیتیں، بڑے بڑے علماء وصلحاء اور خدارسیدہ اتقیاء وزہاد موجود تھے۔ لیکن قدرت کی طرف اسلام وقادیانیت کی کشمکش میں حق وباطل کے درمیان دوٹوک اور دائمی فیصلہ کے لئے جس ہستی کا انتخاب عمل میں آیا۔ وہ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی تھی۔

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ اور ردقادیانیت کے سلسلے میں مولانا کا مرتبہ

ومقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس وقت کی تمام برگزیدہ اور مقدس شخصیتوں سے بلند وبالا تھا اور جس طرح مرزا قادیانی اپنے وقت کا دجال اکبر تھا۔ اسی طرح آپ اپنے وقت کے سب سے بڑے حامی دین متین اور علمبردار اسلام تھے۔

مولانا کے حق میں قدرت کی اس خاموش شہادت پر موافق ومخالف دونوں نے صاد کیا ہے بلکہ خود مرزا قادیانی بھی اپنی موت سے پہلے اس کی شہادت دے گئے ہیں۔ آپ ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء والا اشتہار ایک بار پھر پڑھ جائیے۔ کس طرح ایک ایک جملے سے بے بسی وبے چارگی ٹپک رہی ہے۔ کتنی حسرت اور بے کسی کے ساتھ مرزا قادیانی مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں اپنے سلسلہ کے نابود ہونے اور اپنی بنیاد کے منہدم ہونے کا خطرہ خدا کے دربار میں پیش کر کے فریاد کر رہے ہیں۔ لیکن اس سے بھی صاف اور صریح الفاظ میں سننا ہو تو مرزا قادیانی کی (تتمہ حقیقت الوحی ص۳۰، خزائن ج۲۲ ص۴۶۲) کھولئے۔ مرزا قادیانی نے صاف صاف لکھا ہے کہ: ’’مولوی ثناء اللہ آج کل ٹھٹھے اور ہنسی اور توہین میں دوسرے علماء سے بڑھے ہوئے ہیں۔‘‘

موافقین کے بیانات دیکھنے ہوں تو سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم مہتمم دیوبند اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے وہ بیانات پڑھ جائیے جو مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات کے سلسلے میں پچھلے اوراق کے اندر نقل کئے جاچکے ہیں۔ مولانا کی ان مساعی اور آپ کے ان مراتب کے اعتراف کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ قادیانی فرقے کے علاوہ ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء اور دانشور آپ کو ’’فاتح قادیان‘‘ کے لقب سے یاد کرتے تھے اور یہ آپ کا ایسا امتیازی وصف ولقب ہے جو پورے ہندوستان میں کسی اور کو حاصل نہ ہوسکا۔ خود مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اپنی اس سعی پیہم اور اس کے اثرات کا علم واحساس تھا۔ غالباً اسی لئے آپ نے لکھا ہے کہ: ’’میرا روئے سخن مرزا قادیانی کے ساتھ اور بزرگان علماء کرام کے شروع ہوا۔ مگر کیفیت میں ان سے بڑھ گیا تھا۔‘‘ (تاریخ مرزا ص۸۰)

مسلمانوں کی طرف سے اس دفاع (یعنی قادیانی حملے کے دفاع) کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم تھے...... قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہوگی۔ جس کی بابت مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے۔

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

(اہل حدیث مورخہ ۲۳/جنوری ۱۹۴۲ء)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

مرزائی امت
کی
عقلمندی ودانائی

جناب سید میر ساکن گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حسب فرمائش مولانا حکیم عبدالرحمٰن آزاد، امیر جمعیۃ اہل حدیث ضلع گوجرانوالہ

مرزائی دوستو! پہلے ادھر دیکھو

۱...... اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں اور میرے رسول ﷺ غالب رہیں گے۔ ’’**لا غلبن انا ورسلی**‘‘ چنانچہ حضرت محمد ﷺ کو ان کی مقدس زندگی میں غالب کیا۔ مکہ وغیرہ فتح ہوگئے اور دنیا میں توحید ورسالت کا بول بالا ہوگیا۔ قرآن کے قانون بتائے اور جاری کئے گئے۔ مگر تمہارے رسول کے زمانہ میں نہ توحید کا بول بالا ہوا اور نہ ہی کوئی حاکم اس پر ایمان لایا اور نہ قرآن کے احکام جاری ہوئے۔ بلکہ ملک آزاد اور قرآن مجید تاہنوز قیدی ومظلوم ہے۔ بقول شاظل رسول کی خدا نے کیا عزت وحرمت کی۔ میری اس بات کو سوچو اور بار بار سوچو۔

۲...... ’’**وانا لننصر رسلنا**‘‘ اور ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد کریں گے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مدد تو آپ نے پڑھ کر دیکھ لی۔ مگر آپ کے رسول کی مدد تو ہمیں کہیں نظر نہیں آتی۔ اگر اپنی جماعت کا ثبوت پیش کریں تو بہائی جماعت بھی کافی ہے جن میں سے کوئی ایک بھی مرزا قادیانی پر ایمان نہیں لایا۔

۳...... حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وعدہ کیا کہ آپ بے خوف اور بے باک ہوکر تبلیغ دین کریں۔ ’’**یعصمک من الناس**‘‘ میں تجھے دشمنوں سے بچاؤں گا۔ کیا یہ وعدہ پورا ہوا یا نہیں۔ مگر تمہارے رسول صاحب بزدلی سے حج پر بھی نہ گئے۔ بتائیے تم نے ان کا کیا دیکھا۔

۴...... حضرت رسول اکرم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی جس کا مصداق تم مرزا قادیانی کو مانتے ہو۔ یعنی وہ ’’**یحکم بالقراٰن**‘‘ قرآن کے احکام مبارکہ منوائے گا۔ جس سے مرزا قادیانی دنیا سے محروم چل بسے۔ کیا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سچے نبی ہیں یا نعوذ باللہ آپ کے مرزا قادیانی۔ اگر بغور دیکھیں، سوچیں اور سمجھیں تو حضرت عیسیٰ بن مریم آنے والا ہے۔ ناچیز: فقیر سید میر شاہ، ۶؍۱۷؍۱۹۷ء، ملک پور چاہڑہ گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدقے اس رب توں جس نے جگ نوں اوپلیاے — حضرت محمدؐ ساڈا ہادی بنایا اے
ختم دا تاج روشن سر تے رکھوایا اے — راتیں تے دن نوں جس دی یکساں روشنائی اے

سیانیاں مرزائیاں واہ واہ سیانپ وکھائی اے
شکریں دوپہریں ونجھ تے بتی ٹنگائی اے

ہند وچہ پچوایا ہندوواں بت سی عاج دا — قادیاں تے ربوے والیاں منکہ زجاج دا
لوکاں نوں آکھن موتی نبی دے تاج دا — ناقص نبوت قدرت کامل کرائی اے

سیانیاں مرزائیاں واہ واہ سیانپ وکھائی اے
شکریں دوپہریں ونجھ تے بتی ٹنگائی اے

پہلے پیغمبر رب دے جتنے وی آئے سن — رب دے قانون سب نے جاری کرائے سن
دنیا توں لے کے کامیابی سدہائے سن — خلقت تے غالب کیتے نصرت پہنچائی اے

سیانیاں مرزائیاں واہ واہ سیانپ وکھائی اے
شکریں دوپہریں ونجھ تے بتی ٹنگائی اے

حضرت محمد سید کون و مکان دے — جاری کروائے جگ وچہ حکم قرآن دے
دشمن تے دوست مندے سارے جہان دے — کسے نے انکار کیتا اج تک نہ رائی اے

سیانیاں مرزائیاں واہ واہ سیانپ وکھائی اے
شکریں دوپہریں ونجھ تے بتی ٹنگائی اے

عیسیٰ بن مریم جس دن دنیا تے آوے گا — رب دا قرآن سارے جگ نوں مناوے گا
ہراک حکومت اتے اوہ غالب ہوجاوے گا — حضرت محمدؐ پیش گوئی فرمائی اے

سیانیاں مرزائیاں واہ واہ سیانپ وکھائی اے
شکریں دوپہریں ونجھ تے بتی ٹنگائی اے

جے کر سچ پچھو مرزا رب دا رسول نہیں — پختہ اے گل جے میری کچی غیر معقول نہیں
اے پر تساں منی کرنی ہرگز قبول نہیں — جوٹھے دے منہ تے قدرت کالخ پھرائی اے

سیانیاں مرزائیاں واہ واہ سیانپ وکھائی اے
شکریں دوپہریں ونجھ تے بتی ٹنگائی اے

ہرگز نہیں لبھنی جد تک مکے نہ جاؤ گے — زم زم دے چشمے وچوں پانی لیاؤ گے
اپنے بھی چہرے نالے نبی دا دھوآؤ گے — ایہہ پانی نہیں لیک میں پتھر تے پائی اے

سیانیاں مرزائیاں واہ واہ سیانپ وکھائی اے
شکریں دوپہریں ونجھ تے بتی ٹنگائی اے

مرزا جٹ جگ تے واہ واہ مردی وکھا گیا — صحباں دے عشقوں اپنی ہستی مٹا گیا
دنیا مجازی دے وچہ دھماں مچا گیا — قصہ خوان ہراک اس دی کرداوڈیائی اے

سیانیاں مرزائیاں واہ واہ سیانپ وکھائی اے
شکریں دوپہریں ونجھ تے بتی ٹنگائی اے

ایہہ پیاری محمدی بیگم پچھے بھی مویا نہ — ایہ مولا دے خانے اندر حاضر بھی ہویا نہ
ایہہ روضے محمدؐ اندر امت دبویا نہ — اج تک اوہ خالی جگہ رب نے رکھوائی اے

سیانیاں مرزائیاں واہ واہ سیانپ وکھائی اے
شکریں دوپہریں ونجھ تے بتی ٹنگائی اے

کیڑا جد ویکھے راتیں آتش قندیل دی — کردا اٹھ زندی سنت حضرت خلیلؑ دی
مرزا کہے میں وچہ سیر مرد جلیل دی — بلکہ سب نبیاں اندر میری چدھرائی اے

سیانیاں مرزائیاں واہ واہ سیانپ وکھائی اے
شکریں دوپہریں ونجھ تے بتی ٹنگائی اے

بالن نہ گھتیئے جد تک تپدا تندور نہیں — پھانسی نہ لگھیئے درجہ لبھدا منصور نہیں
مومن نہیں جس دے منہ تے سجدے دانور نہیں — مہندی نہیں جس نے اپنی جند نہ گھوٹائی اے

سیانیاں مرزائیاں واہ واہ سیانپ وکھائی اے
شکریں دوپہریں ونجھ تے بتی ٹنگائی اے

بھوچھہ میں ویکھیا کھاندا پیندا تے چردا نہیں — بھیڈ دا پوشل پھڑ کے دریا وچہ تردا نہیں
چترے دا بچہ ڈٹھا گدڑاں تھیں ڈردا نہیں — نبیاں دی ذات رب بے خائف بنائی اے

سیانیاں مرزائیاں واہ واہ سیانپ وکھائی اے
شکریں دوپہریں ونجھ تے بتی ٹنگائی اے
کوئی ہی کام مسیحا تیرا پورا نہ ہوا
نامرادی سے ہوا تیرا آنا جانا

سبحانہ وتعالیٰ

ضمیمہ! مذہب داڈاکو

لیڑیاں جے ہوون کتوں آنے دیاں مولیاں
دوآنے دی جے ہانڈی بازاروں لین جاندے او
ٹٹو تے چڑھ کے تے چال اوہدی وہندے او
ایہہ تے نکی جیہی گل نہیں سودا جے ایمان دا
سوچ لو سمجھ لو دکھ نہیں ویر نہیں
جیہے وی عقیدے وچہ پایا ذرا فرق
پھر آئیتاں بھانویں پیا پڑھے نال ترنم
چند نے موٹے اسلام دے اصول
کلمہ، نماز، روزہ، حج تے زکوٰۃ
ختم نبوت اتے ایمان بھی ضروری اے
جیہڑا بندہ مونہوں آکھے میں بھی مسلمان ہاں
نالے کہے سلسلہ نبوت دا بھی جاری اے
کون سمجھاوے بھلا ایس اگو بگو نوں

چنگی طرح دیکھ لو کھوریاں تے کولیاں
چنگی طرح کھڑکاندے او وجاندے او
قدم پیادڑ کی روال اوہدی وہندے او
مسلمان اوہ جیہڑا چنگی طرح جاندا
تھڑک گیا پیر فیر اگے والی خیر نہیں
پل صراطوں اراں اراں بیڑا اوہدا غرق
پر ان شاء اللہ مڑ پھر سدھا اے جہنم
جیہڑے دسے اللہ نالے اللہ دے رسول
انہاں دے کرن نال ہونی اے نجات
ایہدے بناں شرط اسلام دی ادھوری اے
اسلام دیاں اصولاں اتے رکھدا ایمان ہاں
کیوں نہ کہیے یارو کوئی اس نوں بیماری اے
دانے کول مرلی دے نہیں تو ہتھ پاندا گھوگھونوں

مرزے صاحب نوں نبی بنا دتا اس انگریز مداری نے چرل کر کے
مدد واسطے نال چا کھڑا کیتا نور دین خلیفے نوح پرل کر کے
آیں تاں کہنے ہاں مرزائی بٹیریاں نوں چنگے ہوون تے اڈ جان پھرل کر کے
نہیں تے لواں گے دم مسلمانوں اس جھوٹی نبوت نوں گھرل کر کے

مجدد سی امام سی تے مسلمانوں مناں گے ۔ نہیں تے ایہدا نبی پناں چنگی طرح بھناں گے
ہتھ جوڑ انگریز کولوں منگے ایہہ مسدد ۔ تے اسیں اس نوں کس طرح من لئے مجدد
مجدد تے امام جو سدا وندے نے ۔ اوہ غیر محرم عورتاں کوکوں لتاں بھی گھٹاوندے نے
چندے لے کے جنت البقیع دی بناوندے نے ۔ ایہدے وانگوں امتاں نوں لٹ لٹ کھاوندے نے

اج ہر مسلمان مرزائی نوانج تکے بچڑ گانواں نوں جس طرح تاڑدا اے
پر میں مسلم بھراواں نوں کی آکھاں سٹ وجے تے اکھاں اگھاڑدا اے
ستا ویکھ کے مالک نوں کھیت اندر گدڑ پیا تربوزاں پاڑدا اے
پاکستان وچہ انج مرزائی وڑیا جیویں سور کماد لتاڑدا اے
جے ایسے طرح رہیا حساب لگدا جان بہتیاں مرزائیاں دی ڈول جائے گی
دگڑدگڑ دے وچہ دوستو اک دن ککڑوں کوں بھی بول جائے گی

اک وار بیٹھیاں دماغ ایسا لڑیو سو ۔ چھیتی نال بیٹھیاں الہام اک گھڑیو سو
بناں سوچے متھے جا مخالف دے مڑھیو سو ۔ مگروں آ عدالت دا شکنجا کتے چڑھیو سو
توبہ کیتی اگوں نہ الہام ایسے ڈھالاں دا ۔ ڈھالنے تھیں پہلا آ جناب نوں دکھا لاندا
ہتھ جوڑ انگریز کولوں منگے ایہہ مسدد ۔ اسیں اینہوں کس طرح من لیئے مجدد
محمدی بیگم مل گئی نبی تے میں تدآں ۔ جے نہ ملی تے سمجھ لیناں بدتر بدآں
اوہ تے انہوں ملی نہ ایہہ ساری عمر روندا رہیا ۔ جمن تھیں لے مرنے تک پٹھا سدھا ہوندا رہیا
جے کسے دریا وچہ آئی طغیانی ایں ۔ مرزا آکھے میری ایہہ نبوت دی نشانی ایں
جے کسے مخالف دی گاں مجھ موئی اے ۔ پتر آکھے میرے ایہہ پیو دی پیش گوئی اے
ایس بدھونوں بھی نہ کوئی بدھ مت آئی اے ۔ اکھنڈ ہندوستان دی پیش گوئی لائی اے
جے تے اگوں ایہو جیہاں پیش گویاں لائیں گا ۔ پیو وانگوں ڈوئی دیاں ہجاں پیا کھائیں گا
شعر اک مسلمانوں یاد مینوں آیا جے ۔ بھیت قادیان دا جدھے وچہ ٹکایا جے
گرو ایتھوں تر گئے تے چیلے اج ایتھے نے ۔ بھیڈ گئی ولایت نوں تے لیلے اج ایتھے نے

تمت بالخیر!

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

اعجاز الحق نمبر ۲

جناب محمد اسحاق قریشی جہلمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعجاز الحق نمبر۲، ۲۵/ہزار روپیہ انعام

’’مرزائی سیکرٹری کی مکرر بدحواسی‘‘ تلبیس در تلبیس

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

ہم نے مورخہ ۲۹/دسمبر ۱۹۶۷ء ایک دستی اشتہار بعنوان ’’اعجاز الحق‘‘ شائع کیا تھا۔ جس میں سیکرٹری فرقہ مرزائی جہلم کے ٹریکٹ ’’اظہار الحق‘‘ کی ایک عبارت پر گرفت کرتے ہوئے مبلغ ۲۵/ہزار روپیہ انعام کا اعلان کیا تھا۔ لیکن بجائے قبول حق کے مرزائی سیکرٹری نے جواب میں ایک اشتہار بعنوان ’’اظہار الحق ۲۵/ہزار روپے انعام کی حقیقت‘‘ شائع کیا ہے۔ جس میں یہ تاویل کی ہے کہ ’’پہلے حوالہ میں سہو کتابت سے ’’نہیں‘‘ کا لفظ درج نہیں ہوا۔ حالانکہ مسودۂ مضمون میں یہ لفظ موجود ہے جسے ہر کوئی دیکھ سکتا ہے۔‘‘ ہمارا استدلال اس صورت میں ہے کہ اس فقرہ میں ’’نہیں‘‘ درج ہو۔ چنانچہ اس ٹریکٹ میں ہم نے لکھا تھا کہ اب آپ ہمارا جواب بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے بھی اساتذہ سے ابتدائی درسی کتب پڑھی تھیں جو معرفت اور روحانیت آپ کی کتب میں ہے وہ آپ نے کسی استاد سے حاصل نہیں کی تھی۔ بلکہ اس کے لئے آپ خدا تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ ہی سے فیض یافتہ تھے۔

الجواب: یہ تاویل بالکل غلط اور لغو ہے۔ بلکہ تلبیس در تلبیس کا حیرت انگیز شاہکار ہے۔ کیونکہ:

الف...... اگر کاتب کی غلطی سے ’’نہیں‘‘ کا لفظ رہ گیا ہوتا اور اصل مسودہ میں ’’نہیں‘‘ کا لفظ موجود ہوتا تو مرزائی سیکرٹری کی طرف سے ہمیں یہ الزام کیوں دیا جاتا کہ تم نے اعتراف کر لیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ پہلا اعتراض یہ تھا کہ نبی کا کوئی استاد نہیں ہوتا۔ جب قرآن مجید اور احادیث سے ثابت کیا گیا کہ انبیاء کے بھی استاد نہیں ہو سکتے ہیں تو اس اعتراف کے بغیر معترض کو کوئی چارہ نہ رہا

کہ ’’حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دینی وشرعی علوم حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کئے۔‘‘
(اظہار الحق)

خدا جانے مرزائی سیکرٹری ایک اردو فقرہ کا مطلب کیوں نہیں سمجھتا۔ حالانکہ ایک معمولی اردو خوان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ’’حاصل کئے‘‘ کے الفاظ میں کسی بات کا اعتراف (اقرار) پایا جاتا ہے اور ’’حاصل نہیں کئے‘‘ میں اس کا انکار ثابت ہوتا ہے۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر ہم نے بھی اور آپ نے بھی (اپنے مسودہ میں) ’’حاصل نہیں کئے‘‘ کے الفاظ لکھے ہیں تو پھر ہم نے لفظ ’’نہیں‘‘ سے آپ کی بات کا انکار کیا ہے نہ کہ اعتراف۔ کیونکہ آپ کہتے ہیں کہ دینی علوم میں انبیاء کے استاد ہوسکتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ دین وشریعت میں دوسرے لوگ انبیاء کے استاد نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا لفظ اعتراف آپ نے اپنی عبارت میں غلط لکھا ہے اور اگر آپ لفظ اعتراف کو یہاں صحیح سمجھتے ہیں تو اس کے مناسب ’’حاصل کئے‘‘ کے الفاظ ہیں نہ کہ ’’حاصل نہیں کئے‘‘ کے۔ پہلی صورت میں آپ کی جہالت اور بدحواسی ثابت ہوتی ہے اور دوسری صورت میں تلبیس وفریب کاری نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ باقی رہا لفظ ’’نہیں‘‘ آپ کے مسودہ میں موجود ہونا تو حسب خواہش مسودہ بنانے میں کیا دیر لگتی ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش　　　　من انداز قدت رامی شناسم

زیر بحث عبارت

۲۵ہزار روپے انعام کا تعلق ہماری اس عبارت سے ہے جس میں ’’حاصل نہیں کئے‘‘ کے الفاظ لکھے ہیں۔ لہٰذا آپ کا یہ لکھنا بھی غلط ثابت ہوا کہ ’’ہمارا استدلال اس صورت میں ہے کہ اس فقرہ میں ’’نہیں‘‘ درج ہو۔ کیونکہ لفظ ’’نہیں‘‘ سے ہماری تائید ہوتی ہے نہ کہ آپ کی اور اگر آپ خواہ مخواہ اس کو اپنے لئے مؤید سمجھتے ہیں تو پھر آپ کا یہ استدلال غلط ثابت ہو جائے گا کہ

قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے علم حاصل کیا تھا۔ کیونکہ بحث کا تعلق انبیاء کا دوسروں سے دینی وشرعی علوم سیکھنے سے ہے اور وہ حضرت خضر علیہ السلام سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے نہیں حاصل کئے۔ کیا توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے پڑھی تھی؟ ہرگز نہیں۔ لیکن آپ کے نبی مرزاغلام احمد نے تو قرآن وحدیث اساتذہ سے پڑھے ہیں۔ کیونکہ اگر خداتعالیٰ سے قرآن وحدیث پڑھتے تو پھر دوسرے اساتذہ کے آگے گھٹنے ٹیکنے کی کیا ضرورت تھی۔ جس خدا نے بقول آپ کے مرزا قادیانی کو معرفت وروحانیت سکھلادی وہ قرآن حدیث نہیں سکھلا سکتا تھا۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں معرفت وروحانیت کے ہی خزانے پائے جاتے ہیں۔‘‘

ایک اور مغالطہ

مرزائی سیکرٹری نے ’’کشف التلبیس اور قادیانی دجل کا جواب‘‘ کی عبارت کی غلطیاں بھی لکھی ہیں۔ لیکن اس سے ’’اظہار الحق‘‘ کی تلبیس پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔ کیونکہ ’’کشف التلبیس‘‘ کے الفاظ ’’کچھ فتنہ انگیز نہیں تھے‘‘ سے ہر اردو دان سمجھ سکتا ہے کہ یہاں لفظ ’’کم‘‘ کاتب کی غلطی سے رہ گیا ہے اور ’’قادیانی دجل‘‘ میں لفظ ٹیچی مکرر (دوبارہ) لکھا گیا ہے۔ اس سے بھی مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ مرزا قادیانی کے فرشتے کا نام ’’ٹیچی‘‘ ہے اور وہاں اعتراض یہ ہے کہ فرشتے نے پہلے کہا کہ ’’نام کچھ نہیں‘‘ اور پھر کہا کہ ’’میرا نام ہے ٹیچی۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۳۳۲، خزائن ج۲۲ ص۳۴۶)

تو اس میں پہلے فرشتے کا جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہے۔ اب بتلایئے منہ مانگا انعام آپ کس بناء پر لینا چاہتے ہیں؟ ’’ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین‘‘

منجانب: حافظ محمد اسحٰق قریشی جہلم شہر، مورخہ ۸؍جنوری ۱۹۶۸ء

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

قادیانیوں سے درس رواداری

اور

ہمارے قومی و ملی تقاضے

جناب خاقان بابر ایڈووکیٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

۱۲/مارچ ۱۹۸۶ء کے روزنامہ نوائے وقت میں زاہد ملک صاحب کا ایک مضمون بعنوان ’’کچھ قادیانیوں کے دفاع میں‘‘ چھپا مضمون پڑھتے ہی میں نے قلم اٹھایا اور ایک نشست میں ہی ’’زاہد ملک سے چند گزارشات‘‘ کے عنوان سے مضمون ہذا تحریر کر کے ۱۳/مارچ ۱۹۸۶ء کو خود دفتر نوائے وقت میں حاضر ہو کر متعلقہ اصحاب کو مضمون دے آیا اور مجید نظامی صاحب کو فون پر اطلاع بھی کر دی۔ جنہوں نے ازراہ کرم مضمون کے چھپنے کا وعدہ بھی فرمایا۔لیکن آج تک ایسا نہیں ہوسکا۔دوسری طرف مرزائی حضرات نے جناب زاہد ملک صاحب کے مضمون کا سہارا لیتے ہوئے مختلف ناموں سے مرزائیت کے حق میں پمفلٹ بازی شروع کر دی ہے۔اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ ’’زاہد ملک سے گزارشات‘‘ کو خود چھپوا کر ہی تقسیم کروں۔ کیونکہ کفر کے خلاف جہاد کے معاملہ میں وسائل کی کمی کو بہانہ نہیں بنایا جاسکتا۔

اس مضمون میں مناظرہ سے اجتناب کیا گیا ہے اور حکیم الامت حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے افکار وارشادات کی روشنی میں قومی وملکی نقطۂ نظر سے یہ مضمون تحریر کیا گیا ہے۔ ۱۹۳۶ء میں آنجہانی پنڈت نہرو نے بھی زاہد ملک کی طرح مسلمانوں کو مرزائیوں سے رواداری کا درس دیا تھا۔جس کے جواب میں حکیم الامت نے اسلامی رواداری کی وضاحت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ آزاد مسلم ریاست مرزائیوں یا ان جیسے دیگر گروہوں کے خلاف ضرور کارروائی کرے گی۔ مرزائیت ایک بنیادی اور حساس مسئلہ ہے۔اس پر قلم اٹھانے سے قبل قادیانی تحریک اور اس کے مقاصد کا قومی وملی پہلوؤں سے بھی جائزہ لے لینا چاہئے۔

خاقان بابر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضور آپ ایک قومی اخبار میں کالم لکھتے ہیں جس نے ہمیشہ اسلام اور پاکستان کی خدمت کی ہے۔حمید نظامی مرحوم تو اللہ کو پیارے ہوچکے ہیں اور مجید نظامی صاحب خدا کے فضل وکرم سے ابھی سلامت ہیں۔ان دونوں بھائیوں نے محض پیشہ ورانہ صحافت نہیں کی بلکہ اسلامی اور قومی معاملات میں جرأت اور اخلاص سے فرائض انجام دیئے ہیں اور مسلمانوں کی جذباتی صحافت کو صحت مندانہ اور مدبرانہ انداز دیا ہے۔میرے خیال میں آپ کا آج کا کالم ’’کچھ قادیانیوں کے

دفاع میں‘‘ ان کی نظر میں چھپنے سے پہلے نہیں گزرا۔ ورنہ شاید اس کالم کو نوائے وقت میں جگہ نہ ملتی۔ کیونکہ مجید نظامی مسئلہ مرزائیت اور اس سے متعلقہ معاملات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ تاریخ قادیانیت اور اس کے مقاصد کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ انہیں یہ علم ہے کہ تحریک پاکستان میں اور پاکستان بننے کے بعد مرزائیوں کا کیا کردار رہا ہے۔ مرزائیت سے جو پاکستان کو خطرات لاحق ہیں وہ ان سے پوشیدہ نہیں۔ بہرحال آپ سے میری التماس ہے:

۱...... پاکستان اور اسلام کے حوالے سے مرزائیوں اور مرزائی نوازوں میں کچھ خاص فرق نہیں۔ ابھی چند دن ہوئے ولی خان نے لاہور میں کہا تھا کہ جب پارلیمنٹ نے مرزائیوں کو غیرمسلم اقلیت قرار دیا تو انہوں نے مرزائیوں کے خلاف ووٹ نہیں دیا تھا۔ یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ بعض قادیانی سرمایہ دار کمیونسٹوں سے مل کر حال ہی میں اجلاس منعقد کرتے رہے ہیں۔ ولی خان اور ان جیسے نقطۂ نظر رکھنے والے لوگوں سے پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کا اہتمام کرتے رہے ہیں۔

۲...... حکیم الامت حضرت علامہ اقبال نے اپنے مضمون ’’اسلام اور احمدیت‘‘ میں ۲۲ر جنوری ۱۹۳۶ء کو تحریر فرمایا تھا۔ بالکل واضح ہے کہ قادیانی بھی ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی بیداری سے پریشان ہیں۔ کیونکہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی وقار کے بڑھنے سے ان کے وہ منصوبے ناکام ہو جائیں گے جن کی بدولت وہ محمد عربی کی امت میں سے ایک نئے ہندوستانی نبی کی امت کو مترشح کرنا چاہتے ہیں۔ ہندوستانی مسلمان اس بات میں حق بجانب ہیں کہ وہ قادیانی تحریک کو جو کہ تمام دنیائے اسلام کو کافر قرار دیتی ہے اور ان کا سماجی بائیکاٹ کرتی ہے۔ ہندوستان میں اسلام کی اجتماعی زندگی کے لئے اسے اس خطرے سے بھی بڑا سمجھیں جو کہ یہودیوں کو (Spinoza) کی تحریک سے تھا۔ اسی مضمون میں حضرت علامہ نے مرزائیوں کو اسلام کے غدار قرار دیا۔

۳...... پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے چند ماہ پہلے آنجہانی مرزامحمود نے ایک خطبہ دیا جو کہ (الفضل قادیان ج۳۵ نمبر۱۱۶ ص۲ کالم۱، مورخہ ۱۶ر مئی ۱۹۴۷ء) میں چھپا۔ اس کے الفاظ ہیں: ’’میں قبل ازیں بتاچکا ہوں کہ اﷲتعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے۔ لیکن اگر قوموں کی غیرمعمولی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ ہونا پڑے تو یہ اور بات ہے۔ بسا اوقات عضو ماؤف کو ڈاکٹر کاٹ دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ خوشی سے نہیں ہوتا بلکہ مجبوری اور

معذوری کے عالم میں اور صرف اسی وقت جب اس کے بغیر چارہ نہ ہو اور اگر پھر یہ معلوم ہو جائے کہ اس ماؤف عضو کی جگہ نیا عضو لگ سکتا ہے تو کون جاہل انسان اس کے لئے کوشش نہیں کرے گا۔ اسی طرح ہم ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے ہیں تو خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہو جائے۔'' اس خطبے سے قبل اپریل ۱۹۴۷ء کو آنجہانی مرزامحمود کا خطبہ (الفضل قادیان ج۳۵ نمبر۸۱ ص۳ کالم ا مورخہ ۵؍اپریل ۱۹۴۷ء) نے چھاپا۔ جس میں مرزامحمود نے کہا: ''ممکن ہے عارضی طور پر افتراق پیدا ہو اور کچھ وقت کے لئے دونوں قومیں جداجدا رہیں۔ مگر یہ حالت عارضی ہوگی اور ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ جلد دور ہو جائے۔ ملک کے لئے ایک مشترک نبی اور رسول آ گیا ہے۔ اس ملک کو اکھنڈ رہنا چاہئے۔''

یاد رہے کہ آنجہانی مرزامحمود مرزائیوں کے مذہبی رہنما تھے اور ان کے یہ خطبات مرزائیوں کے لئے مذہبی حکم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس حکم کی تعمیل ان کا مذہبی فریضہ ہے کہ کوشش کریں جتنی جلد ممکن ہو ہندوستان اکھنڈ ہو جائے۔ یعنی پاکستان ختم ہو جائے۔ سیاسی نظریات اور مذہبی عقائد میں فرق ہوتا ہے۔ سیاسی نظریات تو مختلف حالات میں بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن مذہبی عقائد کے بدلنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لئے مذہباً مرزائیوں کے لئے لازم ہے کہ وہ کوشش کریں کہ ہندوستان اکھنڈ ہو جائے۔ دوسرے الفاظ میں پاکستان کو ختم کرنا مرزائیوں کا مذہبی نصب العین ہے۔

۴...... فرقہ واریت بلاشبہ اسلام اور پاکستان کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ فرقہ وارانہ عدم رواداری نے مسلمانوں کو ہر دور میں اور تاریخ کے ہر موڑ پر نقصان پہنچایا ہے۔ آج ذی شعور اور درددل رکھنے والے مسلمان پاکستان کی فرقہ وارانہ صورتحال سے پریشان ومضطرب ہیں۔ لیکن مرزائیت فرقہ وارانہ مسئلہ نہیں۔ اس مسئلے پر تو تمام مکاتب فکر متحد ہیں۔ اجماع امت ہے کہ یہ مسئلہ کفر واسلام ہے۔ یہ وقت کفر اور اس کے ایجنٹوں کی شناخت کا ہے اور ان کے خلاف جہاد کا ہے۔ یہ وقت اسلام اور پاکستان کے غداروں سے غیراسلامی رواداری کا نہیں بلکہ غداران اسلام اور پاکستان سے اس سلوک کا ہے۔ جس کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ دوسری طرف فرقہ وارانہ رواداری وقت کا تقاضا ہے۔ لیکن رواداری اور قومی ودینی بے غیرتی دو مختلف چیزیں ہیں۔ جب راج پال نے رنگیلا رسول کتاب لکھی اور حب رسول رکھنے والے علم دین شہید نے اسے کیفر کردار تک پہنچادیا تو بعض مغربی انداز فکر رکھنے والے اصحاب بھی اسی قسم کی رواداری کا ذکر کرتے تھے۔ لیکن وقت نے بتادیا کہ قومی ودینی غیرت کی بناء پر جرأت مندانہ اقدام ہمیشہ

قوموں کی زندگی میں روشنی کے میناروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۵...... پاکستان بننے کے وقت بھی تو فرقہ وارانہ اختلافات موجود تھے۔ لیکن کسی اسلامی فرقے نے ریڈکلف کے سامنے علیحدہ میمورنڈم پیش نہیں کیا۔ جب تمام اسلامی فرقے اسلام اور پاکستان پر متفق تھے تو قادیانیوں نے علیحدہ میمورنڈم پیش کر کے اسلام اور پاکستان کے خلاف غداری کی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اگر قادیانی علیحدہ میمورنڈم پیش نہ کرے تو گورداسپور کی مسلم اکثریت اقلیت میں تبدیل نہ ہوتی اور کیا یہ درست نہیں کہ اگر گورداسپور ہندوستان میں نہ جاتا تو کشمیر پاکستان سے کبھی علیحدہ نہ ہوسکتا تھا۔ غیرمسلموں سے رواداری کا درس درست، لیکن رواداری یک طرفہ نہیں ہوتی۔ اس کا اظہار دونوں طرف سے ہونا چاہئے۔ میں تو کہوں گا غدار مسلم ہو یا غیرمسلم قوم کو دونوں کا احتساب کرنا چاہئے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ برصغیر پر مرزائی انگریز حکومت کی جاسوس جماعت تھے؟ انہوں نے برصغیر میں انگریزوں کے لئے جاسوسی کے فرائض سرانجام دیئے بلکہ تمام دنیائے اسلام میں پھیل کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے انگریزی حکومت کے لئے جاسوسی کرتے رہے اور حکومت برطانیہ کو مسلم ممالک کی تسخیر میں مدد دی۔ برطانوی حکومت سے وفاداری، قربانیوں اور کارگزاریوں کا تفصیل سے اندراج ان کی اپنی کتابوں اور رسالوں میں موجود ہے۔

۶...... کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج بھی مرزائیوں کے مشن اسرائیل میں موجود ہیں۔ جہاں سے دنیائے اسلام کے خلاف پراپیگنڈا اور جاسوسی کا کام کیا جاتا ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اسرائیل کی فوج میں بھرتی ہوکر لاتعداد مرزائی دنیائے اسلام کے خلاف برسرپیکار ہیں؟ کیا یہ مسلمہ حقیقت نہیں کہ اسرائیل دنیائے اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے ایک ہے؟

۷...... کیا یہ حقیقت نہیں کہ انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۰۵ء میں ہندوستان رجسٹرڈ ہوئی اور بہ طفیل سرپرستی حکومت برطانیہ سندھ اور پنجاب میں بھی پھیلی ہوئی تھی؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حکومت ہند نے اس انجمن کو مہاجر انجمن قرار نہیں دیا؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ بھارت میں قادیانیوں کی تمام املاک وجائیداد ان کے قبضہ میں ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ آنجہانی مرزاناصر احمد کے بھائی مرزاوسیم احمد امیر جماعت احمدیہ بھارتی بن کر تمام جائیداد واملاک پر قابض ہوکر بیٹھے ہوئے ہیں اور بھارتی حکومت کو جماعت احمدیہ کی وفاداری کا یقین دلاچکے ہیں۔ پاکستان بننے سے آج تک کیا کسی مرزائی کی نکسیر تک بھی پھوٹی ہے۔ حالانکہ لاکھوں مسلمان شہید ہوچکے ہیں۔ کیا کوئی مرزائی عورت بھی ہندوؤں نے اٹھائی۔ حالانکہ ہزاروں مسلمان عورتیں ہندوستان کا تختۂ مشق

بنیں؟ یادرکھئے! مرزائیوں کی بحیثیت جماعت بھارت سے وفاداری۔ پاکستان کے ساتھ وفاداری سے متصادم ہے اوراس کا کوئی جواز مرزائی پیش نہیں کر سکتے۔

۸...... انجمن احمدیہ ربوہ ۱۹۴۸ء میں پاکستان میں رجسٹرڈ ہوئی۔ اخلاقی وقانونی طور پر انجمن احمدیہ قادیان کی پاکستان میں جائیداد کی وارث نہیں ہوسکتی تھی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ انجمن احمدیہ ربوہ نے انجمن احمدیہ قادیان کی کم ازکم ۲۲رہزار ایکڑ اراضی سندھ میں اربوں روپوں کی جائیداد پاکستان میں کسی قانون یا اخلاقی جواز کے بغیر حاصل کر لی؟ اور مرزائیوں نے اتنی ناجائز الاٹ منٹیں کرائیں جو شمار نہیں کی جاسکتیں۔ حالانکہ بھارت میں ان کی جائیدادیں ان کے پاس تھیں اور وہ مہاجر شمار نہیں کئے جاسکے تھے۔ لیکن اہل پاکستان نے رواداری کا اظہار کرتے ہوئے انہیں چھیڑا تک نہیں اوراس وقت پاکستان میں ان کے وسائل آمدنی کسی بھی دیگر انجمن یا جماعت سے زیادہ ہیں جن کی مدد سے وہ وطن عزیز میں ریشہ دوانیاں کرتے رہتے ہیں۔

۹...... کیا یہ حقیقت نہیں کہ بڑے سے بڑے عہدے پر قادیانیوں کو فائز کیا گیا۔ لیکن مرتے وقت انہوں نے یہی وصیت کی کہ پاکستان میں ان کی نعش کو امانتاً دفن کیا جائے اور جتنی جلدی ممکن ہوسکے ان کو بھارت منتقل کیا جائے۔ کیا پاکستانیوں نے ان کی قبروں پر اس مضمون کی تختیاں لگی ہوئی نہیں دیکھیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ تمام رواداریوں، آسائشوں اور مال ودولت کے باوجود مرزائیوں کو پاکستان میں کوئی اچھی چیز نظر نہیں آتی؟

۱۰...... کیا ۱۹۵۰ء سے لے کر آج تک ملک عزیز کے خلاف ہونے والی تمام سازشوں میں قادیانی شریک نہیں پائے گئے؟

۱۱...... کیا قادیانیوں نے اپنے عمل سے ثابت نہیں کیا کہ وہ پاکستان اوراسلام کے غدار ہیں؟ کیا برطانیہ کے اس خودکاشتہ پودے کے پاکستانی سربراہ مرزاطاہر احمد نے انگلینڈ میں، اسلام آباد کی بنیاد رکھ کر اہل پاکستان کی غیرت اور قومی حمیت کو نہیں للکارا؟

۱۲...... کیا یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ ہے کہ امیر عبدالرحمٰن حاکم کابل نے مرزائیوں کے بھجوائے ہوئے مبلغ قتل کر دیئے اور مرزاغلام احمد قادیانی کو خط لکھا کہ اگر تو سچا نبی ہے تو کابل میں آکر تبلیغ کر۔ تو اسی وقت سے مرزائی افغانستان کے اسلامی اور آزاد تشخص کے دشمن بن گئے اور ہمیشہ افغانستان کی مسلم حکومت اور حریت پسند عوام کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہے؟

۱۳...... کیا یہ امر کسی سے مخفی ہے کہ افغانستان میں مجاہدین کے جہاد کے خلاف یہ روس اور افغانستان کی کٹھ پتلی...... حکومت کے حمایتی ہیں اور افغانستان میں روسی تسلط کے خواہاں ہیں؟

۱۴...... کیا یہ حقیقت نہیں کہ بھارت دوستی، اسلامی افغانستان و پاکستان دشمنی ولی خان وغیرہ اور مرزائیوں کے درمیان ایک نقطۂ اتحاد ہے؟

۱۵...... کیا یہ بات تاریخی حقیقت نہیں کہ بھارت اور روس کے مابین معاہدہ ۱۹۷۱ء موجود ہے جس کی بناء پر روس نے عملاً بھارت کی مدد کر کے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کر دیا۔ یہ معاہدہ آج بھی موجود ہے اور اس معاہدے کی رو سے یہ دونوں ممالک کسی تیسرے ملک سے جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے پابند ہیں۔

۱۶...... افغانستان میں اور پاکستان کی شمالی مغربی سرحدوں پر جو کچھ ہو رہا ہے اور روسی کارمل فوجوں نے جس طرح افغانستان میں تباہی مچا رکھی ہے جس بیدردی کے ساتھ افغان حریت پسندوں کے خون سے ہولی کھیلی جارہی ہے اور لاکھوں انسانوں کو مہاجر بنایا جاچکا ہے کوئی ذی ہوش شخص یہ وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ روس اور بھارت پاکستان میں مسلح مداخلت نہیں کریں گے یا کم ازکم یہ دونوں ملک پاکستان میں افراتفری اور انتشار نہیں چاہتے۔ اس لئے آج مسئلہ مرزائیوں کا اسلامی نام رکھنے کا نہیں بلکہ غداروں اور وفاداروں کی شناخت کا ہے۔

یہ مسئلہ اس لئے بھی اہمیت اختیار کر گیا ہے ۱۹۷۴ء میں غیرمسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد آنجہانی مرزاناصر احمد نے اپنے خطبۂ جمعہ میں مرزائیوں کو ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے نام کے ساتھ احمدی نہ لکھیں بلکہ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت ظاہر کریں۔ یہ خطبہ بھی الفضل میں چھپ چکا ہے۔ اسی دن سے قادیانیوں نے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرنا شروع کر دیا ہے۔ وہ مرزائیت سے تائب نہیں ہوئے بلکہ زیرزمین چلے گئے ہیں۔ پاکستان میں فکری انتشار اور بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ تلخیوں کا باریک بین نگاہوں سے مطالعہ کیا جائے تو اس صورتحال کے پیچھے مرزائیوں کی ریشہ دوانیاں بخوبی نظر آسکتی ہیں۔ یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ قادیانی انگریزوں اور اب اسرائیل کے تجربہ کار، منجھے ہوئے تربیت یافتہ جاسوس اور سماجی اداکار ہیں جو شکل وصورت اور رہن سہن سے مسلمان دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن ان کے دلوں میں کفر سے محبت اور اسلام دشمنی رچی بسی ہوئی ہے۔ پاکستان ہی نہیں وہ تمام دنیائے اسلام کے خلاف کارروائی میں مصروف ہیں۔ کاذب ہندی نبی کی امت سے رواداری کا سبق تو تاریخ اسلام کو فراموش کر کے ہی دیا جاسکتا ہے۔

میں زاہد ملک صاحب سے گزارش کروں گا کہ خلفاء راشدین نے ایسے جعلی دعویداران نبوت اور ان کی امتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ اور پھر اسلامیان پاکستان کو مرزائیوں سے رواداری کا درس دیں۔ بصورت دیگر وہ ایران کی طرف رجوع کرلیں۔ جہاں ایسے ہی ایک جعلی نبی

کی امت تھی۔ انہوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور اگر ایران کا طرز عمل بھی پسند نہیں تو سعودی عرب سے فتویٰ حاصل کرلیں کہ اسلامیان پاکستان کو مرزائیوں سے کیا سلوک کرنا چاہئے۔ میں آپ کی نیت پر شک نہیں کرتا۔ لیکن آپ کے تجزیے سے اختلاف رکھتا ہوں۔ مرزائیوں کا مسئلہ پاکستان کے لئے کمیونسٹوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ ملک عزیز میں کمیونسٹ تو گنے چنے ہیں اور عموماً عوام انہیں شناخت بھی کرتے ہیں۔ لیکن مرزائی بہروپئے تو ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور مسلمان آبادیوں میں زیر زمین کفر کا کام کرنے کا صد سالہ تجربہ رکھتے ہیں۔ انہیں غنڈہ گردی اور قتل وغارت میں بھی تجربہ حاصل ہے۔ آپ مسلمانوں کو رواداری کا سبق دیتے ہوئے اس بات کو نظر انداز کر گئے کہ:

الف...... مولانا اسلم قریشی سمیت کئی نامور علماء کرام اغواء یا قتل کئے جاچکے ہیں۔ اگرچہ الزام مرزائیوں پر ہے۔ لیکن ایک بھی مرزائی گرفتار نہیں ہوسکا۔

ب...... ساہیوال سمیت کئی مقامات پر مرزائیوں کے ہاتھوں کئی دیندار مسلم نوجوان شہید ہوچکے ہیں۔

ج...... سکھر سمیت کئی مساجد میں مرزائی تشدد کے مرتکب ہوچکے ہیں اور بم تک پھینک کر نمازیوں کو شہید اور زخمی کرچکے ہیں۔

د...... مرزائی کئی مقامات پر غنڈہ گردی اور تخریب کاری میں ملوث پائے گئے ہیں۔

ر...... غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد حکومت نے جو بھی قوانین ان کے متعلق بنائے ہیں مرزائی کھلے بندوں ان کی خلاف ورزی کررہے ہیں۔

س...... پاکستان کے خلاف غیر ممالک میں تسلسل سے بے بنیاد اور جھوٹا پراپیگنڈہ کررہے ہیں۔

ان حالات میں اگر قوم ان کی شناخت کا مطالبہ کرتی ہے تو یہ اس کا حق ہے۔ مرزائیوں کو اسلام کا روپ دھار کر کفر کے مقاصد کے لئے کام کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ عقلمند قومیں ففتھ کالم پر ہمیشہ نظر رکھتی ہیں۔ معاملہ محض اسلامی ناموں کے استعمال کا نہیں، بلکہ غداروں کی شناخت کا ہے۔ اسلامی ناموں کے استعمال سے مرزائیوں کو زیر زمین کام کرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ بھولے بھالے مسلم عوام کو دھوکہ دے سکتے ہیں۔ اس لئے مسئلہ ملکی استحکام، دفاع، وطن و دنیائے اسلام کا ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ اب مرزائیوں کے پاکستان یا دنیائے اسلام میں کفر کے لئے جاسوسی اور اسلام دشمنی کا سدباب کیا جائے اور ایسا انتظام کیا جائے کہ یہ ہر جگہ شناخت ہو جائیں۔ اس وقت تمام عالم اسلام عموماً اور پاکستان میں خصوصاً صورتحال سنگین ہے اور مرزائیوں

کے متعلق ہلکا پھلکا طرز عمل کسی محبّ وطن پاکستانی کو زیب نہیں دیتا۔ اگر خلفائے راشدین کی سنت پر عمل نہیں کیا جاسکتا اور مرزائیت کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا جاسکتا تو پاکستان کے مستقبل کی حفاظت کا کم ازکم تقاضا یہ ہے کہ مرزائیوں کو معاشرے میں بے اثر بنادیا جائے اور اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ انہیں اسلامی نام استعمال کرنے سے روکا جائے۔ زاہد ملک صاحب کے درس رواداری پر عمل کرنے سے مرزائیوں کو بطور دشمنان اسلام کھیل کھیلنے کا موقع مہیا کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان یا اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہوسکتی۔ وطن ودین سے انتہاء پسندانہ محبت غیور قوموں کا سرمایہ افتخار ہوتا ہے۔ اگر افغانستان کے غیور جیالے دین اور وطن کے معاملے میں انتہاء پسندانہ جرأت وحمیت کا مظاہرہ نہ کرتے تو ۶ سال سے زائد عرصہ تک ایک سپر پاور کو لوہے کے چنے نہ چبوا سکتے۔

آنجہانی پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے ایک مضمون میں مسلمانوں کو قادیانیوں سے رواداری کا درس دیا تھا۔ جس کے جواب میں حکیم الامت نے اپنے مذکورہ مضمون اسلام اور احمدیت میں مثبت جواب دیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ قادیانی تحریک کا مقصد مسلمانوں کے دین اور سماجی اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے۔ اسی لئے مسلمان قادیانیوں کے بارے میں بہت حساس ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک عام مسلمان کا یہ انداز فکر درست ہے جو لوگ اس سلسلے میں رواداری کی بات کرتے ہیں وہ غیر ذمہ داری سے رواداری کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ میری رائے میں ایسے لوگ رواداری کے معنی ہی نہیں سمجھتے۔ رواداری انسان کے ذہنی رجحانات کی پیداوار ہوتی ہے۔ گبن کہتا ہے کہ ایک رواداری ایسے فلسفی کی ہوتی ہے جو تمام ادیان کو سچا سمجھتا ہے۔ ایک رواداری ایک ایسے تاریخ دان کی ہوتی ہے جو تمام مؤرخوں کو کاذب سمجھتا ہے۔ ایک رواداری سیاست دان کی ہوتی ہے جو اپنے لئے مفید سمجھتا ہے۔ ایک رواداری ایسے شخص کی ہوتی ہے جو اپنے آپ کو کسی نظریۂ حیات کا پابند نہیں سمجھتا اور پھر ایک رواداری کمزور آدمی کی ہوتی ہے جو بربنائے ضعیفی، مجبوری ان باتوں کی توہین برداشت کرتا ہے جو اسے عزیز ہوتی ہیں۔ لیکن اسی قسم کی رواداریوں کا کوئی اخلاقی جواز نہیں ہوتا بلکہ یہ رواداریاں ان لوگوں کا حصہ ہوتی ہیں جو روحانی طور پر لاغرو دیوالیہ ہوں۔ حقیقی رواداری وسعت قلب ونظر سے پھوٹتی ہے۔ یہ ایک روحانی طور پر طاقتور اور غیور انسان کی رواداری ہوتی ہے۔ جو دیگر ادیان کے مقابلے میں اپنے دین کی حفاظت کی طاقت رکھتا ہے۔ ہمیں رواداری کا سبق دینے والے اس وقت دھوکہ کھا جاتے ہیں جس وقت وہ ہماری دینی غیرت اور حمیت کو سمجھ نہیں سکتے اور عدم رواداری کا نام دینے لگتے ہیں اور اسے ہماری اخلاقی کمتری کے آثار تصور کرتے ہوئے غلطی کھا جاتے ہیں۔ ان کا انداز فکر سطحی اور مصلحتوں کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

جہاں ایک گروہ یا قوم صمیم قلب سے دلائل کی بنیاد پر محسوس کرتا ہے کہ ان کی اجتماعی زندگی اور نظریہ حیات جس پر وہ ایمان رکھتے ہیں خطرہ میں ہے تو رواداری کے معاملے میں ان کا دفاعی طرز عمل ان کی قومی حمیت اور اجتماعی زندگی کی حفاظت کے معیار پر پرکھنا چاہئے۔ سوال یہ نہیں کہ اگر کوئی قوم کسی خاص شخص یا گروہ کو منحرف یا بے دین قرار دے تو یہ فیصلہ اچھا ہے یا برا۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ اس فیصلے سے کسی قوم کی اجتماعی زندگی کو استحکام ملتا ہے یا قومی زندگی تباہ وبرباد ہوکر رہ جاتی ہے۔ شاید پنڈت نہرو کا یہ خیال ہے کہ دینی اصولوں کی بنیاد پر استعار معاشرہ میں لادین عناصر کی سرکوبی یا سزا کے لئے ایسی عدالتوں کی ضرورت لازمی ہوتی ہے جو ان کا محاسبہ کریں اور سزادیں۔ یہ بات عیسائیت کی تاریخ کے حوالے سے تو درست ہے لیکن اسلام کے معاملہ میں نہیں لیکن یہ سچ ہے کہ اگر کسی منحرف یا لادین کے پیش کردہ اصول قومی یا اجتماعی زندگی کو تباہ وبرباد کر رہے ہوں تو یہ ایک آزاد مسلم مملکت اس کے خلاف ضرور کارروائی کرے گی۔ ان حالات میں حکومت کا فیصلہ قومی نقطہ نظر سے ہوگا۔ محض مذہبی نقطۂ نظر سے نہیں۔

مندرجہ بالا تحریر سے دوسری باتوں کے علاوہ وہ یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جہاں حکیم الامت نے پاکستان کا جواب دیکھا تھا۔ وہاں ان کی یہ تمنا تھی کہ آزاد اور خودمختار پاکستان میں مرزائیوں کے خلاف کارروائی ہو۔

جناب زاہد ملک صاحب نے بعض ایسی شخصیتوں کے ناموں کا حوالہ دیا ہے کہ جنہوں نے مسلمان ہوکر بھی اپنے کفر والے نام رکھے۔ اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مرزائیوں کے اسلامی ناموں پر اعتراض عدم رواداری کا مظاہرہ ہے۔ میں نہایت ادب سے عرض کروں گا کہ حضور اگر کسی کا نام غیر اسلامی رہے وہ قبول اسلام کے بعد اسلام اور ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرے اور قربانیاں دے تو ایسا مسلمان قابل فخر اور حقدار تحسین وآفرین ہے اور دین ودنیا کی ذمہ داریوں سے سرخرو قرار پائے گا۔ لیکن اگر کوئی اسلامی نام رکھ کر بہروپئے کے طور پر مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہوکر اسلام دشمنوں کے آلۂ کار کے طور پر کام کرے۔ اسلامی قدروں، قرآنی احکامات، مسلمانوں کے سماجی وسیاسی مفادات کے خلاف سرگرم عمل ہو اور مسلمانوں کی قومی زندگی کے لئے خطرہ بن جائے تو بقول حکیم الامت اسلام میں رواداری کا مستحق نہیں ہوتا۔ ایسے بہروپیوں کو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار وافتراق پیدا کرنے اور اودھم مچانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

قومی اسمبلی میں تقریر

جناب سید عباس حسین شاہ گردیزی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

’’الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی خاتم الانبیآء والمرسلین سیدنا ونبینا ورسولنا المطلق وھادینا الٰی طریق الحق وشفیعنا یوم القیامۃ ابی القاسم محمد ن المصطفٰی واٰلہ الطیبین الطاھرین واصحابہ الاخیار المکرمین. اما بعد. فقد قال اللّٰہ تبارک وتعالٰی وقولہ الحق یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ حق تقٰتہٖ ولا تموتن الا وانتم مسلمون (آل عمران:۱۰۲)‘‘

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام اہل ایمان سے فرمایا ہے کہ ایمان لانے کے بعد پوری طرح تقویٰ اختیار کرو اور مرنے سے پہلے یقین کرلو کہ تم مسلمان ہو؟ حکم باری کا لفظی ترجمہ یہ ہے: ’’اے لوگو! جو ایمان لا چکے ہو اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جو حق ہے تقویٰ الٰہی کا اور ہرگز نہ مرنا تم مگر مسلمان۔‘‘ یہ پیغام ہم سب کے لئے ہے جو قرآن مجید کو آخری آسمانی کتاب مانتے ہیں۔ اس پیغام کا لانے والا وہ صادق وامین رسول (ﷺ) جس کا نام نامی خداتعالیٰ نے یوں لیا: ’’وما محمد الا رسول‘‘ اور محمد نہیں ہیں مگر رسول ﷺ، اور دوسری جگہ ارشاد ہوا: ’’ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النّبیین وکان اللّٰہ بکل شیٔ علیما (الاحزاب:۴۰)‘‘ ﴿اور نہیں ہیں محمد باپ تمہارے مردوں میں سے کسی کے۔ لیکن وہ تو اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں اور اللہ ہر چیز کا پہلے ہی سے اچھی طرح علم رکھنے والا ہے۔﴾

پہلی آیت میں آنحضرت ﷺ کی حیثیت متعین کی گئی ہے اور معجز نما طریقے سے کہا گیا ہے کہ محمد مصطفےٰ ﷺ تو صرف رسول ہیں اور دوسری آیت میں اس بات کو پھر دہرایا اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد نبوت ختم ہے۔ آپ رسول اللہ اور خاتم النّبیین ہیں۔ اسی کے ساتھ ارشاد ہوا اور اللہ ہمیشہ سے ہر نکتے ہر بات ہر مسئلے کا علیم ہے۔ اسے انسان کے ماضی حال اور مستقبل کے تمام معاملات ومسائل کا علم تھا اور اب بھی ہے۔ اس نے یہ فیصلہ انسان کی فلاں وبہبود کے لئے کیا۔ اس نے اپنے رسول کو وحی کے ذریعے قرآن مجید عطاء کر کے آخری کتاب نازل کی۔ جس میں ہر خشک وتر کا علم ہے اور ہم سے کہا کہ میرا نبی اپنے ارادہ وخواہش سے کچھ نہیں بولتا۔ جب وہ بولتا ہے تو میری وحی اور میرے اشارے سے بولتا ہے۔ ’’والنجم اذا ھوٰی ماضل صاحبکم وما غویٰ‘‘ ﴿قسم ہے ستارے کی جب وہ جھکا تمہارا آقا تمہارا رفیق نہ گمراہ

ہوانہ بہکا۔﴾ ’’ما ینطق عن الھویٰ ‘‘ ﴿وہ اپنی خواہش نفسانی سے کچھ بولتا ہی نہیں۔﴾ ’’ان ھو الا وحی یوحٰی ‘‘ ﴿وہ تو صرف وحی ہوتی ہے جو انہیں کی گئی ہے۔﴾ اس معصوم اور بلند مرتبہ رسول پاک ﷺ نے اللہ کے تمام احکام بلاکم وکاست انسانوں تک پہنچائے اور تمام اوامر پر کامل ومکمل عمل کیا۔ ایسا عمل جس کی سند میں قرآن مجید نے فرمایا: ’’ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ‘‘ ﴿رسول اللہ کی سیرت اسوۂ حسنہ ہے۔﴾ اور جب آنحضرت کامل ومکمل نظام زندگی لاچکے اور انسان کے فلاح وبہبود کا قانون پہنچا چکے تو آیت اتری: ’’الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا ‘‘ ﴿میں نے آج تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو پسند کر لیا۔﴾

قرآن مجید کی ان آیتوں سے ثابت ہوا:

۱...... دین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانے میں کامل ومکمل ہوگیا۔ اللہ کی نعمتیں تمام ہوگئیں اور اسلام بحیثیت دین کے اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔

۲...... ہمیں حکم ہے کہ ہم دین اسلام ہی پر زندہ رہیں اور اسی دین پر دنیا سے اٹھیں۔

۳...... اللہ کا آخری رسول اور نبیوں میں آخری نبی ایک ہی ہے جس کا نام نامی اور اسم گرامی محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔

۴...... آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی قابل اتباع ہے اور اسی کی پیروی کی جاسکتی ہے۔

اب اگر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے سوا کسی غیر کو مقتداء مانتا ہے اور اس کے طریقہ کو اسوۂ حسنہ پیغمبر سے بہتر جانتا ہے تو وہ مذکورہ بالا حقائق کا منکر ہے۔ اس کے نزدیک نہ محمد مصطفیٰ ﷺ آخری رسول ہیں نہ قرآن مجید آخری کتاب۔ نہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا دین اسلام کامل ومکمل دین ہے نہ وہ اس دین پر مرنا چاہتا ہے۔ اس شخص کو مسلمان کہنا اسلام کی توہین، قرآن مجید کی توہین اور رسول پاک، خاتم النّبیین، خاتم المرسلین کی توہین ہے۔ اس بناء پر علماء اسلام نے ایسے شخص کو کافر کہا ہے اور ہمارے نزدیک جو بھی آنحضرت ﷺ کے بعد کسی کو نبی مانے اور کسی کتاب کو کتاب وحی خدا جانے وہ اسی طرح کافر ونجس ہے جس طرح دوسرے مشرک اور کافر نجس ہیں۔ نہ اس کے ہاتھ پاک نہ ان سے رشتہ جائز نہ ان سے معاشرت درست ہے۔ ہمارے مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے۔

حضرت شہید ثالث قاضی نوراللہ شوستری نے ''احقاق الحق'' عقیدۂ نبوت کا آغاز ہی ان لفظوں میں کیا ہے: ''**الاول فی نبوۃ محمد ﷺ اعلم ان ھذا اصل عظیم فی الدین وبه یقع الفرق بین المسلم والکافر**'' (احقاق الحق ج۲ ص۱۹۰، طبع ۱۳۸۸ھ)

''مسئلہ نبوت کے مباحث میں پہلی بحث نبوت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر گفتگو ہے۔ یاد رہے دین کی یہ اصل عظیم ہے اسی بنیاد پر مسلم وکافر میں فرق قائم ہوتا ہے۔''

محمد مصطفیٰ ﷺ کو نبی ورسول ماننے کا مطلب یہ ہے کہ بالفاظ قرآن کریم: ''**ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا**'' ﴿جو تمہیں رسول حکم دیں اسے قبول کرو اور جس سے رسول روک دیں اس سے باز آ جاؤ۔﴾ اسی بناء پر مسلمان کا اعلان اور اس کا پہلا کلمہ ہے: ''**لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ**'' اور ہم اس میں مزید کسی دعویدار نبی ورسول کے لئے راستہ بند کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''**علی ولی اللہ ووصی رسول اللہ**''

ہم رسول اور نبی کو معصوم مانتے اور عصمت کو شرط نبوت مانتے ہیں۔ ہمارے علماء نے بالتفصیل لکھا ہے کہ نبی ہو یا رسول وہ آغاز عمر سے آخر زندگانی تک کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ نہیں کرتا۔ سہو ونسیان، بھول چوک، غفلت اور جھوٹ۔ بلکہ کوئی اخلاقی یا کردار کی گراوٹ بھی اس کی ذات اس کے عمل اس کی ضمیر اس کی نیت وارادے سے دور رہتی ہے۔

(سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی کتاب تنزیہ الانبیاء کا مقدمہ ص۱)

وہ ہر اعتبار سے سچا وہ ہر پہلو سے صادق ہوتا ہے اور ہر قسم کے جھوٹے سے مباہلہ کے لئے یہ کہہ سکتا ہے کہ: ''**فنجعل لعنة اللہ علی الکاذبین**'' یعنی دعوت ودین، عقیدہ وعمل میں جو بھی جھوٹا ہو اس پر ہم اللہ سے لعنت کی دعا کریں واقعہ مباہلہ سے ثابت ہے کہ رسول مقبول ﷺ ہر لحاظ سے طیب وطاہر، پاک وپاکیزہ اور معصوم تھے۔ اگر نبی معصوم نہ ہو، اگر وہ کفار کا حلیف ہو، اگر وہ دشمنان دین کا معاون ہو، اگر نبی ورسول اسلام کے مخالفوں سے مفاہمت کر لے اگر اس کا کردار داغی ہو تو اس کی وحی پر بھروسہ اور اس کے قول پر اعتماد نہ رہے گا اور اس کا پیغام غلط ومشتبہ ہو جائے گا۔ تاریخی شواہد اور دوست دشمن اور معاصر گواہوں نے بلکہ مکے کے پورے معاشرے نے گواہی دی کہ محمد مصطفیٰ ﷺ صادق وامین تھے۔ میں ان گواہیوں میں سے سب سے پہلے حضرت ابوطالب کا نام لیتا ہوں کہ وہ خاتم المرسلین کے پہلے محافظ اور آنحضرت ﷺ کے مربی تھے۔

حضرت ابوطالب کا شعر ہے:

لقد علموا ان ابننا لا مکذب

لدیھم ولا یعنٰی بقول الاباطل

ان سب لوگوں کو معلوم ہے کہ ہمارا فرزند (محمد مصطفیٰ ﷺ) جھوٹا نہیں ہے نہ غلط باتوں کی طرف توجہ کرتا ہے۔ (دیوان شیخ الاباطح ص۱۱)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: ''اللہ نے پیغمبروں کو بہترین سونپے جانے کی بہترین جگہوں میں رکھا اور بہترین ٹھکانوں میں ٹھہرایا۔ وہ بلند مرتبہ صلبوں سے پاکیزہ شکموں کی طرف منتقل ہوتے رہے جب ان میں سے کوئی گزرنے والا چلا گیا تو دین خدا کو دوسرا لے کر کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ یہ اللہ کا اعزاز محمد ﷺ تک پہنچا جنہیں پھلنے پھولنے کے اعتبار سے بہترین معدن اور نشوونما کے لحاظ سے بہت باوقار اصولوں سے پیدا کیا۔ اسی شجرہ سے جس سے سب نبی پیدا کئے اور انہیں میں سے اپنے امین منتخب فرمائے۔ آپ ﷺ کی عترت سب سے بہتر عترت اور قبیلہ بہترین قبیلہ اور شجرہ بہترین شجرہ، جو سرزمین حرم میں ابھرا، بزرگی کے سائے میں بڑھا جس کی شاخیں لمبی اور پھل لوگوں کی دسترس سے باہر۔ آپ ﷺ متقی لوگوں کے امام اور ہدایت حاصل کرنے والے کے لئے بصیرت۔ وہ چراغ جس کی لو ضوفشاں اور ایسا ستارہ جس کی روشنی چھائی ہوئی ہے۔ ایسی چقماق جس کا شعلہ پسکتا ہوا آپ کا کردار معتدل، آپ کا راستہ ہدایت۔''

(نہج البلاغہ خطبہ ص۹۳ حاشیہ محمد عبدہ طبع مصر ص۲۰۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے لئے اصل لفظیں یہ فرمائی تھیں۔ ''سیرته القصد'' قصد کے معنی ہیں افراط تفریط سے بچا ہوا راستہ۔ اس سے مراد عصمت ہے کہ اس میں نہ گناہ اور نہ لغزش کی افراط ہے نہ بے عملی اور کاہلی کی تفریط۔ اسی اخلاق معتدل اور عصمت حقیقی کو قرآن مجید نے ''خلق عظیم'' سے یاد کیا ہے۔ ''وانک لعلٰی خلق عظیم'' اور بے شک آپ عظیم اخلاقی قدروں کے مالک ہیں۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے اسی عظمت کردار کو عصم سے یاد کیا ہے اور علماء حدیث وعقائد نے نبی کے لئے عصمت کو شرط مانا ہے۔ مولانا دلدار علی لکھنوی کی عماد الاسلام ج۳ میں اس مسئلے پر سب سے زیادہ تفصیل سے بحث ہے اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے ''تنزیھه الانبیاء'' اسی مسئلہ پر لکھی ہے۔ علم کلام کی سینکڑوں کتابوں میں ہمارے علماء نے اس

پر بحث کی ہے اور انبیاء کی عصمت ثابت کر کے مضبوط عقیدے کی بنیاد استوار کی ہے۔ اس لئے ایک شخص کو نبی ماننا جو غلطی در غلطی کرتا ہو۔ اصول اسلام سے انحراف اور ’’سنة الله‘‘ کی تردید ہے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ پر نبوت ورسالت اس لئے ختم ہے کہ آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب ’’قرآن مجید‘‘ کی تعلیم میں کوئی اضافہ ممکن نہیں ہوسکا۔ آپ ﷺ کی شریعت سے زیادہ جامع شریعت پیش نہ ہوسکی۔ آپ کی تعلیم میں کسی بات کو دلیل سے باطل نہ کیا جاسکا۔ بلا دلیل معقول اور نافہمی سے کسی بات کا انکار دراصل ضد اور ’’ما اتاکم الرسول فخذوه‘‘ کی مخالفت ہے اور اسی غلط مخالفت کا نام کفر ہے۔ مثلاً کوئی نماز کی فرضیت کا انکار کردے کفر ہے۔ کوئی روزے کے وجوب کو نہ مانے کفر ہے اور کوئی جہاد کو فرض وواجب ماننے سے سرتابی کرے کفر کا مرتکب ہوگا۔

قرآن مجید، رسول اللہ ﷺ کا زندہ معجزہ اور آپ ﷺ کے خاتم النّبیین ﷺ ہونے کی دلیل محکم ہے۔ یہ مقدس کتاب وحی کا معیار معین کرتی ہے۔ اس کی فصاحت وبلاغت اس کا علمی مرتبہ، اس کی دعوت کا اسلوب لاجواب ہے اور اس کی وحی کے بعد وحی کا دعویٰ، قرآن مجید کا تمسخر ہے۔ لطف یہ ہے کہ قرآن مجید نے انبیاء کے لئے ایک اصول بتایا ہے۔ ’’وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه‘‘ ﴿اور ہم نے نہیں کسی رسول کو مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا۔﴾ سورۃ ابراہیم کی اس آیت میں: ’’بلسان قومه‘‘ کہہ کر کہ ہمیں ایک ضابطہ دے دیا گیا ہے۔ اگر اب سے تقریباً سو برس پہلے پنجاب میں مرزاغلام احمد قادیانی نے جو وحی کا دعویٰ کیا اور بقول اس کے یکے بعد دیگرے کتابیں آئیں تو انہیں پنجابی میں آنا چاہئے تھا۔ یہ بات کیا ہے کہ وہ کتابیں اردو میں آتی ہیں۔ عربی وفارسی میں آتی ہیں اور کبھی انگریزی میں اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے اور ایک ہندو لڑکے سے سمجھنے کے لئے مدد لیتا ہے اور اگر اس کی قومی زبان اس وقت بھی اردو تھی تو پھر وحی کا معیار کم از کم میر امن کی ’’باغ وبہار‘‘ یا رجب علی بیگ کے ’’فسانۂ عجائب‘‘ اور مرزاغالب کے خطوں کی زبان سے تو کمتر نہ ہوتا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ قوم کی زبان نبی کی زبان سے بہتر ہے اور نبی صاحب کی زبان کا کوئی معیار ہی نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مدعی نے اردو میں اپنے خیالات لکھ کر خود اپنے دعویٰ کا بھرم کھودیا اور عقلمندوں کے لئے خدا کی حجت تمام ہوگئی کہ جو شخص بات کا سلیقہ اور ادب کا رشتہ نہ رکھتا ہو اس کی بات کا اعتبار کیا اور جس کی بات بے وقار ہو

اس کا دعویٰ جھوٹ کے سوا کیا ہوگا اور جو اتنا بڑا جھوٹ بولے۔ جو اللہ اور رسول ﷺ پر زندگی بھر افتراء کرتا رہے جو اپنی گڑھنت کو خدا کی طرف منسوب کرے اس کی سزا کم ازکم یہ ہے۔ اللہ کے ماننے والوں کے زمرے میں اس کا شمار جرم قرار دیا جائے۔

میں یہ عرض کرر ہا ہوں کہ نبوت ایک الٰہی منصب ہے جسے خدا ہر ایک کے حوالے نہیں کرتا۔ قرآن مجید نے صاف صاف کہا ہے اور قیامت تک کے لئے اعلان فرمادیا ہے کہ: ’’**لا ینال عهدی الظالمین**‘‘ ﴿میرا عہد ظالموں کے ہاتھ نہیں آسکتا۔﴾ اور ظالم کون ہے؟ قرآن مجید نے فرمایا ہے: ’’**ومن اظلم ممن افترىٰ علی اللّٰہ کذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیه شیٔ ومن قال سانزل مثل ما انزل اللّٰہ ولو تری اذا لظالمون فی غمرات الموت والملائکة باسطوا ایدیهم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الهون بما کنتم تقولون علی اللّٰہ غیر الحق وکنتم عن اٰیاته تستکبرون** (الانعام:۹۳)‘‘ ﴿اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ موٹ افتراء کرے یا کہے مجھ پر وحی ہوتی ہے۔ حالانکہ اس پر وحی ذرا سی بھی نہ آئی ہو اور وہ جو کہے تجھ پر ویسی ہی کتاب نازل کئے دیتا ہوں، جیسے اللہ نازل کر چکا ہے۔ کاش تم دیکھتے یہ ظالم موت کی سختیوں میں پڑے ہیں اور فرشتے ان کی طرف جان نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں اور نکالو، اپنی جانیں آج تم کو ذلیل کن عذاب کا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ تم کہتے تھے اللہ پر خلاف حق اور تم اس کی آیتوں سے اکڑا کرتے تھے۔﴾

غور کیجئے مرزا قادیانی! اپنے آپ کو کبھی مریم کہتا ہے۔ پھر وہی اپنے آپ کو ابن مریم کہتا ہے اور وہی اسے شراب خوار بتاتا ہے۔ (کشتی نوح ص۶۶ حاشیہ، خزائن ج۱۹ ص۷۱)

انصاف کیجئے کہ ایسے افتراء پرداز اور اللہ جیسی عظیم واکبر ذات پر اس قدر بہتان باندھنے والے کی سزا کتنی سخت ہونا چاہئے۔ شریعت کی اصطلاح میں اسی کو ارتداد کہتے ہیں اور مرتد کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ جناب والا! اسی ماہ شعبان یعنی اگست ۱۹۷۴ء کے ’’کویتی ماہ نامہ‘‘ ’’**الوعی الاسلامی**‘‘ میں ص۱۰۶ پر وزارت اوقاف وشؤن اسلامیہ کویت کے ترجمان نے مرزا غلام احمد کے دعویٰ ’’مسیح منتظر‘‘ روح مسیح اس پر اتر آئی ہے۔ اس پر وحی ہوتی ہے۔ ان جیسے چند نکتوں کو پیش نظر رکھ کر نفی جہاد اور انگریزوں کی غیر مشروط حمایت کے پس منظر میں اس شخص اور اس کی جماعت کو اسلام کے خلاف منظّم سازش اور اسلام کی جگہ ایک دین جدید بتایا گیا ہے اور

یقیناً ہر صاحب عقل وہوش اس سازش کا قلع قمع کرنا چاہتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایوان علماء اسلام کے اس متفق علیہ فیصلے کو نافذ العمل قرار دے گا کہ قادیانیوں اور لاہوریوں کے دونوں گروہ جو مرزا غلام احمد قادیانی کو صاحب وحی مانتے ہیں۔ اپنے اس عقیدے میں باطل پر ہیں اور ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے اس عقیدے کو صحیح مانتے ہیں تو بقول علماء یہ سب کافر ہیں اور ایک ایسے دین کے پرستار ہیں جن کا اسلام سے کوئی رشتہ نہیں۔ یہ ایک اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے اور اقلیتیں ہمارے ملک میں رہتی ہیں۔ یہ بھی ایک اقلیت ہے اور ملک میں رہتی ہے۔

نبی اور رسول ہونے کا یہ دعویدار اور اس کی جماعت واضح طور پر اپنے ملفوظات، اپنے عقائد، اپنے اعمال، اپنے خود ساختہ نظام میں خود ہی ہم سے الگ ہے اور ہمیں کافر سمجھتی ہے اور حقیقی مسلمان نہیں جانتی۔ یہ لوگ کبھی رسولوں کی توہین کرتے ہیں کبھی بزرگان دین کو سبک کرتے ہیں۔ ان کی مسلسل یہی کوشش ہے کہ کسی طرح مسلمان ذلیل ہو جائیں۔ مسلمان مشتعل ہو کر یا ان سے دست و گریباں ہوں یا آپس میں کٹ مریں۔ شیعہ سنی اختلاف ہو۔ شیعہ ہوں یا دیوبندی اور بریلوی، اہل حدیث ہوں یا حنفی۔ ایک گھر کے افراد، ایک سماج کے رکن، ایک دین کے پرستار ہیں۔ یہ فرزندان اسلام ناموس توحید و رسالت پر جان نثار کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ وہ سب توحید و رسالت و قرآن پر یکساں عقیدہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے قرآن کے مقابلے میں کبھی کسی کتاب کو رکھنے کے جسارت نہیں کی۔ انہوں نے نبی کے برابر کسی کو نہیں مانا۔ ان کا ملجا ماویٰ ایک، ان کا مرنا جینا ایک ان کا دستور ایک یہ دونوں اسلام کی قدیم ترین تشریحیں ہیں یہ دونوں دین اسلام کے دفتر کے دو صفحے ہیں۔ ان دونوں نے ہمیشہ دین پر جان قربان کی ہے۔ یہ دونوں ایک ساتھ مرے ہیں۔ انہوں نے اپنی موت گوارا کی ہے مگر ایک دوسرے کو موت سے بچا لیا۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، رسول پاک ﷺ کے بھائی بھی ہیں اور پروردۂ آغوش بھی، داماد بھی ہیں اور جاں نثار بھی۔ ان کے والد بزرگوار نے سب سے پہلے اللہ کے آخری رسول ﷺ اور ان کے منصب کی حفاظت میں غیر معمولی جان فروشی اور بے مثال قربانی دے کر مسلمانوں کو سبق دیا ہے کہ محمد مصطفےٰ ﷺ کی جان اور آبرو، پیغام اور حقانیت پر آنچ نہ آنے دینا۔ مکے میں جب تک ابوطالب رضی اللہ عنہ زندہ رہے آنحضرت ﷺ پر آنچ نہ آنے پائی۔ جب دیکھا کہ

قریش نہیں مانتے تو اللہ کے آخری نبی ﷺ کو اپنے قلعے میں لے کر چلے گئے اور شعب میں اتنی سختیاں اٹھائیں کہ جب محاصرہ ختم ہوا اور اس کے دروازے کھلے تو ابوطالب ؓ فاقوں کی زیادتی اور غموں کی فراوانی سے اتنے کمزور ونا تواں، ضعیف ونیم جاں ہو چکے تھے کہ زیادہ دن دنیا میں نہ رہ سکے اور چند دنوں میں سفر آخرت فرما گئے۔ علی ؓ اس عظیم باپ کے فرزند تھے۔ آپ نے شب ہجرت سے لے کر احد وبدر وحنین، خیبر وخندق بلکہ مباہلے تک ہر معرکے میں حق خدمت کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے دعوت ذوالعشیرہ سے حجۃ الوداع تک ہر موقع پر اپنا بھائی اور امت کا مولا کہا۔ حد یہ ہے کہ خود سرور دوعالم خاتم النّبیین ﷺ نے علی ابن ابی طالب ؓ کی تشبیہ حضرت ہارون نبی سے یوں ''**انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ**'' ﴿تم مجھ سے وہی نسبت رشتہ اور وہی درجہ رکھتے ہو۔ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون تھے۔﴾ میں قربان ہوں حکمت ونگاہ نبوت پر۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جملہ اس پر تمام نہیں کیا بلکہ فرمایا: ''**الّا انہ لا نبی بعدی**'' مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس لئے کوئی علی ؓ کو نبی ﷺ نہ مان لے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہم مسلمان کسی ایسے شخص کو مسلمان نہیں مانتے جو علی ؓ کو نعوذ باللہ من ذالک! اللہ یا اللہ کے برابر مانتا ہو۔ یا جو شخص بھی حضرت علی ؓ کو آنحضرت ﷺ کا حریف یا ہم منصب وہم رتبہ سمجھتا ہو وہ لوگ مشرک وکافر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے مقابلہ معاذ اللہ! ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ اب تک نہج البلاغہ یعنی حضرت کے خطبوں کا مجموعہ بڑے بڑے عربوں کو حیران کئے ہوئے ہے اور صدیاں گزر گئی ہیں مگر وہ خطبے ادب وفکر وفلسفہ اسلام میں اپنا جواب دیکھنے سے محروم ہیں۔ صدیوں سے پڑھنے والے پڑھتے اور شرحیں لکھتے چلے آئے ہیں۔ مگر کسی نے کہیں نہ سنا اور نہ پڑھا کہ امیرالمؤمنین یا ان کے ماننے والے اثناءعشری آپ کو صاحب وحی مانتے ہوں۔ اصول دین وعقائد امامیہ کا طویل وضخیم دفتر اس عقیدے سے خالی اور تمام شیعہ اس عقیدے سے بری ہیں۔ دراصل یہ الزامی جواب اور ڈوبتے میں تنکے کا سہارا ان لوگوں کی طرف سے ہے جن کے دینی رہنما اپنی تالیف (آئینہ کمالات ص۵۶۴، خزائن ج۵ ص۵۶۴) پر لکھتے ہیں: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں خدا ہوں۔ میں نے یقین کر لیا کہ میں وہی ہوں۔''

(حقیقت الوحی ص۱۵۴، خزائن ج۲۲ ص ل۱۵۸) پر لکھا ہے: ''**یوم یأتی ربک فی ظلل**

من الغمام ''اس دن بادلوں میں تیرا خدا آئے گا۔ یعنی انسانی مظہر (مرزا قادیانی) کے ذریعے اپنا جلال ظاہر کرے گا۔

اور (حقیقت الوحی ص۱۰۵، خزائن ج۲۲ ص۱۰۸) کی یہ بات: ''**انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول له کن فیکون** ''یعنی اے مرزا، تیری یہ شان ہے کہ تو جس چیز کو 'کن'' کہہ دے وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

حضرت علیؓ کے خطبات کا مجموعہ نہج البلاغہ، امام زین العابدین کی دعاؤں کا مجموعہ ''صحیفہ کاملہ'' امام علی رضا کی ''فقہ الرضا'' اور بعض ائمہ کی طرف منسوب کتابیں موجود ہیں۔ ان کے مطالعے سے اسلامی عقائد اور مسلمہ مسائل دین کے علاوہ اللہ کی عظمت، توحید کی جلالت اور حقیقت عبدیت وکمال بندگی کے سوا کوئی بات ثابت نہیں کی جاسکتی۔ یہ کتابیں تعلیمات رسول کی ترجمان اور آنحضرتﷺ کے دین حق کا اثبات ہیں۔ حضرت علیؓ کی عظمت یہ ہے کہ خود رسول اللہﷺ کے احادیث اور آپ کی ان قربانیوں پر قائم ہے۔ جس پر طنز کرنے والا اسلام کا مذاق اڑاتا ہے۔ (ملفوظات احمدیہ ج۱ ص۴۰۰) کا یہ جملہ کسی قدر مجرمانہ ہے۔ ''اب نئی خلافت اور زندہ علی (مرزا قادیانی) تمہارے پاس ہے تم اس کو چھوڑتے ہو اور مردہ علی کو تلاش کرتے ہو۔'' یہ دریدہ دہنی اس علیؓ کے بارے میں ہے جس کے لئے رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''**من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ** ''جس کا مولا میں ہوں علی بھی اس کے مولا ہیں۔

مرزا ناصر احمد نے اپنے محضرنامے میں، جن غیر مستند اور بعض غیر شیعہ اثنا عشری کتابوں کے حوالے دے کر شیعہ سنی اختلاف کو ابھارنے کی کوشش کی ہے وہ دراصل اسلام کو بدنام کرنے کی سازش کا ایک حصہ ہے۔ ان کے حوالے ناقص وغلط ہیں۔ ''**تذکرۃ الائمہ** ''نامی بے شمار کتابیں ہیں۔ مرزا ناصر احمد نے اپنے محضرنامے کے ص۱۸۳ پر حوالہ درحوالہ جن کتابوں کو استعمال کیا ہے۔ نہ ان کے مؤلف کا نام ہے نہ کتابوں کے صحیح نام۔ نیز ان میں سے کوئی کتاب نہ وحی ہے نہ الہام نہ شیعوں پر ان کتابوں پر ایمان لانا واجب ہے۔ نہ ان کے مندرجات کو صحاح کا درجہ اور نعوذ باللہ قرآن مجید کا مقابل تصور کیا گیا ہے۔ امام کی ذات وصفات کی شرطیں سخت اور بالکل واضح ہیں۔

علم وعصمت کی شرط پر نبوت کے دعوے یا اس کی مماثلت کا شبہ کرنا ہی بے معنی ہے۔ حسن مجتبیٰ جنہوں نے حکومت پر اس لئے ٹھوکر ماری کہ نانا کا دین ان کی جنگ وجہاد سے کمزور نہ ہو

جائے۔ جن کا فیصلہ تھا کہ میں رہوں یا نہ رہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا نام تو رہ جائے۔ جانشینی رسول ﷺ کا تقاضا ہی یہ تھا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ذاتی مسئلہ کو نظرانداز کر کے اسلام اور رسول اسلام کے مفادات کو وسیع تر معیار سے دیکھتے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ امام ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا تاج امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک پر ضوفگن ہوا۔

آن امام عاشقاں پور بتول   سرد آزادے زبستان رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر   معنی ذبح عظیم آمد پسر
زندہ حق از قوت شبیری ست   باطل آخر داغ حسرت میری ست
بہر حق درخاک و خوں غلطیدہ است   پس بنائے لا الہ گردیدہ است
خون او تفسیر ایں اسرار کرد   ملت خوابیدہ را بیدار کرد
تیغ لاچوں از میاں بیروں کشید   ازرگ ارباب باطل خوں چکید
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت   سطر عنوان نجات مانوشت
رمز قرآن از حسین آموختیم   زآتش او شعلہ ہا اندوختیم
تارما از زخمہ اش لرزاں ہنوز   تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

سید سرداران جنت، سید الشہداء جن کے احسان سے مسلمانوں کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کہہ رہے ہیں:

شاہ است حسین بادشاہ ہست حسین   دین است حسین دین پناہ است حسین

اس عظیم امام کے لئے یہ مصرع کس قدر توہین خیز ہے کہ ؎

کربلائیست سیر ہر آنم   صد حسین است درگریبانم

(نزول المسیح ص۹۹، خزائن ج۱۸ ص۴۷۷)

رسول آخرالزمان ﷺ تو فرمائیں: ’’**حسین منی وانا من الحسین**‘‘ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔

’’**احب اللہ من احب حسینا وابغض اللہ من ابغض حسینا**‘‘ اللہ اس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے اور اس سے نفرت کرتا ہے جو حسین سے بغض رکھے۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کی جسارت دیکھئے۔ دراصل ان کو اپنا منہ دیکھنے کے لئے گریبان کا

رخ کرنا چاہئے۔

بات پنجتن پاک تک آ پہنچی ہے تو مرزاغلام احمد نے گل سرسبد چمن رسالت نور چشم ختمی مرتبت حضرت سیدہ کبریٰ فاطمۃ الزہراءؓ کے بارے میں جو ہرزہ سرائی کی ہے وہ ہر مسلمان کے لئے دل آزار ہے اور اسی گستاخی کی وجہ سے خدا نے مرزا قادیانی کو بدترین موت دی۔

محترم حضرات! قادیانی اور لاہوری حضرات نے اپنے اپنے بیانات میں اقرار کیا ہے۔ دونوں کا اظہار ہے کہ غلام احمد پر وحی ہوتی تھی۔ ان کی بہت سی کتابیں آسمانی مانی جاتی ہیں۔ اس سے صاف صاف عیاں ہے کہ قادیانی اور لاہوری صاحبان براہ راست ایک ایسے شخص کی امت میں ہیں جو صاحب وحی ہے اور صاحب رسالت کبریٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مجبوری کے طور پر یا ضمنی حیثیت سے جو بھی مانتے ہیں وہ مانتے ہیں۔ ورنہ مرزا قادیانی تو بقول خود نعوذ باللہ مسیح زماں، کلیم خدا اور نقل کفر کفر نباشد محمد واحمد تک بن بیٹھے ہیں۔ شاید موصوف کو ہندوؤں کا فلسفہ تناسخ یا آواگون کا یقین ہو گیا تھا۔ جبھی تو کہا ہے ؎

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا منم محمد و احمد کہ مجتبےٰ باشد

(تریاق القلوب ص۳، خزائن ج۱۵ ص۱۳۴)

اور تو اور مرزا غلام احمد قادیانی تو اپنے جھوٹ پر یہاں تک دلیری کر چکا ہے کہ (دافع البلاء ص۱۱) میں کہہ دیا: ’’سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ شاید ایسے ہی موقع کے لئے یہ محاورہ ہے۔ ایاز قدر خود بشناس!‘‘

میں اب زیادہ وقت لینا نہیں چاہتا۔ صرف دو باتوں کی طرف ایوان کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔

نمبر۱: قرآن مجید کا حکم ہے: ’’واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا‘‘ اللہ کی رسی سے وابستہ ہو جایئے اور انتشار سے بچیئے۔ دشمنان اسلام، مسلمانوں کو خانہ جنگی، اندرونی اختلاف اور فکری پریشانیوں میں الجھا کر ہم سے ایمان کی دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ رسول اسلام ﷺ سے ہمارا رشتہ توڑنے کی فکر میں ہیں۔ ہماری قوت کا سرچشمہ توحید ونبوت ہے۔ ہمارا مرکز اتحاد قرآن ہے۔ ہمارا معاشرہ اسلام پر مبنی ہے۔ ہم نے ان مرزائیوں کی ریشہ دوانیاں بچشم خود دیکھ لی ہیں۔ جو قادیان سے کشمیر اور انڈونیشیاء سے افریقہ تک اپنا نظام فکر وعمل پھیلا چکے ہیں

جو ہندوستان اور فلسطین میں منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ ہم ان سے محتاط رہیں اور اسلام کے قلعے میں کوئی رخنہ واقع نہ ہونے دیں۔ کافر کو کافر کہتے نہ ڈریں اور برطانوی استعمار کے سیاسی ہتھکنڈوں سے اپنا پیچھا چھڑائیں۔ آپس کی لڑائیوں کا نتیجہ سب نے دیکھ لیا۔ دشمن رانتواں حقیر وبے چارہ شمرد۔ شیعہ سنی اپنے گھر میں لڑے، باہر والوں نے دونوں کی باتوں کو ریکارڈ کر کے ہماری تاریخ، ہمارے روابط، ہمارے معاملات سمجھے بغیر ہم دونوں کو غیر مسلم کہہ کر اسلام کے نام پر دعویٰ کر دیا۔ اگر اس دعویٰ کے فیصلے میں ذرا بھی غلطی ہوئی اگر ہم نے اب بھی ہوش سے کام نہ لیا۔ اگر خدانہ خواستہ پیر لڑکھڑا گئے تو کل تاریخ کہے گی

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

آپ کے لئے مسئلہ صاف ہے۔ آپ نے دودھ میں پانی کی آمیزش دیکھ لی۔ آپ اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ

برعکس نہند نام زنگی کافور

آپ نے تمام دنیا کے بڑے بڑے علماء کے فتوے پڑھ لئے۔ تمام مسلمانوں کے عقائد سمجھ لئے۔ آپ نے مرزاغلام احمد قادیانی اور اب مرزاناصر احمد اور ان کے ساتھیوں کے دعوے اور دلیل کا وزن پرکھ لیا۔ آپ نے ملک کے عوام کا مطالبہ سن لیا۔ اب دیر نہ کیجئے۔ مسلمانوں کو ان کے عقیدے اور ان کے دین سے محروم کرنے یا اس میں دخل دینے کے بجائے قادیانی یا بقول غلام احمد ''احمدی'' جماعت یا جماعتوں کو خارج از اسلام ماننے کا اعلان کر دیں۔

نمبر۲: عالم اسلامی اور مسلمان مملکتوں سے اتحاد، مسلمان عوام سے برادرانہ تعلقات کو فروغ دینا ہماری خارجہ سیاست کی اساس ہے۔ ہماری حکومت کسی پاکستانی شہری کو اس کے حقوق سے محروم نہیں کرتی۔ نہ ہمارے عوام کسی پاکستانی شہری کو دکھ پہنچانے یا پریشان کرنے کے خواہشمند ہیں۔ ان حالات میں اگر قادیانی جماعت کو اقلیت اور غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے تو آئین پاکستان اور نظریہ پاکستان کے عین مطابق ہوگا اور ہمارا ایوان اپنے ایک فرض کو پورا کرنے کی سعادت حاصل کرے گا۔

اس سلسلے میں شیعہ علماء وفقہاء کے فتوے حاضر ہیں۔

مسئلہ ختم نبوت اور شیعہ

حضور ﷺ کا آخری نبی ہونا قرآن اور سنت اجماع وعقل سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کو خاتم النّبیین یعنی آخری نبی فرمایا۔ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس دجال آئیں گے۔ وہ دجال اس لئے ہوں گے کہ ان میں سے ہر ایک کہے گا کہ میں نبی ہوں۔ حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(حدیث متفق علیہ)

حضور ﷺ کا انتقال ہوگیا۔ مولائے کائنات حیدر کرار رضی اللہ عنہ پرنم آنکھوں سے آپ کو غسل دے رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں: یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کی وفات سے کچھ ایسی چیزیں منقطع ہوگئی ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کی وفات سے منقطع نہیں ہوئی تھیں۔ یعنی نبوت، احکام الٰہی اور اخبار آسمانی۔ (نہج البلاغت)

حضرت امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ نے نہ قرآن پاک کے بعد کوئی کتاب بھیجی کیونکہ اس نے قرآن پاک کو آخری کتاب قرار دیا اور نہ ہی کوئی نبی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی فرمایا۔ (اصول کافی)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک شاگرد کو شیعی عقائد تعلیم فرمائے۔ نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے کہ نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں۔ (صفات الشیعہ صدوق رحمۃ اللہ علیہ)

ہر دور میں شیعہ علماء کا اس بات پر اجماع رہا کہ رسول اللہ ﷺ خاتم النّبیین یعنی آخری نبی ہیں اور یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے ہے۔ اس کا منکر مرتد ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہو تو واجب القتل۔ چنانچہ حضرت مولانا شیخ محمد حسین نجفی مرحوم جو اس صدی کے شیعہ علماء میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں اپنی کتاب ''اصل واصول شیعہ'' جس کا ترجمہ علامہ ابن حسن صاحب نجفی نے کیا ہے۔ رضا کار بک ڈپو لاہور نے شائع کیا ہے۔ ص۲۷ پر نبوت کے بیان میں فرماتے ہیں: ''شیعہ امامیہ کا یہ عقیدہ راسخہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد جو شخص بھی نبوت یا نزول وحی کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور واجب القتل۔''

ادارہ تبلیغ شیعہ راولپنڈی اور اسلام آباد نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے فوراً بعد مختلف

شیعہ علماء سے ان لوگوں کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو نبی مانیں کے بارے میں استفسار کیا۔ ان میں سے بعض کے بیانات درج ذیل ہیں۔

حضرت مولانا سید نجم الحسن کراروی (پشاور) جو اسلامی مشاورتی کونسل کے ممبر ہیں اور اس کونسل میں شیعوں کے نمائندے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں: ’’ثبوت اصول دین کا جزو ہے۔ ختم نبوت ضروریات دین میں داخل ہے۔ ضروریات دین کا منکر مرتد یا کافر ہے جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو وہ کافر ہے اور کافر کی نجاست مسلم ہے۔ اسی طرح جو لوگ کسی شخص کو نبی مانتے ہیں حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد وہ ہمارے نزدیک کافر ہیں۔ اس زمرہ میں مدعی نبوت بھی ہے۔‘‘

(نوٹ از ادارہ) سابق مجتہد اعظم حضرت آقائے محسن الحکیم توضیح المسائل مفید ص۴۲ میں تحریر فرماتے ہیں: ’’وہ مسلمان جو اللہ یا پیغمبر خاتم النّبیین کا انکار کردے یا ایسے حکم کا جس کو تمام مسلمان دین کا جز سمجھتے ہوں یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ حکم ضروری نہیں ہے۔ انکار کردے تو وہ مرتد ہو جائے گا۔‘‘

حضرت مولانا شیخ محمد حسین صاحب فاضل عراق (سرگودھا) جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ’’جو شخص ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار کرے وہ بالاتفاق دائرہ دین سے خارج متصور ہوتا ہے۔ ضروریات دین سے مراد وہ امور ہیں جن پر اس دین کے پیروؤں کا باوجود اپنے کئی ایک داخلی اختلافات کے اتفاق واجماع ہو اور منجملہ ان ضروریات کے ایک یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ہر قسم کی نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ لہٰذا جو شخص ان کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے یا جو شخص ایسے مدعی کی تصدیق کرے اس کے لئے دین اسلام کے دائرہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔‘‘

حضرت مولانا حسین بخش قبلہ فاضل عراق پرنسپل دارالعلوم محمدیہ سرگودھا تحریر فرماتے ہیں: ’’حضور نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا کافر ہے اور کاذب نبی کو نبی ماننا بھی کفر ہے۔‘‘

حضرت مولانا ملک اعجاز حسین قبلہ فاضل عراق پرنسپل دارالعلوم جعفریہ خوشاب تحریر فرماتے ہیں: ’’بالاتفاق مسلمین کاذب دعویٰ نبوت کرنے والا اور اس کو برحق نبی ماننے والا کافر

ہے۔ کیونکہ معیار کفر فقط اللہ اور اس کے رسول کا انکار ہی نہیں بلکہ ضروریات دین کا انکار بھی کفر ہے۔ اسی طرح چونکہ ختم نبوت ضرورت دین میں سے ہے۔ یعنی اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ لہٰذا اس کا منکر اور حضور ختمی مرتبت ﷺ کے بعد کسی کو نبی ماننے والا کافر ہے۔ مذکورہ حکم پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔''

حضرت مولانا محمد جعفر صاحب خطیب مسجد شیعہ اور مولانا سید مرتضٰی حسین صاحب صدر الافاضل لاہور تحریر فرماتے ہیں: ''چونکہ حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی ختم نبوت کا اقرار از روئے قرآن وحدیث ضروریات دین اور ارکان اسلام میں سے ہے۔ لہٰذا آنحضور ﷺ کی ختم نبوت کا منکر اپنی نبوت کا مدعی نہ بھی ہو کافر ونجس العین ہے۔ چہ جائیکہ آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت سے انکار کے ساتھ کوئی اپنی نبوت کا مدعی ہو۔ شیطان نے محض انکار نبوت کیا تھا۔ قدرت نے اس کو ملعون وکافر قرار دیا۔ حالانکہ اس نے انکار نبوت کے ساتھ اپنے نبی ہونے کا دعویٰ نہ کیا تھا۔ یہ ظاہر بلکہ اظہر ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جب آنحضور ﷺ پر ختم نبوت کا صریحی اعلان کر دیا تو ختم نبوت کا انکار حقیقتاً آنحضور ﷺ کی نبوت اور صداقت کا انکار ہے۔''

حضرت مولانا مرزا یوسف حسین (میانوالی) تحریر فرماتے ہیں: ''جمہور مسلمین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جو شخص اصول دین یا ضروریات دین میں سے کسی جزو کا منکر ہو وہ اسلام سے خارج ہے۔ آنحضرت ﷺ کا خاتم النّبیین ہونا اور آخری پیغمبر ہونا متفق علیہ ہے اور ضروریات دین سے ہے اس لئے جو شخص آنحضرت ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرے کسی کاذب مدعی نبوت کو مدعی تسلیم کرے وہ اسلام سے خارج ہے۔''

حضرت مولانا سید گلاب حسین شاہ صاحب نقوی پرنسپل مدرسہ مخزن العلوم الجعفریہ ملتان تحریر فرماتے ہیں: ''نزد علمائے شیعہ امامیہ جھوٹا نبی کافر ہے اور اس کی نبوت پر ایمان رکھنے والا بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔''

مولانا محمد بشیر صاحب انصاری فرماتے ہیں: ''بعد حضرت ختمی مرتبت کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ جو دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور اس کے ماننے والے بھی کافر ہیں۔''

سید عباس حسین گردیزی (**M.N.A**) اسلام آباد

تقریر در قومی اسمبلی پاکستان، اسلام آباد، ۳۰ر ستمبر ۱۹۷۴ء

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

قادیانی کی گالی کا حق دار کون ہے؟

حضرت مولانا عبدالمجید فاروقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب

مرزا غلام احمد قادیانی کی شخصیت پڑھے لکھے لوگوں کے لئے غیر معروف نہیں رہی۔ لیکن اکثر لوگ (جن میں قادیانی امت بھی شامل ہے) اس کی تعلیم کے بہت سے پہلوؤں سے ناواقف ہیں۔ ہم نے مرزا قادیانی کی تعلیم کے حقیقی معنوں کو اجاگر کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے۔ اس خدمت کے صلے میں جہاں ہمارے مسلمان بھائی خوش ہوں گے، وہاں یقیناً قادیانی حلقے بھی ہمارے شکرگزار ہوں گے کہ مرزا قادیانی کی صحیح تصویر کو اپنے اصلی روپ میں پہلی بار دیکھا ہے۔

ہم نے قادیانی دین کے قلعے کو منہدم کرنے کا پکا ارادہ کرلیا ہے۔ اس لئے مدافعت کا عام انداز صرف نظر کر کے جارحیت کا مورچہ سنبھالا ہے۔ ہمارا یہ کتابچہ ہماری طرف سے قادیانی قلعہ کی فصیل پر پہلا گولہ ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! یہ کتابچہ مرزا قادیانی کی امت کے مطالعہ کے لئے لکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ میرے دینی بھائی اس کتابچے کو قادیانی حلقوں میں تقسیم کرنے کے لئے میرا ہاتھ بٹا کر فلاح دارین حاصل کریں گے۔ اگلے ایڈیشن میں ان احباب کے نام بھی شائع کئے جائیں گے جو اس کتابچے کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ (کم از کم ایک سو نسخہ کے لئے نام درج ہوگا)

یہ کتابچہ عزیز سیف الرحمٰن صاحب مالک، ہوٹل شاہی مرغ چھولے بلاک سرگودھا کے اصرار پر شائع کیا جارہا ہے۔

عبدالمجید فاروقی

’’انی قد جئتکم بایٰۃ من ربکم انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللّٰہ‘‘ (آل عمران:۵۰)

’’یہ کہ میں تحقیق میں لایا ہوں۔ تمہارے پاس نشان تمہارے رب سے یہ کہ میں بناتا ہوں۔ تمہارے لئے مٹی سے مثل تیار کرتے پرندے کے پھر پھونکوں گا اس میں تو وہ ہو جائے گا پرندہ اللہ کے حکم سے۔‘‘ (ترجمہ: فخرالدین ملتانی قادیانی، حافظ روشن علی قادیانی)

’’کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بات لایا ہوں کہ میں تمہارے لئے کیچڑ سے پرند کی شکل کی مانند تجویز کرتا ہوں۔ پھر میں اس کے اندر پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے والا ہو جاتا ہے۔‘‘ (بیان القرآن از محمد علی لاہوری قادیانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ وعلیٰ آلہٖ

فصل اوّل

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے ایک مشہور معجزے کا قرآن حکیم میں ذکر ہے۔اس مشہور معجزے سے متعلق مرزا قادیانی اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ’’اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی بپایہ ثبوت نہیں پہنچتا۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۱۲۸،۱۲۹، خزائن ج۳ص۲۵۶)

یہی مرزا قادیانی اپنی ہی دوسری تصنیف میں اس طرح لکھتا ہے: ’’اور حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے مگر پھر بھی مٹی کے مٹی ہی تھے۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام، دافع الوساوس ص۶۸، خزائن ج۵ص۶۸)

ہمیں اس وقت اس امر پر اصرار نہیں اور نہ اس پر بحث کرنا مقصود ہے کہ حضرت مسیح علیٰ نبینا علیہ السلام کے پرندوں یا چڑیوں نے پرواز کی تھی یا نہیں بلکہ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ قادیانی دین کے پیرو قرآن حکیم کی شہادت کی روشنی میں دونوں عبارتوں کے مطالب سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں؟

قرآن شریف سے حضرت مسیح کے پرندوں کی پرواز ہرگز ثابت نہیں یا قرآن کریم سے حضرت مسیح کی چڑیوں کی پرواز ثابت ہے؟

مرزا قادیانی کے امتیو! صاف ظاہر ہے کہ یہ دونوں عبارتیں ایک دوسرے کی نقیض اور اجتماع نقیضین امر محال ہے۔ ممکن ہی نہیں کہ دو نقیض اکٹھے ہو جائیں۔ جیسے کفر واسلام کا اجتماع بالکل غیر ممکن ہے۔ پھر دیکھئے آپ کسی شخص کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ شخص ایک ہی وقت میں مسلم بھی ہے اور کافر بھی۔

آپ لوگ بھی تو دعویدار ہیں کہ ہمارا قرآن حکیم کی سچائی پر ایمان ہے تو آپ ہی ایمان سے کہئے کہ کیا واقعی قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح کے پرندوں نے ہرگز پرواز

نہیں کی اور کیا یہ بات بھی قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح کی چڑیوں نے پرواز کی۔ استغفراللہ تعالیٰ! اگر آپ کا ضمیر مردہ نہیں ہوچکا تو آپ بھی مانیں گے کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک بات ہی سچی ہے۔ پھر ایک ہی بات سچی ہے تو آپ دوسری بات کو جھوٹی ٹھہرائیں گے۔ جھوٹ بھی کتنا بڑا جھوٹ۔ آپ بھی تصدیق کریں گے۔ ہمالیہ سے بھی بڑا جھوٹ۔

حضرت مسیح کے پرندوں نے پرواز نہیں کی۔ قرآن شریف سے ثابت ہے۔

حضرت مسیح کی چڑیوں نے پرواز کی قرآن کریم سے ثابت ہے۔

''پرواز ثابت ہے۔'' پرواز ثابت نہیں اور گواہ کون دنیا بھر کی تمام کتابوں سے سچی کتاب۔ قرآن حکیم!

قرآن حکیم کی سند سے مرزاقادیانی اپنی ہی تغلیط وتردید کر کے اپنی ہی تکذیب کی سند حاصل کر رہا ہے۔ ان دونوں عبارتوں کو ایک بار اور پڑھئے۔

۱...... کہ ان پرندوں کا پرواز قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی بپایہ ثبوت نہیں پہنچتا۔

۲...... اور حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے، ان دونوں عبارتوں کے لکھنے والے نے ایک عبارت میں جھوٹ کا سہارا لیا ہے اور جھوٹ بھی عام جھوٹ نہیں بلکہ قرآن حکیم پر جھوٹ باندھا ہے اور قرآن حکیم کے واسطے سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھا ہے۔

قادیانی دین کے فدائیو! اگر آپ کے قلب کی گہرائی میں ایمان کی زندگی کی کوئی رمق باقی ہے تو آپ کو کھلے دل سے اعتراف کرنا ہوگا اور باضمیر آدمی نے تو اعتراف کر بھی لیا ہوگا کہ مرزاقادیانی نے ان دونوں عبارتوں میں سے ایک عبارت میں یقیناً جھوٹ سے کام لیا ہے۔ آپ کو مخلی بالطبع ہوکر فیصلہ کرنا ہوگا کہ ان دونوں نقیض عبارتوں کا لکھنے والا:

۱...... کوئی عقل وشعور کے کوچے سے ناآشنا، علم وحکمت کے راستے سے بھٹکا ہوا اور ذہنی افلاس کا مارا ہوا پرلے درجے کا احمق وبےوقوف ہے۔

۲...... دین وایمان کی دولت سے تہی دامن، مکروفریب کا مجسمہ، انتہائی شریرالطبع، قلمی غنڈا اور

یہی مسخرہ شیطان ہے[۱]۔

۱؎ مرزا قادیانی اپنی سچائی کے ثبوت کے لئے حروف ابجد کا سہارا بھی لیتا ہے۔ اگر حروف ابجد ہی سچائی کا پیمانہ ہیں تو مرزا قادیانی کے ثبوت کے بعد میرا تحریر کردہ ثبوت بھی پڑھیے اور انصاف کیجئے کہ حروف ابجد کا سہارا لینا کہاں تک درست ہے۔ مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ: ’’لطیفہ: چند روز کا ذکر ہے کہ اس عاجز نے اس طرف توجہ کی کہ کیا اس حدیث کا جو آیات بعد المأ تین ہے۔ ایک یہ بھی منشاء ہے کہ تیرھویں صدی کے اواخر میں مسیح موعود کا ظہور ہوگا اور کیا اس حدیث کے مفہوم میں بھی یہ عاجز داخل ہوگا تو مجھے کشفی طور پر اس مندرجہ ذیل نام کے اعداد حروف کی طرف توجہ دلائی گئی کہ دیکھو یہی مسیح ہے جو تیرھویں صدی کے پورے ہونے پر ظاہر ہونے والا تھا۔ پہلے سے یہی تاریخ ہم نے نام میں مقرر کر رکھی تھی اور وہ نام یہ ہے۔ غلام احمد قادیانی اس نام کے عدد پورے تیرہ سو ہیں اور اس قصبہ قادیان میں بجز اس عاجز کے اور کسی شخص کا غلام احمد نام نہیں بلکہ میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں اور اس عاجز کے ساتھ اکثر یہ عادت اللہ جاری ہے کہ وہ سبحانہ بعض اسرار اعداد حروف تہجی میں میرے پر ظاہر کر دیتا ہے۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۱۸۵،۱۸۶،۱۷۷، خزائن ج۳ ص۱۹۰)

قادیانی مرزا کو قرآن حکیم کے حقائق ومعارف پر جس قسم کا اور جتنا عبور حاصل ہے وہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ مرزا مذکور پوری اسلامی دنیا کے علمائے کرام وصوفیائے عظام کو خطاب کرتا ہوا لکھتا ہے: ’’اور درحقیقت جو شخص اہل اللہ کے پیرایہ میں ہو کر قرآن کے معنی سمجھتا ہے اور نہ اس کے حقائق ومعارف کی خبر رکھتا ہے وہ محبّ القرآن نہیں بلکہ مسخرہ شیطان ہے۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۳۶۱، خزائن ج۵ ص۳۶۱)

جو شخص قرآن حکیم کے ثبوت کی روشنی میں پرندوں کی پرواز کی زوردار الفاظ میں نفی بھی کرے پھر وہی شخص قرآن حکیم سے ہی چڑیوں کی پرواز کا اثبات بھی کرے ایسے شخص کی جہالت میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ یقین کیجئے یہی مسخرہ شیطان ہے۔ اب وضاحت دیکھئے۔

غلام	احمد	قادیانی	غلام احمد قادیانی	یہی	مسخرہ	شیطان	یہی مسخرہ شیطان
غ ۱۰۰۰	الف ۱	ق ۱۰۰	۱۰۷۱	ی ۱۰	م ۴۰	ش ۳۰۰	۲۵
ل ۳۰	ح ۸	الف ۱	۵۳	ہ ۵	س ۶۰	ی ۱۰	۹۰۵
الف ۱	م ۴۰	د ۴	۱۷۶	ی ۱۰	خ ۶۰۰	ط ۹	۳۷۰
م ۴۰	د ۴	ی ۱۰			ر ۲۰۰	و ۱	
		الف ۱			ہ ۵	ن ۵۰	
		ن ۵۰					
		ی ۱۰					
۱۰۷۱	۵۳	۱۷۶	۱۳۰۰	۲۵	۹۰۵	۳۷۰	۱۳۰۰

غلام احمد قادیانی، یہی مسخرہ شیطان = ۱۳۰۰

یہی مسخرہ شیطان ہے جو قرآن حکیم کے حقائق ومعارف سے بیخبر ہو کر اہل اللہ کے پیرایہ میں ہو کر غلام احمد قادیانی کے بہروپ میں ۱۳۰۰ میں ظاہر ہوا ہے۔

قادیانی حضرات آپ نے مرزا قادیانی کی کتابوں کی محولہ عبارتوں کے مطالب ومعانی کو یقیناً آپ نے سمجھ لیا ہوگا۔ آخر آپ بھی فہم وشعور کی دولت سے بہرہ ور ہوں گے۔ سچ اور جھوٹ میں امتیاز کا رواج شاید آپ لوگوں میں بھی ہوگا۔ صدق وکذب پرکھنے کی کسوٹی (ضمیر) نام کی چیز اگر آپ کی دنیا میں بھی ہے تو سنئے کہ کسی دانا کا قول ہے کہ: ’’من قال ‘‘ نہ دیکھو’’ما قال ‘‘ دیکھو۔ یعنی یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ کیا کہا ہے۔

آپ کہیں گے کہ قادیانی مرزا نبی ہے ہم اسے جھوٹا کیوں کہیں۔ لیکن آپ نے دیکھ لیا ہے کہ مرزا قادیانی نے اپنی کتابوں کی مندرجہ بالا عبارتوں میں سے ایک عبارت میں قرآن حکیم کا حوالہ دے کر جھوٹ بولا ہے۔ آپ نے تو قادیانی مرزا کو قرآن حکیم کی سچائی کے لئے قبول کیا ہے۔ قرآن حکیم کی صداقت پر ایمان رکھنے کا تو یہ تقاضا ہے کہ جو شخص قرآن حکیم کی شہادت کا سہارا لے کر برملا جھوٹ بولے، نقارے کی چوٹ، جھوٹ بولے پھر ایسے شخص کا قرآن حکیم کے ساتھ تعلق کس طرح باقی رہ سکتا ہے۔ وہ شخص تو قرآن حکیم کا صاف صاف مخالف اور دشمن ہے۔ جو شخص کہے قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں کہ پرندوں نے پرواز کی ہو۔ پھر چڑیوں کی پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے۔

یوں تو ہر جھوٹ برائی ہے۔ جھوٹے پر قرآن کریم لعنت بھیجتا ہے۔ لیکن قرآن کریم پر جھوٹ باندھنا تو بہت بڑی لعنت ہے۔ آپ بھی کہئے۔ ازالہ اوہام، آئینہ کمالات اسلام کی محولہ عبارتوں کی ایک عبارت کے مصنف پر لعنت اور اگر میں (فاروقی مصنف کتاب ہذا) نے غلط حوالے دیئے ہوں تو مجھ پر لعنت۔ دلدل میں پھنسے ہوئے انسان کی حالت بہت بری ہوتی ہے۔ جب وہ ایک پاؤں دلدل سے نکالتا ہے تو دوسرا پاؤں زیادہ دھنس جاتا ہے۔ اگر دلدل زیادہ گہری ہو تو اس مصیبت سے دوچار ہونے کے بعد آخر دلدل میں ڈوب (دھنس) جاتا ہے۔

قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ پرندوں نے پرواز کی تھی۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ چڑیوں نے پرواز کی تھی۔

قادیانی دین کے دیندار! سچ کہنا مرزا قادیانی کے ان حوالوں کے پڑھنے کے بعد آپ بھی محسوس کرتے ہوں گے کہ آپ پر بھی وہی کیفیت طاری ہوگئی ہے جو دلدل میں پھنسے ہوئے کسی آدمی کی ہوتی ہے کہ اب آپ بھی قادیانی دین کی یقین وبے یقینی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آپ یقین کا پاؤں دلدل سے نکالتے ہیں تو بے یقینی والا پاؤں دلدل میں زیادہ دھنس جاتا ہے۔ پھر اگر بے یقینی والا پاؤں آزاد کرتے ہیں تو یقین والا پاؤں دلدل میں اس زیادہ دھنس جاتا ہے۔

نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کی کیفیت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جان من! سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا سیکھئے اور قرآن کریم کی سچائی کی تصدیق کے لئے اوہام ووساوس کی دلدل سے نکلئے۔ مندرجہ بالا حوالوں سے صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں کتابوں کے مصنف نے وہموں اور وسوسوں کو جنم دیا ہے نہ ان کا ازالہ کیا ہے اور نہ ان کو دفع ہی کیا ہے۔

فصل دوم

ہم نے اب تک نقلی وعقلی دلائل سے ثابت کر کے مرزا قادیانی کی قرآن فہمی سے متعلق بتایا ہے کہ مذکورہ شخص اپنے فطری ذوق کی تشنگی بجھانے کے لئے خوف خدا سے نڈر ہوکر قرآن حکیم کو بھی کذب بیانی کا تختۂ مشق بناتے ہوئے نہیں شرماتا اور اپنی امت کو بے دینی کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اب امت قادیانی کے باضمیر (اگر ضمیر نام کی تھوڑی سی پونجی ان کے دامن قلب میں ہے) افراد کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرزا قادیانی کے بے دینی وبے یقینی میں بھٹکنے کی بجائے خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی امت میں شامل ہوکر اسلام کا صاف اور سیدھا راستہ اختیار کر کے فلاح دنیوی واخروی حاصل کریں۔ بقول مرزا قادیانی: ’’اور اگر اس اشتہار (ہماری کتاب ناقل فاروقی) کے بعد بھی کوئی سچا طالب بن کر اپنی عقیدہ کشائی نہ چاہے اور دلی صدق (کذب نہیں۔ ناقل فاروقی) سے حاضر نہ ہوا۔ (امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں شامل نہ ہو۔ ناقل فاروقی) تو ہماری طرف سے اس پر اتمام حجت ہے۔ جس کا خداتعالیٰ کے روبرو اس کو جواب دینا پڑے گا۔‘‘ ’’والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ‘‘

(آئینہ کمالات اسلام آخری صفحات بطور ضمیمہ بعنوان اشتہار ص۱۸، خزائن ج۵ ص۶۳۰)

ازالہ اوہام وآئینہ کمالات اسلام یا دافع الوساوس کے دو سابقہ حوالوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم جس امر پر بحث کرنا چاہتے ہیں وہ مرزا قادیانی کی گل پاشیوں کا ایک عام نمونہ اور اس کے قلمی اخلاق کی بلندیوں کی کمینگی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد قادیانی کیمپ میں کھلبلی مچ جائے گی۔ تہلکہ برپا ہو جائے گا۔ کہرام کا شور اٹھ کھڑا ہوگا۔ قادیانیوں کے بدنوں کو کپکپی لگ جائے گی۔ منہ سے جھاگ بہنے لگے گی۔ جبڑے بھنچ جائیں گے۔ دانت پیسنے لگیں گے۔ پھر اس دین کے شرفاء شرم سے منہ چھپائیں گے اور نجباء مرزا قادیانی کو عطائے تو بلقائے تو کہہ کر ایسے دین اور ایسے دین کے داعی پر لعنت بھیج کر اس کو ترک کر دینے سے متعلق سوچیں گے۔

معذرت

ہر بھلے آدمی کے لئے لازم ہے کہ ہر عورت کا احترام کرے اور کسی عورت کے دامن کی پاکیزگی بہتان طرازی کی بکواس کی کیچڑ سے آلودہ نہ کرے۔ بہتان باندھنا شرافت ونجابت سے بعید پرلے درجے کا کمینہ پن اور اخلاقی پستی کی انتہاء ہے۔ سوائے اس کے کہ بدکاری کے چشم دید گواہوں کے سبب رسوا ہوچکی ہو۔ ہم دنیا کی تمام پاک دامن خواتین کا احترام کرتے ہیں اور ان میں کسی پر بھی بہتان کا طوفان کھڑا کرنا انسانیت کی توہین سمجھتے ہیں۔ ہم قادیانی امت سے معذرت خواہ ہیں کہ ہمیں بادل نخواستہ ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھانا پڑا ہے جو مرزاقادیانی کا دلچسپ موضوع رہا ہے۔ جراح کو گندہ مواد نکالنے کے لئے مجبوراً نشتر چلانا پڑتا ہے۔ پھر گندہ مواد جتنا زیادہ ہو نشتر اتنا ہی گہرا جائے گا اور مواد جتنا زیادہ گندا ہوگا باہر نکلنے سے اتنی ہی زیادہ بدبو پھیلے گی۔ اف! عفونت کی کی پوٹلی تیرا ستیاناس! اب مرزاقادیانی کے قلم کی گلریزی ملاحظہ کریں۔ اپنی کتاب آئینہ کمالات یا دافع الوساوس میں پہلے اپنی تصانیف کے نام گناتا ہے۔ براہین احمدیہ، الکحل، توضیح، ازالہ، فتح الاسلام اور دافع الوساوس۔ پھر ان کتابوں کی تعریف لکھتا ہوا اپنی اخلاقی کرتوت کا یوں اظہار کرتا ہے۔ **’’تلک کتب ینظر الیها کل مسلم بعین المحبة والمؤدة وینتفع من معارفها ویقبلنی ویصدق دعوتی الاذریة البغایا الذین ختم اللّٰہ علٰی قلوبهم فهم لا یقبلون‘‘**

(آئینہ کمالات اسلام/ دافع الوساوس ص۵۴۷،۵۴۸، خزائن ج۵ ص۵۴۷،۵۴۸)

یہ کتابیں ہیں جن کی طرف تمام مسلمان محبت ومؤدت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے معارف سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور مجھے قبول کرتے ہیں اور میری دعوت کی تصدیق کرتے ہیں۔ بدکار عورتوں کی اولاد کے سوا ان کے دلوں پر اللہ نے مہر کردی ہے۔ پس وہ قبول نہیں کئے جائیں گے۔

عربی عبارات مرزاقادیانی کی ہے اور ترجمہ اردو ہمارا ہے۔ چونکہ ہمیں لفظ ذریت البغایا بحث کرنا ہے اس لئے لفظ بغایا پر ہم قرآن حکیم سے شہادت پیش کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی پیدائش کے موقع پر جب یہودی علماء واکابر حضرت سیدہ مریم صدیقہ علیہا السلام سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں: **’’وما کانت امک بغیا‘‘** اور نہ تھی ماں تیری بدکار اور نہ تھی تیری ماں بدکار۔ (ترجمہ: فخرالدین قادیانی، روشن علی قادیانی، محمد علی لاہوری قادیانی)

دیکھ لیا علماء واکابر یہود نے بھی حضرت سیدہ صدیقہ علیہا السلام کو براہ راست اس لفظ سے خطاب نہیں کیا۔ انہیں حیا دامن گیر ہوئی اور بالواسطہ حضرت سیدہ صدیقہ علیہا السلام کی والدہ ماجدہ کی پاک دامنی کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ تیری ماں تو بدکار نہ تھی۔ مرزا قادیانی کی اخلاقی پستی کے سامنے ذلت کی ماری ہوئی مغضوب قوم یہود کا اخلاق بھی کتنا بلند نظر آتا ہے۔

ہائے وہ بلندیاں ہائے یہ پستیاں

اے قادیانی امت! تو نے دیکھ لیا کہ قادیانی مرزا نے اپنی جن کتابوں کے نام گنائے ہیں اس میں ہماری پیش کردہ دونوں کتابیں ازالہ اوہام وادافع الوساوس میں بھی شامل ہیں۔ اب ازالہ اوہام، دافع الوساوس کی وہ عبارتیں پھر پڑھ لیجئے تاکہ ان کی یاد تازہ ہو جائے۔ ازالہ اوہام میں لکھا ہے: ’’اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی بپایہ ثبوت نہیں پہنچتا۔‘‘

پھر آپ کا یہی مرزا قادیانی اپنی تصنیف دافع الوساوس اس طرح لکھتا ہے: ’’اور حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن شریف سے ثابت ہے۔ مگر پھر بھی مٹی کی مٹی تھے۔ اب اگر آپ مرزا قادیانی تصنیف ازالہ اوہام کو محبت ومؤدت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کے معارف سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو آپ یقیناً ازالہ اوہام کی اس عبارت کی سچائی پر ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پرندوں کی پرواز قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ پھر صاف ظاہر ہے کہ آپ مرزا قادیانی کی تصنیف دافع الوساوس کو محبت ومؤدت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور اس کے معارف سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور دافع الوساوس کی اس عبارت کی سچائی پر ایمان نہیں رکھتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی چڑیوں کی پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے۔ پس بقول آپ کے مرزا قادیانی کے آپ ذریت البغایا یعنی بدکار عورتوں کی اولاد ہیں۔‘‘

اور اگر آپ کتاب دافع الوساوس کو محبت ومؤدت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کے معارف سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو آپ یقیناً دافع الوساوس کی اس عبارت کی سچائی پر ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی چڑیوں کی پرواز قرآن شریف سے ثابت ہے۔ پھر صاف ظاہر ہے کہ آپ مرزا قادیانی کی تصنیف ازالہ اوہام کو محبت ومؤدت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور اس کے معارف سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور ازالہ اوہام کی اس عبارت کی سچائی پر ایمان نہیں رکھتے۔ بلکہ اس عقیدے کو بالکل غلط سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پرندوں کی پرواز قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں۔ پھر بقول مرزا قادیانی ثابت ہوا کہ آپ ذریت

البغایا یعنی بدکار عورتوں کی اولاد ہیں۔

مندرجہ بالا مطالب کو یوں بھی پیش کیا جاسکتا ہے کہ مرزا قادیانی کی دو تصانیف ازالہ اوہام ودافع الوساوس ہیں۔ پوری قادیانی امت کو مرزا قادیانی مخاطب کر کے کہتا ہے کہ اے میری سچائی پر ایمان لانے والو! اگر تم ایمان رکھتے ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پرندوں نے پرواز نہیں کی۔ حالانکہ قرآن کریم سے پرواز ثابت ہے۔ اس لئے قرآن کریم کی گواہی کی روشنی میں تم ذریعت البغایا یعنی بدکار عورتوں کی اولاد ہو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو کہ حضرت مسیح کی چڑیوں نے پرواز کی تھی۔ حالانکہ ان کی پرواز قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں اس لئے قرآن شریف کی روشنی میں تم ذریت البغایا یعنی بدکار عورتوں کی اولاد ہو۔ کیا آپ وسوسے کے بغیر اپنے آپ کو ذریت البغایا یعنی بدکار عورتوں کی اولاد ماننے کے لئے تیار ہیں اور کیا ازالہ اوہام ودافع الوساوس کے یہی معنی ہیں۔

مرزا قادیانی کے پیروکارو! ہم بطور انسانی ہمدردی آپ کو ضمیر کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ اگر آپ غیرت کی تھوڑی پونجی سے بہرہ ور ہیں تو سوچئے کہ مرزا قادیانی مندرجہ بالا دو نقیضوں کو قرآن شریف سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر کے جہاں اپنے علم ومعارف کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑا ہے وہاں آپ کے دل میں قرآن حکیم سے متعلق یقین وبے یقینی کا پھسپھسا اور منافقانہ ایمان پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر یقین وبے یقینی کی فضا ہموار کر کے اپنی پوری امت کو ذریت البغایا یعنی بدکار عورتوں کی اولاد بنا کر رکھ دیا ہے۔ اگر آپ میں غیرت کی تھوڑی سی رمق باقی ہے تو غور کیجئے کہ آپ کو ذریت البغایا یعنی بدکار عورتوں کی اولاد کہہ کر دیوثی کے جال میں پھنسانے والے کو بھی حق حاصل ہے کہ اپنی جعلی ثبوت کا لوہا آپ سے منوائے۔ کوئی باغیرت انسان ایک لمحہ بھر کے لئے بھی ایسے شخص کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ آپ اس ہنومان کی دم سے کب تک بندھے رہیں گے۔ یقین کیجئے یہی مسخرہ شیطان جو اپنی امت سے بھی مسخرہ پن سے باز نہیں رہتا۔ یہی مسخرہ شیطان (۱۳۰۰) آپ کو تگنی کا ناچ کب تک نچاتا رہے گا۔ آپ نے دیکھا خوف خدا سے نڈر ہو کر آداب واخلاق کی حدود پھلانگ کر غیر ذمہ دارانہ قلم کا نتیجہ کتنا عبرت آموز نکلتا ہے۔

فصل سوم

اب پھر مرزا قادیانی کے متذکرہ الصدر حوالوں کو پھر پڑھئے۔ مرزا قادیانی کی تصنیف ازالہ اوہام میں لکھا ہے کہ: ’’حضرت مسیح علیہ السلام کے پرندوں کا پرواز قرآن شریف سے ہرگز

ثابت نہیں بلکہ ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی بپایہ ثبوت نہیں پہنچتا۔‘‘

پھر یہی قادیانی مرزا اپنی تصنیف آئینہ کمالات یا دافع الوساوس میں لکھتا ہے: ’’اگرچہ حضرت مسیح علیہ السلام کی چڑیوں کا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ پھر بھی وہ مٹی کے مٹی تھے۔‘‘

علاوہ اپنی دوسری تصانیف ان دو کتابوں سے متعلق اپنی کتاب دافع الوساوس جو کچھ لکھا ہے اسے ہم علیحدہ علیحدہ اجزاء میں تقسیم کر کے لکھتے ہیں:

۱...... تمام مسلمان ان کتابوں کو محبت ومؤدت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

۲...... ان کے معارف سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۳...... مرزا قادیانی کو قبول کرتے ہیں۔

۴...... مرزا قادیانی کی دعوت کی تصدیق کرتے ہیں۔

ورنہ وہ ذریۃ البغایا یعنی بدکار عورتوں کی اولاد ہیں۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مرزا قادیانی خود ان شرائط پر کہاں تک پورا اترا ہے یا وہ بھی اپنے کھودے ہوئے کنویں میں گر گیا ہے۔ مرزا قادیانی کی عبارتوں کا تجزیہ کیجئے۔ دیکھئے مرزا قادیانی کی دونوں کتابوں کی عبارتیں ایک دوسرے کی تردید وتغلیط کر کے ایک دوسرے کو جھوٹا قرار دے رہی ہیں۔ اب ہم دھڑلے سے صاف بات کہہ سکنے کے مقام پر پہنچ گئے ہیں۔

۱...... مرزا قادیانی نے ازالہ اوہام ودافع الوساوس میں سے یقیناً ایک کتاب کو محبت ومؤدت کی نظر سے نہیں دیکھا (حقیقت میں دونوں کتابیں قابل اعتبار نہیں رہیں) صرف یہی نہیں کہ محبت ومودت کی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ قرآن حکیم کی گواہی دوسری کتاب کو جھوٹا قرار دے کر اپنی ہی قول کے مطابق ذریت البغایا یعنی بدکار عورتوں کی اولاد کی صف میں شامل ہوا۔

۲...... ان دونوں کتابوں کے معارف سے قادیانی مرزا نے یہی فائدہ حاصل کیا کہ ان دونوں کتابوں میں سے ایک میں قرآن حکیم کی گواہی کا غلط سہارا لے کر دونوں جہانوں کی روسیاہی خریدی اور اپنے ہی لکھے کو حقیقت کا لباس پہنا کر ذریۃ البغایا (ذریت البغایا) بدکار عورت کی اولاد کا مصداق ٹھہرا۔

۳...... مرزا قادیانی نے ان دونوں کتابوں میں سے ایک کتاب کی عبارت کو قبول کیا اور اپنی ہی تصنیف کی ہوئی دوسری کتاب کو قبول نہیں کیا۔ لہٰذا خود ہی اپنی نگاہ میں نامقبول ہوا۔ اس لحاظ سے بھی اپنے قول کے مطابق ذریۃ البغایا یا ذریۃ البغایا یعنی بدکار عورت کی اولاد ثابت ہوا۔

۴...... مرزا قادیانی نے اپنی دعوت کی تصدیق نہیں کی بلکہ اپنی ان دونوں کتابوں کی عبارتوں کے ذریعے اپنے حوالوں کی تکذیب کر کے خود کردہ را علاجے نیست کے مطابق اپنی ہی تحریروں کو گواہ کرے۔ نہایت ڈھیٹ پن کے ساتھ اپنے آپ کو ذریۃ البغایا بدکار عورتوں کی اولاد میں فخر کے ساتھ شامل کیا۔

(نوٹ) یاد رہے کہ اگرچہ مرزا قادیانی نے اپنی طبعی خصوصیت کی وجہ سے مسلمانان عالم کو گالیاں دینے میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی۔ لیکن میں ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے قادیانی مرزا کی والدہ کا احترام کرتا ہوں۔ مندرجہ بالا موضوع تو مرزا قادیانی اپنا منتخب کیا موضوع ہے۔ ورنہ میں مرزا قادیانی کی والدہ کو پاک دامن خاتون گمان کرتا ہوں۔ مجھے بدگمان ہونے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ مرزا قادیانی کی قلمی اخلاقی پستی ہی ایسی ہے کہ مجبوراً یہ انداز اختیار کرنا پڑا ہے۔ کیونکہ اس کے الفاظ ہی بہت نچلی سطح کے ہوتے ہیں۔ مرزا قادیانی نے ذریۃ البغایا کا لفظ اور اس سے بھی گرے ہوئے الفاظ اپنی تصانیف میں بکثرت استعمال کئے بشرط زندگی وہ الفاظ بھی کسی وقت زیر بحث آئیں گے۔ ’’**وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم**‘‘

قادیانی امت کے فرزندو! آپ متذبذب ہوں گے کہ مرزا قادیانی تو بڑا ہوشیار بنتا تھا۔ پھر ذریۃ البغایا یعنی بدکار عورتوں کی اولاد والے اپنے پھیلائے ہوئے جال میں کیسے پھنس گیا کہ آپ نے نہیں دیکھا کہ مرزا قادیانی نے روح اللہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے مشہور معجزے سے متعلق قرآن حکیم کی آیت کے معنی بدلنے کی گستاخی کی ہے اور اس کے جھوٹ کا پول اسی کی گواہی نے کھول دیا ہے۔ ایسی چالاکیوں سے وہ اپنے قلم کی فنکاری سمجھتا ہے۔ لیکن بدبخت نہیں جانتا کہ ایسے کاموں سے اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آجاتا ہے۔ پھر ایسا شخص اپنی ہی کرتوتوں سے دنیا میں خائب وخاسر ہوکر آخرت میں ہاویہ میں اپنا ٹھکانا بناتا ہے۔

	مغضوب الٰہی ہوا	مغضوب	الٰہی	ہوا
۱۸۴۸	۱۹۰۸	م ۴۰۰	ا ۱	ہ ۵
۴۷		غ ۱۰۰۰	ل ۳۰	و ۶
۱۳		ض ۸۰۰	' ۱	ا ۱
		و ۶	ہ ۵	ء ۱
		ب ۲	ی ۱۰	
۱۹۰۸		۱۸۴۸	۴۷	۱۳

۱۹۰۸ء مرزا قادیانی کی موت کی تاریخ ہے۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

تفسیر

آیت رفع عیسی علیہ السلام

مولانا سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله محمد واٰله واصحٰبه اجمعین. اما بعد!

احقر افقر محمد حسین سین عن الشین کے پاس فیصل آباد سے ایک سوال نامہ آیا تھا۔ جس میں مرزائی امت کی فرسودہ باتوں کے بارے پوچھا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ علمائے حق ان سوالوں کے مسکت جواب دے کر فارغ ہوچکے تھے۔ منیب لوگ تو وہ جواب سن کر بڑے مطمئن ہوتے رہے اور دل میں ان کے تمام شکوک رفع ہوتے رہے۔ مگر معاندین کو جس قدر بھی جواب ملتا رہے وہ کچھ نہ کچھ اوّل میں سے چول نکالتے ہی رہتے ہیں۔ اردو میں اس محاورہ کے موافق کہ وہی مرغ کی ایک ٹانگ۔

اب چونکہ انہوں نے مجھ سے یہ سوالات کئے ہیں۔ اس لئے اب میرا فرض بنتا ہے کہ میں اس کا جواب دوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے جواب دینے میں حق گوئی کی توفیق عطاء فرمائے اور باطل وغلط استدلال وجوابات سے محفوظ ومصئون رکھے۔ **وما توفیقی الا باللہ علیه توکلت والیه انیب!**

پہلے ان کی طرف سے آمدہ سوالات درج کرتا ہوں اس کے بعد بالترتیب جواب دوں گا۔

سوالات

۱...... قرآن حکیم کی کون سی آیات ثابت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بہ جسد عنصری آسمان پر اٹھائے گئے؟

۲...... قرآن کریم کی کون سی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بہ جسد عنصری آسمان سے زمین پر نزول فرمائیں گے؟

۳...... وہ کون سی احادیث مبارکہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ بہ جسد عنصری آسمان پر اٹھائے گئے۔

۴...... وہ کون سی احادیث مبارکہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہ جسد عنصری آسمان سے زمین پر نزول فرمائیں گے؟

۵...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ وہ کون سے صحابہ کرام ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کی کسی آیت کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ بہ جسد عنصری آسمان پر جانا اور

زندہ بہ جسد عنصری آسمان سے زمین پر نازل ہونا بیان فرمایا ہے؟

۶...... قرآن حکیم کے دو الفاظ ایسے ہیں جن کے معانی کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ’’توفی‘‘ اور ’’رفع‘‘ قائلین وفات مسیح کہتے ہیں کہ قرآن حکیم میں لفظ توفی کے مختلف مقامات پر استعمال کو پڑھ کر اور تدبر کرنے سے یہ اصول متعین ہوتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ فاعل ہو، کوئی ذی روح مفعول ہو اور توفی کا فعل استعمال ہو تو اس لفظ کے معانی صرف اور صرف قبض روح کے ہوتے ہیں جس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ نیند یا موت اور یہ لفظ قرآن کی کئی آیات میں استعمال ہوا ہے۔ جو ان معانی کی تائید کرتی ہیں اور اگر اس کے برعکس معانی کئے جائیں تو ایسا مفہوم نکلتا ہے جو کسی کو بھی قابل قبول نہیں۔ مثلاً: (۱) ’’**ھو الذی یتوفکم باللیل** (انعام)‘‘ (۲) ’’**وتوفنا مع الابرار** (اٰل عمران)‘‘ (۳) ’’**واللہ خلقکم ثم یتوفکم** (نحل)‘‘ وغیرہ۔

قائلین حیات مسیح کہتے ہیں کہ توفی کا لفظ قبض روح مع الجسم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ ان معانی کی تائید کون سی آیات قرآنی سے ہوتی ہے اور ان کی روشنی میں کیا اصول متعین ہوتا ہے؟

۷...... دوسرا لفظ ’’رفع‘‘ ہے۔ قائلین وفات مسیح کہتے ہیں کہ آیات قرآنیہ کی روشنی میں یہ اصول متعین ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور کوئی ذی روح مفعول ہو اور فعل رفع ہو تو اس کے معنی شرف اور بزرگی اور بلندئ درجات کے عطاء کئے جانے کے ہوتے ہیں۔ ان آیات قرآنی کو وہ ان معانی کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) ’’**ولو شئنا لرفعنٰہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض**‘‘

(۲) ’’**ورفعناہ مکانا علیا**‘‘

قائلین حیات مسیح رفع سے مراد جسم وروح سمیت آسمان پر زندہ اٹھالینا لیتے ہیں۔ ان معانی کی تائید آیات قرآنی کرتی ہیں اور ان سے کیا اصول متعین ہوتا ہے؟

اگر ’’**ما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ**‘‘ والی آیت میں کوئی خاص معانی پوشیدہ ہیں تو وہ کیا ہیں اور ان معانی کا تعین کس اصول کے تحت کیا گیا؟ اور کون سی آیات قرآنی ان معانی کی تائید کرتی ہیں۔

الجواب المستطاب بعون الملک الوھاب

قرآن پاک میں ’’جسد عنصری کے ساتھ زندگی‘‘ کا مطالبہ قرآنی لہجہ سے ناواقفی کا

ثبوت ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں اسی جسد عنصری میں روح ڈالنے اور اسی جسد عنصری سے روح نکالنے کا بھی ذکر ہے۔ مگر اس کی تعبیر اس لفظ کے ساتھ کہیں نہیں کی گئی۔ بلکہ عنصری کا لفظ ہی سارے قرآن میں کہیں نہیں۔ احیاء وامانۃ، حیات وممات، موت وحیات کے الفاظ ان معنوں میں عام ملتے ہیں۔ مثلاً ’’اذ حضر یعقوب الموت‘‘ جب یعقوب علیہ السلام کو موت آ پہنچی۔ ’’ثم بعثنا کم من بعد موتکم‘‘ پھر ہم نے تم کو جلا اٹھایا تمہارے مرے بعد ’’فتمنوا الموت‘‘ پھر موت کی آرزو کر دیکھو۔ ’’اذا حضر احد کم الموت‘‘ جب تم میں سے کسی کو موت آتی معلوم ہو۔ ’’قال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم‘‘ اللہ نے ان سے کہا کہ مر جاؤ۔ پھر اس نے انہیں جلا دیا۔ ’’ربی الذی یحیی ویمیت‘‘ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے۔ ’’افان مات‘‘ کیا پس اگر وہ مر جائے۔ ’’فلما قضینا علیہ الموت‘‘ پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم جاری کیا ’’مادلھم علی موتہ الا دابۃ الارض‘‘ تو جنات کو کسی چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتایا مگر گھن کے کیڑے نے۔ علیٰ ہذا القیاس!

بہت سی آیات ہیں جن میں موت وحیات سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جسد عنصری کا لفظ کہیں بھی استعمال نہیں فرمایا گیا۔

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے کچھ تھوڑی سی تمہید بیان کر کے عرض کروں گا۔ یہ تو سب کے ہاں مسلم ہے کہ قرآن حکیم بائبل کی غلطیوں کی اصلاح فرماتا ہے۔ اسی طرح ہر باطل نظریہ کی تردید فرماتا ہے اور جو بات صحیح ہوتی ہے اس کی تصدیق فرماتا ہے۔

اب سنئے! ان باطل نظریوں میں سے ایک نظریہ یہ تھا جو یوحنا ۱۸:۱۲ میں ہے۔ سپاہیوں اور صوبہ دار اور یہودیوں کے پیادوں نے مل کر یسوع کو پکڑا اور اسے باندھا اور پہلے اسے حنان کے پاس لے گئے۔ ۱۸:۲۲ میں ہے پیادوں میں سے ایک نے جو پاس کھڑا تھا یسوع کو طمانچہ مار کر کہا تو کاہن اعظم کو ایسا جواب دیتا ہے؟...... اور حنان نے اسے بندھا ہوا قیافا کاہن اعظم کے پاس بھیج دیا۔ ۱۸:۲۸ میں ہے تب یسوع کو قیافا کے پاس سے قلعہ میں لے گئے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ اگر یہ بدکار نہ ہوتا تو ہم اسے تیرے حوالے نہ کرے۔ پیلاطس نے ان سے کہا تم اسے لے جاؤ اور اپنی شریعت کے مطابق اسی پر فتویٰ لگاؤ۔ یہودیوں نے اس سے کہا ہم کو روا نہیں کہ کسی کو سزائے موت دیں۔ تب پیلاطس نے یسوع کو لے کر کوڑے لگوائے اور سپاہیوں نے کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا اور اسے ارغوانی پوشاک پہنائی اور اس کے پاس آ آ کر کہتے رہے۔ اے یہودیوں کے بادشاہ سلام اور انہوں نے اسے طمانچے مارے۔

مگر حضرت حق تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے اس باطل نظریہ کی صراحت کے ساتھ مختصر لفظوں میں تردید فرمائی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ’’اذ کففت بنی اسرائیل عنک ‘‘یعنی وہ وقت بھی یاد کرو جب میں نے بنی اسرائیل کے پلید ہاتھوں کو آپ کی ذات پاک سے روک رکھا تھا تو جب ان کے پلید ہاتھ آپ کی گرامی ذات تک پہنچ ہی نہیں سکے تو پیادوں کا آپ کو پکڑنا، باندھنا طمانچے مارنا کوڑے لگانا، کانٹوں کا تاج بنا کر آپ کے سر پر رکھنا وغیرہ سب کے سب امور صاف طور پر رد ہو گئے۔

پھر یہود کا یہ غلط نظریہ خود قرآن پاک نے نقل فرمایا۔ ’’انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ ‘‘ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر ڈالا جو مسیح اور اللہ کے پیغمبر ہیں اور یہود اس نظریہ کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔

مگر حضرت حق تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے اس نظریہ باطل کی فوراً بلاتاخیر تردید فرمائی۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا: ’’وما قتلوہ ‘‘یعنی درحقیقت حال یہ ہے یہود نے اس (عیسیٰ بن مریم) کو قتل نہیں کیا۔ (یہود جھوٹ بولتے ہیں)

اور متی ۲۷:۳۱ میں ہے اور جب وہ اس پر ٹھٹھا کر چکے تو چغے کو اتار کر پھر اسی کے کپڑے اسے پہنائے اور مصلوب کرنے کو لے چلے......اور جب انہوں نے اسے مصلوب کیا تو اس کے کپڑوں کو قرعہ ڈال کر بانٹ لیا۔

اور لوقا: ۲۳:۳۳ میں ہے اور جب وہ اس مقام پر پہنچے جسے کھوپری کہتے ہیں تو وہاں اسے صلیب دی۔

اور یوحنا: ۱۹:۱۸ میں ہے اور وہاں انہوں نے اسے صلیب دی۔

مگر حضرت حق تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے صاف صریح لفظوں میں اس باطل نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ’’وما صلبوہ ‘‘اور ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو سولی پر چڑھایا ہی نہیں۔ (اور ان کی کتابوں میں غلط لکھا ہوا ہے)

لیکن جو باتیں ان کے ہاں واقع کے مطابق ہوتی ہیں قرآن پاک بلاجھجک ان کی تصدیق فرماتا ہے۔ چنانچہ یہاں ایک نظریہ ایسا ہے جو عیسائیوں میں عقیدہ مشہور تھا اور وہ ہے عیسیٰ بن مریم کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا۔

مرقس: ۱۶:۱۹ میں ہے اور خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

لوقا: ۲۴:۵۱ میں ہے اور ایسا ہوا کہ جب وہ ان کو برکت دے رہا تھا تو ان سے جدا ہو گیا

اورآسمان پراٹھایا گیا۔

رسولوں کے اعمال:۱:۲ میں ہے۔شروع سے لے کراس دن تک جس میں وہ روح القدس سے اپنے ان رسولوں کوجن کواس نے چن لیا تھا حکم دے کراوپراٹھایا گیا۔

یوحنا:۱۲:۳۲ میں ہے اور میں جب زمین سے اٹھایا جاؤں گا تو سب کواپنے پاس کھینچوں گا۔

اوراس نظریہ کی تردید کرنے کی بجائے اس کی تصدیق فرمائی۔''بل رفعه الله الیه'' بلکہ آپ کواللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔''وکان الله عزیزا حکیما'' کیونکہ اللہ بڑاقوت والاہے بڑاحکمت والاہے۔

اس مقام پر''رفعه الله الیه''فرمایااوردیگر پیغمبروں کے بارے ایسے مقام پر''رفعه الله الیه''نہیں فرمایا بلکہ''انجاه الله''یا''نجّه الله''فرمایا۔جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا''فانجینٰه والذین معه فی الفلک''(توہم نے نوح کواوران لوگوں کوجو کشتی میں ان کے ساتھ سوار تھے طوفان سے نجات دی)

اورحضرت ہودعلیہ السلام کے بارے میں فرمایا:''فانجینٰه والذین معه برحمة منا''(پس ہم نے اپنی رحمت سے ہودکواوران لوگوں کوجوان کے ساتھ تھے بچالیا)

اورصالح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:''فلما جآء امرنا نجینا صالحاً والذین اٰمنوا معه برحمة منا''پس جب ہماراحکم عذاب کاآ پہنچاتوہم نے صالح کواوران لوگوں کوجوآپ کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی مہربانی سے نجات دی۔

اورلوط علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:''فنجیناه واهله الا امراته''پس ہم نے لوط کواوران کے گھروالوں کوعذاب سے نجات دی۔مگرایک دن کی بیوی کہ پیچھے رہ جانے والوں میں وہ بھی رہی۔

اورحضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:''ولما جآء امرنا نجینا شعیباً والذین امنوا معه برحمة منا''اورجب ہماراحکم عذاب کاآ پہنچاتوہم نے اپنی مہربانی سے شعیب کواوران لوگوں کوجوان کے ساتھ ایمان لائے تھے بچالیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:''فما کان جواب قومه الا قالوا اقتلوه اوحرقوه فانجه الله من النار''پس ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے پاس ان کی باتوں کا اس کے سوااورکوئی جواب ہی نہ تھا کہ آپس میں لگے کہنے کہ اس کومارڈالویااس کوجلادو۔چنانچہ ان

کو آگ میں پھینک دیا۔ مگر خدا نے ان کو آگ سے نجات دی۔ اسی طرح دوسرے پیغمبروں اور مؤمنین کے بارے ایسے ہی ارشاد فرمایا۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے اسلوب کلام دوسرا اختیار کیا اور بجائے ’’انجیه الله من الصلیب ‘‘ کے ’’بل رفعه الله الیه ‘‘فرمایا۔ اگر عیسائیوں کا وہ عقیدہ جو انہوں نے اپنی انجیلوں میں لکھا ہے کہ یسوع مسیح کو آسمان پر اٹھالیا گیا۔ غلط تھا تو قرآن حکیم نے اور غلطیوں کو صاف صاف اور صریح لفظوں میں تردید فرمائی ہے۔ اسی طرح اس غلط عقیدہ کی صراحت سے تردید فرماتا۔ مثلاً ارشاد ہوتا: ’’وما قتلوه وما صلبوه وما رفع الی السماء بل انجیه الله من الصلیب وهاجر الیٰ کشمیر ‘‘معنی یہ ہوتے کہ نہ یہود نے آپ کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا اور نہ ہی ان کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صلیب سے بچالیا اور آپ کشمیر کی طرف ہجرت کر کے تشریف لے گئے۔

مگر چونکہ یہ بات حق تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا اس لئے مسیحیوں کے اس نظریہ پر ’’بل رفعه الله الیه ‘‘ کہہ کر مہر تصدیق ثبت فرمادی۔

چونکہ مسیحیوں کا عقیدہ آسمان پر صعود عیسیٰ کا تھا۔ اس لئے ’’رفعه الله الیه ‘‘ سے متبادر الیٰ الذہن یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یہاں سے مراد رفع الیٰ السماء ہی ہے اور وہی یہاں مراد ہے۔ ورنہ حضرت حق تعالیٰ اس وہم کو رفع کرنے کے لئے کوئی قید ایسی لگاتا جس سے ذہن متبادر مفہوم سے ہٹ کر دوسرے مفہوم کی طرف منتقل ہوتا۔ مثلاً ’’بل انجینه الله من الصلیب ورفعه الله مکانا علیا ‘‘

نیز رفع کے حقیقی معنی ہیں جسم مادی کو اٹھانا جیسے امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں لکھا ہے کہ ’’الرفع یقال فی الاجسام الموضعة اذا علیتها عن مقرها ‘‘نیچے دھرے ہوئے جسم کو اپنے مقام سے اٹھا کر اوپر رکھ دینا اور مرتبہ کا بلند ہونا یا کرنا یہ حقیقی نہیں ہے بلکہ مجازی معنی ہے اور قاعدہ مسلمہ علماء کرام کا ہے کہ جب حقیقت متعذر یا مہجور نہ ہو بلکہ مستعمل ہو تو جب تک قرینہ صارفہ مجاز کا نہ ہو تو حقیقی معنی ہی مراد لیا جاتا ہے۔ مجاز مراد نہیں لیتے اور یہاں حقیقی معنی نہ متعذر رہے نہ مہجور رہے اور نہ ہی کوئی قرینہ صارفہ ہے اس لئے حقیقی معنی ہی متعین ہوگا۔

فہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل لسان تھے۔ عربی ان کی مادری زبان تھی۔ فصاحت وبلاغت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ قرآن مجید کے اولین مخاطب اور حضرت نبی کی ذات پاک بحیثیت معلم کے

ان میں تشریف رکھتے تھے۔ ذرا سا شک ہوتا تو حضرت نبی کریم ﷺ سے براہ راست پوچھ کر اپنے شک کا ازالہ فرما لیتے تھے اور اس مقام میں جس میں ہماری گفتگو ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت نبی کریم ﷺ کی معصوم زبان سے یہ عبارت قرآن مجید سے سنی تھی تو انہوں نے کیا مطلب سمجھا تھا جو بھی سمجھا وہ ہمارے لئے حجت ہے۔

اب یہاں کتب احادیث کا سرسری مطالعہ سے بھی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تصریح فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قیامت کے قریب زمین پر واپس تشریف لائیں گے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں بطور نمونہ کے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام بھی ارقام فرمائے ہیں۔ من جملہ ان کے مجمع بن جاریہ، عمران بن حصین، نافع بن عینیہ، ابوبردہ، ابوامامہ، حذیفہ بن اسید، ابوہریرہ، کیسان، عثمان بن ابی العاص، جابر، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو، سمرۃ بن جندب، نواس بن سمعان، عمرو بن عوف، حذیفہ بن الیمان۔

خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (جن کے بارے میں خود مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی مشہور کتاب ازالۃ الاوہام میں لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بوجہ دعا نبوی قران کو سب سے اچھا سمجھتے تھے) نے بڑی صراحت کے ساتھ رفع عیسیٰ الی السماء کو ذکر فرمایا ہے۔ جیسے مفسر ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے ج۳ ص۲۲۸ میں محدث سعید بن منصور ونسائی وابن ابی حاتم وابن مردویہ کے حوالوں سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی بات نقل فرمائی۔ ''**لما اراد اللّٰہ ان یرفع عیسٰی الٰی السمآء خرج الٰی اصحابہ وفی البیت اثنا عشر رجلا من الحواریین فخرج علیہم من عین من البیت وراسہ یقطر ماء فقال...... ورفع عیسٰی من روزنۃ فی البیت الٰی السمآء** ''یعنی جب اللہ کا ارادہ ہوا عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لے جانے کا تو آپ اپنے اصحاب کے پاس تشریف لانے لگے جو بارہ حواری تھے۔ جب آپ مکان کے ایک مقام سے نکلے تو آپ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے......تو عیسیٰ علیہ السلام کو مکان کے ایک روزن میں سے نکال کر آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔

ابن کثیر نے کہا کہ یہ روایت صحیح ہے اس کے سب راوی صحیح کے راوی ہیں۔ اسی طرح روح المعانی ج۱ ص۵۹۵ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''**فرفعہ جبرئیل علیہ السلام من الکوۃ الٰی السمآء** ''جبرائیل علیہ السلام کوہ سے آسمان کی طرف آپ کو اٹھا لے گئے۔

اور روح المعانی ج۲ ص۲۱۰ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے: ''**فرفعہ منہ**

الیٰ السماء‘‘ جبرائیل علیہ السلام آپ کو مکان میں لے جاکر کوہ سے آسمان کی طرف اٹھالیا۔

سراج المنیر میں نسائی وابن مردویہ کے حوالے سے ابن عباسؓ کی روایت ہے۔ ’’فاجتمعت الیهود علیٰ قتله فاخبره الله بانه یرفعه الیٰ السماء ویطهره من الیهود‘‘ یعنی تمام یہودیوں نے آپ کے قتل کرنے پر اتفاق کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آسمان کی طرف اٹھائے گا اور یہود کے شر سے آپ کو پاک کردے گا۔

اجماع امت محمدیہ

حتیٰ کہ ابن حجر محدث کنانی عسقلانیؒ نے تلخیص الحبیر ص۳۰۹ میں لکھا: ’’واما رفع عیسیٰ فاتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی رفعه ببدنه حیا‘‘ یعنی تمام محدثین ومفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مع اپنے بدن (عنصری) کے زندہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا ہے۔

بحر محیط ج۲ ص۴۷۳ میں ابن حیان اندلسیؒ نے لکھا: ’’قال ابن عطیه واجمعت الامة علی ماتضمنه الحدیث المتواتر من ان عیسیٰ فی السماء حی وانه ینزل فی آخر الزمان‘‘ مفسر ابن عطیہ نے فرمایا کہ احادیث متواترہ کی وجہ سے تمام امت محمدیہ کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ تشریف فرما ہیں اور آخر زمانہ میں آپ کا نزول ہوگا۔

تفسیر النہر المادج۲ ص۴۷۳ میں ہے: ’’اجمعت الامة علی ان عیسیٰ حی فی السماء وینزل فی الارض‘‘ تمام امت کا اجماع ہے اس عقیدہ پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ اور زمین میں اتریں گے۔

وجیز حاشیہ جامع البیان ص۵۲ میں ہے: ’’والاجماع علی انه حی فی السماء وینزل ویقتل الدجال ویؤید الدین‘‘ اس امر پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ ہیں اور اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور دین محمدی کی تقویت کریں گے۔

شیخ ابوالحسن اشعریؒ نے کتاب الابانۃ عن اصول الدیانۃ ص۴۶ میں لکھا ہے: ’’واجمعت الامة علی ان الله عزوجل رفع عیسیٰ الیٰ السماء‘‘ تمام امت محمدیہ اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔

شیخ غماری نے عقیدہ اہل الاسلام ص ۱۱ میں سفارینی ؒ کی کتاب اللوامع کے حوالے سے لکھا ہے: ’’وقد اجتمعت الامة علی نزوله ولم یخالف فیه احد من اهل الشریعة ‘‘تمام امت کا اجماع ہے کہ آپ آسمان سے اتریں گے۔ اس میں اہل شریعت میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اور شوکانی کی کتاب التوضیح کے حوالے سے لکھا ہے: ’’الاحادیث الواردة فی نزول عیسیٰ بن مریم متواترة ‘‘یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حدیثیں متواتر ہیں۔

عبدالوہاب شعرانی ؒ نے الیواقیت والجواہر ص ۱۳۰ میں ہے: ’’والحق انه رفع الیٰ السماء والایمان بذلک واجب قال تعالیٰ بل رفعه الله الیه ‘‘حق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم سمیت آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا ہے۔

پھر ابوہریرہ قزوینی کا حوالہ دے کر لکھا: ’’واعلم ان کیفیة رفعه ونزوله وکیفیة مکثه فی السماء ان ینزل من الغیر طعام ولا شراب مما یتقاصر عن درکه العقل ولا سبیل لنا الا ان نؤمن بذلک تسلیما اسعة قدرة الله ‘‘یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھانے اور اترنے اور آسمان میں کھانے پینے کے بغیر ٹھہرنے اور واپس اترنے کی کیفیتیں ان امور میں سے ہے جس کے ادراک کرنے سے عقل قاصر ہے اور اللہ تعالیٰ کی وسیع قدرت مان کر اس پر ایمان لانے کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ص ۲۷ میں لکھا ہے: ’’ان الله رفعه .... وانه حی الان وسیرجع الیٰ الدنیا فیکون فیها ملکاً ثم یموت کما یموت الناس ‘‘اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے جسد مبارک سمیت اٹھالیا اور ابھی وہ زندہ ہیں اور دنیا کی طرف واپس آکر بادشاہت کریں گے۔ پھر اور لوگوں کی طرح وفات پائیں گے۔

شرح عقیدہ سفارینیہ ج ۲ ص ۹۰ میں اور کتاب الاذاعہ ص ۷۷ میں ہے۔ ’’ولیس ینزل بشریعة مستقلة عند نزوله من السماء وان کانت النبوة قائمة به وهو متصف بها ‘‘یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ آسمان سے اترتے وقت نبوت کی وصف کے ساتھ متصف اور اپنی سابقہ نبوت پر قائم رہیں گے۔ مستقل شریعت لے کر نہ آئیں گے (بلکہ شریعت محمدیہ کے مطابق فیصلے فرمائیں گے) مطابق آیت: ’’لتؤمنن به ولتنصرنه ‘‘کے ’’وقد انعقد الاجماع الامة علیٰ انه ینزل ویحکم بهذه الشریعة المحمدیة ‘‘امت کا

اجماع ہو چکا ہے۔اس عقیدہ پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین میں اتر کر فیصلے اسی شریعت محمدیہ ہی کے موافق فرمائیں گے۔’’وانما انکرہ ذلک الفلاسفة والملاحدة ممن لا یعتد بخلافه‘‘صرف فلسفیوں اور بے دین ملحدوں نے اس عقیدہ کا انکار کیا ہے جن کی مخالفت اہل شریعت کے اجماع کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ وامام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین ج۲ص۶۱ مصر میں فرمایا:’’رفع الله عیسیٰ الی السماء‘‘اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لے گیا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ الاکبر ص۱۶ میں لکھا ہے: ’’نزول عیسیٰ علیه السلام من السماء حق کائن‘‘حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا برحق ہے۔ ہونے والا ہے۔

محمد برکوی رحمۃ اللہ علیہ طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:’’ونزول عیسیٰ من السماء حق‘‘ معنی وہی ہے۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے عقائد نسفیہ میں اور سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں ص۱۵۵ میں یہی لکھا ہے۔

نبراس میں مولوی عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:’’عیسیٰ حی فی السماء‘‘ عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ ہیں۔

امام قرطبی نے تذکرۃ القرطبیہ ص۱۳۲ میں لکھا:’’ثم یهبط نبی الله عیسیٰ‘‘پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔

نبراس ص۱۳۴ شرح عقائد ص۹ میں ہے۔’’حیوۃ عیسیٰ ثابت بالاحادیث المتواترة‘‘متواتر احادیث کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ثابت ہے۔

شرح اکمال الاکمال ج۱ص۲۶۶ میں عتبیہ کے حوالہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام دارالہجرۃ مدنیہ الرسول کا قول نقل فرمایا:’’بینها الناس قیام یستمعون لاامة الصلوٰة فتغشاهم غمامة فاذ انزل عیسیٰ علیه السلام‘‘اتنے میں کہ لوگ کھڑے ہوں گے اور اقامت سن رہے ہوں گے تو اسی وقت بادل چھا جائے گا اور اچانک ہی عیسیٰ علیہ السلام اتر آئیں گے۔

کفایۃ العوام ص۸۲ میں ہے:’’ویجب ان یعتقد ان عیسیٰ بعد نزول یحکم

بشرع نبینا ‘‘ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اترنے کے بعد ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے شرع کے مطابق فیصلہ فرمایا کریں گے۔ پھر اس کلام پر ایک اعتراض پیدا ہوتا تھا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کافروں سے جزیہ لینا قبول نہ کریں گے۔ حالانکہ ہماری شریعت محمدیہ میں کافروں سے جزیہ لینے کا حکم صریح طور پر موجود ہے تو پھر کیونکر کہتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام شرع محمدی کے مطابق فیصلہ کریں گے۔

کفایۃ العوام کے شارح نے اس کا جواب دیا کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے قبول جزیہ کی مدت بتادی ہے کہ جزیہ کا حکم نماز، روزہ کی طرح ابدی نہیں ہے۔ یہ حکم صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے تک ہے۔ جب آپ اتریں گے اس وقت جزیہ نہ لیا جائے۔ ’’**فان قلت عیسیٰ بعد نزوله لایقبل الجزیة من الکفار مع ان نبینا ﷺ قبلها منهم ومقتضٰی ذٰلک ان عیسیٰ یحکم بشرعه لا بشرع نبینا ﷺ قلت قد غیی نبینا ﷺ قبولها بنزول عیسیٰ علیه السلام فذلک الحکم من شرعه ﷺ کما ظاهر** ‘‘

عقیدۃ الاسلام ص۱۲۴ میں بحوالہ کشف الاسرار مطبوعہ مصر لکھا کہ جبائی (باوجود معتزلی ہونے کے) کہتا ہے: ’’**انه لما رفع عیسیٰ علیه السلام** ‘‘ عیسیٰ کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات کے دفتر سوم مکتوب نمبر۱۷ میں لکھا کہ: ’’حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ از آسمان نزول خواہد فرمود متابعت شریعت خاتم الرسل خواہد نمود۔‘‘

خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے انیس الارواح ص۹ میں فرمایا: ’’حضرت عیسیٰ علیہ السلام از آسمان فرود آید۔‘‘

علامہ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے المحلّٰی ج۱ ص۹ میں لکھا: ’’**ان عیسیٰ بن مریم سینزل** ‘‘ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تریں گے۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کتاب الفصل میں لکھا ہے: ’’**فکیف یستجیز لمسلم ان یثبت بعده علیه الصلوٰة والسلام نبیا فی الارض حاشا ما استثناه رسول الله ﷺ فی الاٰثار المسندة الثابتة فی نزول عیسیٰ بن مریم علیه السلام فی اٰخر الزمان** ‘‘ پھر کس طرح مسلم آدمی نبی کریم ﷺ کے بعد زمین میں کسی نبی کے آنے کا جواز تلاش کرسکتا ہے۔ سوائے اس کے جسے حضرت رسول اللہ ﷺ نے مستثنیٰ فرمایا۔ اس کا ذکر مسند پختہ احادیث میں آیا

ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔

نیز اسی ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے محلی ج۳ ص۲۴۹ میں لکھا: ’’**واما من قال ان بعد محمد ﷺ نبیا غیر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فانه لا یخلف اثنان فی تکفیره**‘‘ یعنی جو کہے گا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد سوائے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے کوئی نبی بھی ہے تو اس کے کافر کہنے میں دو آدمیوں کا اختلاف بھی نہیں ہوا۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے ج۴ ص۱۳۳ میں لکھا ہے: ’’**قد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ ﷺ انه اخبرینزول عیسیٰ علیه السلام قبل یوم القیٰمة**‘‘ رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ احادیث اس بارے میں آئی ہیں کہ آپ ﷺ نے قیامت آنے سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی خبر دی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب **الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح** ص۱۶۵، ۱۱۹ میں لکھا: ’’**فبعث المسیح علیه السلام رسله یدعونهم الیٰ دین اللہ فذهب بعضهم فی حیاته فی الارض وبعضهم بعد رفعه الیٰ السماء تدعوهم الیٰ دین اللہ**‘‘ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو دین خدا کی طرف دعوت دینے کے لئے اپنے ایلچی بھیجے جن میں سے بعض تو جب ہی چل دیئے جب آپ ابھی زمین میں زندگی گزار رہے تھے اور بعض اس وقت گئے جب آپ آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے تھے۔ پھر انہوں نے لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دی۔ آگے فرمایا: ’’**ویقال ان انطاکیة اوّل المدائن الکبار الذین اٰمنوا بالمسیح علیه السلام وذلک بعد رفعه الیٰ السماء**‘‘ کہتے ہیں کہ بڑے شہروں میں سے پہلا شہر جہاں کے باشندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے وہ انطاکیہ شہر تھا اور یہ واقعہ اس وقت کے بعد کا ہے جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تھا۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج السالکین ج۲ ص۳۱۳، ۲۴۳ طبع مصر میں فرمایا: ’’**ومحمد ﷺ مبعوث الیٰ جمیع الثقلین فرسالته عامة لجمیع الجن والانس فی کل زمان ولو کان موسیٰ حیا لکان من اتباعه واذا نزل عیسیٰ بن مریم فانما یحکم بشریعة محمد ﷺ**‘‘ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جن وانس سب کی طرف مبعوث ہیں۔ اس لئے آپ کی رسالت تمام انس وجن کو عام ہے تمام زمانہ میں۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس وقت زندہ ہوتے تو ہمارے نبی ﷺ کے پیروکاروں میں سے ہوتے اور جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اتریں گے تو وہ صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے

مطابق فیصلے فرمائیں گے۔

اور انہیں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التبیان ص۱۳۹ میں فرمایا: ’’ھٰذا المسیح بن مریم حی لم یمت وغذاء ہ من جنس غذا الملٰئکۃ ‘‘ اور یہ مسیح بن مریم ابھی زندہ ہیں۔ فوت نہیں ہوئے اور آپ کی غذا فرشتوں کی غذا کی جنس سے ہے۔

انہیں ابن قیم ءنے ہدیۃ الحباریٰ مع ذیل الفاروق ص۴۳ طبع مصر میں اور جناب نواب صدیق حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حجج الکرامۃ ص۴۲۲ باب ۷ میں لکھا ہے: ’’وھو نازل من السماء فیحکم بکتاب اللہ ‘‘ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر قرآن مجید کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔

نیز ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التبیان ص۲۲ میں لکھا ہے: ’’وانہ تعالٰی رفع عیسٰی علیہ السلام الیہ ‘‘ یعنی حضرت حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا۔

ابن عربی مالکی

ابن عربی مالکی (مستند مرزاغلام احمد قادیانی) نے فتوحات مکیہ بات ۳۶۷ ج۳ ص۳۴۱ میں لکھا ہے: ’’انہ لم یمت الی الاٰن بل رفعہ اللہ الیٰ ھذہ السماء واسکنہ فیھا ‘‘ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آسمان کی طرف اٹھالیا اور وہیں آپ کو سکونت کی جگہ دی۔

اور فتوحات مکیہ ج۲ ص۱۲۵ میں لکھا کہ: ’’ان عیسٰی علیہ السلام ینزل فی ھٰذہ الامۃ فی اٰخر الزمان ویحکم بشریعۃ محمد ﷺ ‘‘ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت میں آخر زمانہ میں اتریں گے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلے فرمایا کریں گے۔

یہی مضمون فتوحات مکیہ ج۱ ص۱۳۵ باب ۱۴۴ اور ج۲ ص۳ باب ۴۹ ص۱۳۵ نیز ج۳ ص۵۱۰ میں بھی مذکور ہیں۔

زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے المواہب اللدنیہ میں لکھا ہے: ’’رفع عیسٰی علیہ السلام وھو حق علی الصحیح ‘‘ یعنی صحیح مذہب کے مطابق یہی عقیدہ ہے کہ آپ عیسیٰ کو اٹھایا گیا۔ اسی حالت میں کہ آپ زندہ ہیں۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور ج۲ ص۲۴۵ میں بحوالہ تاریخ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے: ’’یدفن عیسٰی بن مریم مع رسول اللہ ﷺ وصاحبیہ فیکون قبرہ رابعًا ‘‘ یعنی جب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے پاس دفن کئے جائیں گے۔ پہلی تین قبریں تھیں پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر چوتھی ہوگی۔

اور جامع صغیر ج۲ ص۲۰۵ میں بحوالہ معجم طبرانی حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ روایت ہے: ''ینزل عیسیٰ بن مریم عند المنارة البیضاء شرقی دمشق'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق شرقی کے منارہ سفید کے پاس اتریں گے۔

مواہب لدنیہ ج۲ ص۲۴ میں ''ثبت انہ علیہ السلام رفع بجسدہ'' یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ حضرت علیہ السلام کو جسم سمیت اٹھایا گیا۔

شرح عقائد جلالی ج۲ ص۱۰۸ میں ہے: ''واما نزول عیسیٰ علیہ السلام فھو ومتابعة لشریعتہ ﷺ فھو مما یؤکد کونہ خاتم النّبیین'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا پھران کا شریعت محمدیہ کا اتباع کرنا یہ سب امور میں سے ہے جن سے نبی کریم ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے کی اور زیادہ تائید وتاکید ہو جاتی ہے۔

نظم المتناثر من الحدیث المتواتر ص۱۴۷ میں بحوالہ مقدمہ التصریح میں لکھا ہے: ''وقد ذکروا ان نزول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ثابت بالکتاب والسنة والاجماع'' علماء کہتے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا قرآن وسنت اور اجماع امت ہرسہ قسم دلائل سے ثابت ہے۔ پھر تمام بحث اس بارے میں لکھ کر اخیر میں لکھتے ہیں: ''والحاصل ان الاحادیث الواردة فی نزول سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام متواترة'' خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ حضرت سیدنا عیسیٰ بن مریم کے اترنے کے بارے متواتر احادیث وارد ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی پارہ:۲۲ ص۳۱۲ میں لکھا: ''اجتمعت الامة علیہ واشتھرت فیہ الاخبار ولعلھا بلغت التواتر المعنوی ونطق بہ الکتاب علی قول ووجب الایمان بہ واکفر منکرہ کالفلاسفة من نزول عیسیٰ اٰخرالزمان'' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر تمام امت کا اجماع ہے اور احادیث اس بارے میں مشہور ہیں بلکہ تواتر معنوی کی حد تک پہنچ چکی ہیں اور قرآن مجید بھی اس پر ناطق ہے اور اس عقیدہ پر ایمان لانا واجب اور ضروری ہے اور فلاسفہ کی طرح جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخر زمانہ میں اتر آنے کا منکر ہے اس کو کافر سمجھتا ہوں۔

کتاب الاسلام میں بحوالہ توضیح الکلام ص۲۴۵ پر لکھا ہے: ''انہ یحکم بشرع

نبینا ﷺ وودت به الاحادیث وانعقد علیه الاجماع ’’یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتر کر ہمارے نبی کریم ﷺ کی شرع کے مطابق فیصلے فرمائیں گے اور احادیث اس بارے میں وارد ہوئی ہیں اور اس عقیدہ پر اجماع امت بھی منعقد ہو چکا ہے۔

ابی نے شرح مسلم ج۱ ص۲۶۵ میں لکھا ہے: ’’ولا بد من نزول عیسیٰ علیه السلام لتواتر الاحادیث بذالک عیسیٰ ‘‘ کے نزول کا عقیدہ اس لئے ضروری کہ اس بارے میں متواتر حدیثیں موجود ہیں۔ حاشیہ مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ ص۴۷۹ میں اور

صوفی خازن کی تفسیر ج۱ ص۴۱۴ میں ہے۔ ’’ففی هذا الحدیث دلیل علی ان عیسیٰ ینزل فی آخر الزمان فی هذه الامة ویحکم بشریعة محمد ﷺ انه ولا ینزل نبیا برسالة مستقلة ناسخة بل یکون حاکما من حکام هٰذه الامة ‘‘سو اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس امت میں اتریں گے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلے فرمائیں گے اور اس حدیث میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مستقل رسالۃ ناسخہ لے کر نبی ہونے کی حالت میں نہیں اتریں گے۔ بلکہ یہ نبی بحالت نبوۃ اس امت کے حاکموں میں سے ہی ایک اعلیٰ حاکم ہوں گے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ ج۵ ص۱۶۰ میں لکھتے ہیں: ’’فینزل عیسیٰ بن مریم من السماء ‘‘ پھر عیسیٰ بن مریم آسمان سے اتریں گے اور جمع الوسائل مصری ص۵۶۳ میں ’’ان عیسیٰ علیه السلام یدفن بجنب نبینا ﷺ بینه وبین الشیخین ‘‘حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پانے کے بعد ہمارے نبی کریم ﷺ کے پہلو میں آپ کے اور شیخین کے درمیان دفن ہوں گے۔

شرح فقہ اکبر لملا علی قاری ص۹۲ طبع مصر ۱۳۲۳ھ ص۱۶۱ مصری ۱۹۲۷ء میں ہے: ’’انه (الدجال) یذوب کالملح فی الماء عند نزول عیسیٰ علیه السلام من السماء‘‘ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کے وقت دجال ایسا پگھلنے لگ جائے گا جیسے پانی میں نمک پگھلتا ہے۔

درمنثور ج۲ ص۳۶ میں اور مستدرک حاکم ج۳ ص۱۴۳ میں ہے: ’’سمعت الحسن بن علی رضی اللہ عنہ یقول قتل علی لیلة انزل فیها القراٰن ولیلة اسری بعیسیٰ ولیلة قبض موسیٰ ‘‘حضرت علی رضی اللہ عنہ اس رات شہید ہوئے جس رات قرآن کریم نازل اسی

رات عیسیٰ علیہ السلام کا اسراء ہوا۔ اس رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی۔

عبدالوہاب شعرانی نے طبقات کبریٰ ج۱ ص۲۶ میں لکھا: ’’وانه علیه السلام رفع بجسده وانه حی الأن وسیرجع الیٰ الدنیا فیکون ملگا ثم یموت کما یموت الناس ‘‘اور یہ عقیدہ ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم سمیت اٹھائے گئے ہیں اور ابھی وہ زندہ ہیں اور دنیا کی طرف واپس آئیں گے۔ پھر وہ حکومت کریں گے پھر جیسے اور لوگ مرتے ہیں آپ بھی وفات پائیں گے۔

تفسیر طبری ج۳ ص۲۰۲ میں ہے: ’’قال ابن زید ولم یمت (عیسیٰ علیه السلام) بعد حتی یقتل الدجال وسیموت وقرء قول الله ویکلم الناس فی المهد وکهلا قال رفعه الله قبل یکون کهلا وینزل کهلا ‘‘ابن زید مفسر فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے۔ دجال کو قتل کر کے فوت ہوں گے۔ اس کی دلیل میں کلام اللہ کی یہ آیت پڑھی: ’’ویکلم النس فی المهد وکهلاً‘‘ بات کرے گا وہ نومولود گود میں بھی اور ادھیڑ عمر میں بھی۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ادھیڑ عمر سے پہلے ہی اٹھالیا تھا اور اتر کر ادھیڑ عمر ہوں گے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ج۲ ص۴۵۸ میں فرمایا: ’’انه رفع بتمامه الیٰ السماء بروحه وبجسده ‘‘حضرت عیسیٰ علیہ السلام بتمامہ اپنی روح اور جسم سمیت آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔

خازن نے اپنی تفسیر ج۱ ص۲۳۴ میں لکھا ہے: ’’زعمت النصاریٰ ان المسیح رفع لاهوته یعنی روحه وبقی فی الارض ناسوته یعنی جسده فرد الله علیهم بقوله انی متوفیک ورافعک الیّ فاخبر الله انه رفع بتمامه الیٰ السماء بروحه وجسده جمیعا ‘‘یعنی بعض نصاریٰ کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح مبارک تو آسمان کی طرف اٹھائی گئی ہے اور جسم مبارک زمین میں رہ گیا تو اس زعم باطل کا رد اللہ پاک نے ’’انی متوفیک ورافعک الیّ ‘‘ کہہ کر کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بتمامہ ان کے روح اور جسم سمیت آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔

ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں فرمایا: ’’والصحیح ان الله تعالیٰ رفعه من غیر وفاة ولا نوم قال الحسن وابن زید وهو اختیار الطبری وهو الصحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ‘‘ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر وفات پانے کے اور

بغیر نیند کے اٹھالیا۔ حضرت حسن بصری اور ابن زید نے یہی کہا اور محدث ومفسر طبری نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور یہی صحیح سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

درمنثور میں حضرت ضحاک کی تفسیر جو ابن عباسؓ سے منقول ہے وہ یہ لکھی ہے: ''**رافعک ثم یمیتک فی اٰخر الزمان**'' پہلے میں آپ کو اپنی طرف اٹھاؤں گا پھر آخر زمانہ میں میں آپ کو موت دوں گا۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر پارہ نمبر۳ص۱۸۴ میں فرمایا: ''**اولٰی هذه الاقوال بالصحة عندنا قول من قال معنی ذلک انی قابضک من الارض ورافعک علی تواتر الاخبار عن رسول اللهﷺ انه ینزل عیسٰی بن مریم فیقتل الدجال ثم یمکث فی الارض ثم یموت**'' ہمارے نزدیک اسی کا قول صحیح ہے جو اس آیت سے یہ معنی لیتا ہے کہ میں تجھے اس زمین سے قبض کر کے اٹھالے جانے والے ہیں۔ اس بارے میں رسول خداﷺ سے متواتر احادیث آچکی ہیں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے اتر کر دجال کو قتل کریں گے۔ پھر زمین میں رہیں گے۔ پھر وقت آنے پر آپ علیہ السلام وفات پائیں گے۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نقل ہے کہ حضرت رسول خداﷺ نے فرمایا یہود کو کہ: ''**ان عیسٰی لم یمت وهو راجع الیکم قبل یوم القیٰمة**'' یعنی اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی فوت نہیں ہوئے۔ روز قیامت سے پہلے تمہاری طرف واپس لوٹ کر آجائیں گے۔

الزامی جواب

مرزا غلام احمد قادیانی نے خود بھی (ازالہ اوہام ص۵۶۹، خزائن ج۳ص۴۰۷) میں لکھا ہے کہ: ''مسیح بن مریم کے آنے کی پیش گوئی ایک اوّل درجہ کی پیش گوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کرلیا ہے اور جس قدر صحاح میں پیش گوئیاں لکھی گئی ہیں کوئی پیش گوئی اس کے ہم پلہ اور ہم وزن ثابت نہیں ہوئی۔ تواتر کا اوّل درجہ اس کا حاصل ہے اور انجیل بھی اس کی مصدق ہے۔''

دوسرا جواب

مرزا قادیانی نے (حمامۃ البشریٰ ص۴۸، نورالحق ج۱ص۶۸،۶۹) میں موسیٰ علیہ السلام کے بارے لکھا ہے کہ وہ زندہ آسمانوں پر موجود ہیں۔

حالانکہ مرزائی لوگ ''**قد خلت من قبله الرسل**'' سے یہ نکالتے ہیں کہ نبی

کریم ﷺ سے پہلے تمام رسول وفات پاچکے ہیں تو جس طرح آپ مرزائی یہاں سے وفات عیسیٰ سمجھتے ہیں اسی طرح وفات موسیٰ کا قول کرنا چاہئے۔ مگر سب سے بڑی مشکل یہ درپیش آتی ہے کہ اگر اس آیت سے وفات عیسیٰ مانتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ماننی پڑتی ہے کہ ’’الرسل‘‘ کا لفظ ان کو بھی شامل ہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کی وفات اس آیت سے مانتے ہیں تو مرزائیوں کے نبی کو جھوٹا کہنا پڑتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ مان چکا ہے۔ اگر مرزا قادیانی الرسل کے لفظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مستثنیٰ کہنے میں کون سی رکاوٹ ہے؟ جب کہ قرآن پاک کی دوسری آیات اور احادیث متواترہ سے اور اجماع امت سے بھی آپ کا آسمانوں پر زندہ ہونا صراحت سے ثابت ہے اور عقل سلیم بھی آپ کو زندہ صحیح سلامت آسمانوں پر ہونے سے اباء نہیں کرتی۔ بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی خود (چشمہ معرفت ص۲۱۹، خزائن ج۲۳ ص۲۲۷) میں اس عقیدہ کو تسلیم کر چکے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ’’ہماری طرف سے یہی جواب کافی ہے کہ اوّل تو خدائے تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ انسان مع جسم عنصری کے آسمان پر چڑھ جائے۔‘‘ الیٰ آخرہ!

نیز اسی (چشمہ معرفت ص۹۶، خزائن ج۲۳ ص۱۰۴) میں لکھ گئے ہیں: ’’خدا تعالیٰ کے قانون کی حد بست کرنا بے ایمانی ہے۔ کیونکہ اپنا قانون اپنے خاص بندوں کے لئے بدل لیتا ہے۔ مگر وہ بدلنا بھی اس کے قانون میں داخل ہے۔‘‘

(نوٹ) یاد رہے کہ مندرجہ جس کتاب کا ذکر ہے یعنی چشمہ معرفت یہ وہ کتاب ہے جس کو آپ نے اس سال لکھ کر چھاپا ہے جس سال آپ کی وفات ہوئی تھی۔ یعنی ۱۹۰۸ء ۱۵؍مئی میں چھپی۔ اس سے واضح ہوگیا کہ مرزا قادیانی حیات عیسیٰ علیہ السلام کا انکار اور وفات عیسیٰ علیہ السلام کا قول کرتے رہے ہیں۔ آخر وقت میں شاید انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور اعتبار آخری بات کا ہوتا ہے۔

بلکہ شروع شروع میں بھی ان کا یہی عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی پہلی تصنیف (براہین احمدیہ ص۴۹۹، خزائن ج۱ ص۵۹۳) میں لکھا: ’’ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق‘‘ یہ آیت جسمانی اور سیاست کے طور پر حضرت مسیح دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ قرآن کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع اطراف وآفاق میں پھیل جائے گا۔ (براہین احمدیہ ص۳۶۱ حاشیہ، خزائن ج۱ ص۴۳۱) میں لکھا: ’’حضرت مسیح نے کہا تھا کہ میرے بعد ایک دوسرا آنے والا ہے۔ وہ سب باتیں کھول دے گا اور علم دین کو بہ مرتبہ کمال پہنچاوے گا۔

سو حضرت مسیح انجیل کو ناقص کی ناقص ہی چھوڑ کر آسمان میں جا بیٹھے اور اس سے پہلے اسی (براہین احمدیہ ص۳۶۹) میں لکھا کہ مسیح ایسے ایسے دکھ اٹھا کر باقرار عیسائیوں کے مرگیا۔‘‘

اور اسی کتاب (براہین احمدیہ ص۵۱۹ حاشیہ، خزائن ج۱ ص۶۲۰) میں آیت قرآن مجید: ’’انی **متوفیک ورافعک**‘‘ کے معنے اس طرح لکھے ہیں۔ میں تجھے پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا اور اس معنی کی تصدیق کرتے ہوئے مقدمہ میں مرزاقادیانی کے خلیفۂ اوّل نورالدین بھیروی نے ص۸ پر لکھا: ’’**اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک**‘‘ خدا نے فرمایا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے لینے والا ہوں اور بلند کرنے والا ہوں اپنی طرف۔

پھر ۲۲؍جنوری ۱۸۹۱ء کو مرزاقادیانی نے توضیح المرام لکھی تھی۔ اس وقت تک بھی مرزاقادیانی کا وہی عقیدہ تھا جو مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے (توضیح المرام ص۳، خزائن ج۳ ص۵۲) میں لکھا کہ: ’’اب ہم صفائی کے ساتھ بیان کرنے کے لئے یہ لکھنا چاہتے ہیں کہ بائبل اور ہماری احادیث اور اخبار کی کتابوں کی رو سے جن نبیوں کا اسی وجود عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا تصور کیا گیا ہے۔ وہ دو نبی ہیں۔ ایک یوحنا جن کا نام ایلیا اور ادریس بھی ہے اور دوسرے مسیح ابن مریم جن کو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں۔‘‘

فائدہ: مندرجہ بالا توضیح المرام کی عبارت سے دو نئے فائدے بھی معلوم ہوگئے۔ ایک تو یہ کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے جو قرآن مجید میں آیا ہے۔ ’’**ورفعناہ مکانا علیا**‘‘ سو اس رفع سے مراد جسم عنصری کے ساتھ آپ کا اٹھایا جانا آسمان کی طرف صحیح ہے۔ باوجودیکہ مکانا علیا صریح لفظ رفعناہ کے بعد مذکور ہے۔ کیونکہ مرزاقادیانی کے نزدیک احادیث واخبار کی کتابوں کی رو سے وجود عنصری کے ساتھ آسمان پر جانا ثابت ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یسوع اور عیسیٰ ایک ہی ہستی کا نام ہے اور وہ ہے حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام۔

پھر حضرت حق تعالیٰ کا فرمان ہے: ’’**ولقد ارسلنا رسلا من قبلک وجعلنا لہم ازواجا وذریۃ**‘‘ ہم اپنی ذات کبریائی کی قسم سے کہتے ہیں کہ ہم نے تم سے پہلے بھی بہتیرے پیغمبر بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں بھی دیں اور اولاد بھی دی۔ لیکن ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نہ زوجہ تھی نہ ذریۃ۔ خود مرزاقادیانی نے بھی (تریاق القلوب ص۹۹، خزائن ج۱۵ ص۳۶۳ حاشیہ) میں اسی بات کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے: ’’ظاہر ہے کہ دنیوی رشتوں کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی آل نہ تھی۔‘‘ اور (آئینہ کمالات اسلام ص۲۲۸، خزائن ج۵ ص ایضاً) میں لکھا: ’’اس عبارت انجیل کے بعد اشارات سے پایا جاتا ہے کہ حضرت مسیح بھی جورو کرنے کی فکر میں تھے۔ مگر تھوڑی سی

عمر میں اٹھائے گئے۔ ورنہ یقین تھا کہ اپنے باپ دادے کے نقش قدم پر چلتے۔‘‘

پس ضروری ہے کہ حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم ابھی زندہ ہوں۔ نزول کے بعد شادی اور صاحب اولاد ہوکر فوت ہوں۔ جیسے مشکوٰۃ شریف ص۴۸۰ میں حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی منقول ہے۔ ’’**ینزول عیسیٰ الی الارض فیتزوج ویولد له ویمکث خمسا واربعین سنة ثم یموت فیدفن معی فی قبری**‘‘ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین کی طرف اتریں گے۔ پھر شادی کریں اور آپ کی اولاد بھی ہوگی اور کل ۴۵ سال آپ رہائش رکھیں گے۔ پھر وفات پائیں گے۔ پھر میرے ساتھ مقبرے میں وہ دفن ہوں گے۔ (یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہے)

خود مرزا قادیانی نے بھی (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص۵۳، خزائن ج۱۱ ص۳۳۷) میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ: ’’**یتزوج ویولد له**‘‘ عیسیٰ علیہ السلام اتر کر نکاح کریں گے اور ان کے اولاد بھی ہوگی۔

پھر چونکہ اس دوران مرزا قادیانی کے خیالات میں تبدیلی ہوچکی تھی۔ اس لئے (ازالہ اوہام ص۲۰۰، خزائن ج۳ ص۱۹۷) میں اس طرح لکھا: ’’ممکن ہے کہ کوئی ایسا مثیل مسیح آجائے جو آنحضرت ﷺ کے روضہ کے پاس مدفون ہو۔‘‘

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’**وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه**‘‘ اے پیغمبر ہم نے تم پر یہ کتاب اسی غرض سے اتاری ہے کہ جن باتوں میں یہ لوگ آپس میں اختلاف کر رہے ہیں۔ وہ ان کو اچھی طرح سمجھا دو اور یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جب اختلاف تھا تو قرآن پاک صریح عبارت کے ساتھ یہ ارشاد فرماتا: ’’**ما المسیح بن مریم الا رسول وقدمات کسائر الانبیاء**‘‘ جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ’’**ام کنتم شهداء اذ حضر یعقوب الموت**‘‘ بھلا کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے موت آکھڑی ہوئی۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے فرمایا: ’’**فلما قضینا علیه الموت مادلهم علیٰ موته الادابة الارض**‘‘ پھر جب ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم جاری کیا تو جنات کو کسی چیز نے ان کے مرنے کا پتہ نہ بتایا۔ مگر گھن کے کیڑے نے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ’’**ولقد جاء کم یوسف...... حتی اذا اهلک**‘‘ یہاں تک کہ جب وہ فوت ہوگئے۔

مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے صریح لفظ موت کا ذکر نہ کرنا بلکہ رفع الیٰ اللہ کا ذکر کرنا جس سے نصاریٰ کے عقیدہ کی تائید ہوتی ہے۔ اسی بات کو قوی کرتا ہے کہ وفات عیسیٰ کا تاحال وقوع نہیں ہوا بلکہ رفع الیٰ اللہ ہوا جس سے متبادر ذہن اسی طرف منتقل ہوتا ہے جس کے معتقد نصاریٰ ہیں۔

اگر وہ متبادر معنی مراد نہ ہوتے تو حسب فرمان الٰہی: ''**وانزلنا الیک الذکر لبین للناس ما نزل الیهم**'' اور آپ پر ہم نے قرآن پاک اس لئے بھی اتارا تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں ان کو آپ ان سے وضاحت کے ساتھ کھول کر بیان فرمادیں۔ آپ اس رفع کی تفسیر فرمادیتے۔ بایں طور کہ یہاں رفع سے مراد رفع منزلت و مرتبت ہے نہ رفع جسمانی اور آپ کا یہ بیان صحابہ کرام محفوظ فرمالیتے اور وہ محفوظ کیا ہوا بیان ہم تک پہنچا دیتے اور یہ ان کا فرض منصبی تھا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جیسے الفاظ قرآن پاک کی تعلیم پر مامور تھے ویسے ہی قرآن پاک کے معنی کی تعلیم پر مامور تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے: ''**لتبین للناس ما نزل الیهم**'' تو اس میں جیسے کہ الفاظ کے بیان کرنے کا حکم ہے۔ ویسے ہی معنی کے بیان کرنے کا بھی حکم ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا بیان کیا ہم سے ان بزرگوں نے جو قرآن کے پڑھنے والے تھے۔ جیسے عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سوا ان کے کہ جب ہم نبی کریم ﷺ سے دس آیتیں نہ سیکھ لیتے تو آگے نہ بڑھتے۔ یہاں تک کہ سیکھ لیتے جو کچھ ان میں علم و عمل ہوتا۔ اسی لئے ان بزرگوں کو ایک سورت کے حفظ کرنے میں مدت دراز لگ جاتی۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے آٹھ برس میں صرف ایک سورۂ بقرہ حفظ کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معنی وہی معتبر ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کئے ہیں اور جو معانی کسی اور نے کئے ان کے خلاف، وہ مردود ہیں۔ کذافی تفسیر الاتقان!

اور اس مسئلہ متنازع فیہا میں نبی کریم ﷺ واصحابہ وسلم کا اپنا فرمان دیکھو۔ نجران کے عیسائی نبی کریم ﷺ سے مدینہ پاک میں مناظرہ کرنے آئے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خدائی دعویٰ کی تردید میں ارشاد فرمایا تھا کہ خدا پاک تو زندہ ہے۔ ''**الستم تعلمون ان ربنا حی وان عیسٰی یاتی علیه الفناء**'' کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ ہمارا رب تو زندہ نہ میرندہ ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ہیں ان پر تو فنا آئے گی۔

پھر وہ خدا کیسے ہوئے۔

مطلب واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی تو زندہ ہیں مگر ہمیشہ زندہ نہیں جو کبھی نہ مریں ان پر ایک وقت آئے گا جب وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔

اگر بقول مرزا قادیانی ۱۲۰سال کی عمر پا کر وفات پا چکے ہوتے تو نبی کریم ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے ’’یاتی علیه الفناء ‘‘ نہ فرماتے۔ بلکہ یوں فرماتے ’’ان ربنا حی وان عیسیٰ قد مات‘‘

حضرت ابوہریرہؓ سے آیت کی تفسیر صراحت کے ساتھ مروی ہے اور کسی دوسرے صحابی سے اس کے خلاف کچھ مروی نہیں ہے اور حضرت ابوہریرہؓ اپنی طرف سے تفسیر قرآن پاک کی نہ کر سکتے تھے۔ ان کو علم تھا کہ تفسیر بالرائے سبب ہے جہنم میں ٹھکانا بننے کا۔ آپ نے اگرچہ آیت کی تفسیر کرتے وقت نبی کریم ﷺ کا نام نہیں لیا۔ مگر یہ حکم میں مرفوع کے سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ صحابی رائے سے تفسیر نہیں کر سکتا۔

نیز حضرت ابومالک نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے جو ابوہریرہؓ نے کی ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر طبری۔

یہی قول حضرت حسن بصری قتادہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور بہتیروں کا ہے اور ابن جریر نے بھی اس قول کو اولیٰ بصحت لکھا ہے اور ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہی قول بے شک صحیح ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا فرمان کہ ’’متوفیک ممیتک ‘‘ اوّل تو بے سند ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کی سند ذکر نہیں فرمائی۔ دیکھو ج۲ ص۶۶۵ سطر۷۔ البتہ تفسیر ابن جریر ج۳ ص۲۰۲ میں باایں سند ذکر کیا۔ ’’حدثنی المثنی ثنی معاویة عن علی بن ابی طلحة عن ابن عباسؓ قوله انی متوفیک یقول انی ممیتک ‘‘ اس سند پر جب غور کیا تو اس کا راوی علی بن ابی طلحہ نظر آیا جس کے بارے حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ ’’له اشیاء منکرات ‘‘ یہ بہت سی ایسی احادیث بیان کرتا ہے جو دوسرے ثقہ راویوں کے خلاف ہوتی ہیں اور ابن دحیم فرماتے ہیں کہ: ’’لم یسمع علی بن طلحة التفسیر عن ابن عباسؓ ‘‘ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباسؓ سے تفسیر نہیں سنی۔ (میزان الاعتدال ج۲ ص۲۲۷)

(تہذیب التہذیب ج۷ ص۳۳۹) میں بھی اسی طرح ہے۔ ’’روی علی بن طلحة عن ابن عباسؓ ولم یسمع انه وبینهما مجاهد ‘‘ اور آگے چل کر ص۳۴۰ میں لکھا۔ یعقوب بن سفیان نے کہا کہ علی بن ابی طلحہ ضعیف الحدیث منکر لیس بمحمود المذہب اس کا مذہب بھی

غیر محمود تھا اور تقریب التہذیب ص۱۸۴ میں لکھا ہے: ’’علی بن ابی طلحة ارسل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ولم یره ‘‘علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرسل حدیثیں بیان کرتا ہے اور اس نے آپ کو دیکھا نہیں۔ خلاصہ میں ہے کہ قینوی نے علی بن ابی طلحہ کو ضعیف کہا ہے۔ باقی رہا یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو صحیح بخاری میں جگہ کیوں دی؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح المغیث ص۱۹ میں لکھا ہے: ’’واقطع ببصحة ما قد اسندا ای ان الذی اورده البخاری ومسلم مجتمعین ومنفردین باسنادیهما المتصل دون ما سیاتی استثناده من المنتقد وشبههما مقطوع بصحته کذ اله ای لابن صلاح حدیث صوح باختیاره له والجزم بانه هو الصحیح منتقد ‘‘وغیرہ مستثنیات آئندہ کے ماسوا بسند متصل بخاری مسلم ودونوں یا ایک ایک کی لائی ہوئی حدیث قطعاً صحیح ہے۔ مقدمہ ابن صلاح ص۳۰ میں بھی اسی طرح ہے۔ آگے فتح المغیث کے ص۲۰ میں ہے: ’’وبما تقدم تاید حمل قول البخاری ما ادخلت فی کتابی الاما صح علی مقصود به وهو الاحادیث الصحیة المسندة دون المتعالیق والاٰثار الموقوفة علی الصحابة فمن بعدهم والاحادیث المترجم بها ونحو ذٰلک ‘‘بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف وہ حدیثیں درج کیں جو صحیح مسند ہوں۔ سوائے تعلیقات کے اور ان آثار کے جو صحابہ رضی اللہ عنہم یا ان کے بعد والوں پر موقوف ہوں اور ماسوائے ان احادیث کے جو ترجمہ وغیرہ کی زینت ہیں تو خود امام بخاری کے اپنے قول کے مطابق یہ قول صحت کے معیار سے گرا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ تعلیق ہے اور صحابی اور اثر موقوف ہے نہ صحیح حدیث مرفوع بسند متصل۔ اس لئے اس قول کو اپنی دلیل میں پیش کرنا بعید از انصاف ہے جو کسی طرح اہل علم وعقل کے شایان شان نہیں ہے۔

’’مکروا ومکر اللہ ‘‘کے معنے اس طرح کئے۔ ’’مکروا بالقتل ومکر اللہ برفع الیٰ السماء ‘‘(تفسیر رازی ج۲ ص۴۶۳ وابن کثیر ج۲ ص۲۲۹، الدر المنثور ج۲ ص۳۶، ابوالسعود ج۱ ص۱۳۵، ۱۳۶، جلالین ص۵۰، مدارک ج۱ ص۲۰۵، بیضاوی ج۲ ص۱۱، کشاف ج۱ ص۳۰۶، بحر محیط ج۱ ص۴۷۶، روح المعانی ج۱ ص۵۹۵، السراج المنیر ج۱ ص۲۱۵، تاریخ کامل لابن اثیر ج۱ ص۱۱۰)

اللہ پاک نے فرمایا: ’’من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولّٰی ونصله جهنم وساء ت مصیرًا ‘‘اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ جس کے اس کو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ کو ہولیا ہو تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم داخل کریں گے

اور وہ بری جگہ ہے۔ جانے کی .... ظاہر ہے کہ ان چودہ صدیوں میں تمام امت محمدیہ میں وفات عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی قائل نہیں۔ یعنی سب کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ابھی زندہ ہے۔ اس جسد عنصری کے ساتھ اور آخر زمانہ میں آسمان سے زمین کی طرف نزول فرمائیں گے۔ اب یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۱۲۰ سال کی عمر پاکر کشمیر میں وفات پاگئے اور وہیں دفن ہیں۔ یہ عقیدہ مؤمنین کا نہیں ہے اور غیر راہ مؤمنین پر چلنا وعید کا سامنا کرنا ہے۔

نیز فرمان الٰہی ہے: ''لن یستنکف المسیح ان یکون عبدا اللہ '' یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز خدا کے بندے بننے سے عار نہیں کریں گے۔ ''لن یستنکف '' صیغہ نفی مؤکد میں ناصبہ ہے جو مستقبل میں فعل کے نہ ہونے کی تاکید کرتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جس وقت قرآن نازل ہورہا تھا اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ موجود تھے۔ اس کے بعد ابھی تک زندہ ہیں۔ حسب وعدہ زمین پر تشریف لائیں گے۔ اس کے بعد وفات پائیں گے اور زندہ نہ میرندہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

(نوٹ) طبقات ج۳ ص۲۱ میں یہ عبارت ہے: ''لقد قبض اللیلۃ عرج فیہ بروح عیسیٰ بن مریم '' درحقیقت کتابت کی غلطی ہے۔ ''روح '' کے بعد لفظ ''اللہ '' لکھنا کاتب سے سہواً رہ گیا ہے۔ عبارت دراصل یوں تھی: ''لقد قبض لیلۃ خرج فیہ بروح اللہ عیسیٰ بن مریم '' اور ہمارے اس قول کے مؤید بہت سے امور ہیں۔ ''قبض '' کے بعد ''عرج '' کا لفظ لانا ہی بتارہا ہے۔ کیونکہ اگر روح عیسیٰ کا لفظ ہوتا تو ''عرج فیہ '' کی جگہ قبض فیہ روح عیسیٰ بن مریم ہوتا ایک پہلے قبض کی مناسبت سے دوسرے ب بڑھانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیونکہ قبض کے مفعول پر ب نہیں آتی اور عرج مبنی مفعول ہے اس کی تعدیہ کی وجہ سے اس کے مفعول مالم یسم فاعلہ پر ب کا لانا ضروری تھا تو عروج ذات روح اللہ کا ہوا۔ جن کا نام نامی عیسیٰ ہے۔ خود طبقات کبریٰ ج۱ ص۲۶ میں تصریح ہے: ''وانہ رفع بجسدہ وھو حی الاٰن '' معلوم ہوا کہ وہ سہو ہے۔ تمام ذخیرہ قرآنی آیات واحادیث متواترہ وآثار واجماع امت کے صریح خلاف ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ سہو ہے۔

مندرجہ بالا علماء میں سے یہ علماء مرزاقادیانی کے معتمد علیہ اور ممدوح بھی ہیں

(ازالہ اوہام ص۵۳۰،۵۳۱، خزائن ج۳ ص۳۸۵،۳۸۶) میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ ''حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب موصوف (ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) اپنی

قوت اجتہادی اور اپنے علم اور درایت اور فہم وفراست میں ائمہ ثلاثہ باقیہ سے افضل واعلیٰ تھے اور ان کی قوت فیصلہ ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ثبوت وعدم ثبوت میں بخوبی فرق کرنا جانتے تھے اور ان کی قوت مدرکہ کو قرآن شریف سمجھنے میں ایک خاص دست گاہ تھی اور ان کی فطرت کو کلام الٰہی سے ایک خاص نسبت تھی اور عرفان کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اسی وجہ سے اجتہاد اور استنباط میں ان کے لئے وہ درجہ علیا مسلم تھا جس تک پہنچنے سے سب لوگ قاصر تھے۔ امام موصوف بہت زیرک اور ربانی امام تھے۔''

ابن حزم کے بارے میں (ازالہ اوہام ص۱۳۱) میں ارقام فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ''نہایت درجہ کا اتصال یہ ہے کہ ایک بعینہٖ وہ ہو جائے جس میں وہ ظاہر ہو اور خود نظر نہ آئے۔ جیسا کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ آنحضرت ﷺ کو کہ آپ نے ابومحمد بن حزم محدث سے معانقہ کیا۔ پس ایک دوسرے میں غائب ہوگیا۔ بجز ایک رسول اللہ ﷺ کے نظر نہ آیا۔''

خدابخش قادیانی منظور نظر اصحابی مرزاقادیانی (عسل مصفیٰ ج۱ ص۹۱) میں حسن بصری کے بارے لکھتا ہے: ''امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ دنیائے اسلام میں صوفیائے کرام کے سلسلہ کے سرتاج مسلم ہیں۔ بیسیوں مجددین امت کو ان کی غلامی کا فخر حاصل ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ او نیم یہودیو! کسی ایک بزرگ کے فرمان کو تو قبول کرو۔ میں نہ مانوں میں نہ مانوں کی رٹ کب تک لگاؤ گے۔''

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے ازالہ اوہام کے مختلف مقامات میں لکھا: امام بخاری کی کتاب صحیح بخاری شریف ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' ہے۔ (ازالہ اوہام ص۷۶۲، خزائن ج۳ ص۵۱۱) یعنی قرآن کریم کے بعد اس کا درجہ ہے۔ امام بخاری فن حدیث میں ناقد بصیر ہیں۔ امام بخاری رئیس المحدثین ہیں۔ (ازالہ اوہام ص۲۴۱، خزائن ج۳ ص۲۲۲)

(تبلیغ رسالت ج۲ ص۲۵، مجموعہ اشتہارات ج۱ ص۲۳۵) میں ہے۔ صحیحین بخاری اور مسلم کو تمام کتب پر مقدم رکھا جائے اور بخاری اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ لہٰذا اس کو مسلم پر مقدم رکھا جائے۔

(ازالہ اوہام ص۸۸۴، خزائن ج۳ ص۵۸۲) میں ہے۔ ''میرے پر یہ بہتان ہے کہ گویا میں صحیحین کا منکر ہوں۔ سو اگر میں بخاری اور مسلم کی صحت کا قائل نہ ہوتا تو میں اپنی تائید دعویٰ میں کیونکر بار بار اس کو پیش کرتا۔''

امام ابن کثیر وابن جریر کے بارے (آئینہ کمالات اسلام ص۱۰۶-۱۶۸، خزائن ج۵

ص۱۰۶-۱۶۸) میں لکھا ہے: ’’جناب حافظ ابن کثیران اکابر و محققین میں سے ہیں جن کی آنکھوں کو خدا تعالیٰ نے نور معرفت عطاء کیا تھا۔ محدث و مفسر اعظم ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ‘‘

اب مرزا قادیانی پر ایمان لانے والوں کا فرض ہے کہ ان علماء کی بات بدل و جان تسلیم کر لیں۔

کیا مسیح ناصری اور مسیح محمدی دو شخصیتیں ہیں؟

کہا جاتا ہے کہ مسیح ناصری اور مسیح محمدی کے حلئے الگ الگ حدیث میں بتائے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ بخاری ص۴۸۹ میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مسیح ناصری کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔’’رأیت عیسٰی وموسٰی وابراهیم فاما عیسٰی فاحمر جعد‘‘میں نے عیسیٰ موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا تو عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ کے اور گنگھریالے بالوں والے ہیں اور مسیح محمدی کے بارے بھی بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔’’تضرب بین منکبیه رجل الشعر‘‘یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بال دو کندھوں کے درمیان تھے اور سیدھے تھے اور رنگ کے بارے فرمایا کہ گندمی رنگ کے ہیں۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ ’’رجل‘‘ کے معنی سیدھے بال کے نہیں ہیں۔ (لسان العرب ج۴ص۹۴) میں ہے:’’الجعد من الشعر خلاف السبط وقیل هو القصیر منه‘‘ جعدوہ بال ہیں جو خلاف سبط ہوں۔ بعض نے معنی کئے چھوٹے بال۔ رجل کے معنی (ج۱۳ص۳۸۹) ’’بین السبوطة والجعودة‘‘ وہ بال جو نہ سیدھے ہوں اور نہ بہت پیچیدہ’’وفی صفة صلی اللہ علیہ وسلم کان شعرہ رجلا ای لم یکن شدید الجعودة ولا شدید السبوطة بل بینهما‘‘یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک بھی رجل تھے۔ یعنی درمیانے خمدار۔ (مختار الصحاح ص۲۱۶) میں ہے۔’’رجل ورجل لیس شدید الجعودة ولاسبطا‘‘ (قاموس ج۳ص۳۸۲) میں ہے: ’’رجل کجبل وکتف بین السبوطة والجعودة‘‘اور اقرب الموارد میں ہے (ج۱ص۳۹۲) ’’رجل بین السبوطة والجعودة‘‘ (فقہ اللغۃ ص۶۶) میں ہے:’’ورجل اذا کان غیر جعد ولاسبط‘‘ (منجد ص۲۵۳) میں ہے:’’الرجل من الشعر ما بین الجعودة والاسترسال‘‘ (اساس البلاغۃ ص۱۷۱) میں ہے:’’شعر رجل بین السبوطة والجعودة‘‘یعنی رجل بال نہ محض سیدھے نہ زیادہ گھنگریالے بلکہ درمیان میں ہوتے ہیں اور ’’جعد‘‘ کے معنی موئے مرغول یا موئے

کوتاہ (منتہی الارب ج۱ص۲۶۰) ’’الجعد من الشعر ما فیه التواء وتقبض او القصیر منه ‘‘ (اقرب الموارد ج۱ص۱۲۵) اور سبط کے معنی ہیں: ’’الشعر السهل واسترسل وهو ضد جعد ‘‘ (منجد ص۳۲۵) سبط وہ بال ہیں جو کھلے ہوئے اور لٹکے ہوئے ہوں۔ (مختار الصحاح ص۲۷۸) میں ہے: ’’شعر سبط ‘‘ اے مسترسل غیر جعد لٹکے ہوئے نہ گھنگریالے۔ (فقہ اللغۃ ص۶۶) میں ہے: ’’سبط اذا کان مسترسلاً ‘‘ لٹکے ہوئے۔ (اقرب الموارد ج۱ص۴۹۰) میں ہے: ’’سبط الشعر سهل واسترسل ‘‘ (منتہی الارب ج۲ص۷۹۷) سبط موئے فروہشتہ نقیض جعد نبی کریم ﷺ کے بال رجل درمیانے خمدار کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ ’’کان شعر النبی ﷺ رجلا لا جعد ولا سبط ‘‘ (بخاری ص۸۷۶) ’’کان شعر رسول الله ﷺ شعرا رجلا ‘‘ (ابن ماجہ ص۲۶۷) ’’ای بین الجعودة والسبوطة ‘‘ (حاشیہ انجاح الحاجہ) ’’کان شعرًا رجلا لیس بالجعد ولا السبط ‘‘ (مسلم) ’’رجلا وهو الذی بین الجعودة والسبوطة قاله الاصمعی وغیره ‘‘ (وکذا فی سنن النسائی ج۲ص۲۹۱)

یہ روایت علی انس ابوہریرہ براء بن عازب عائشہ ابن ابی ہالہ ابوجحیفہ جابرام معبدابن عباس معرض بن معیقیب ابوالطفیل عداء بن خالدغزیم بن فاک۔ حکیم حزام وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

تطبیق: جعد کے دو معنی لغت میں ہیں پیچیدگی اور چھوٹا پن۔ ممکن تھا کہ کوئی شخص جعد سے دوسرا معنی مراد لے جو بالوں کے عیب میں شمار ہوتا ہے۔ اس لئے سبط بڑھایا۔ تا کہ لمبائی اور استرسال پر بھی دلالت کرے جس کے ملانے سے جعد السبط ہوئے۔ یعنی لٹکے ہوئے اور تھوڑے خمدار جو بالوں کی غایت درجہ وصف حسن ہے۔ ’’واذا قالوا رجل جعد السبوطة مدح. لسان العرب ‘‘ اس کی تشریح دوسرے عنوان سے نبی پاک نے رجل الشعر (عیسیٰ علیہ السلام کے بال قدرے گھنگریالے تھے) سے کردی۔

حلیہ کیا تھا؟ لال یا گندمی

رہا احمر (سرخ) آدم (گندمی رنگ) دونوں کا اجتماع ممکن ہے۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ’’فاذا رجل اٰدم ‘‘ کاحسن ’’ماتریٰ من اٰدم الرجال ‘‘ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ والوں میں سے نہایت عمدہ رنگ والے تھے تو جب گندمی رنگ احسن طریق پر ہو تو ضرور سرخی دے گا نہ کہ گویا سرخ ہو۔

’’عن سالم عن ابیه قال لا والله ما قال النبی ﷺ لعیسیٰ احمر ولکن

قال بینما انا نائم اطوف بالکعبة فاذا رجل اٰدم ’’بخدا نبی ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کو احمر نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ میں نیند میں طواف کعبہ کررہا تھا کہ اچانک ایک آدمی گندم گوں نظر آیا۔

حضور پاک ﷺ کے بارے بھی دو قسم کے لفظ آتے ہیں۔ مگر یہاں سے دو محمد کسی نے نہیں سمجھے۔

١...... ’’کانما صیغ من فضة ‘‘حضور ﷺ کا جسم اطہر اس قدر سفید تھا کہ گویا چاندی سے ڈھالا گیا ہے۔

٢...... ’’ابیض مشرب والمشرب الذی فی بیاضه حمرة ‘‘یعنی مشرب وہ رنگ ہے جس کی سفیدی میں سرخی بھر دی گئی ہو۔

تو جس طرح ان دو قسم کے اوصاف سے حضرت ﷺ کی دو ذاتیں تصور نہیں کی جاسکتیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دو ذاتیں تصور نہیں ہوسکتیں۔

توفی کے معنی

توفی کے حقیقی معنی ہیں ایک چیز کو بتامہ پکڑنا ’’توفیت المال منه واستوفیته اذا اخذته کله (لسان العرب) ‘‘دوسرا معنی پوری گنتی کرنا ’’توفیت عدد القوم اذا عددتهم کلهم ومن ذٰلک قوله عزوجل الله یتوفی الانفس حین موتها ای یستوفی عد اٰجالهم فی الدنیا وقیل یستوفی تمام عددهم الٰی یوم القیٰمة واما توفی النائم فهو استیفاء وقت عقله وتمیزه الٰی ان نام (لسان العرب) وانشد ابوعبیدة المنظور

ان بنی الادرد لیسوا من احد ولا توفهم قریش فی العدد

ای لا تجعلهم قریش تمام عدوهم ولا تستوفی بهم عددهم‘‘

تیسرا معنی قبض (بھینچنا) ’’الله یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها ‘‘اس سے معلوم ہوا کہ توفی کے معنی ہیں بھینچنا نہ موت نہ نیند۔ بھینچنے سے اگر صرف ظاہری حواس معطل ہو جائیں ہوش جاتی رہی تو توفی نوم ہے۔ اگر بھینچنے سے اندر کی سب مشینری ہی بند ہو جائے اور اصل محرک (روح) نکل جائے تو توفی موت ہے۔ مگر توفی (قبض، بھینچنا) صرف انہی دو قسموں میں بند نہیں ہے۔ اگرچہ کثیر الوقوع یہی دو قسمیں ہیں۔ کیونکہ توفی کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ بھینچتے ہوئے تمام حواس بھی بحالت خود قائم رہیں اور روح بھی اندر ہی اندر محفوظ رہے اور بقائمی ہوش وحواس روح وجسم سمیت اوپر اٹھا لیا جائے۔ اگرچہ یہ اطلاق قلیل ہے۔ مگر قرآن مجید میں

یہاں یہی مراد ہے اور تمام مفسرین اسی معنی پر متفق ہیں۔

اور قلیل الاستعمال ہونا کوئی مانع نہیں اور قرآن مجید میں بہت الفاظ ایسے ہیں کہ جن کو ایک معنی میں بکثرت استعمال کیا گیا ہے اور ایک مقام پر دوسرے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

مثلاً ’’**بعل**‘‘ کا لفظ قرآن میں کئی جگہ آیا ہے۔ سب میں اس کے معنی شوہر کے ہیں۔ مگر ایک مقام ایسا ہے جہاں ’’**بعل**‘‘ سے بت مراد ہے۔ ’’**اتدعون بعلا وتذرون احسن الخالقین**‘‘ کیا تم ’’**بعل**‘‘ کو پکارتے ہو اور بہتر پیدا کرنے والے اللہ کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

اسی طرح قرآن کریم میں جہاں کہیں ’’**اسف**‘‘ کا لفظ ایا ہے تو اس کے معنی حزن وغم کے ہیں۔ مگر ایک جگہ ’’**اسف**‘‘ بمعنی غصہ دلانے کے آیا ہے۔ ’’**فلما اٰسفونا انتقمنا منهم**‘‘ پھر جب ان لوگوں نے اپنی نافرمانیوں سے ہم کو غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا۔

اسی طرح قرآن حکیم میں عموماً ’’**مصباح**‘‘ سے کوکب استارہ مراد لیا گیا ہے۔ مگر سورۂ نور میں ’’**مثل نوره لمشكوٰة فيها مصباح**‘‘ چراغ مراد ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ رکھا ہو۔

اسی طرح قرآن میں ہر جگہ صلوٰۃ بمعنی نماز یا دعا یا شاباش ہے۔ مگر ایک جگہ مقامات نماز مراد ہیں۔ ’’**لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد**‘‘ ڈھائے جاچکے ہوتے نصاریٰ کے صومعے اور گرجے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں۔

اسی طرح قنوت کے معنی ہر جگہ اطاعت کے ہیں۔ مگر ایک جگہ بمعنی اقرار کے ہیں۔ ’’**كل له قانتون**‘‘ سب اس کے اقراری ہیں۔

اسی طرح بروج سے مراد ہر جگہ ستارے لئے گئے ہیں۔ مگر ایک جگہ پختہ محل مراد ہے۔ ’’**ولو كنتم في بروج مشيدة**‘‘ اگرچہ پکے پکے محلوں میں کیوں نہ ہو تم۔

اسی طرح فحشاء کے معنی قرآن میں ہر جگہ بے حیائی کے ہیں۔ مگر ایک جگہ بخل کے معنی میں ہے۔ ’’**ويامركم بالفحشاء**‘‘ اور شیطان تم کو بخل کا حکم دیتا ہے۔

اسی طرح عام محاورات میں یقین کے معنی پختہ اعتبار کے ہوتے ہیں۔ جیسے عین الیقین، حق الیقین اور قرآن پاک میں بھی انہی معنوں میں آیا ہے۔ مگر صرف ایک جگہ یقین بمعنی موت کے قرآن پاک میں آیا ہے۔ ’’**واعبد ربك حتى ياتيك اليقين**‘‘ اپنے رب کی عبادت میں موت آنے تک لگے رہو۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

مرزا غلام احمد کادیانی سر سید احمد خان کی نظر میں

مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمحہ فکریہ

آج سے چھیانوے سال بیشتر دسمبر۱۸۹۱ء میں ارض ہند
کے سپوت سر سید احمد خان نے اس عظیم فتنہ کے متعلق ایک عظیم فیصلہ
فرمایا اور جدید ذہن جو اس فتنہ خبیثہ کے پھندے میں پھنس رہے
تھے۔ان کو خبردار ومتنبہ کیا ۔

شاید کہ اتر جائے کسی دل میں یہی بات

اعوذ باﷲ من الشیطٰن الرجیم

مرزائیت کے پھندے میں ان خود کاشتہ مولوی فاضلوں کی کھیپ کے علاوہ جن کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ’’یکے دزد باشد دگر پردہ دار‘‘ کی ہے۔زیادہ ترنئی تعلیم حاصل کرنے والے حضرات پھنسے ہوئے ہیں اور چونکہ یہ حضرات دین کی باتوں سے عموماً ناواقف ہوتے ہیں۔اس لئے ان کی دینداری کی حس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں الہام وتبلیغ کے پھندے میں پھنسالیا جاتا ہے۔

سر سید احمد خان مرحوم مسلمانوں میں نئی تعلیم کے باوا آدم کا درجہ رکھتے ہیں۔ان کے خطوط ان کے پوتے سید رأس مسعود نے مرتب کر کے چھپوائے ہیں۔علامہ اقبال کے استاد مولانا سید میر حسن رحمۃ اللہ علیہ کے نام سر سید کا ایک خط ایسا ہے جس میں انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے الہام اور تصانیف کے بارے میں اپنی صاف صاف رائے ظاہر فرمائی ہے۔یہ خط جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے سرمہ چشم بصیرت ثابت ہوگا۔یہ خط پڑھئے اور غور فرمائیے کہ سر سید جیسا جدت پسند آدمی اس جدید ’’الہامی فیکٹری‘‘ کے متعلق کیا رائے رکھتا ہے۔نیز مرزائی مرزا غلام احمد کی تصانیف کو جدید علم کلام کی بنیاد بتاتے ہیں۔اگرچہ اہل بصیرت پہلے بھی جانتے ہیں کہ ان تصانیف

میں اپنی کارگاہ الہام کی اشتہار بازی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ مگر جدید تمدن کے بانی سے بھی ان تصانیف کی بابت سن لیجئے کہ وہ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ پہلے پورا خط پڑھ لیجئے۔

مخدومی مکرمی! آپ کے نوازش نامہ کا نہایت شکر ہے۔ پانچ روپیہ چندہ بھی پہنچے اس کا بھی شکر ہے۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ تفسیر لکھنے میں حرج پڑ جاتا ہے۔ مگر جب موقع ملتا ہے لکھتا ہوں۔ تفسیر سورۃ یوسف بھی تمام ہوگئی اور چھپ رہی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے کیوں لوگ پیچھے پڑے ہیں۔ اگر ان کے نزدیک ان کو الہام ہوتا ہے، بہتر ہمیں اس سے کیا فائدہ؟ نہ ہمارے دین کے کام کا ہے نہ دنیا کے۔ ان کا الہام ان کو مبارک رہے۔ اگر نہیں ہوتا اور صرف ان کے توہمات اور خلل دماغ کا نتیجہ ہے تو ہم کو اس سے کیا نقصان ہے وہ جو ہوں سو ہوں۔ اپنے لئے ہیں۔ میں سنتا ہوں کہ آدمی نیک بخت اور نمازی پرہیزگار ہیں۔ یہی امر ان کی بزرگداشت کو کافی ہے۔

جھگڑا اور تکرار کس بات کا ہے۔ ان کی تصانیف میں نے دیکھیں۔ وہ اسی قسم کی ہیں۔ جیسا ان کا الہام یعنی نہ دین کے کام کی نہ دنیا کے کام کی۔ حکیم نورالدین کی کوئی تحریر میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ دینیات میں کسی کا الہام جب تک اس کو شارع نہ تسلیم کرلیا جائے کسی کام کا نہیں۔

تقدیر، علم الٰہی کا دوسرا نام ہے۔ ’’ماکان‘‘ اور ’’مایکون‘‘ علم الٰہی میں موجود ہیں۔ پس کسی الہام سے علم الٰہی میں یا یوں کہو تقدیر میں کچھ تغیر وتبدل نہیں ہوسکتے۔ پس دنیا میں جو بھی ہونے والا ہے یعنی جو تقدیر میں ہے یعنی جو علم الٰہی میں ہے، وہ ہوگا۔ پس کسی کے الہام سے کسی کو دنیا میں کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔

پس ایسی بے سود کہ بالفرض اگر سچ بھی ہو تو بھی کچھ فائدے کی نہیں اور اگر جھوٹ بھی ہو تو بھی ہمارے نقصان کی نہیں۔ اس پر متوجہ ہونا اور اوقات ضائع کرنا ایک لغو کام ہے۔ والسلام!

خاکسار، سید احمد، علیگڑھ، مورخہ ۹/دسمبر ۱۸۹۱ء

معلوم ہوتا ہے کہ سیالکوٹ میں جب پہلے پہل الہام کا کاروبار شروع کیا گیا تو مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی۔ مولانا میر حسن نے سرسید سے رائے پوچھی کہ ایک شخص یوں دعویٰ کرتا ہے۔ لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ سرسید نے جو جواب عنایت فرمایا وہ آپ کے سامنے ہے۔ بار بار اسے پڑھ کر دیکھئے۔ حسب ذیل نتائج سے تو کسی کو بھی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان باتوں کی تو خط میں تصریح موجود ہے۔ گویا سرسید علیہ الرحمۃ کے نزدیک:

۱...... مرزاغلام احمد قادیانی اپنے دعویٰ میں سچے ہوں یا جھوٹے دونوں صورتوں میں قابل اعتناء نہیں۔

۲...... مرزاغلام احمد قادیانی کے الہامات ان کے اپنے دعویٰ کے مطابق اگر سچے بھی ہوں تو بھی نہ دین کے کام کے ہیں نہ دنیا کے کام کے۔

۳...... ہوسکتا ہے کہ ان کے الہام توہمات اور خلل دماغ کا نتیجہ ہوں۔

۴...... مرزاغلام احمد قادیانی کی تصانیف بیکار ہیں۔ نہ دین کے کام آسکتی ہیں نہ دنیا کے۔

۵...... دین کے بارہ میں کسی کا الہام قابل قبول نہیں۔ جب تک اس کو شارع نہ تسلیم کیا جائے اور اگر کسی کو شارع (صاحب شریعت نبی) نہ مانا جائے تو اس کا الہام کسی کام کا نہیں۔ پس اگر مرزا قادیانی کو صاحب شریعت نبی مانا جائے تو اسلام سے تعلق قطع کرنا ہوگا اور اگر صاحب شریعت نہ مانا جائے تو ان کے الہامات کا سارا دھندہ بے فائدہ ہے۔

۶...... دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے اب کسی الہام سے اس میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے مرزائی پیش گوئیوں کے طومار اور الہاموں کے انبار سب بے فائدہ ہیں۔

۷...... مرزائیت (سچی ہو یا جھوٹی) کی طرف توجہ کرنا ایک لغو کام ہے اور اس کی باتوں پر غور کرنا اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔

اس خط کے علاوہ مولوی سراج الدین احمد ایڈیٹر سرمور گرنٹ ناہن کے نام بھی سرسید کا ایک خط موجود ہے۔ جس میں مرزائیت کے متعلق کچھ روشنی پڑتی ہے۔ وہ خط مولوی سراج الدین کو کن حالات میں لکھا گیا۔ اس کے متعلق جناب مرتب سید رأس مسعود نے لکھا ہے۔

سرمور گزٹ میں کسی صاحب نے جو مرزاغلام احمد قادیانی کے معتقد تھے۔ ایک مضمون لکھا تھا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور مرزا قادیانی موصوف کے ساتھ مشابہتیں ثابت کی تھیں۔ وہ مشابہتیں زیادہ تر خیالی تھیں اور مضمون کا انداز بیان اس قسم کا تھا جس سے ہر دو انبیاء علیہم السلام کی اہانت ہوتی تھی۔ اس مضمون کو دیکھ کر سرسید مرحوم نے یہ خط تحریر کیا۔

اس سے پہلے کہ آپ وہ خط ملاحظہ فرمائیں۔ امت مرزائیہ کی اس عادت کو بھی جان لیں کہ وہ صرف مرزاغلام احمد قادیانی کو ہی نبی نہیں کہتے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساری اسلامی اصطلاحات کو بلادریغ استعمال کرتے ہیں۔ مرزا قادیانی کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' لکھتے ہیں۔ اس کے ساتھیوں کو صحابہ کہتے ہیں اور ان کے ناموں کے ساتھ ''رضی اللہ عنہم'' وغیرہ کے الفاظ لکھتے ہیں۔ حکیم نورالدین کو خلیفۂ اوّل اور مرزابشیرالدین محمود کو خلیفۂ ثانی کہتے ہیں۔ مرزا قادیانی کی گھروالی کو ''ام المؤمنین'' کہتے ہیں۔ مرزا قادیانی نہ صرف دوسرے انبیاء علیہم السلام سے تشبیہ دیتے ہیں بلکہ ان سے افضل مانتے ہیں اور اسی پر ہی اکتفاء نہیں کرتے۔ بلکہ حضور ختمی مرتبت ﷺ سے اس کی مشابہتیں ثابت کرتے ہیں۔ ان گستاخیوں سے بھی جب جی نہیں بھرتا تو پھر یہاں تک بھی بک جاتے ہیں ؎

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
وہ پہلے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں

(قاضی اکمل)

اب سنئے ایسے لوگوں کے متعلق سرسید مرحوم کیا فرماتے ہیں: مخدومی مکرمی منشی سراج الدین احمد صاحب ایڈیٹر سرمور گزٹ ناہن آپ کا اخبار مورخہ ۲۱/مارچ ۱۸۹۲ء کے دیکھنے سے جس میں ’’نیرنگی زمانہ کے تماشائی‘‘ کی تحریر چھپی ہے۔ نہایت رنج ہوا ہے۔ کیا اخباروں کی اب یہ نوبت پہنچی ہے کہ ہم عصر انسانوں کے تمسخر کرتے کرتے انبیاء علیہم السلام کا تمسخر اختیار کریں۔ کیا آپ کے نزدیک وہ تحریر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک گستاخ اور ٹھٹھہ کی نہیں ہے۔ افسوس صد افسوس کہ آپ کے اخبار میں ایسے مضمون چھاپہ ہوئے جو متانت اور انبیائے علیہم السلام کے ادب کے بالکل خلاف یا نامناسب ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ ایسا مضمون لکھنے کی ضرورت آئندہ بتائی جائے گی۔ کوئی ضرورت ہو یا نہ ہو مگر ایسے مضمون کے لکھنے کی جس کے طرز تحریر پر ایک مسلمان افسوس کرے گا۔ کوئی ضرورت نہیں ہوسکتی۔ امید ہے کہ آپ میرے اس خط کو اخبار میں چھاپ دیں گے۔ ’’وانا بریٔ مما تقولون‘‘ والسلام!

خاکسار سید احمد، علی گڑھ، ۲۴/مارچ ۱۸۹۲ء

یہ رائے تو ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے مرزا قادیانی کی حضرت یحییٰ اور حضرت مسیح علیہما السلام سے تشبیہ ثابت کی تھی۔ اب ان بدبختوں کے متعلق آپ کیا فرمائیں گے جو مرزا قادیانی جیسے حواس باختہ انسان کو حضور خواجہ دوسرا ﷺ سے صرف مشابہ ہی نہیں مانتے بلکہ مرزا قادیانی کے ذہنی ارتقاء کو حضور ﷺ کے ذہنی ارتقاء سے بڑھ کر مانتے ہیں۔ **نعوذ باللہ من هذه الهفوات!**

کیا ہماری حکومت سرسید علیہ الرحمۃ کی رائے کی روشنی میں مرزائی تصانیف کا جائزہ لے کر انہیں ضبط کر کے مسلمانوں کے درد دل کا مداوا کرے گی؟

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مؤمن کو غلامی کے طریق

(اقبال)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

مرزائی

مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟

مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

’’الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الرسل وخاتم الانبیاء لا نبی بعدہ ولا رسول بعدہ ولا امۃ بعدہ امتہٖ‘‘

معزز قارئین! زیرنظر پمفلٹ ’’مرزائی مسلمان کو کیا سمجھتے ہیں‘‘ کے عنوان سے پیش خدمت ہے۔ یہ پمفلٹ مرزائیوں کے مسلمانوں کے بارے میں عقائد ونظریات اور افکار وخیالات پر مبنی ہے۔ واقعہ ربوہ کے بعد مرزائیوں کے بارے میں دیگر معلومات کے علاوہ اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ مسلمان عوام کو یہ بات زیادہ سے زیادہ معلوم ہونی چاہئے کہ مرزائی مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں؟ اور مسلمانوں کے بارے میں ان کے عزائم کیا ہیں؟ تاکہ ہمارے سادہ لوح مسلمان عوام اور جدید تعلیم سے آراستہ پڑھا لکھا بے خبر طبقہ ملت اسلامیہ کے اس سب سے بڑے دشمن کے مکروہ عزائم اور گھناؤنے منصوبوں سے آگاہ ہوسکیں۔

چنانچہ وقت کی اہم ضرورت کے پیش نظر مرزائیوں کی کتابوں، اخبارات ورسائل سے تمام حوالہ جات (جو مسلمانوں کے بارے میں ہیں) اس پمفلٹ میں یک جا کر دیئے ہیں تاکہ بقول ظفر علی خان مرحوم ؎

جو بات بات میں تم کو حرامزادہ کہتا ہے ہر ایسے سفلۂ بداصل و بدزباں سے بچو

مرتب

مسلمانوں سے ہر بات میں اختلاف ہے

’’حضرت مسیح موعود (مرزائے قادیانی) نے فرمایا۔ ان کا (یعنی مسلمانوں کا) اسلام اور ہے ان کا خدا اور ہے اور ہمارا خدا اور ہے اور ہمارا حج اور ہے اور ان کا حج اور، ان سے ہر بات میں اختلاف ہے۔‘‘ (الفضل قادیان ج۵ نمبر۱۵ ص۸، مورخہ ۲۱؍اگست ۱۹۱۷ء)

تمام بنیادی عقائد میں مسلمانوں سے اختلاف ہے

’’یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے (یعنی مسلمانوں سے) ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح پر اور چند دیگر مسائل میں ہے۔ آپ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ہر ایک چیز میں ان سے اختلاف ہے۔‘‘ (الفضل قادیان مورخہ ۳؍جولائی ۱۹۳۱ء)

میرے منکر شیطان ہیں

’’اور خدا تعالیٰ نے اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں۔ اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی نبوت بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ (نعوذ باللہ) لیکن پھر بھی جو لوگ انسانوں میں سے شیطان ہیں وہ نہیں مانتے۔‘‘

(چشمہ معرفت ص ۳۱۷، خزائن ج ۲۳ ص ۳۳۲)

مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنا حرام ہے

’’تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ مکفر یا مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہئے تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔‘‘ (اربعین نمبر۳ حاشیہ ص ۲۸، خزائن ج ۱۷ ص ۴۱۷)

مرزائے قادیانی کی نبوت کے منکر کافر ہیں

’’ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا کے نبی کے منکر ہیں۔‘‘ (انوار خلافت ص ۹۰)

مسلمان کا جنازہ پڑھنا ناجائز ہے

’’حضرت مرزا صاحب (مرزا غلام احمد قادیانی) نے اپنے بیٹے فضل احمد کا جنازہ اس لئے نہیں پڑھا کہ وہ غیر احمدی تھا۔‘‘ (الفضل قادیان مورخہ ۱۵ ردسمبر ۱۹۳۱ء)

مسلمانوں کے بچے عیسائیوں کے بچے ہیں ان کا جنازہ پڑھنا بھی حرام ہے

’’ایک صاحب نے عرض کیا کہ غیر احمدی کے بچے کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جاوے وہ تو معصوم ہوتا ہے اور کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ بچہ جوان ہوکر احمدی ہوتا۔ اس کے متعلق میاں بشیر الدین محمود (مرزائیوں کا خلیفہ ثانی) نے فرمایا جس طرح عیسائی بچہ کا جنازہ نہیں پڑھا جاسکتا۔ اگرچہ وہ معصوم ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک غیر احمدی کے بچے کا جنازہ بھی نہیں پڑھا جاسکتا۔‘‘

(الفضل قادیان مورخہ ۲۳ راکتوبر ۱۹۲۲ء)

غیر احمدیوں کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے

’’غیر احمدی تو حضرت مسیح موعود کے منکر ہوئے (یعنی مرزائے قادیان علیہ ما علیہ کے منکر ہوئے۔ مرتب) اس لئے ان کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے۔‘‘ (انوار خلافت ص ۹۳)

مسلمانوں کو لڑکی دینے والے کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں

’’اسی طرح جو لوگ غیراحمدیوں کو لڑکی دے دیں تو وہ اس فعل سے توبہ کئے بغیر فوت ہو جائیں تو ان کا جنازہ جائز نہیں۔‘‘ (الفضل قادیان ج۱۳ نمبر۱۰۲ ص۱۲ کالم۳، مورخہ ۱۳/اپریل ۱۹۲۶ء)

مرزائیوں کے نزدیک مسلمان یہود ونصاریٰ کی طرح ہیں

’’حضرت مسیح موعود نے غیراحمدیوں کے ساتھ وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریم نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیراحمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روک دیا گیا۔ اگر کہو کہ ہم کو ان کی لڑکیاں لینے کی اجازت ہے تو میں کہتا ہوں کہ نصاریٰ کی لڑکیاں لینے کی بھی اجازت ہے۔ اگر یہ کہو کہ غیراحمدیوں کو سلام کیا جائے تو نبی کریم نے یہود کو بھی سلام کیا ہے۔‘‘

(ریویو آف ریلیجنز ج۱۴ نمبر۴ ص۱۶۹، ماہ اپریل ۱۹۱۵ء)

مجھے نہ ماننے والا کافر ہے

’’خدا نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک وہ شخص جس کو میری نبوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں۔‘‘ (تذکرہ ص۶۰۷)

مسلمان جہنمی ہیں

’’مجھے ایسا معلوم ہوا ہے جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہ ہوگا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے۔‘‘

(اشتہار معیار الاخیار، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۲۷۵، تبلیغ رسالت ج۹ ص۲۷)

مرزا کہتا ہے: ’’میرے بغیر اسلام مردہ ہے‘‘ (نعوذ باللہ)

’’حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی زندگی میں محمد علی اور خواجہ کمال الدین کی تجویز پر ۱۹۰۵ء میں ایڈیٹر صاحب وطن نے ایک فنڈ اس غرض سے شروع کیا تھا کہ اس سے رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان کی کاپیاں بیرونی ممالک میں بھیجی جائیں۔ بشرطیکہ اس میں حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کا نام نہ ہو۔ مگر حضرت اقدس نے اس تجویز کو اس بناء پر رد کردیا کہ مجھ کو چھوڑ کر مردہ اسلام پیش کرو گے، اس چندہ کو بند کردیا۔‘‘ (اخبار الفضل قادیان ج۱۶ نمبر۳۲ ص۱۱ کالم۲، مورخہ ۱۹/اکتوبر ۱۹۲۸ء)

جو مرزا کی بیعت نہیں کرتا کافر ہے

’’آپ نے (مرزا قادیانی نے) اس شخص کو جو آپ کو سچا جانتا ہے مگر مزید اطمینان کے لئے اس بیعت میں توقف کرتا ہے کافر ٹھہرایا ہے۔ بلکہ اس کو بھی جو آپ کو دل میں نبی قرار دیتا ہے اور زبانی بھی آپ کا انکار نہیں کرتا لیکن ابھی بیعت میں اسے کچھ توقف ہے کافر ٹھہرایا ہے۔‘‘

(عقائد احمدیہ ص۱۰۸)

تمام مسلمان کافر ہیں

’’کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی بیعت میں شامل نہیں ہوتے خواہ انہوں نے مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔‘‘

(آئینہ صداقت ص۳۵)

مرزا کا منکر پکا منکر ہے

’’پس ان معنوں میں مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے احمد اور نبی اللہ ہونے سے انکار کرنا، جو منکر کو دائرہ اسلام سے خارج اور پکا کافر بنا دینے والا ہے۔‘‘

(الفضل قادیان مورخہ ۲۹؍جون ۱۹۱۵ء)

حضور کو نبی ماننے والا بھی پکا کافر ہے (نعوذ باللہ)

’’ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو تو مانتا ہے مگر محمد (ﷺ) کو نہیں مانتا یا محمد (ﷺ) کو تو مانتا ہے مگر مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔‘‘

(کلمتہ الفصل ریویو آف ریلیجنز ج۱۴ نمبر۴ ص۱۵۸، ماہ اپریل ۱۹۱۵ء)

مرزا کے منکر رسول اللہ کے منکر ہوئے

’’پس مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہیں۔ (نعوذ باللہ) جو اشاعت اسلام کے لئے دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ اب معاملہ صاف ہے۔ اب نبی کریم کا انکار کفر ہے تو مسیح موعود کا انکار بھی کفر ہونا چاہئے۔ کیونکہ نبی کریم سے الگ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ وہی ہے۔‘‘

(نعوذ باللہ) (کلمتہ الفصل ریویو آف ریلیجنز ج۱۴ نمبر۴ ص۱۴۷، ماہ اپریل ۱۹۱۵ء)

مرزا قادیانی کا دشمن جہنمی

’’اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ خدا کا فرستادہ ہوں، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آتا ہے جو کچھ کہتا ہوں اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔‘‘ (انجام آتھم ص۶۲، خزائن ج۱۱ص۶۲)

مرزا قادیانی کی کتابوں کے منکر بدکار عورتوں کی اولاد ہیں

’’تلک الکتب ینظر الیھا کل مسلم بعین المحبة والمودة وینفع من معارفھا وبقلبی وبصدقتی الاذریه البغایا الذین ختم اللہ علٰی قلوبھم فھم لا بقبلون‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۷، خزائن ج۵ص۵۴۷)

(ترجمہ) ان کتابوں کو (مرزا قادیانی کی) سب مسلمان محبت کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور ان کے معارف سے مستفیض ہوئے ہیں اور میرے دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں۔ مگر بدکار عورتوں کی اولاد نہیں مانتے اور ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی ہے۔

مرزا کو نبی نہ ماننے والے حرامزادے جنگلوں کے خنزیر اور کتیوں کی اولاد ہیں

’’اعلم ان کل مولود ولد الحلال ولیس من ذریة البغایا ونسل الرجال فیفعل امرًا من امرین‘‘

(ترجمہ) اور جان کہ ہر ایک شخص خود حلال زادہ ہے اور بدکار عورتوں کی اولاد اور رجال کی نسل میں سے نہیں ہے۔ اسے دو باتوں میں سے ایک کو ضرور اختیار کرنا ہوگا۔

(نور الحق ص۱۲۳، خزائن ج۸ص۱۶۳)

’’یہ لوگ جھوٹے ہیں اور کتوں کی طرح مردار کھا رہے ہیں۔‘‘

(ضمیمہ انجام آتھم ص۲۵، خزائن ج۱۱ص۳۰۹)

’’ان بیوقوفوں کے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں رہے گی اور نہایت صفائی سے ناک کٹ جائے گی اور ذلت کے سیاہ داغ ان کے منحوس چہروں پر بندروں سوروں کی طرح کر دیں گے۔‘‘

(ضمیمہ انجام آتھم ص۵۳، خزائن ج۱۱ص۳۳۷)

’’جو ہماری فتح کا قائل نہ ہوگا سو سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام (یعنی حرامی) بننے کا شوق ہے اور وہ حلال زادہ نہیں۔‘‘ (انوار الاسلام ص۳۰، خزائن ج۹ص۳۱)

’’ان العدا صار وخنازیر الغلا ونسائھم من ذرنھن الاکلب‘‘

(ترجمہ) ہمارے دشمن (مرزا قادیانی) کو نبی نہ ماننے والے (یعنی مسلمان) جنگلوں کے خنزیر ہوں اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔ (نجم الہدیٰ ص۱۰، خزائن ج۱۶ ص۵۳)

مرزائیوں کے نزدیک جہاد کو جاری رکھنے والے خدا کے دشمن اور نبی کے منکر ہیں

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۲۷، درثمین ص۵۰، خزائن ج۱۷ ص۷۷)

ہر ایک شخص جو میری بیعت کرتا ہے اور مجھ کو مسیح موعود جانتا ہے اسی روز سے اس کو عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ میں جہاد قطعاً حرام ہے۔

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص۷، خزائن ج۱۷ ص۲۸)

مرزائیوں کے غلبے کی صورت میں مسلمانوں کی حیثیت چوڑھے چماروں کی سی ہوگی

’’خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ (لعنۃ اللہ علیہ) نے جلسہ سالانہ ۱۹۳۲ء میں افتتاحی تقریر میں فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ بنیاد جو اس وقت کمزور نظر آتی ہے اس پر عظیم الشان عمارت تعمیر ہوگی۔ ایسی عظیم الشان کہ ساری دنیا اس کے اندر آجائے گی اور جو لوگ باہر رہیں گے ان کو کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ سے خبر پا کر حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کی حیثیت چوڑھے چماروں کی ہوگی۔ سوسائٹی کے اندر ان کی آواز ایسی غیر مؤثر اور ناقابل التفات ہوگی جیسی کہ موجودہ زمانے میں چوڑھے اور چماروں کی ہے۔‘‘

(الفضل قادیان ج۲۰ نمبر۹۰ ص۶ کالم۱، مورخہ ۲۹ رجنوری ۱۹۳۳ء)

مسلمانوں کے خلاف مرزائیوں کو مسلح جنگ کا حکم

’’حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ (لعنۃ اللہ) کے اس ارشاد پر خاص دھیان دیا جائے کہ جو حضور نے زمانہ کی نزاکت اور حالات کی رو کو دیکھتے ہوئے مجلس مشاورت پر فرمایا تھا

یعنی یہ کہ جو احباب بندوق کا لائسنس حاصل کر سکتے ہیں وہ لائسنس حاصل کریں اور جہاں جہاں اس کی اجازت نہ ہو وہاں لاٹھی رکھی جائے اور پھر جہاں تک ممکن ہو ان ہتھیاروں کا بھی سیکھنا اور اس کے علاوہ دیگر فنون جنگ میں جو قانوناً ممنوع نہ ہوں پوری توجہ اور دلی انہماک سے سیکھنے چاہئیں۔'' (الفضل قادیان ج۱۸ نمبر۱۰ ص۳ کالم۳، مورخہ ۲۲/ جولائی ۱۹۳۰ء)

''حکومت ہمارے پاس نہیں کہ ہم جبر کے ساتھ ان لوگوں کی اصلاح کریں اور ہٹلر یا مسولینی کی طرح جو شخص ہماری تعمیل نہ کرے اسے ملک سے نکال دیں اور جو ہماری باتیں سنے اور ان پر عمل کرنے پر تیار نہ ہو اسے عبرت ناک سزا دیں۔ اگر حکومت ہوتی تو یہ کام ہم ایک دن میں کرتے۔'' (الفضل قادیان ج۲۳ نمبر۲۷۹ ص۶ کالم۳،۴، مورخہ ۲/ جون ۱۹۳۶ء)

وقت کی پکار

توحید وختم نبوت کے علم بردارو! ایک ہوجاؤ! ایک ہوجاؤ!

یاد رکھو! اگر اس نازک موقع پر بھی ہماری خود غرضیاں اور سیاسی مصلحتیں ہمارے قومی اتحاد کے آڑے آگئیں اور ہم نے عقیدۂ ختم نبوت کے مسئلہ کی بنیاد پر خلوص نیت سے مل بیٹھنے سے انکار کر دیا تو پھر قیامت تک کے لئے تم اکٹھے نہیں ہوسکو گے۔ دشمن کو زیر کرنے کا یہی وقت ہے۔ دشمن زیر ہوگا مسئلہ ختم نبوت پر ہمارے عملی اتحاد اور فکری وحدت سے۔

آیئے! آج ہم سب مسلمان مل کر خداوند قدوس کے حضور یہ عہد کریں کہ جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم تمام مکاتب فکر کی اصلاح وفلاح اور امت کے عظیم مفادات کے لئے اتحاد کی سرد جنگ لڑتے رہیں گے۔ ہم آخری سانس تک دینی حکومت کے قیام کے لئے ہمہ جہت جدوجہد کرتے رہیں گے۔ ہرچند یہ جانتے ہیں کہ اس کٹھن وادی کی مشکلات بہت ہیں مگر مردان حق آگاہ گھبرایا نہیں کرتے۔

یا الٰہ العالمین! ہم سب مسلمانوں کو حضور خاتم النّبیین ﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کے لئے اتحاد واتفاق کی نعمت سے مالا مال فرما۔ ہمیں خلوص نیت کے ساتھ محض اپنی رضا کے لئے اس جدوجہد کو حصول مقصد تک جاری رکھنے کی ہمت وتوفیق عطاء فرما۔ ہم کمزور وناتواں ہیں۔ ہمیں باطل قوتوں کے مقابلے میں قوت واستقامت عطاء فرما۔ (آمین ثم آمین)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

نزول مسیح آخر کیوں؟

جناب نور محمد قریشی ایڈووکیٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

گزشتہ دنوں قادیانی جماعت نے ایک کتابچہ ’’اک حرف ناصحانہ‘‘ کے عنوان سے وسیع پیمانے پر تقسیم کیا ہے۔ مجھے بھی اس کے چار نسخے مختلف ذرائع سے ملے ہیں۔ یہ کتابچہ خبروں کا موضوع بھی رہا ہے۔ چونکہ اس کا مطالعہ ناواقف لوگوں کی گمراہی کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کا تجزیہ کیا جائے اور حقیقت حال سے لوگوں کو باخبر کیا جائے۔

اس کتابچے کا لب لباب یہ ہے کہ:

۱...... پاکستان میں عیسائیوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی مکمل آزادی حاصل ہے۔ بہائیوں کو بھی یہ آزادی حاصل ہے۔ دوسری مذہبی اقلیتیں بھی اپنی مذہبی سرگرمیوں میں آزادی کے ساتھ مصروف ہیں تو آخر قادیانی گروہ کی سرگرمیوں کو ہی کیوں ہدف تنقید بنایا جاتا ہے۔

۲...... ہر مذہبی گروہ کو یہ آزادی حاصل ہے کہ اپنے مذہب اور مجموعہ عقائد کے لئے جو نام چاہے تجویز کرے۔ عیسائیوں نے اپنے عقائد از قسم ’’ازلی گناہ، تجسم کفارہ‘‘ وغیرہ کے لئے عیسائیت کا نام پسند کرلیا۔ بہائیوں نے اپنے مذیب کے لئے بہائیت کا نام تجویز کرلیا تو کسی نے نہ تو عیسائیوں کو ملامت کا نشانہ بنایا اور نہ ہی بہائیوں کو۔ آخر صرف ہم احمدیوں کو اس آزادی سے کیوں محروم کیا جائے۔ ہمیں بھی اصولاً یہ آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ اپنے مذہب اور مجموعہ عقائد کے لئے جو نام چاہیں تجویز کرلیں اور کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

بظاہر یہ باتیں بڑے معصومانہ انداز میں پیش کی گئی ہیں اور بظاہر بالکل درست اور دل لگتی معلوم ہوتی ہیں۔ کتابچہ ختم کرنے کے بعد ذہن میں جو تأثر بنتا ہے وہ یہی ہے کہ پاکستان میں قادیانیوں کے ساتھ بہت ظلم ہو رہا ہے۔ جب کہ مملکت خداداد پاکستان میں مذہب کے موضوع پر ہر شخص کو ہر بات کہنے کی آزادی حاصل ہے اور اگر کوئی مذہبی گروہ اس سے محروم ہے تو وہ صرف مرزائی جماعت ہے۔

لیکن جب سنجیدگی سے اس مسئلہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ بات اتنی سادہ نہیں ہے جتنی کہ قادیانی جماعت بیان کر رہی ہے۔ قادیانیوں نے اپنی روایات کے مطابق ''اک حرف ناصحانہ'' کے ذریعہ ایک بار پھر لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ ان کی اس مذموم کوشش کی تردید اوران کے پیدا کردہ مغالطہ کو دور کرنے کے لئے یہ تحریر قارئین کی ہدیہ نظر ہے۔

نور محمد قریشی (ایڈووکیٹ)

یہ درست ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ابتداء ہی سے عیسائیت اور دوسرے مذاہب کی تبلیغ کی مکمل آزادی ہے۔ مجھے چند ایسے لوگوں سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا ہے جو اپنا مذہب ترک کر کے عیسائی ہوگئے۔ میرے علم کی حد تک بہائی بھی ملک عزیز میں مکمل آزادی کے ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اگرچہ میرے ذاتی نقطۂ نظر سے پاکستان کی نظریاتی مملکت میں اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب یا نظریہ کی تبلیغ کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن بوجوہ آج تک ایسا نہیں ہوا۔

البتہ قادیانی مذہب کا معاملہ کئی لحاظ سے عیسائیوں، بہائیوں اور دوسرے مذہبی اقلیتوں سے مختلف ہے۔ خود قادیانیوں کو اس کا احساس ہونا چاہئے۔ اگر نہیں ہے تو اس کی وضاحت کئے دیتے ہیں۔

مسیحیت کی تبلیغ

عیسائی جب اپنے عقائد از قسم ''کفارہ وتجسم'' کی تبلیغ کرتے ہیں تو وہ یہ نہیں کہتے کہ وہ اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے عقائد کو اسلامی عقائد کہتے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی شخص عیسائیوں کی تبلیغی مساعی سے متأثر ہوتا ہے تو وہ اس غلط فہمی میں نہیں ہوتا کہ وہ اسلام کے عقائد قبول کر رہا ہے۔ اگر کوئی محروم ہدایت مسلمان ان کے عقائد قبول کرتا ہے تو اسے یہ اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اسلامی عقائد کو ترک کیا ہے اور عیسائیت کے عقائد قبول کئے ہیں۔ لہٰذا ہم عیسائیوں کی تبلیغی کوششوں کو خواہ کتنا ہی ناخوشگوار محسوس کریں یہ نہیں کہہ سکتے کہ عیسائی مبلغ اسلام کے نام پر کوئی فریب دے رہے ہیں۔ البتہ اگر عیسائی تبلیغ تو کرتے ''ازلی گناہ، تجسم، کفارہ''

کی لیکن دعویٰ یہ کرتے کہ وہ اسلامی عقائد کی تبلیغ کر رہے ہیں اور اپنے نام بھی مسلمانوں جیسے رکھ لیتے۔ اس کے علاوہ اسلامی اصطلاحات بھی اختیار کر لیتے تو یقیناً مسلمان اس پر زبردست احتجاج کرتے اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی کا مطالعہ کرتے۔ اس صورت میں عیسائی حضرات یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ انہیں اس بات کی آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ وہ اپنے مذہب اور مجموعہ عقائد کا جو نام چاہیں تجویز کر لیں۔ پاکستان کی مسلم اکثریت کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔

دوسری صورت

اگر دوسری صورت یہ ہوتی کہ عیسائی جو یہودیوں سے نکلے ہیں تبلیغ تو کرتے ''ازلی گناہ، تجسم، کفارہ'' کے عقائد کی۔ لیکن دعویٰ یہ کرتے کہ وہ یہودیت کی تبلیغ کر رہے ہیں اور یہ کہ اب اصل یہودی وہی ہیں۔ اپنے عبادت خانوں کا نام گرجوں کی بجائے یہودی عبادت خانوں کی طرح سناگاگ رکھتے اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کرتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرنے والے یہودی تو نقلی یہودی ہیں اور اگر ان کو اس پر اعتراض ہے تو وہ اپنے مذہب کے لئے یہودیت کی بجائے کوئی دوسرا نام تجویز کر لیں۔ وہ اپنے مذہب کو یہودیت ہی پکاریں گے تو:

۱...... کیا ایسی صورت کو یہودی برداشت کر لیتے؟

۲...... کیا اس پر یہودیوں کا اعتراض بے جا ہوتا؟

۳...... کیا عیسائی یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوتے کہ ہر مذہبی گروہ کو یہ آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ وہ اپنے مذہب کے لئے جو نام چاہے تجویز کرے۔

اسی طرح اگر بہائی یہ تبلیغ کرتے کہ:

۱...... محمد ﷺ کی شریعت منسوخ ہوگئی ہے۔

۲...... محمد ﷺ پر صرف نبوت ختم ہوئی تھی، رسالت ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ خاتم النّبیین تو ہیں، خاتم المرسلین نہیں ہیں۔

۳...... محمد ﷺ کا دور ختم ہو چکا، اب بہاء اللہ کا دور ہے۔

۴...... بہاء اللہ اپنے دعویٰ رسالت میں صادق ہے۔ اب اس پر ایمان لاؤ۔

لیکن بہائی اپنے ان عقائد کو اسلامی عقائد قرار دیتے۔ اپنے مذہب کا نام اسلام رکھتے اور یہ دعویٰ کرتے کہ:

۱...... اصل مسلمان تو ہم ہیں۔ اصلی اسلام تو ہمارے پاس ہے۔
۲...... بہاء اللہ کی تکذیب کرنے والے مسلمان نہیں ہیں۔

تو اس صورت میں مسلمان یقیناً برہم اور معترض ہوتے۔ نوبت یقیناً لاء اینڈ آرڈر کی خرابی تک آسکتی تھی۔ اس پر بہائی حضرات کو یہ کہنے کا ہرگز حق نہ ہوتا کہ ان کو آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ وہ اپنے مذہب اور مجموعہ عقائد کے لئے جو نام پسند کریں رکھ لیں۔ مسلم اکثریت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان کے مذہب کا نام تجویز کرے۔

مذاہب عالم کی تاریخ میں مرزائی حضرات کا معاملہ بالکل منفرد ہے۔ مرزائیت ہر لحاظ سے اسلام کے مقابلہ میں ایک جداگانہ دین ہے۔ لیکن دیانتداری سے اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بجائے انہیں یہ ضد ہے کہ ان کا مذہب اسلام ہے۔ مسلمان کافر ہیں۔ گویا مسلمان اگر چاہیں تو اپنے مذہب کے لئے اسلام کی بجائے کوئی دوسرا نام اختیار کر لیں۔

مرزائی عقائد

قادیانی یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ اسلام کے نام پر دنیا کو دھوکہ دیتے رہیں۔ کسی فلسفیانہ موشگافی یا مناظرہ رنگ اختیار کئے بغیر ہم مرزائیت کے عقائد نقل کرتے ہیں۔ جس کی وہ شب وروز تبلیغ وتلقین کرتے ہیں:

۱...... نبوت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم نہیں ہوئی بلکہ مرزاغلام احمد پر ختم ہوئی ہے۔ آخری نبی مرزاغلام احمد ہے۔ یہی ان کا کلمہ ہے۔ جو ان کی کتابوں میں درج ہے اور ان کی عبادت گاہوں کی پیشانیوں، محرابوں پر کندہ ہے۔

۲...... مرزائی دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس مذہب میں نبوت جاری نہ ہو وہ متعفن مذہب ہے۔

۳...... نبوت اولاد ابراہیم علیہ السلام سے منتقل ہوکر چنگیز خان کی نسل میں آگئی ہے اور چنگیز خان کی نسل میں پہلا (اور آخری بھی) نبی مرزاغلام احمد ہے۔

۴...... قرآن کے الفاظ تو نازل ہوئے تھے محمد رسول اللہ ﷺ پر لیکن ان پر قرآن کے الفاظ کا صحیح مفہوم واضح نہیں کیا گیا تھا۔ قرآن کے الفاظ کا صحیح مفہوم مرزا غلام احمد قادیانی کو الہام کیا گیا ہے۔

۵...... قرآن میں محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو ''خاتم النّبیین'' کے الفاظ نازل ہوئے ہیں ان کا مفہوم اگرچہ حضور اکرم ﷺ نے آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور عام علمائے امت نے نبیوں کو ختم کرنے والا (بمعنی آخری نبی) سمجھا تھا اور سمجھایا تھا وہ غلط تھا۔ اس کا صحیح مفہوم مرزا غلام احمد قادیانی کو الہام ہوا ہے جو یہ ہے کہ ان پر کمالات نبوت ختم ہوئے تھے۔ نبوت ختم نہیں ہوئی تھی اور یہ کہ خاتم کا مطلب مہر ہے۔ ان کے بعد جو نبی آئے گا وہ ان کی مہر لے کر آئے گا اور مہر کا مطلب بھی (SEAL) نہیں ہے۔ بلکہ ان کا امتی ہونا ہے۔

۶...... محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو یہ خبر دی تھی کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ ابن مریم (جو آسمان پر زندہ اٹھائے گئے تھے) دنیا میں دوبارہ تشریف لاویں گے تو وہ اس خبر کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکے تھے۔ اس خبر کا صحیح مفہوم مرزا غلام احمد قادیانی کو الہام کیا گیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم سے مراد مثیل عیسیٰ ہے نہ کہ اصل عیسیٰ اور وہ مثیل عیسیٰ مرزا غلام احمد ہے۔ عیسیٰ ابن مریم تو کشمیر کی سیر کرتے ہوئے سیری نگر پہنچ گئے تھے اور وہیں دفن ہیں۔ (نعوذ باللہ)

تجزیہ

مذکورہ بالا عقائد قادیانی امت کے سرکاری (Official) عقائد ہیں۔ اگر قادیانی حضرات مذکورہ بالا عقائد کو اسلام کے عقائد بنا کر پیش نہ کرتے تو جس طرح کسی مسلمان کو بھی عیسائیوں اور بہائیوں کی تبلیغ مساعی پر کوئی اعتراض نہیں احمدیوں کی تبلیغی سرگرمیوں پر اعتراض نہ ہوتا۔ جو شخص بھی ان کے عقائد کو اختیار کرتا اسے معلوم ہوتا کہ وہ اپنا مذہب ترک کر کے مرزائیت (یا جو نام بھی قادیانی امت اپنے مذہب کا تجویز کرتی) نام کے نئے مذہب کو اختیار کر رہا ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم مرزائیت اختیار کرتا تو اسے بھی واضح طور پر معلوم ہوتا کہ وہ اسلام کو اختیار نہیں کر رہا بلکہ کوئی دوسرا مذہب اختیار کر رہا ہے جو اسلام سے بالکل جداگانہ ہے۔ لیکن اس طرح وہ فریب

نہیں چل سکتا تھا جو قادیانی حضرات گزشتہ ایک صدی سے اسلام کے نام کو استعمال کر کے دنیا کو دے رہے ہیں۔ وہ تبلیغ تو کرتے ہیں مذکورہ بالا عقائد کی جن میں سے ہر عقیدہ تمام مسلمانوں کے نزدیک صریح کفر ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی تسلیم کرتے ہیں اوران کے بعد مسیلمہ کذاب سے لے کر مرزا غلام احمد کذاب تک تمام مدعیان نبوت کو جھوٹا اور مفتری سمجھتے ہیں۔

دوسوال، دو نتیجے

میں قادیانی حضرات سے سوال کرتا ہوں کہ میں نے ان کے عقائد کی جو فہرست اوپر درج کی ہے کیا ان میں کوئی عقیدہ ایسا ہے جو ان کا مذہب نہ ہو؟ ان کا جواب یہی ہوگا کہ یہ تمام عقائد ان کے ہیں۔

اب میں دوسرا سوال ان سے یہ کرتا ہوں کہ کیا ان عقائد میں سے ہر عقیدہ تمام مسلمانوں کے نزدیک کفر نہیں ہے؟ جب کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی مانتے ہیں اوران کے بعد ہر مدعی نبوت کو (خواہ ظلی ہو یا بروزی، خواہ تشریعی ہو یا غیر تشریعی) کذاب سمجھتے ہیں۔ اس کا جواب بھی یقیناً یہی ہے کہ بلاشبہ یہ تمام عقائد ان لوگوں کے نزدیک صریح کفر ہیں۔

بات اس طرح منقح ہو جانے کے بعد دو صورتوں میں سے ایک ہی صورت درست ہوسکتی تھی۔

۱...... قادیانی (بہائیوں کی طرح) خود کو اسلام سے منسوب نہ کرتے اور اپنے مذہب کے لئے کوئی نیا نام تجویز کر لیتے۔ (یا)

۲...... دنیا کے تمام مسلمان جو محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد ہر مدعی نبوت کو کذاب تسلیم کرتے ہیں اور چودہ سو سال سے مسلمان کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور اپنے مذہب کو اسلام بتاتے ہیں۔ یہ مسلمان اپنے مذہب کا نام اسلام کی بجائے کوئی دوسرا تجویز کر لیتے اور اسلام کا نام راضی خوشی قادیانی امت کو بخش دیتے۔

کیا مسلمان نام بدلیں؟

میں مرزائی حضرات سے یہ بھی دریافت کرتا ہوں کہ عقلی اور منطقی طور پر ان دو میں سے

کون سی صورت ممکن ہوسکتی تھی۔ یقیناً ان کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ پہلی صورت ہی ممکن تھی اور ممکن ہے اور یہی صورت معقولیت پر مبنی بھی ہے کہ انہوں نے اسلام کے بنیادی عقائد کو چھوڑا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کی ہے تو اپنا نام بھی جدا کر لیتے۔ لیکن قادیانیوں نے اسلام کے نام پر دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے اس صورت کو اختیار نہیں کیا۔ ان کی خواہش ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی کو کذاب سمجھنے والے مسلمان اپنے مذہب کا نام چاہیں تو تبدیل کر لیں۔ وہ تو اپنے مذہب کو اسلام کے نام سے ہی پکاریں گے۔

خود سوچیں

ایسی صورت میں کیا مسلمانوں کا مشتعل ہونا بے جواز ہے؟ کیا قادیانیوں کے اس استدلال میں کوئی معقولیت ہے کہ ہر مذہبی گروہ کو آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ اپنے مذہب کے لئے جو نام چاہے تجویز کر لے۔ مسلمانوں کو اس پر اعتراض کا حق نہیں؟

اب مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ قادیانیوں نے اس کتابچہ ''اک حرف ناصحانہ'' کے ذریعہ کس طرح دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ انہیں اسلام کے نام پر دھوکہ دینے کا حوصلہ مرزاغلام احمد قادیانی کے مختلف النوع دعاوی کی بناء پر ہی ہوا ہے۔

تدریجی نبوت

مرزاقادیانی کا معاملہ اس طرح کا نہیں ہے کہ ایک صبح اٹھ کر اچانک انہوں نے اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا ہو۔ (جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر نبوت ملتے ہی کر دیا تھا۔ یا نبی اکرم ﷺ نے غار حرا میں وحی الٰہی کے نازل ہوتے ہی کر دیا تھا) مرزاغلام احمد قادیانی نبی بنائے نہیں گئے بلکہ اپنی قوت بازو سے بنے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح کوئی پٹواری اپنی محنت سے ترقی کر کے تحصیلدار بن جائے۔ مرزاقادیانی مجدد سے شروع ہوئے اور جیسے جیسے حالات سازگار ہوتے گئے وہ محدث، مہدی، مثیل مسیح، ظلی نبی، بروزی نبی، غیرتشریعی نبی بنتے ہوئے بالآخر ۱۹۰۱ء میں مکمل نبی بن گئے۔

اس طرح ان کے دعاوی کے بارے کافی الجھاؤ ہوگیا جو ان کے پہلے خلیفہ حکیم

نورالدین کی وفات تک قائم رہا اور جسے ان کے صاحبزادے بشیرالدین محمود نے ایک کتاب ’’حقیقت النبوۃ‘‘ تصنیف کر کے دور کیا اور مرزا قادیانی کو مکمل نبی تسلیم نہ کرنے والوں پر حجت تمام کردی۔ بشیرالدین محمود احمد نے (حقیقت النبوۃ ص۱۲۱) پر اعلان کردیا کہ: ’’۱۹۰۱ء کے پہلے کے حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے۔‘‘

دوعملی

اس کے باوجود قادیانیوں میں ابھی تک عقائد کے معاملے میں کچھ نہ کچھ انتشار اور الجھاؤ باقی ہے۔ مجھے ایک مجلس میں دو قادیانی دوستوں سے بات کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں نے ان سے دوٹوک انداز میں دریافت کیا کہ میں مرزاغلام احمد کو کذاب سمجھتا ہوں تو کیا آپ کی نظر میں مسلمان ہوں یا نہیں؟ ایک صاحب نے کہا ’’ہاں‘‘ جب کہ اسی وقت اسی جگہ دوسرے صاحب نے کہا۔ نہیں!

صریح مغالطہ

زیربحث کتابچہ میں احمدیوں نے اپنے عقائد کے ثبوت میں مرزاغلام احمد کی دو کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ پہلا حوالہ (ایام الصلح ص۸۶،۸۷، خزائن ج۱۴ ص۳۶۰۔۳۶۱) کا ہے اور دوسرا حوالہ (نورالحق جزاوّل ص۵، خزائن ج۸ ص۷،۸) کا ہے۔ یہ دونوں حوالے اس کتابچہ کے (ص۹،۱۰) پر درج ہیں:

۱…… پہلا فریب تو اس میں یہ دیا گیا ہے کہ دونوں حوالہ جات مرزاغلام احمد قادیانی کی ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تصنیفات سے لئے گئے ہیں۔ ’’ایام الصلح‘‘ یکم؍جنوری ۱۸۹۹ء کو چھپی ہے اور ’’نور الحق‘‘ جزو اوّل ۱۸۹۴ء میں چھپی ہے۔ جب کہ قادیانیوں کا مؤقف یہ ہے کہ ان کے عقائد کے معاملے میں مرزاغلام احمد کی ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تمام تحریریں منسوخ ہیں تو اس کتابچہ میں ۱۸۹۴ء اور ۱۸۹۹ء کی چھپی ہوئی کتب سے حوالہ پیش کرنے کا مقصد سوائے دھوکہ دینے کے اور کچھ نہیں ہے۔

۲…… دوسرا دھوکہ جو ایک ناواقف آدمی اس کتابچہ سے کھائے گا وہ یہ ہے کہ ’’نورالحق‘‘ کی

جس عبارت کا حوالہ اس کتابچہ میں دیا گیا ہے وہ اس طرح شروع ہوتی ہے: ’’ہم مسلمان ہیں، خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لاتے ہیں اور کلمہ ’’لا الہ الا اللہ ‘‘ کے قائل ہیں اور خدا کی کتاب قرآن اور اس کے رسول محمد ﷺ کو جو خاتم الانبیاء ہے مانتے ہیں۔‘‘

اس عبارت میں خاتم الانبیاء کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مگر ان کے نزدیک اس کا وہ مفہوم نہیں ہے جو مسلمانوں کا ہے کہ جناب نبی اکرم نوع انسانی کی طرف اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ بلکہ اس سے قادیانیوں کا مفہوم یہ ہے کہ کمالات نبوت تو ان پر ختم ہیں۔ نبوت ختم نہیں اور یہ کہ اب جو نبی آئے گا وہ ان کی مہر لے کر (ان کی امت میں سے) آئے گا۔ یہ دوسرا صریح دھوکہ ہے جو اس کتابچہ کے ذریعہ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

حرف آخر

’’یا مسیح موعود کے منکروں کو مسلمان کہہ کر مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگاؤ اور یا مسیح موعود کو سچا مان کر اس کے منکروں کو کافر جانو۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ تم دونوں کو مسلمان سمجھو۔‘‘

(کلمۃ الفصل ص۱۲۳، مندرجہ ریویو آف ریلیجنز ج۱۴ نمبر۳، بابت ماہ مارچ ۱۹۱۵ء)

’’تحریک احمدیت اسلام کے ساتھ وہی رشتہ رکھتی ہے جو مسیحیت کا یہودیت کے ساتھ ہے۔‘‘ (مباحثہ راولپنڈی مطبوعہ قادیان ج۲۴۰، از محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور)

ارشادات الٰہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱…… ’’ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (الاحزاب:۴۰)‘‘ ﴿حضرت محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔﴾

۲…… ’’ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذباً او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شئ (القرآن)‘‘ ﴿اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، یا کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ حالانکہ اس پر کوئی وحی نہ آئی ہو۔﴾

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حیات مسیح اور ختم نبوت

جناب نور محمد قریشی ایڈووکیٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرست

انتساب	۲۰۶
جناب قریشی کی تحریر	۲۰۶
گزارش	۲۰۷
پیش لفظ	۲۰۸
باعث تحریر آنکہ	۲۰۸
ضروری وضاحت	۲۰۹
عثمانی صاحب کے نظریات کیا ہیں؟	۲۰۹
وفات مسیح علیہ السلام اور مرزاغلام احمد کی نبوت کا ذبہ	۲۱۰
عقیدۂ ختم نبوت اور حیات مسیح علیہ السلام (قرآن کی روشنی میں)	۲۱۷
حق تعالیٰ کے چار وعدے	۲۲۰
مرزاغلام احمد کا مؤقف	۲۲۶
تین قادیانی سوالات کے جوابات	۲۲۸
ایک سوال	۲۲۹
دوسرا وعدہ	۲۳۵
کیا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں؟	۲۳۹
تیسرا وعدہ	۲۴۲
چوتھا وعدہ	۲۴۲
سورۂ مائدہ کی آیات	۲۴۵
مادمت فیھم اور فلما توفیتنی کی بحث	۲۴۶
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے تین دور	۲۴۸

سورۂ مریم کی آیات	۲۴۹
کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طویل عمر پانا ختم نبوت سے متصادم ہے؟	۲۵۳
سلب نبوت کا تصور یا عقیدۂ ختم نبوت کی نفی	۲۶۳
چند اشکال اور ان کے جوابات	۲۶۶
مولانا سندھی اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا نقطۂ نظر	۲۷۴
آنحضرت ﷺ کی بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوئی؟	۲۷۸
ایک قادیانی دلیل	۲۸۴
حیات مسیح علیہ السلام کے بارہ میں احادیث	۲۹۰
دین کے ماخذ	۲۹۰
احادیث کیوں وضع کی گئیں	۲۹۱
حرف آخر	۲۹۴
نبوت کی تعریف	۲۹۴
تنقیحات	۲۹۵
منصب نبوت کے تقاضے	۲۹۵
غیر منطقی مؤقف	۳۰۰
مساوات کا ایک سوال	۳۰۲
مساوات کا دوسرا سوال	۳۰۲
مرزا غلام احمد کا اصل دعویٰ	۳۰۴
نبوت ورسالت میں فرق	۳۰۵
خلاصہ کلام	۳۰۸
نئی نبوت کی ضرورت ہی نہیں	۳۰۹
کتابیات	۳۱۴

www.amtkn.com www.facebook.com/amtkn313 www.emaktaba.info

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

ان مجاہدین کے نام جو ختم نبوت کے محاذ پر اپنے اپنے وقت میں دادشجاعت دیتے رہے اور حسب استطاعت واستعداد مسیلمہ پنجاب کی نبوت کاذبہ کا پردہ چاک کرتے رہے۔ بالخصوص بیسویں صدی کے مجاہد کبیر شہید جنرل محمد ضیاء الحق کے نام جس کی ایک ہی ضرب کلیمی سے انگریز کے اس ’’خودکاشتہ پودا‘‘ کو صلیب پرست انگریز کے دیس میں اسی کے سایہ صلیب میں پناہ لینا پڑی۔

نورمحمد قریشی ایڈووکیٹ

جناب قریشی کی تحریر

جناب نورمحمد قریشی کوئی روایتی مولوی یا مناظر نہیں ہیں۔ وہ ایک جدید تعلیم یافتہ قانون دان ہیں اور دل دردمند کے مالک۔ ان کی نگاہ تیز اور گہری ہے۔ مسائل کی تہہ تک اترنے کی عادی، حیات مسیح اور مرزاغلام احمد کے دعاوی ان کی دلچسپی کا مرکز بن چکے ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر پہلے بھی قلم اٹھایا اور اپنا لوہا منوایا ہے۔ اپنے مقالے کے جواب میں ایک تحریر پر اب انہوں نے جوابی مقالہ لکھا ہے اور ایک ایک نکتے کا جواب اس طرح یاد ہے کہ جیسے اعلیٰ عدالت میں کھڑا صف اوّل کا کوئی قانون دان کسی تیسرے درجے کے منشی کی گفتگو کا جائزہ لے رہا ہو۔

ان کی تحریر پڑھنے کے بعد کسی سلیم العقل شخص کو یہ کہنے کا یارا نہیں رہتا کہ مسیح علیہ السلام کی دوبارہ اس دنیا میں آمد کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ ان کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے نبوت کا منصب پانے والے کسی فرد کا زندہ ہونا یا زندہ ہوجانا ختم نبوت کے عقیدے کو متاثر نہیں کرتا۔ وہ اس کے باوجود خاتم النّبیین ہیں اور ان کی اس حیثیت کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اکرم ﷺ کی نبوت قیامت تک کے لئے ہے اور اس آفتاب کے طلوع کے بعد جو نبی آئے گا وہ اس کی طرف رخ کرنے پر مجبور ہوگا...... رسول اکرم ﷺ کی اطاعت ہی اس کا مقدر ہوگی۔

قریشی صاحب نام کے نورمحمد ہیں۔ لیکن ان کے اسلوب میں بھی ’’نورمحمد‘‘ موجزن ہے۔ انہوں نے ایک ایک لفظ خوب سوچ سوچ کر لکھا ہے اور ان کی تحریر ایسی ہے کہ جو کسی مخالف

کے جذبات کو مشتعل نہیں کرتی۔ اسے بھی سوچنے کی طرف راغب کرتی ہے۔ ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ مذہبی موضوعات پر بحث کرنے والے کئی حضرات غیر جذباتی استدلال کا اعلیٰ معیار قائم نہیں رکھ پاتے، جس کی وجہ سے بعض اوقات مخالف اپنے انداز فکر میں جذباتی ہو کر مزید پختہ ہو جاتا ہے۔ مذہبی حلقوں سے تعلق رکھنے والے افراد اس معاملے میں زیادہ غیر محتاط ہو جاتے ہیں۔ تبلیغ کے اس بھونڈے انداز سے جتنا بھی کنارہ کیا جائے کم ہے۔ اس سے مبلغ اپنے پیروں پر آپ ہی کلہاڑا چلا دیتا ہے۔ مقام شکر ہے جناب قریشی نے سنجیدگی اور متانت کا دامن تھامے رکھا ہے۔ میری دعا ہے کہ ان کی تحریر پر ان کے مخالف بھی ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ ضد اور انا کے بجائے اخروی فلاح کی تلاش ہی ہم سب کی زندگی کا مقصد ہونا چاہئے۔ (مجیب الرحمٰن شامی)

گزارش

قارئین کی خدمت میں یہ ہے کہ میں بھی آپ کی طرح ایک عام آدمی (**LAYMAN**) ہوں اور میں نے ایک عام آدمی کی حیثیت سے مسئلہ ''حیات مسیح اور ختم نبوت'' کو جس طرح سمجھا ہے بیان کر دیا ہے۔ میری تحریر بھی ایک عام آدمی (**LAYMAN**) کے لئے ہی ہے، نہ کہ کسی عالم دین کے لئے۔ کیونکہ ایک عالم دین کو اس کی ضرورت ہی نہیں ہے نہ ہی وہ قادیانی امت کے دام فریب میں آتا ہے۔

گزشتہ سو سال میں اس موضوع پر بہت وقیع کام ہوا ہے جس کا کچھ حصہ میری نظر سے بھی گزرا ہے۔ لیکن میری رائے میں اس سے صرف علماء کرام ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ ایک عام آدمی کی ذہنی سطح سے وہ بہت بلند ہے۔ قادیانی امت کی شکارگاہ بھی عام مسلمان ہیں اور اسے پھنسانے کے لئے قادیانی امت اسی مسئلہ کو استعمال کرتی ہے۔ کوئی قادیانی کبھی بھی مرزاغلام احمد کے صدق وکذب پر بات کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ مرزاغلام احمد کو سچا ثابت کرنا ناممکنات میں سے ہے۔

مجھے توقع ہے کہ میری یہ تحریر عام آدمی کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ میری تحریر میں اگر کوئی سقم ہو تو اس کی وجہ میری کم علمی ہوگی اور اگر اس میں کوئی خیر ہے تو یہ میرے رب کے فضل کی وجہ سے ہے۔ میں قاری سے درخواست کروں گا کہ وہ میری اس دعا پر آمین کہے۔

''اے میرے رب میری اس تحریر کو پر اثر بنادے اور حشر کے روز اسے میری نجات کا بہانہ بنادے۔'' آمین!

نور محمد قریشی ایڈووکیٹ

پیش لفظ

میں نے اس کتاب کا مسودہ جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ ارسال کیا کہ وہ اس کے بارے میں اپنی فاضلانہ رائے سے مطلع فرمادیں۔ انہوں نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے بعض مقامات پر اصلاح فرمائی اور اپنی رائے سے بھی آگاہ فرمایا جو درج ذیل ہے۔ نور محمد قریشی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب محترم نور محمد قریشی صاحب! زید لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

معروض آنکہ قمر احمد عثمانی کے رسالہ کے جواب کا جو مسودہ جناب نے بھجوایا تھا میں نے دیکھ لیا ہے۔ ماشاء اللہ اپنے انداز میں خوب لکھا ہے۔ بہت جی خوش ہوا۔ دل سے دعائیں نکلیں۔

والسلام!

محمد یوسف

باعث تحریر آنکہ

ایک کرم فرمانے جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب کا رسالہ ’’عقیدہ ختم نبوت اور حیات مسیح علیہ السلام‘‘ مجھے اس مقصد کے لئے ہدیہ کیا کہ میں اس کے بارے میں انہیں اپنی رائے سے آگاہ کروں۔ میری کتاب ’’نزول مسیح آخر کیوں؟‘‘ ان کی نظر سے گزری جو انہیں پسند آئی اور انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا کہ میں (جو کہ ایک بے علم انسان ہوں، یہ امر واقعہ ہے کسر نفسی نہیں یہ اور بات ہے کہ اس مسئلہ پر اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا ہے) جناب قمر احمد عثمانی صاحب (جو کہ ایک عالم دین ہوں گے) کے فرمودات پر رائے دے سکتا ہوں۔ ورنہ من آنم کہ من دانم! یہ میرے رب کا مجھ پر کرم ہے جس کے لئے میں اس کا جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہے۔

جناب مولانا قمر احمد عثمانی کا مذکورہ بالا رسالہ پڑھنے کے بعد ذہن میں ایک ہیجان برپا ہوگیا۔ بے اختیار یہ شعر زبان پر آ گیا ؂

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملاّ کار طفلاں تمام خواہد شد

جناب مولانا عثمانی صاحب نے اپنے رسالہ میں جو دلائل دیئے ہیں میرے علم کے

مطابق وہ قادیانی امت ابتداء ہی سے اس موضوع پر پیش کر رہی ہے۔ عثمانی صاحب کا رسالہ پڑھنے سے احساس ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی وکالت فرما رہے ہیں۔ اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود میرے لئے ناممکن ہے کہ میں اس موضوع پر خاموشی اختیار کرلوں اور محو غم دوش ہو جاؤں۔

ضروری وضاحت

میں اپنی طرف سے یہ وضاحت ضروری خیال کرتا ہوں کہ ''حیات وممات مسیح'' کے بارے میں میرا کوئی موروثی عقیدہ نہیں ہے۔ میں کسی دینی مدرسہ کا طالب علم بھی نہیں رہا کہ میں نے اپنے کسی استاد کے نقطۂ نظر کو اختیار کرلیا ہو۔ میرا کوئی مسلک بھی نہیں۔ میں تو خود کو سنی بھی اس لئے کہتا ہوں کہ شیعہ نہیں ہوں اور شیعہ اس لئے نہیں ہوں کہ اللہ نے فرمایا ہے: ''بے شک جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیعہ ہو گئے (اے نبی) آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' (الانعام:۱۵۹)

''حیات وممات مسیح'' کے بارے میں میرا جو بھی عقیدہ یا مسلک ہے وہ میرے ذاتی مطالعہ اور غور وفکر کا ماحصل ہے۔

عثمانی صاحب کے نظریات کیا ہیں؟

آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ قاری کے سامنے جناب مولانا عثمانی صاحب کے نظریات کا خلاصہ بیان کر دیا جائے تاکہ قاری کو میری بات سمجھنے میں آسانی رہے۔ جناب عثمانی صاحب کا رسالہ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ:

۱...... وہ حیات مسیح علیہ السلام کو عقیدہ ختم نبوت سے متصادم خیال کرتے ہیں۔

۲...... ان کا خیال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام (مسلمانوں کے عقیدہ کی رو سے) غلبہ اسلام کے لئے نازل ہوں گے۔ چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے نبی ہی کی حیثیت سے یہ فرض انجام دینا ہے۔ اس لئے یہ عقیدہ ختم نبوت سے متصادم ہے۔ ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس وقت منصب نبوت سے معزول ہو چکے ہوں گے جو کہ ممکن نہیں۔

۳...... جناب مولانا عثمانی صاحب موجودہ عیسائیوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین تصور فرماتے ہیں نہ کہ تثلیث پرست۔

۴...... آخری بات جو بین السطور سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ جناب عثمانی صاحب کے نزدیک جو شخص ایک دفعہ اس سرزمین پر طبعی قوانین کے مطابق پیدا ہوگیا لازم ہے کہ وہ طبعی عمر پوری کر کے (جو پچاس یا سو سال ہی ہوسکتی ہے) اس سرزمین پر موت سے ہمکنار ہو۔

میں آئندہ سطور میں جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب کے دلائل کا جائزہ لوں گا اور مذکورہ بالا نکات پر بھی اپنا نقطہ نظر بیان کروں گا۔ ''وما توفیقی الا باللہ''

وفات مسیح علیہ السلام اور مرزا غلام احمد کی نبوت کا ذبہ

برسبیل تذکرہ یہ بتانا مناسب ہے کہ قادیانی امت نے وفات مسیح اور مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ کو اپنے بہت سے مغالطہ آمیز بیانات کے ذریعہ ایک ہی مسئلہ کی دو کڑیاں یا ایک ہی تصویر کے دو رخ قرار دے رکھا ہے۔ ان کے نزدیک اگر وفات مسیح ثابت ہو جائے تو مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت از خود ثابت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قادیانی امت کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ مرزا غلام احمد کی صداقت ثابت کرنے کی بجائے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت کی جائے۔ قادیانی حضرات یہ طرز استدلال اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی صداقت ثابت کرنے کے لئے ان کے پاس ایک بھی ٹھوس دلیل نہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات یا موت ایک الگ مسئلہ ہے اور یہ ایک علمی مسئلہ ہے جس میں ایک سے زیادہ آراء ہوسکتی ہیں اور ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت و مسیحیت ایک الگ مسئلہ ہے۔ اگر مرزا غلام احمد قادیانی کو سچا ثابت کر دیا جائے تو پھر ہر معاملے میں حق وہی ہوگا جو مرزا قادیانی نے کہا ہوگا۔ میں قادیانی امت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ ایک صرف ایک مسئلہ ہی ایسا بتا دیں جس میں مرزا غلام احمد قادیانی نے خود اپنی ہی تکذیب نہ کی ہو۔ سوائے ایک مؤقف کے جس پر وہ تادم مرگ قائم رہے اور وہ ہے صلیب پرست انگریزوں کی چاپلوسی۔ اس کے علاوہ کوئی ایک مسئلہ بھی قادیانی امت (جس قدر چاہے زور لگالے) پیش نہیں کر سکتی۔ جس کے بارے میں مرزا غلام احمد قادیانی کی متعارض اور متناقض تحریریں موجود نہ ہوں۔ میری قادیانی امت سے درخواست ہے کہ وہ مولانا قمر احمد عثمانی صاحب جیسے وکلاء کی تحریروں کو پھیلانے کی بجائے مرزا غلام احمد کے دعویٰ کو کسی مثبت دلیل سے ثابت کریں۔

میرا یہ دعویٰ بلادلیل نہیں۔ مرزاغلام احمد قادیانی کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ ان کی اپنی کتب ہی کافی ہیں اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس میں ان کی متصادم تحریریں موجود نہ ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات وموت قادیانی امت کے نزدیک بنیادی مسئلہ ہے۔ اگر اس مسئلہ کی اہمیت ختم ہو جائے تو پوری قادیانیت زمین بوس ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک قادیانی قاضی محمد نذیر صاحب اپنی تصنیف ''تحقیق عارفانہ'' کے ص۱۰ پر ''حرف محرمانہ'' کے منصف جناب غلام جیلانی برق صاحب کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا مسئلہ احمدیہ تحریک کے لئے ایک بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ مگر آپ نہایت سادگی سے یہ تحریر فرمارہے ہیں کہ حیات مسیح کی بحث فرسودہ ہوچکی ہے۔ اگر واقعی یہ بحث فرسودہ ہوچکی ہے تو پھر آپ کے پاس اس کے بہت دلائل ہونے چاہئیں۔ مگر آپ باوجود اس بحث کو فرسودہ کہنے کے ابھی تک خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات یافتہ۔ کیا اسی برتے پر آپ نے احمدیوں کو سمجھانے کے لئے ''حرف محرمانہ'' تالیف فرمائی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اس کا حاصل کچھ بھی نہیں یہ الفاظ اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات جسمانی اور صعود الیٰ السماء کے ثبوت میں آپ کے پاس کوئی دلائل موجود نہیں۔ ورنہ تحریک احمدیت کی تردید کے لئے تو یہ مسئلہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اگر حیات مسیح علیہ السلام ثابت ہو جائے تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔''

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ قادیانیت کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مسئلہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن اس کے برعکس مرزاغلام احمد قادیانی اپنی کتاب (ازالہ اوہام ص۱۴۰، خزائن ج۳ ص۱۷۱) پر جو بیان کرتے ہیں وہ اس طرح ہے: ''اوّل تو یہ جاننا چاہئے کہ مسیح علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں جو ہماری ایمانیات کی کوئی جز یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو۔ بلکہ صدہا پیش گوئیوں میں سے یہ ایک پیش گوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔''

ایک ایسا مسئلہ جو قادیانی امت کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے اس کے بارے میں خود مرزاغلام احمد قادیانی فرماتے ہیں کہ:

۱...... مسیح کے نزول کا عقیدہ ایمان کا جزو نہیں۔
۲...... یہ مسئلہ ارکان دین میں بھی شامل نہیں۔
۳...... یہ صدہا پیش گوئیوں میں سے صرف ایک پیش گوئی ہے۔
۴...... اس مسئلہ کا حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ جو مسئلہ مرزاغلام احمد قادیانی کی امت کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے مرزاغلام احمد کے نزدیک اس کا حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات یا موت کے بارے میں بھی مرزاغلام احمد قادیانی کے تین مؤقف ہیں اور تینوں ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔

مرزاغلام احمد قادیانی اپنی مشہور کتاب (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۳۶۰،۳۶۱، خزائن ج۱ ص۴۲۹،۴۳۰) پر تحریر فرماتے ہیں: ’’اور مسیح کو خوب معلوم تھا کہ خدا جلد تر اس عارضی تعلیم کو نیست ونابود کر کے اس کامل کتاب کو دنیا میں تعلیم کے لئے بھیجے گا جو حقیقی نیکی کی طرف دنیا کو بلائے گی اور بندگان خدا پر حق اور حکمت کا دروازہ کھول دے گی اس لئے اس کو کہنا پڑا کہ ابھی بہت سی باتیں قابل تعلیم باقی ہیں جن کو تم ہنوز برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر میرے بعد ایک دوسرا آنے والا ہے وہ سب باتیں کھول دے گا اور علم دین بمرتبہ کمال پہنچائے گا۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام تو انجیل کو ناقص کی ناقص ہی چھوڑ کر آسمانوں پر جا بیٹھے۔‘‘

اسی کتاب کے (ص۴۹۹، خزائن ج۱ ص۵۹۳) پر قرآن مجید کی ایک آیت کی الہامی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح علیہ السلام کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا۔‘‘

یہاں مرزاغلام احمد قادیانی نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت مسیح آسمانوں پر جا بیٹھے ہیں اور دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور اس وقت ان کے ہاتھ سے دین اسلام ہر طرف پھیل جائے گا۔ مرزاغلام احمد قادیانی کی یہ تحریریں اس وقت کی ہیں جب انہوں نے خود مسیح موعود کے مدعی ہونے کا پروگرام نہیں بنایا تھا۔ البتہ اس سے قبل مرزاغلام احمد قادیانی کا یہ دعویٰ

منظر عام پر آ چکا تھا۔ ’’الرحمٰن وعلم القرآن‘‘ جو ان کے مجموعہ الہامات بنام تذکرہ کے ص۴۰ پر ۱۸۸۲ء کے سال میں درج ہے۔ اس کا ترجمہ بھی خود انہوں نے کیا ہے کہ ’’خدا نے تجھے قرآن سکھایا‘‘ چنانچہ قادیانی دوستوں کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن مجید کی آیت کی مذکورہ بالا تشریح مرزا قادیانی کو خدا نے سکھائی۔ جب مرزا قادیانی نے خود مسیح موعود کے دعویٰ کا فیصلہ کیا تو ان کے لئے لازم ہوگیا کہ اپنے گزشتہ مؤقف کے خلاف حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کا اعلان کریں۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب (ازالہ اوہام ص۴۷۳، خزائن ج۳ ص۳۵۳) پر بیان کیا کہ: ’’یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہوگیا۔ لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہوگیا۔‘‘

یہ مؤقف پہلے مؤقف سے بالکل متصادم ہے۔ لیکن بات ابھی ختم نہیں ہوئی اور یہ ضروری تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کے اعلان کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر بھی دریافت کی جائے جو مرزا غلام احمد قادیانی کو حضرت مسیح علیہ السلام کے وطن گلیل میں نہ مل سکی۔ اس وجہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کو ایک دفعہ پھر اپنا مؤقف بدلنا پڑا۔ چنانچہ اپنی کتاب (راز حقیقت ص۵) پر مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ’’ہاں خدا تعالیٰ کی اس قدیم سنت کے موافق کہ کوئی اولوالعزم نبی ایسا نہیں گزرا جس نے قوم کی ایذا کی وجہ سے ہجرت نہ کی ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی تین برس کی تبلیغ کے بعد صلیبی فتنہ سے نجات پا کر ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور یہودیوں کی دوسری قوموں کو جو بابل کے تفرقہ کے زمانہ میں ہندوستان اور کشمیر اور تبت میں آئے تھے۔ خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر آخرکار کشمیر جنت نظیر میں انتقال فرمایا اور سری نگر خان یار کے محلہ میں باعزاز تمام دفن کئے گئے۔‘‘

مرزا غلام احمد قادیانی کے یہ تینوں بیانات ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ پیشتر اس کے کہ میرے قادیانی دوست کسی تاویل کے چکر میں پڑیں۔ میری ایک بات سن لیں۔ جب کوئی شخص کوئی بات کہتا ہے تو اس کے بیان کو ہم درج ذیل اقسام میں سے کسی ایک میں شمار کرتے ہیں:

۱...... وہ حکم ہوتا ہے یا درخواست ہوتی ہے یا کوئی خواہش ہوتی ہے۔

مثلاً آپ اپنے ملازم سے کہتے ہیں کہ چائے بنا کر لاؤ۔ لیکن اس کے چائے لانے سے قبل ہی سے حکم دیتے ہیں کہ چائے نہیں کھانا لاؤ۔ آپ کے دونوں بیانات میں کوئی تضاد نہیں۔

اس لئے جب آپ نے اپنے پہلے بیان کے برعکس اپنے ملازم کو کھانا لانے کا حکم دیا تو اس میں نہ تو کوئی قابل اعتراض بات ہے اور نہ ہی یہ سچ جھوٹ کا مسئلہ ہے۔

۲...... وہ ایک احساس ہوتا ہے۔

مثلاً آپ دسمبر کی ۲۵ تاریخ کو کہتے ہیں کہ آج بہت سردی ہے اور اگر آپ کے پاس کوئی اسکیمو کھڑا ہو تو عین ممکن ہے وہ کہہ دے۔ آج قطعاً سردی نہیں بلکہ بہت خوشگوار موسم ہے۔ آپ کے اس بیان کے بارے میں بھی سچ جھوٹ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ آپ نے جو محسوس کیا وہ آپ نے کہہ دیا اور جو اسکیمو نے محسوس کیا وہ اس نے کہہ دیا۔ احساس ایک اضافی (**Relative**) چیز ہے۔ اگر صبح کو آپ کہہ دیں کہ آج بہت سردی ہے اور دوپہر کو کہہ دیں آج موسم خوشگوار ہے تو اگرچہ آپ کے دونوں بیانات متضاد ہیں۔ لیکن اس بناء پر آپ کو جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔

۳...... وہ ایک خبر ہوتی ہے۔

مثلاً آپ یہ کہہ دیں جنگ عظیم دوم ۱۹۲۹ء میں شروع ہوئی تھی یا آپ کہہ دیں کہ ابراہیم لنکن فرانس کا صدر تھا تو آپ کے اس بیان کے بارے میں سچ اور جھوٹ کا سوال پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ آپ نے ایک خبر بیان کی ہے اور خبر لازم طور پر یا تو سچ ہوگی یا جھوٹ اور آپ اس بیان کو اپنے پہلے دو بیانات کی اقسام میں شامل نہیں کر سکتے۔

میں نے مرزا قادیانی کے جو بیانات اوپر نقل کئے ہیں ان کا تعلق بھی خبر سے ہے اور خبر اگر سچ ہے تو بیان کرنے والا سچا ہے اور اگر خبر جھوٹی ہے تو اس کے بیان کرنے والے کو آپ دروغ گو کہیں گے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے مندرجہ بالا بیانات میں تین خبریں دی ہیں اور ایک ہی شخص کے بارے میں دی ہیں۔

۱...... ’’حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہیں اور نازل ہوں گے۔‘‘

۲...... ’’حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے وطن گلیل میں دفن ہیں۔‘‘

۳...... ’’حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر کے شہر سری نگر میں دفن ہیں۔‘‘

مرزا غلام احمد قادیانی مذکورہ بالا تین بیانات میں سے دو میں لازماً جھوٹے ہیں۔ لیکن مرزا قادیانی اپنے کن بیانات میں جھوٹے ہیں اس کا فیصلہ میرے قادیانی دوست خود کریں۔

اس سوال کے جواب میں قادیانی دوست یہ وضاحت کرتے ہیں کہ مرزاقادیانی نے اپنے پہلے بیان میں مسلمانوں کا عقیدہ بیان کیا ہے۔ چونکہ اس وقت تک مرزاقادیانی کو اس مسئلہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی نہیں ملی تھی۔ اس لئے مرزاقادیانی کا بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں وہی عقیدہ تھا جو تمام مسلمانوں کا تھا اور وہی مرزاقادیانی نے بیان کر دیا۔

جھوٹ کا کاروبار ہی اس طرح کا ہے کہ جب کوئی شخص اس میں پڑ جائے تو اس سے نکل نہیں سکتا۔ ایک جھوٹ کو ثابت کرنے کے لئے اسے کئی جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ یہی میرے قادیانی دوست کرتے ہیں۔ اوّل تو یہ بات ہی غلط ہے کہ مرزاقادیانی نے براہین احمدیہ میں اس مقام پر مسلمانوں کا عقیدہ بیان کیا ہے۔ مرزاقادیانی تو قرآن مجید کی ایک آیہ مبارکہ کی تشریح کر رہے ہیں۔ براہین احمدیہ ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ ۱۸۸۲ء میں مرزاقادیانی یہ دعویٰ کر چکے ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم کی تعلیم اللہ تعالیٰ سے حاصل کی ہے۔ اب مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کوئی ایک ہی صورت ہوسکتی ہے۔

۱...... مرزاقادیانی نے ’’براہین احمدیہ‘‘ میں اس مقام پر قرآن کریم کی آیہ مبارکہ جو تشریح کی ہے وہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو تعلیم کی تھی۔

۲...... اللہ تعالیٰ نے تو مرزاقادیانی کو قرآن کریم کا علم سکھاتے ہوئے یہی تعلیم کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود نہیں ہیں بلکہ زمین پر ہی فوت ہوگئے تھے۔ لیکن مرزاقادیانی جب اس آیہ مبارکہ کی تشریح کر رہے تھے تو جان بوجھ کر یا کسی غلط فہمی کی وجہ سے غلط تشریح کر گئے۔

۳...... اللہ تعالیٰ نے مرزاقادیانی کو قرآن کی تعلیم دیتے ہوئے اس آیہ مبارکہ کو چھوڑ دیا تھا اور یہاں جو تشریح مرزاقادیانی نے کی ہے وہ اپنی صوابدید کے مطابق کی ہے۔ مذکورہ بالا صورتوں میں سے کون سی صورت صحیح ہے اس کا فیصلہ میرے قادیانی دوست خود کر لیں۔ میرے نزدیک تو جب مرزاقادیانی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ’’انہوں نے قرآن کریم کی تعلیم خدا سے حاصل کی ہے۔‘‘ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا تھا۔

میرے ایک قادیانی دوست جنہوں نے دو مضامین میں ایم.اے کر رکھا ہے نے اس مسئلہ کی یہ وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرزاقادیانی کو جس طرح علم دیتا تھا اسی طرح وہ بیان کر دیتے تھے۔ اس پر میں نے ان سے یہ عرض کیا کہ یہ بات دو حال سے خالی نہیں۔

۱...... اللہ تعالیٰ نے پہلے جان بوجھ کر مرزا قادیانی کو غلط علم دیا تھا۔ یا
۲...... اللہ تعالیٰ کو بھی پہلے معلوم نہیں تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام موت سے ہم کنار ہو چکے ہیں۔
اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

میں اپنے قادیانی دوستوں سے یہ گزارش کروں گا کہ یہ بات انہیں بھی تسلیم ہے کہ مرزا قادیانی اپنے تین میں سے دو بیانات میں سچے نہیں ہیں۔ البتہ وہ مرزا قادیانی کے جھوٹے بیانات کی وضاحت کرتے ہیں اور اس کی وجہ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں اپنے قادیانی دوستوں سے یہ دریافت کروں گا کہ کیا دنیا میں آج تک کوئی ایسا شخص بھی پایا گیا ہے کہ جب اس کا جھوٹ پکڑا گیا ہو تو اس نے تسلیم کر لیا ہو کہ ہاں! واقعی اس نے جھوٹ بولا تھا۔ اس کا جواب نفی میں ہے۔ ہر جھوٹا شخص جب اس کا جھوٹ پکڑا جائے تو وہ اس کی وضاحت کرتا ہے اور جھوٹ بولنے کی وجہ بیان کرتا ہے۔ میرے قادیانی دوست بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ جب ان کے سامنے مرزا غلام احمد قادیانی کا کوئی جھوٹ پیش کیا جاتا ہے تو وہ بھی اس کی وضاحت ہی کرتے ہیں اور جھوٹ بولے جانے کی وجہ بیان کرتے ہیں اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ہر جھوٹا آدمی ایسا ہی کرتا ہے۔ میرے قادیانی دوست کا وضاحت کرنا اور وجہ بیان کرنا ہی اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ بھی ان بیانات میں مرزا قادیانی کو سچا نہیں سمجھتے بلکہ جھوٹا سمجھتے ہیں۔ صرف اقرار نہیں کرتے۔

اس مقام پر ایک اور بات بھی قادیانی دوستوں کے لئے قابل غور ہے۔ یہ ثابت ہے کہ ۱۸۸۴ء تک مرزا غلام احمد قادیانی کا مؤقف یہی تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر موجود ہیں اور قیامت سے قبل نازل ہوں گے۔ ۱۸۸۴ء کے بعد مرزا قادیانی کو کب اور کن الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اطلاع ملی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام موت سے ہم کنار ہو چکے ہیں اور زمین پر ہی (پہلے فلسطین میں اور بعد میں کشمیر میں) دفن ہیں۔ جس روز مرزا قادیانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر موت وارد ہو چکی ہے۔ وہ دن تو قادیانی امت کے لئے یوم عید ہونا چاہئے تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے ہی مرزا غلام احمد کے دعویٰ مسیح موعود کے لئے راستہ بنا۔ میں باوجود کوشش کے مرزا قادیانی کے مجموعہ الہامات ''تذکرہ'' میں ۱۸۸۴ء کے بعد کے عرصہ میں کوئی ایسا الہام تلاش نہیں کر سکا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ کون سا دن تھا اور کیا الفاظ تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی اطلاع دی۔ کیا قادیانی امت کے پاس ایسی کوئی اطلاع ہے؟

میں نے اس موضوع پر مرزاغلام احمد قادیانی کا تذکرہ ضمناً کر دیا ہے۔اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں اور وہ ہے مولانا قمراحمد عثمانی کا نقطۂ نظر۔

عقیدۂ ختم نبوت اور حیات مسیح علیہ السلام (قرآن کی روشنی میں)

اس عنوان کے تحت جناب مولانا قمراحمد عثمانی صاحب سورۂ نساء کی آیت نمبر:۱۵۸ سے استدلال کرتے ہیں۔ آیہ مبارکہ کا جو ترجمہ جناب مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے وہ اس طرح ہے: ”ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح علیہ السلام ابن مریم کو جو کہ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے قتل کر دیا۔حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کا اشتباہ ہوگیا اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں۔ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے ان کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست حکمت والے ہیں۔“

(سورۂ نساء آیت نمبر:۱۵۷،۱۵۸، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیہ مبارکہ کو درج کرنے کے بعد جناب عثمانی صاحب نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے: ”ایک طرف یہود یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو دوسری طرف نصاریٰ یہ کہہ رہے تھے کہ وہ سولی پانے کے بعد زندہ ہوکر آسمان پر اٹھالئے گئے۔ قرآن کریم یہود ونصاریٰ دونوں ہی کے غلط دعوؤں اور تخمینی اندازوں کی تردید کر رہا ہے کہ نہ وہ قتل کئے گئے اور نہ وہ سولی چڑھائے گئے اور نہ ہی سولی پانے کے بعد زندہ ہوکر آسمان پر گئے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ حق تعالیٰ نے اپنی طرف ان کے درجات بلند فرمادیئے۔ آیت کا یہی جملہ ”بل رفعه الله اليه“ اس دعویٰ کی بنیاد بن گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے مگر ”بل رفعه الله اليه“ یا ”رافعک الیّ“ سے مراد یہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف عرش الٰہی پر اٹھالیا۔“

اس آیہ مبارکہ کی مزید تشریح وہ اگلے صفحہ پر اس طرح کرتے ہیں: ”غرض کسی جگہ بھی لفظ ”رفع“ اور لفظ ”الیٰ“ کے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو اس مقام پر لئے جارہے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات مکان وجہت کی ہر قید سے آزاد ہے تو جسمانی طور پر اس کی طرف اٹھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔لہٰذا ”بل رفعه الله اليه“ اور ”رافعک الیّ“ کے معنی یہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہاں ان کا مقام ومرتبہ بلند فرمادیا اور میں تمہیں اپنی طرف بلند مقام عطاء

فرمانے والا ہوں۔‘‘

اس کے بعد عثمانی صاحب نے لفظ ’’رفع‘‘ پر تفصیل سے بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رفع کا مطلب صرف اور صرف درجات بلند کرنا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات مکان وجہت کی ہر قید سے آزاد ہے تو جسمانی طور پر اٹھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سبحان اللہ کیا تشریح فرمائی ہے جناب عثمانی صاحب نے۔ لیکن بات کچھ واضح نہیں ہوسکی کہ حق تعالیٰ کی ذات کس طرح مکان وجہت کی ہر قید سے آزاد ہے۔ کیا باری تعالیٰ بذات خود ہر جگہ موجود ہے یا کہیں بھی موجود نہیں؟ غالباً عثمانی صاحب کا خیال ہے کہ باری تعالیٰ بذات خود ہر جگہ موجود ہے تو عثمانی صاحب کو سمجھ نہیں آتی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی طرف کس طرح اٹھا سکتے ہیں اور کیوں؟ ہم آج تک تو علماء کرام سے یہی سنتے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم واختیار وتصرف کی بناء پر سب جگہ موجود ہے نہ کہ بذات خود ہر جگہ موجود ہے۔ لامکان ہونے کے باوجود ذات باری تعالیٰ کا ایک عرش بھی ہے جس پر اس نے قرار پکڑا ہوا ہے۔ سورۃ الاعراف نمبر۵۴ توبہ نمبر۱۲۹ یونس نمبر۳، بنی اسرائیل نمبر۴۲، طہٰ نمبر۵، الانبیاء نمبر۲۲، فرقان نمبر۵۹، نمل نمبر۲۶

بہرحال صرف قادیانی امت ہی مولانا عثمانی صاحب کو اس کی تشریح کی داد دے سکتی ہے۔ ان کی اس تشریح کے مطابق تمام ڈرامہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درجات بلند کرنے کے لئے تھا۔ اگر یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے یا صلیب دینے کی کوشش نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے درجات بھی بلند نہ کرتا۔ چونکہ ان کے درجات بلند کرنا ضروری تھا۔ اس لئے کوئی نہ کوئی سبیل تو اللہ تعالیٰ نے نکالنا ہی تھی۔ چنانچہ یہود کو اس کام پر لگایا گیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے یا مصلوب کرنے کا انتظام کریں تاکہ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درجات بلند کرسکے۔ سبحان اللہ کیا بے مثل تفسیر بیان فرمائی ہے جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب نے۔ یہ سمجھنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے درجات بلند کئے یا ان کو جسم وجان کے ساتھ دنیا سے اٹھا لیا تھا۔ ضروری ہے کہ اس پس منظر کو ذہن میں مستحضر کر لیا جائے جس کی طرف اللہ تعالیٰ ان آیات مبارکہ میں اشارہ کر رہا ہے۔

اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس سال کی عمر میں منصب رسالت پر مبعوث کئے گئے۔ قرآن کریم اس بارے میں خاموش ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کس عمر میں دعوت کا آغاز کیا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ہم بائبل سے رجوع کرتے ہیں۔

’’جب یسوع خود تعلیم دینے لگا قریباً تیس برس کا تھا۔‘‘ (لوقا باب:۳فقرہ نمبر۲۳)

اس امر میں بھی اختلاف نہیں کہ کار رسالت انجام دیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابھی تین سال ہی ہوئے تھے کہ یہود نے ان کے خلاف سازش کر کے حکومت سے انہیں مصلوب کرنے کا فیصلہ حاصل کر لیا۔ اب قرآن کریم کی رو سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو مصلوب کئے گئے اور نہ ہی قتل کئے گئے تو پھر وہ گئے کہاں؟ واقعہ صلیب کے بعد ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ جناب مولانا قمر عثمانی صاحب کے ذہن میں اس کا ایک جواب ہے اور در حقیقت صرف وہی جواب ہوسکتا ہے لیکن اسے بیان کرنے سے انہوں نے گریز کیا ہے۔ اس لئے ان کی طرف سے یہ خدمت میں کر دیتا ہوں اور وہ جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یروشلم کی زمین سنگلاخ ہے۔ یہاں دعوت کا کام نہیں ہوسکتا۔ دوسرے لفظوں میں جب حضرت مسیح علیہ السلام اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ یہود کے تلوں میں وہ تیل ہی نہیں جو انہیں درکار تھا تو پیشتر اس کے کہ ان کے دشمن ان کو قتل کرتے یا صلیب دیتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم سے فرار ہوکر کسی جنگل میں چلے گئے جہاں کسی درندے کی خوراک بن گئے یا کسی پہاڑ کی غار میں پناہ گزیں ہوگئے اور وہاں بھوک و پیاس یا دیگر طبعی عوارض کی بناء پر موت سے ہم کنار ہوگئے اور اس طرح نہ کسی نے میت اٹھائی۔ نہ کسی نے جنازہ پڑھا اور نہ کفن دفن کا انتظام ہوا۔

قصہ کوتاہ شد ورنہ درد سر بسیار بود

میں جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب اور ان کے ہم خیال دوستوں سے یہ دریافت کرنے میں حق بجانب ہوں کہ کیا اپنے رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے رسول دعوت کے لئے حالات ناسازگار پاکر اسی طرح بھاگ لیا کرتے ہیں؟ یقیناً نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمانہ قبل از تاریخ کی شخصیت نہیں ہیں وہ اس زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں جس کی تاریخ ہمیں دستیاب ہے۔ یہاں تک کہ بین الاقوامی طور پر جو کیلنڈر رائج ہے وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام سے منسوب ہے۔ اب سوال کا کیا جواب ہے کہ اگر وہ صلیب بھی نہیں دیئے گئے اور قتل بھی نہیں ہوئے تھے تو پھر نام نہاد واقعہ صلیب کے بعد وہ گئے کہاں؟ تاریخ اس بارے میں خاموش کیوں ہے؟ اس سوال کا ایک جواب تو وہی ہے جو میں نے جناب مولانا عثمانی صاحب کی طرف سے دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جان کے خوف سے بھاگ لئے لیکن اس جواب کو قبول کرنے میں رکاوٹ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے کبھی میدان

نہیں چھوڑا کرتے وہ ہجرت تو کرتے ہیں۔ وہ بھی اس وقت جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے۔ (ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک رسول جب اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر قبل از وقت اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح بھاگ گئے ہوتے تو قرآن مجید میں اس طرح تذکرہ ضرور ہوتا) اس سوال کا ایک جواب قادیانی امت کی طرف سے بھی دیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم سے ہجرت کر کے کشمیر آگئے اور کشمیر میں کار رسالت انجام دیتے ہوئے انہوں نے طبعی عمر پوری کی اور کشمیر میں ہی موت سے ہم کنار ہوئے اور محلّہ خان یار سری نگر میں دفن ہوئے۔

مجھے قادیانی امت کے اس جواب کا قبول کرنے میں ہرگز تأمل نہ ہوتا۔ اگر تاریخ سے اس کی تائید ہو جاتی۔ قادیانی امت کے جواب کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ واقعہ صلیب کے وقت ان کی عمر تینتیس سال تھی۔ اگر انہوں نے کشمیر تک پہنچنے میں سات برس بھی لگا دیئے ہوں تو چالیس سال کی عمر میں وہ کشمیر پہنچ گئے اور اس طرح ان کو کشمیر میں کار رسالت انجام دینے کے لئے اسّی سال مل گئے۔ اگر ایسا ہوا تھا تو کشمیر میں اسلام سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ گو (نہ کہ عیسائی) آباد ہونا چاہئیں تھے جب کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اہل کشمیر مسلمان ہونے سے قبل مشرک ہندو تھے اور آج بھی وہاں مسلمانوں کے علاوہ اگر کوئی آباد ہے تو وہ ہندو ہیں نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ گو۔

حق تعالیٰ کے چار وعدے

اس عنوان کے تحت جناب مولانا قمر احمد عثمانی نے سورۂ آل عمران کی آیات نمبر۵۴، ۵۵ سے استدلال کیا ہے۔ ان آیات کا ترجمہ اس طرح ہے: ”ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ علیہ السلام (کچھ غم نہ کرو) بے شک میں تم کو وفات دینے والا ہوں اور (فی الحال) میں تم کو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں اور تم کو ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو منکر ہیں اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے ہیں ان کو غالب رکھنے والا ہوں۔ ان لوگوں پر جو کہ (تمہارے) منکر ہیں روز قیامت تک۔ پھر میری طرف واپسی ہوگی سب کی۔ سو میں تمہارے درمیان (عملی) فیصلہ کردوں گا ان امور میں جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے۔“

(ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے جناب مولانا قمر احمد عثمانی صاحب ارشاد فرماتے ہیں: ’’اس آیہ کریمہ میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چار وعدے فرمائے ہیں جن میں سب سے پہلا وعدہ یہ ہے اور کیا منفرد وعدہ ہے جو کبھی کسی سے کیا ہی نہیں گیا۔‘‘

پہلا وعدہ: ’’بے شک میں تمہیں وفات دینے والا ہوں۔‘‘

اس جگہ جناب عثمانی صاحب نے ’’انی متوفیک‘‘ کا ترجمہ کیا ہے کہ ’’میں تمہیں وفات دینے والا ہوں‘‘ اور اس کے بعد اس پر خاصا زور دیا ہے کہ ’’انی متوفیک‘‘ کا مطلب صرف اور صرف یہی ہوسکتا ہے کہ ’’میں تمہیں موت دینے والا ہوں‘‘ اور یہ کہ اس کا کوئی دوسرا مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں جناب عثمانی صاحب کا نقطہ نظر قبول نہیں کرسکتا۔ میں خود تو عربی زبان کا سکالر نہیں ہوں۔ اس لئے قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے مستند اہل علم کے تراجم سے فائدہ اٹھاتا ہوں۔ چنانچہ ’’انی متوفیک‘‘ کا جو ترجمہ علمائے کرام نے کیا ہے وہ درج کر دیتا ہوں۔

شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ’’انی متوفیک‘‘ کا ترجمہ کیا ہے۔ ’’تحقیق میں لینے والا ہوں تجھ کو۔[۱]‘‘

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ’’میں لے لوں گا تجھ کو اور اٹھا لوں گا اپنی طرف۔‘‘

میں ایک عیسائی کا انگریزی ترجمہ بھی دے دیتا ہوں۔ کیونکہ وہ اس الجھن کا شکار نہیں ہے جس سے برصغیر کے مسلمانوں کو مرزا غلام احمد قادیانی نے گزشتہ ایک صدی سے دوچار کیا ہوا ہے۔ **"I will thake thee to Me" (Arther J Arberry)**

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے تقریباً ایک صدی قبل اس مسئلہ پر بڑی فاضلانہ بحث کی ہے۔ اس سے استفادہ کرنا بھی مناسب ہوگا۔ وہ اپنی کتاب ’’شہادت القرآن‘‘ میں لکھتے ہیں: ’’واضح ہو کہ توفی کی نسبت مرزا قادیانی کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ لفظ صرف موت اور قبض روح کے لئے موضوع ہے اور یہ امر اس کے علوم رسمیہ اور لیاقت علمیہ سے بالکل بے بہرہ اور عاری ہونے پر دلیل بین ہے۔ کیونکہ توفی لفظ وفا سے ماخوذ ہے اور وفا کے معنی ہیں پورا کرنا۔‘‘

(شہادت القرآن ص۱۰۳،۱۰۴)

---

[۱] شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن مرزا قادیانی کے دعویٰ مسیحیت سے بہت پہلے کا ہے۔ ان کا ترجمہ مرزا قادیانی کے دعویٰ کے رد عمل میں نہیں ہوسکتا۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر تدبر قرآن میں ’’انی متوفیک‘‘ اور ’’رافعک الیّ‘‘ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں: ’’توفی‘‘ کے اصل معنی عربی لغت میں کسی شئے کو پورا پورا لے لینے یا کسی چیز کو اپنی طرف قبض کرنے کے ہیں۔ موت دینے کے معنی میں اس لفظ کا استعمال حقیقتاً نہیں بلکہ مجازاً ہوا ہے۔ ایسے الفاظ جو اپنے حقیقی اور مجازی دونوں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں اپنے صحیح مفہوم کے تعین میں قرائن کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہاں مندرجہ ذیل قرائن اس بات کے خلاف ہیں کہ اس کے معنی یہاں موت دینے کے لئے جائیں۔

ایک یہ کہ یہ موقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا مسیح علیہ السلام اوران کے ساتھیوں کے لئے بشارت اور وعدہ نصرت ہے۔ جملہ رسولوں کی سرگزشتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ جب ان کی قوموں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی حفاظت اور نصرت کی بشارت دی۔ یہ آیت بھی بشارت اور وعدہ نصرت کی ہی ہے۔ اس سیاق وسباق میں آخر یہ کہنے کا کیا محل ہے کہ میں تمہیں موت دینے والا ہوں۔ یہ تو وہی چیز ہوتی جس کے یہود خواہاں تھے۔

دوسرا یہ کہ اس لفظ سے یہاں موت دینا مراد ہے تو اس کے بعد ’’رافعک الیّ‘‘ کے الفاظ بالکل غیرضروری ہوکررہ جاتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ ’’رافعک الیّ‘‘ کے معنی مجرد رفع درجات لینا صحیح نہیں۔ اس صورت میں ’’الـیّ‘‘ کا لفظ بالکل بے ضرورت ہوکررہ جاتا ہے اور قرآن میں کوئی لفظ بے ضرورت استعمال نہیں ہوا۔ اگر صرف درجہ کی بلندی کا اظہار مقصود ہوتا تو عربیت کے لحاظ سے ’’رافعک‘‘ کافی تھا۔ ’’الیّ‘‘ کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر صرف ’’الیّ‘‘ کا صحیح صحیح حق ادا کیا جائے اور یہ حق ادا کرنا ضروری ہے تو ’’رافـعک الـیّ‘‘ کے معنی یہ ہوں گے۔ ’’میں تمہیں عزت واکرام کے ساتھ اپنی جانب اٹھانے والا ہوں۔‘‘ (تدبر قرآن ج۲ص۱۰۳)

آپ نے دیکھ لیا کہ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کسی نے بھی ’’انی متوفیک‘‘ کا ترجمہ ’’میں تجھے موت دوں گا‘‘ نہیں کیا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اس لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اگر تو قرآن مجید میں یہ لفظ سب جگہ موت کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے تو ہمیں ’’انـــی متــوفیک‘‘ کا ترجمہ ’’میں تجھے موت دوں گا‘‘ ہی کرنا چاہئے۔ اس مقصد کے لئے جب میں نے قرآن مجید سے استفادہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لفظ زیادہ تر موت کے مفہوم میں استعمال نہیں ہوا۔ مثلاً:

۱...... سورۂ احقاف کی آیت:۱۹میں ’’لیوفیهم‘‘ کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔
’’اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کی وجہ سے الگ الگ درجے ملیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ سب کو ان کے اعمال پورے کردے اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔‘‘ (ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)
’’اور ان کو ان کے اعمال کے مطابق درجات ملیں گے اور یہ اس لئے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔‘‘ (ترجمہ: مرزا بشیرالدین محمود احمد)

"All shall have their degrees according to what they have wrought and that, He may pay them in full for their works and they not being wronged." (Arberry)

۲...... سورۂ آل عمران آیت نمبر:۲۵ میں یہ لفظ ’’وفیت‘‘ کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔
’’سو ان کا کیا حال ہوگا جب کہ ہم ان کو اس تاریخ میں جمع کرلیں گے جس کے آنے میں ذرا شبہ نہیں اور پورا پورا بدلہ مل جائے گا ہر شخص کو کہ جو کچھ اس نے کیا تھا۔‘‘

(ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

’’جب ہم اس دن کو (جس کی آمد) میں کوئی شبہ نہیں انہیں جمع کریں گے تو ان کا کیا حال ہوگا اور ہر شخص نے جو کچھ کمایا ہوگا اس دن وہ اسے پورا پورا دے دیا جائے گا۔‘‘

(ترجمہ: مرزا بشیرالدین محمود احمد)

"But how will it be when gather them for a day where on is no doubt and every soul shall be paid in full what it has erned." (Arberry)

۳...... سورۂ آل عمران آیت نمبر:۵۷ میں یہ لفظ ’’فیوفیهم‘‘ کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔
’’اور جو لوگ مومن تھے اور انہوں نے نیک کام کئے تھے سو ان کو اللہ تعالیٰ (ان کے ایمان اور نیک کام کا) ثواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے ظلم کرنے والوں سے۔‘‘

(ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

’’اور جو لوگ مومن ہیں اور انہوں نے نیک (اور مناسب حال) عمل کئے ہیں وہ انہیں ان کے اعمال کا اجر پورا (پورا) دے گا اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں رکھتا۔‘‘

(ترجمہ: مرزا بشیرالدین محمود احمد)

"But as for the believers who do deeds of righteousness. He will pay them in full their wages and God loves not he evil doers." (Arberry)

۴...... سورۂ الانعام آیت نمبر:۶۰ میں یہ لفظ ’’یتوفکم‘‘ کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔

’’وہی ہے جو قبض کرتا ہے تم کو رات میں اور جو کچھ دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے اور پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے کہ میعاد معین تمام کر دی جائے پھر تم کو اس کی طرف جانا ہے پھر تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔‘‘ (ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

’’اور وہی ہے جو رات کے وقت تمہاری روح قبض کرتا ہے اور دن کے وقت جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے اور پھر دن کے وقت تمہیں اٹھاتا ہے کہ ایک مدت جو مقرر ہو چکی ہے پوری کی جائے جس کے بعد تمہارا لوٹنا اسی کی طرف ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کی تمہیں خبر دے گا۔‘‘ (ترجمہ: مرزا بشیرالدین محمود احمد)

"It is He who recalls you by night and He knows what you works by day then. He raises you up there in that a stated term may be determined; then upto Him shall you return and then, He will tell you of what you have been doing." (Arberry)

۵...... سورۂ زمر آیت نمبر:۷۰ میں یہ لفظ ’’وفیت‘‘ کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔

’’ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ سب کاموں کو خوب جانتا ہے۔‘‘

(ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

’’اور ہر نفس نے جو کیا ہوگا اس کے مطابق اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ (اللہ) ان کے اعمال سے پوری طرح واقف ہے۔‘‘ (ترجمہ: مرزا بشیرالدین محمود احمد)

"Every soul shall be paid in full for what it has wrought and He knows very well what they do." (Arberry)

۶...... سورۂ ہود آیت نمبر:۱۵ میں یہ لفظ ’’نوف‘‘ کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔

’’جو شخص (اپنے اعمال خیر سے) محض حیات دینوی (کی منفعت) اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے (ان) اعمال (کی جزا) ان کی دنیا میں ہی پورے طور پر بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔‘‘ (ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

’’جو (لوگ اس) دنیوی زندگی (کے سامان) اور اس کی زینت کو (اپنا) مقصود بنائیں گے۔ انہیں ہم ان کے اعمال (کے پھل) اسی (زندگی) میں پورے پورے دے دیں گے اور انہیں اس میں کم نہیں دیا جائے گا۔‘‘ (ترجمہ: مرزا بشیرالدین محمود احمد)

"Who so desires the present life and its adornment We shall pay them in full for their works therein and they sahll not be defrauded there." (Arberry)

۷...... سورۂ ہود آیت نمبر:۱۰۹ میں یہ لفظ ’’لموفوهم‘‘ کی ترکیب میں استعمال ہوا ہے۔

’’سو (اے مخاطب) جس چیز کی یہ پرستش کرتے ہیں اس کے بارے میں ذرا شبہ نہ کرنا۔ یہ لوگ بھی اسی طرح (بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل) عبادت (غیراللہ کی) کر رہے ہیں۔ جس طرح ان سے قبل ان کے باپ دادا کرتے تھے اور ہم یقیناً (قیامت کو) ان کا حصہ (عذاب کا) ان کو پورا پورا بے کم وکاست پہنچا دیں گے۔‘‘ (ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

’’پس (اے مخاطب) جو عبادت یہ (لوگ) کرتے ہیں اس کے (باطل ہونے کے متعلق) تو کسی شک (وشبہ) میں نہ پڑ۔ یہ اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح کی عبادت (ان سے) پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے اور ہم یقیناً انہیں (بھی) ان کا حصہ پورا پورا دیں گے جس میں سے (ہرگز) کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔‘‘ (ترجمہ: مرزا بشیرالدین محمود احمد)

"So be thou not in doubt concerning what they serve: they serve only as their farthers served before and We shall surely pay them in full their portion undiminished." (Arberry)

اس کے علاوہ متعدد مقامات پر قرآن مجید میں یہ لفظ کسی نہ کسی ترکیب میں استعمال ہوا ہے اور وہاں یہ ''موت'' کے مفہوم کو ادا نہیں کرتا۔ لیکن میں طوالت کے خوف سے چھوڑ رہا ہوں۔ میں نے تین تراجم پیش کئے ہیں۔ ایک ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک ترجمہ مرزابشیرالدین محمود احمد کا ہے جو قادیانی امت کے دوسرے سربراہ ہیں اور اس وجہ سے قرآن مجید کا ترجمہ کرتے ہوئے مرزامحموداحمد نے قادیانی نقطہ نظر کو ملحوظ رکھا ہے۔ تیسرا انگریزی ترجمہ آرتھر جے آربری کا ہے جو مذہباً عیسائی ہیں۔ یورپ کے باشندہ ہیں۔ اس لئے نہ تو وہ کسی مسلک سے متأثر ہیں اور نہ ہی کسی ایسی الجھن سے دوچار ہیں جس سے برصغیر کے مسلمان مرزاغلام احمد کی وجہ سے گزشتہ کم وبیش ایک صدی سے دوچار ہیں۔ جناب آربری صرف عربی زبان کے سکالر ہیں اور زبان کے لحاظ سے جو ترجمہ ان آیات مبارکہ کا ہونا چاہئے وہ انہوں نے کر دیا ہے۔ ان تینوں حضرات نے مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے کسی جگہ بھی اس لفظ کو موت کے مفہوم میں نہیں لیا تو پھر ''انی متوفیک'' کا ترجمہ ''میں تجھے موت دوں گا'' کیوں کیا جائے؟

مرزاغلام احمد کا مؤقف

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی سے بھی دریافت کر لیا جائے کہ ان کا مؤقف کیا ہے اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ میرے مخاطب قادیانی حضرات بھی ہیں۔ میرے قادیانی دوست اس کو پسند کریں یا نہ کریں۔ حقیقت بہرحال یہی ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنی ہر بات کی خود ہی تکذیب کی ہوئی ہے۔ اس لئے ان کے کام کی کوئی علمی قدر و قیمت نہیں ہے۔ لیکن میں مرزاغلام احمد قادیانی کا مؤقف اس لئے درج کر رہا ہوں کہ قادیانی امت کے لئے حق وہی ہے جو مرزاغلام احمد نے کہا ہے۔ ''انی متوفیک ورافعک الیّ'' کے بارے میں مرزاغلام احمد قادیانی کا نقطۂ نظر درج ذیل ہے۔

مرزاغلام احمد قادیانی کے مجموعہ الہامات (جو ''تذکرہ'' کے نام سے چھپا ہے) کے ص۹۶ پر ۱۸۸۳ء کے حوالہ سے مرزا قادیانی کا ایک الہام ان الفاظ میں درج ہے: ''انی متوفیک ورافعک الیّ'' اس کا ترجمہ بھی مرزاغلام احمد قادیانی نے خود ہی کیا ہے جو اس طرح درج ہے۔

''میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔''

مرزا قادیانی نے ''انی متوفیک '' کا ترجمہ ''میں تجھے موت دوں گا۔''نہیں کیا۔ لہٰذا اپنے الہام کا جو ترجمہ انہوں نے درج کیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ایک صورت تو یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے جو ترجمہ درج کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہی سکھایا تھا۔دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی (جن کی اپنی زبان پنجابی تھی) کو الہام تو عربی میں کر دیا۔لیکن اس کا صحیح مفہوم نہیں سمجھایا بلکہ عربی زبان میں الہام کرنے کے بعد اس کو مرزا قادیانی پر چھوڑ دیا کہ خواہ اسے صحیح سمجھیں خواہ غلط ان کی مرضی۔ چنانچہ کئی سال تک مرزا قادیانی اس الہام کو صحیح سمجھ ہی نہ سکے۔ غالباً ۱۸۸۳ء تک اللہ تعالیٰ کا مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود بنانے کا پروگرام ہی نہیں تھا اس لئے اس نے مرزا قادیانی کو اس الہام کا صحیح ترجمہ نہیں سکھایا تھا۔لہٰذا لغت کی رو سے ''انی متوفیک ورافعک الیّ'' کا ترجمہ مرزا قادیانی نے کر دیا۔

''میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔''

مرزا قادیانی نے اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' کی چوتھی جلد میں بھی جو ۱۸۸۴ء میں چھپی ہے۔''انی متوفیک ورافعک الیّ'' کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

''میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔''

بعد میں جب مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح موعود کے مدعی ہونے کا پروگرام بنایا تو اپنی کتاب (کتاب البریاص ۱۱۶، خزائن ج۱۴ص ۳۵۴) میں اپنے اسی الہام کا ترجمہ انہوں نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

''اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔''

جب قادیانی امت کو مرزا غلام احمد قادیانی کے ان متعارض بیانات کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ کسی وحی یا الہام کو سمجھنے میں نبی سے غلطی ہوسکتی ہے۔مرزا قادیانی کو بھی الہام کا صحیح مفہوم سمجھنے میں غلطی لگ گئی تھی۔(سلسلہ انبیاء میں مرزا قادیانی واحد نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے لیکن اس وحی کا صحیح مفہوم نہیں سمجھاتا اور جب مرزا قادیانی غلط سمجھتے ہیں تو اس کی تصحیح نہیں کرتا اور کئی سال بعد مرزا قادیانی کو خود ہی اپنی غلطی سے آگاہی ہوتی ہے) اور یہ عصمت انبیاء کے خلاف نہیں ہے اس کی تائید میں قادیانی امت نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ سے دو واقعات کا حوالہ دیتی ہے۔

تین قادیانی سوالات کے جوابات

پہلا حوالہ تو وہ حدیث ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمایا تھا کہ ہجرت سے پہلے مجھے وہ جگہ دکھائی گئی تھی جہاں مجھے ہجرت کرنا تھی اور وہاں کھجور کے درخت تھے۔ میں نے اسے یمامہ سمجھا لیکن وہ مدینہ نکلا۔ (میں نے حدیث کا مفہوم بیان کیا ہے۔ راقم)

اس بارے میں میری گزارش یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہرہ ہوتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی زبان سے کبھی کوئی ایسا لفظ ادا ہو ہی نہیں سکتا جس کی بعد میں تردید کرنے کی ضرورت پیش آ جائے۔ یہ خصوصیت صرف جھوٹے مدعیان نبوت کی ہوتی ہے کہ ان کو بات بات پر تردید کرنا پڑتی ہے۔ جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی ہر بات کی خود ہی تکذیب کر رہے ہیں۔ اگرچہ نبی اکرم ﷺ نے کھجوروں والی جگہ سے یمامہ سمجھا تھا۔ لیکن ہجرت سے قبل نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہی نہیں ہوئے کہ وہ یمامہ ہجرت کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے موقع پر کسی نے ان سے یہ نہیں کہا کہ آپ کو تو یمامہ ہجرت کرنا تھی۔ آپ مدینہ کیوں چلے آئے۔ یہ حوالہ مرزا قادیانی کے لئے سودمند نہیں ہے۔ کیونکہ اگر نبی اکرم ﷺ نے کھجوروں کی زمین سے یمامہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا نہیں ہونے دیئے کہ بعد میں بوجہ ہجرت مدینہ انہیں اپنے الفاظ کی تردید کرنا پڑتی۔

دوسرا حوالہ قادیانی حضرات یہ دیتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے خواب دیکھا کہ وہ عمرہ ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے عمرہ ادا کرنے کے لئے سفر شروع کر دیا۔ لیکن وہ اس سال عمرہ نہ ادا کر سکے اور یہ ثابت ہوگیا کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنا خواب (نبی کا خواب وحی ہوتا ہے) سمجھنے میں غلطی لگی تھی۔ پیشتر اس کے کہ میں کچھ عرض کروں۔ مجھے مرزا محمد حسین[۱] مرحوم کے الفاظ یاد

[۱] مرزا محمد حسین مرحوم پیدائشی قادیانی تھے اور قادیان میں نام نہاد خاندان نبوت کی خواتین کے استاد تھے۔ ان سے پردہ نہیں کیا جاتا تھا۔ اس طرح ان کو اس خاندان کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور مرزا محمود احمد ولد مرزا غلام احمد کی گھناؤنی زندگی کا مشاہدہ کر کے ہی وہ قادیانیت سے تائب ہوئے۔ اپنے تجربات کو انہوں نے اپنی کتاب ”فتنہ انکار ختم نبوت“ میں بیان کیا ہے۔ میں نے ایک ملاقات میں ان سے بہ اصرار پوچھا کہ انہوں نے کیا دیکھا تھا لیکن انہوں نے کہا کہ اگر میں نے بتا دیا تو تم یقین نہیں کرو گے اور جب انہوں نے بتایا تو واقعی مجھے یقین نہیں آیا۔ اس پر انہوں نے کہا اسی لئے تو میں بتاتا نہیں تھا۔

آ گئے ہیں کہ قادیانی ہونے کی پہلی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ملتی ہے کہ انسان کی عقل مذہب کے معاملہ میں مفلوج ہو جاتی ہے۔ لہٰذا قادیانیت اور ''منطقیت'' ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ میں اپنے قادیانی دوستوں سے یہ پوچھا کرتا ہوں کہ آپ کے نزدیک تو نبی اکرم ﷺ کو خواب سمجھنے میں غلطی لگی ان کو اپنا سفر شروع ہی نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ اگلے سال شروع کرنا چاہئے تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تو نبی اکرم ﷺ کے اس سفر کو فتح مبین قرار دیا ہے اور سورۂ فتح جو حدیبیہ سے واپسی پر اسی سفر میں نازل ہوئی جس کی پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

''بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلی فتح دی۔'' (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اگر نبی اکرم ﷺ نے اپنے خواب کو صحیح نہیں سمجھا تھا تو فتح مبین کی بشارت کی بجائے اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ آپ نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔ آپ کو تو یہ سفر اگلے سال شروع کرنا تھا۔ اس پر قادیانی حضرات یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بھی غلطی ہوگئی۔ (نعوذ باللہ)

قادیانی حضرات اس سلسلہ میں ایک تیسری بات بھی کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو پہلی وحی کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ اسی لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا انہیں ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئی تھیں۔ اس پر میں قادیانی امت سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ بتائیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی پہلی وحی کا کیا مطلب بیان کیا تھا۔ جس میں ان کو غلطی لگ گئی تھی اور بعد میں انہوں نے اس کی کیا تصحیح کی؟ اس کا جواب قادیانی امت کے پاس کوئی نہیں ہے۔

بہرحال اگر مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود کے دعویٰ کا پروگرام نہ بناتے تو ''انی متوفیک ورافعک الیّ'' کا صحیح ترجمہ ان کے نزدیک بھی یہی تھا۔ ''میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔'' نہ کہ ''میں تجھے موت دوں گا اور تمہارے درجات بلند کروں گا۔''

یہ کمال صرف مرزا قادیانی کا ہی ہے کہ انہیں اپنے الہام کو سمجھنے میں غلطی لگتی رہی ہے اور وہ سال ہا سال اس غلطی پر قائم رہے ہیں۔

ایک سوال

اس موضوع پر اب تک کی بحث کو دیکھ لینے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے اور بجا طور پر پیدا ہوتا ہے کہ ''موت'' بھی تو عربی ہی کا لفظ ہے جو صرف ایک ہی معنی دیتا ہے۔ یعنی ''روح کا جسم سے جدا ہو جانا'' اگر اللہ تعالیٰ کا منشاء اس جگہ یہ ہوتا کہ وہ ہمیں بتائے کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کو اس موقع پر موت سے ہم کنار کر دیا تھا تو وہ اس آیہ مبارکہ میں ''انی متوفیک '' کی جگہ ''انی ممیتک '' کی ترکیب استعمال کر سکتا تھا۔ ایسی صورت میں کوئی الجھن پیدا ہی نہ ہوتی۔

الفاظ کی تعبیر کا ایک معروف قاعدہ جو دنیا میں مروج ہے یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی تحریر میں ایک ایسا لفظ استعمال کرتا ہے جس کے حقیقی معنی کے علاوہ ایک مجازی معنی بھی ہوتے ہیں تو سب سے پہلے اس کی تحریر کو سمجھنے کے لئے حقیقی معنی لئے جائیں گے۔ خاص طور پر جب مجازی معنی کے لئے اسی زبان میں ایک دوسرا لفظ بھی موجود ہو اور صاحب تحریر نے اسے ترک کر دیا ہو۔ اب اگر تو حقیقی معنی لینے سے کوئی الجھن (**Absurdity**) پیدا ہوتی تو مجازی معنی لے لئے جائیں گے ورنہ نہیں۔ اب اس آیہ مبارکہ میں ''انی متوفیک '' کے حقیقی معنی ہیں: ''میں تمہیں پورا پورا وصول کروں گا۔'' اور یہ معانی لینے سے کوئی الجھن (**Absurdity**) بھی پیدا نہیں ہوتی تو کس قرینہ کی رو سے مجازی معنی لئے جائیں؟

قادیانی حضرات اپنی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کو پیش کرتے ہیں کہ بخاری شریف کی ایک حدیث کی رو سے حضرت ابن عباسؓ ''انی متوفیک '' کا معنی ''انی ممیتک '' کرتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو صحت کے لحاظ سے کس درجہ میں رکھا ہے۔ لیکن جو بات معلوم ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اپنی اس رائے میں تنہا ہیں اور صحابہ کرامؓ کی عظیم اکثریت حضرت ابن عباسؓ کی اس مسئلہ میں تائید نہیں کرتی۔ سلف سے لے کر خلف تک امت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس آیہ مبارکہ میں ''انی متوفیک '' کا مطلب ''میں تجھے موت دوں گا'' نہیں لیتی اور اس پر قریباً اجماع ہے۔ اب قاعدہ کی رو سے جہاں کسی لفظ کے حقیقی معنی مراد لئے جاسکتے ہوں وہاں مجازی معنی لینے کا کوئی جواز نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے حضرت ابن عباسؓ کی رائے کو دیگر صحابہ کرام کی اکثریت کی رائے پر ترجیح دینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ''انی متوفیک '' کی جگہ ''انی ممیتک '' کی ترکیب استعمال نہیں کی تو اس کی تین وجوہات ہی ہوسکتی ہیں۔

۱...... ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد اس آیہ مبارکہ کے ذریعہ یہ مفہوم ''اے عیسیٰ میں تمہیں موت سے ہم کنار کروں گا۔'' ادا کرنے کا ہے ہی نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہوتا تو وہ اس کے لئے ''انی ممیتک '' کی ترکیب استعمال کرتا جس کا مفہوم متعین ہے۔ اس کا کوئی دوسرا مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔

۲...... دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء تو اس آیہ مبارکہ کے ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی خبر دینا ہی تھا۔ لیکن عربی زبان پر مکمل عبور نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے چوک ہوگئی۔ ممکن ہے یہ توجیح جناب مولانا قمر عثمانی صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے ذہن میں ہو۔

۳...... تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد ہی اپنے بندوں کو الجھن میں مبتلا کرنا ہوتا کہ وہ قیامت تک اسی بحث میں پڑے رہیں کہ اس آیت کا صحیح مطلب کیا ہے۔ یہ وجہ بھی جناب عثمانی صاحب کے نزدیک قابل قبول ہوسکتی ہے یا قادیانی امت اسے قبول کرسکتی ہے۔

اب میں یہ بات قاری کے اپنے فہم پر چھوڑتا ہوں تاکہ وہ خود فیصلہ کرسکے کہ اگر اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ''انی ممیتک'' کی ترکیب استعمال نہیں کی تو مذکورہ بالا تین وجوہات میں سے کون سی وجہ ہوسکتی ہے اور میں مسئلہ کو دوسرے زاویہ سے بھی دیکھتا ہوں۔ ہم اس آیہ مبارکہ کا وہی ترجمہ درست تسلیم کرلیتے ہیں جو جناب مولانا قمر احمد عثمانی کرتے ہیں اور مسئلہ کو مولانا عثمانی صاحب کے نقطۂ نظر سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں اس آیہ مبارکہ کا وہی ترجمہ درج کردیتا ہوں جو جناب مولانا عثمانی نے اپنے رسالہ کے ص۱۲ پر کیا ہے: ''اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر فرمائی اور حق تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں اور جب کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ علیہ السلام میں بے شک تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں ان سے پاک کرنے والا ہوں جو منکر ہیں اور تمہارے متبعین کو روز قیامت تک (ان) منکرین پر غالب کرنے والا ہوں اور میں تمہیں اپنی طرف بلند مقام دینے والا ہوں۔''

اس آیہ مبارکہ میں تین فریق ہیں جن کا ذکر ہے:

۱...... فریق اوّل: خفیہ تدبیر کرنے والے یعنی دشمنان حضرت مسیح علیہ السلام۔

۲...... فریق دوم: اللہ تعالیٰ (خفیہ تدبیر کرنے والوں کے مقابلہ میں) بہتر تدبیر کرنے والے۔

۳...... فریق سوم: حضرت مسیح علیہ السلام۔

اب ان میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوگا اور اسی سوال سے ہمیں معاملہ کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور اس آیہ مبارکہ کا حقیقی مفہوم واضح ہوگا۔

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ فریق اوّل اور سوم کے کیا مقاصد ہیں۔

فریق اوّل یعنی دشمنان حضرت مسیح علیہ السلام کا مقصد حضرت مسیح علیہ السلام کو قتل کر کے ان سے نجات حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ وہ ان کے خیال میں لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے تدبیر یہ کی کہ حکومت وقت سے ان کو صلیب دینے کا حکم حاصل کر لیا۔ بائبل کی کتاب ''متی'' میں اس کی تفصیل اس طرح ہے (اگرچہ مسلمانوں کے لئے قرآن مجید ہی یقینی ذریعہ علم ہے۔ لیکن اگر کسی واقعہ کی تفصیل قرآن مجید میں نہ ہو تو تفصیلات کے لئے بائبل سے رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں)

''یسوع کو پکڑنے والے اس کو کائفا نام سردار کاہن کے پاس لے گئے۔''

(باب نمبر۲۶، فقرہ نمبر۵۷)

''آخرکار دو گواہوں نے آ کر کہا کہ اس نے کہا ہے کہ میں خدا کے مقدس کو ڈھا سکتا ہوں اور تین دن میں اسے بنا سکتا ہوں اور سردار کاہن نے کھڑے ہو کر اس سے کہا تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ یہ تیرے خلاف کیا گواہی دیتے ہیں۔ مگر یسوع خاموش ہی رہا۔ سردار کاہن نے اس سے کہا کہ میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے۔ یسوع نے اس سے کہا کہ تو نے خود کہہ دیا ہے۔ بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کے دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔ اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے۔ اب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ دیکھو تم نے ابھی کفر سنا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا وہ قتل کے لائق ہے۔''

(باب نمبر۲۶، فقرہ۶۱-۶۷)

''حاکم کا دستور تھا کہ عید پر لوگوں کی خاطر جسے وہ چاہتے تھے چھوڑ دیتا تھا۔ اس وقت برابا نام ان کا ایک مشہور قیدی تھا۔ پس جب وہ اکٹھے ہوئے تو پیلاطس نے ان سے کہا کہ کسے چاہتے ہو کہ میں قیدی تمہاری خاطر چھوڑ دوں۔ برابا کو یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے؟''

(باب نمبر۲۷، فقرہ نمبر۱۵-۱۸)

''لیکن سردار کاہنوں اور بزرگوں نے لوگوں کو ابھارا کہ برابا کو مانگ لیں اور یسوع کو ہلاک کرائیں۔ حاکم نے ان سے کہا کہ ان دونوں میں سے کس کو چاہتے ہو کہ تمہاری خاطر چھوڑ دوں۔ انہوں نے کہا برابا کو۔ پیلاطس نے ان سے کہا پھر یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے کیا کروں۔ سب نے کہا مصلوب ہو۔''

(باب نمبر۲۷، فقرہ نمبر۲۰-۲۳)

قارئین کرام! بائبل کے اقتباسات سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمنوں نے ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان پر جھوٹے الزامات لگائے۔ جھوٹے گواہ پیش کئے اور حکومت سے ان کو مصلوب کرنے کا حکم حاصل کرلیا۔ یہاں تک کہ حاکم نے عید کی وجہ ایک قیدی چھوڑنے کے بارے لوگوں کی رائے حاصل کی تو بھی دشمنان حضرت مسیح علیہ السلام کے اکسانے پر لوگوں نے براباڈاکو کو چھوڑ دیئے جانے کا مطالبہ کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کئے جانے کے مطالبہ پر قائم رہے۔ یہ تو تھا دشمنان حضرت مسیح علیہ السلام کا مقصد۔

تیسرے فریق یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کے ہاتھ نہ لگیں اور اسی مقصد کے لئے وہ اپنے رب سے درخواست کر سکتے ہیں۔ بائبل کے عہدنامہ جدید میں متی نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے: ’’اس وقت یسوع ان کے ساتھ گتسمنی نام ایک جگہ آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے رہنا۔ جب تک کہ میں وہاں جا کر دعا کروں اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر غمگین اور بے قرار ہونے لگا۔ اس وقت اس نے ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی۔ تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے مریے رب اگر ہوسکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں۔ بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو۔ پھر دوبارہ اس نے جا کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر یہ میرے پئے بغیر ٹل نہیں سکتا تو تیری مرضی پوری ہو...... اور پھر وہی بات کہہ کر تیسری بار دعا کی۔‘‘

(متی باب نمبر۲۶، فقرہ نمبر۳۶-۴۵)

لوقا نے حضرت مسیح علیہ السلام کی آخری رات کی منظر کشی ان الفاظ میں کی ہے: ’’پھر وہ نکل کر اپنے دستور کے موافق زیتون کے پہاڑ کو گیا اور شاگرد اس کے پیچھے ہو لئے اور اس جگہ پہنچ کر اس نے ان سے کہا دعا کرو کہ آزمائش میں نہ پڑو اور وہ ان سے بمشکل الگ ہوکر کوئی پتھر کا ٹپہ آگے بڑھا اور گھٹنے ٹیک کر یوں دعا کرنے لگا کہ اے باپ اگر تو چاہے تو یہ پیالہ مجھ سے ہٹا لے تو بھی میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو اور آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا وہ اسے تقویت دیتا تھا۔ پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہوکر اور بھی دلسوزی سے دعا کرنے لگا۔‘‘

(لوقا: باب نمبر۲۲، فقرہ نمبر۳۹-۴۳)

بائبل کے مذکورہ بالا بیان سے نہ صرف یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے آزمائش کی گھڑی میں اپنے رب سے دعا کی بلکہ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ عیسائیت کے اس عقیدہ کی کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے صلبی بیٹے تھے۔ بائبل سے ہرگز تائید نہیں ہوتی۔ عیسائیت کے عقیدہ کفارہ کے مطابق اگر حضرت مسیح علیہ السلام آئے ہی اس لئے تھے کہ صلیب پر جان دے کر نسل انسانی کے اصلی گناہ کا کفارہ ادا کردیں تو دعا کیسی اور پریشانی کیا اور اگر وہ خود خدا تھے اور خدا کے صلبی بیٹے تھے یعنی تین میں سے ایک تھے تو پھر دعا کس سے مانگ رہے تھے۔ بائبل نے حضرت مسیح علیہ السلام کی آخری رات کی جو کیفیت بیان کی ہے اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بھی دوسروں کی طرح انسان ہی تھے اور ان کا ردعمل وہی تھا جو ایک عام انسان کا ان حالات میں ہوسکتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’انی متوفیک ورافعک الیّ‘‘ اب قارئین خود فیصلہ کرلیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا اس شکل میں قبول کی جس طرح عثمانی صاحب بیان کرتے ہیں یا اس شکل میں قبول کی جس طرح دوسرے علماء کرام بیان فرماتے ہیں۔ بہرحال اگر پہلے فریق (دشمنان حضرت مسیح علیہ السلام) کا مقصد حضرت مسیح علیہ السلام سے نجات حاصل کرنا تھا تو تیسرے فریق (حضرت مسیح علیہ السلام) کا مقصد اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے بچ نکلنا تھا۔

دوسرے فریق: یعنی اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں کیا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا؟

جناب قمر احمد عثمانی کی رائے میں اللہ تعالیٰ نے فریق اوّل یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمنوں کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا اور ان سے کہا۔ کم بختو! میں تم سے بہتر بدبیر کرنے والا ہوں۔ تم خواہ مخواہ اس شخص کو مصلوب کر کے اس کا خون اپنی گردن پر کیوں لیتے ہو۔ تم میرے مقابلے میں کوئی اچھی تدبیر نہیں کرسکتے جو تدبیر بھی کرو گے وہ بھدی (**Crude**) ہوگی۔ تمہاری خواہش میں خود پوری کردیتا ہوں۔ میں اس شخص کو اس طرح موت دوں گا کہ نہ کسی کے خنجر پر داغ ہوگا اور نہ کسی کے دامن پر خون کی کوئی چھینٹ ہوگی۔ میں موت کے فرشتہ کو بھیج کر اسے طبعی موت ماردیتا ہوں تاکہ تمہیں اس شخص سے نجات بھی مل جائے اور تم ارتکاب قتل کے جرم سے بھی بچ جاؤ۔ عین اس وقت جب دشمنان حضرت مسیح علیہ السلام ان کو مصلوب کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو بقول مولانا عثمانی صاحب اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو بشارت دیتے ہیں کہ تم کچھ غم نہ کرو۔ پیشتر اس کے کہ تمہارے دشمن تمہیں مصلوب کریں میں تمہیں طبعی موت دے دوں گا۔

سبحان اللہ! کیا خوشخبری ہے جو ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول حضرت مسیح علیہ السلام کو دی جارہی ہے اور اگر میرے جیسا بے علم انسان جناب قمراحمد عثمانی سے دریافت کرلے کہ اللہ تعالیٰ کا جلیل القدر رسول جسے اللہ تعالیٰ نے بن باپ کے پیدا کیا جیسا کہ آدم علیہ السلام کو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ کا وہ جلیل القدر رسول کہ جس نے گہوارے میں کلام کر کے اپنی والدہ کی پاک دامنی ثابت کی اور صاحب کتاب نبی ہونے کا اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ کا وہ جلیل القدر رسول جس کی والدہ کو اس نے تمام عورتوں سے افضل قرار دیا اللہ تعالیٰ کا وہ جلیل القدر رسول جسے اللہ تعالیٰ نے انتہاء درجہ کے حسی معجزات عطاء کئے۔ کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس رسول کی مدد کرنے کی بجائے اس کے دشمنوں کے مقاصد کی تکمیل کی تو مولانا عثمانی صاحب یہ جواب دے سکتے ہیں کہ جس طرح شیر جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے چاہے انڈے دے چاہے بچے۔ اسی طرح اللہ میاں اللہ میاں ہے وہ چاہے تو اپنے رسول کی مدد کرے اور چاہے تو اس کے دشمنوں کی مدد کرے۔ اسے کون پوچھ سکتا ہے۔

اگر ''انی متوفیک'' کا ترجمہ جیسا کہ مولانا عثمانی صاحب کرتے ہیں کیا جائے کہ ''میں تمہیں طبعی موت سے ہم کنار کروں گا۔'' تو یہی تصویر بنتی ہے جو میں نے سطور بالا میں پیش کی ہے۔ اب یہ تصویر قادیانی امت کو تو قبول ہوسکتی ہے اور ممکن ہے مولانا عثمانی صاحب کے لئے بھی قابل قبول ہو۔ لیکن جو شخص یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اپنی قوم کے مقابلے میں ہمیشہ کامیاب رہے ہیں۔ اس تصویر کو قبول نہیں کرسکتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے حکم ازلی میں لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والے اور غلبہ والے ہیں۔'' (مجادلہ نمبر:۲۱، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

دوسرا وعدہ

اس ضمن میں جناب مولانا قمراحمد عثمانی جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

دوسرا وعدہ یہ ہے کہ میں تمہیں اپنی طرف بلند مقام دینے والا ہوں۔ اگر یہاں ''رافعک الیّ'' سے بحالت جسمانی زندہ اٹھانا مراد ہوتا تو یہ جملہ ''انی متوفیک'' سے پہلے آنا چاہئے تھا۔ کیونکہ از روئے روایات ''رفع الی السماء'' بحالت جسمانی پہلے ہوا اور موت آسمان سے نزول کے بعد قرب قیامت کے وقت واقع ہوگی۔ مگر اس وقت ''انی متوفیک''

کے وعدے کی کوئی اہمیت باقی نہ رہے گی۔ کیونکہ زمین پر آنے کے بعد آپ کی وفات دوسرے عام انسانوں کی طرح طبعی موت کی صورت میں ہوگی۔ اس وعدے کی ضرورت واہمیت اسی صورت میں باقی رہتی ہے جب بنی اسرائیل کی خفیہ تدابیر اور معاندانہ ریشہ دوانیوں کے علی الرغم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی دسترس سے بچا کر پھر انہیں اور ان کے متبعین کو گروہ منکرین پر غالب فرما کر ان کی طبعی موت واقع ہو کہ ایک طرف منکرین حق کا گروہ انہیں قتل کرنے پر تلا ہوا ہے تو دوسری طرف حق تعالیٰ اس وقت تو انہیں اشتباہ میں ڈال دیتے ہیں اور پھر جلد ہی ''فاٰمنت طائفة من بنی اسرائیل و کفرت طائفة فایدنا الذین اٰمنوا علیٰ عدوهم فاصبحوا ظاهرین (الصف)'' پس بنی اسرائیل کے کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور کچھ لوگ منکر رہے۔ پھر ہم نے اہل ایمان کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید فرمائی تو وہ غالب آ گئے۔ اپنی تائید ونصرت کے ذریعہ گروہ مومنین کو منکرین حق پر غالب فرما دیتے ہیں اور اسی غلبہ وکامرانی کی حالت میں وقت موعود پر ان کی طبعی موت واقع ہوتی ہے۔ اس تناظر میں ''ومکروا ومکر اللّٰہ واللّٰہ خیر المٰکرین'' کے جملے پر غور فرمائیے اور پھر ''انی متوفیک'' کے وعدے کی اہمیت وضرورت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ قوم یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی تدبیر کی اس کے لئے ایک خفیہ منصوبہ بنایا اور اپنی دانست میں اس منصوبے کو عملی جامہ بھی پہنا دیا۔ مگر حق تعالیٰ کی تدبیر ان کی ساری تدبیروں پر غالب آ کر رہی کہ ان کی شبیہ یا ان کا کوئی ہم شکل سولی پا گیا اور حق تعالیٰ نے اپنے نبی کو نہ صرف ان کے ہر شر سے محفوظ رکھا بلکہ جلد ہی سورۃ الصّف کی مذکورہ آیات کے مطابق انہیں اور ان کے متبعین کو گروہ منکرین پر غالب فرما دیا۔ اس آیت میں یہ بات متبادر ہو رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو یہود پر یہ غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں حاصل ہو گیا تھا۔

میں نے جناب مولانا عثمانی صاحب کا طویل اقتباس اس لئے درج کیا ہے کہ ان کی بات پوری طرح واضح ہو جائے۔ اس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ: ''رافعک الیّ'' کا جملہ ''انی متوفیک'' سے پہلے آنا چاہئے۔ کیونکہ از روئے روایت ''رفع الی السماء'' بحالت جسمانی پہلے ہوا اور موت آسمان سے نزول کے بعد قرب قیامت میں واقع ہوگی۔ جناب مولانا عثمانی صاحب کو آیات کی یہ ترتیب اس لئے غلط معلوم ہو رہی ہے کہ ان کے نزدیک ''انی متوفیک'' کا مطلب ہی ''میں تمہیں طبعی موت دوں گا'' ہے۔ میرے نزدیک ''انی

متوفیک ''کا مطلب جس طرح علمائے کرام کرتے ہیں: ''میں تمہیں پورا پورا وصول کروں گا۔'' صحیح ہے نہ کہ ''میں تمہیں موت دوں گا'' کیونکہ ایک غیر مسلم نے بھی جو صرف عربی زبان کا سکالر ہے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ **"I will take thee to Me."**

میرے نزدیک اس کا صحیح ترجمہ یہی ہے کہ ''میں تمہیں پورا پورا (جسم اور روح دونوں کے ساتھ) خود وصول کرلوں گا۔ لیکن کیسے؟ اس طرح کہ تمہیں تمہارے دشمنوں کے درمیان سے اٹھالوں گا اور اگر ''انی متوفیک'' کا وہ ترجمہ کیا جائے جو شاہ رفیع الدین اور ان کے ہم خیال علماء نیز آربری نے کیا ہے تو پھر آیات کی صحیح ترتیب یہی بنتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اختیار کی ہے۔''

دوسری بات جو عثمانی صاحب ارشاد فرمارہے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو یہود پر غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہی حاصل ہوگیا تھا۔ یہ تاریخی طور پر غلط ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ صف میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے اہل ایمان کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید فرمائی اور وہ اپنے دشمنوں پر فوقیت حاصل کر گئے۔ لیکن کب؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلی زندگی میں؟ ہرگز نہیں۔ اہل ایمان کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اضافہ عثمانی صاحب اپنی طرف سے کررہے ہیں۔ آیہ مبارکہ میں تو صرف اہل ایمان کا ذکر ہے۔ عثمانی صاحب اس آیہ مبارکہ کا جو ترجمہ کرتے ہیں اس کا مفہوم یہ بنتا ہے۔

''اے عیسیٰ علیہ السلام میں تجھے موت دوں گا اور تمہارے درجات بلند کروں گا۔''

گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ انہیں کبھی موت بھی آنی ہے یہ تو اچھا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتادیا۔ ورنہ وہ تو اس غلط فہمی میں رہتے کہ انہیں کبھی موت آئے گی ہی نہیں۔ لیکن کیا واقعی یہ ایسی اطلاع ہے جو اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خصوصی طور پر نہ ملتی تو وہ اس سے بے خبر ہی رہتے اور ان کو اس وقت پتہ چلتا جب موت کا فرشتہ ان کے سامنے آکھڑا ہوتا؟ اس سوال کا جواب میں قاری کے فہم پر چھوڑتا ہوں۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کو اپنے دشمن یہود پر غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں حاصل ہوگیا تھا تو پھر یہود کے لئے یہ کس طرح ممکن ہوگیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لئے سرکاری عملہ کے ساتھ اس مکان پر یلغار کرسکیں۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے شاگردوں کے ساتھ پناہ لئے ہوئے تھے۔ مولانا قمر احمد عثمانی صاحب اس آیہ مبارکہ کا جو ترجمہ کرتے ہیں وہ اس طرح ہے۔ ''اے عیسیٰ علیہ السلام میں تجھے موت دوں گا اور تمہارے درجات بلند کروں گا۔''

مولانا عثمانی کے مذکورہ بالا ترجمہ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ بلندی درجات اور موت لازم وملزوم ہیں۔ گویا اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو موت نہ آئے تو ان کے درجات بھی بلند نہیں ہوسکتے۔ لیکن یہ بات کس طرح تسلیم کر لی جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں انہیں بلند درجات حاصل نہیں تھے یا حاصل نہیں ہوسکتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے لئے لازم تھا کہ وہ ان کے درجات بلند کرنے سے قبل انہیں موت سے ہم کنار کرے۔

اگر مولانا عثمانی صاحب کو تاریخ سے شغف ہوتا تو وہ کبھی یہ نہ کہتے کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو یہود پر غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہی حاصل ہوگیا تھا۔''

اس وقت میرے سامنے ''جے۔ایم رابرٹس'' کی مرتب کردہ تاریخ عالم ہے۔ اس کے ص۳۰۲ پر فاضل مصنف نے جو بیان کیا ہے وہ درج ذیل ہے: ''اس (مسیح علیہ السلام) نے نہ صرف ان لوگوں کو دعوت دی جو سیاسی طور پر غیر مطمئن تھے بلکہ ان یہودیوں کو بھی خطاب کیا جو یہ خیال کرتے تھے کہ شریعت غیر یہود کو مناسب رہنمائی فراہم نہیں کرتی اور اس (مسیح علیہ السلام) نے ان غیر یہود کو بھی مخاطب کیا جو یہود کی نظر میں دوسرے درجے کے شہری تھے اور چاہتے تھے کہ حشر کے روز ان کی نجات کا بھی کوئی سامان ہو۔ مسیح علیہ السلام نے غرباء اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کی طرف توجہ کی اور اس معاشرے میں جس میں امیر اور غریب میں بہت زیادہ تفاوت تھا۔ ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی۔ مسیح علیہ السلام کی دعوت کے یہی انداز تھے جو بعد میں بہت زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوئے۔ لیکن یہ صرف اس (مسیح علیہ السلام) کی زندگی تک مؤثر ثابت ہوئے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی ختم ہوگئے اور اس (مسیح علیہ السلام) کی موت کے وقت اس کے پیروکار یہودیوں کے فرقوں میں سے ایک بہت ہی چھوٹا سا فرقہ تھے۔''

یہود حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ان کے پیروکاروں سے کس طرح کا سلوک کر رہے تھے؟ اسے فاضل مصنف نے اسی کتاب کے ص۳۰۳ پر اس طرح بیان کیا ہے: ''مسیح علیہ السلام کی تعلیمات نے یہود میں سے کس طرح کا شور وغوغا برپا کر دیا تھا۔ اس کی تفصیل ''رسولوں کے اعمال'' میں مل جاتی ہے۔ رومی انتظامیہ کا رویہ چشم پوشی کا تھا۔ الّا یہ کہ امن عامہ کو خطرہ لاحق ہو۔ جو اکثر ہو جاتا تھا۔ انتظامیہ کو ۱۹۵۹ء میں پال کو یہود کے ہاتھوں بچانا پڑا۔''

اسی مسئلہ کے بارے میں فاضل مصنف نے ص۳۰۶ پر مزید بیان کیا ہے: ''رومی انتظامیہ کی نظر میں عیسائی، یہودیوں کا ہی ایک فرقہ تھے۔ عیسائیوں سے دشمنوں جیسا سلوک ابتداء میں رومی انتظامیہ نے نہیں خود یہود نے کیا۔ جس کی مثال صلیب کا واقعہ اور سٹیفن کی شہادت ہے۔ یہ ایک یہودی گورنر ہی تھا جس کا نام ''ہیرڈا یگر یپا'' تھا۔ جس نے (رسولوں کے اعمال کے مصنف کے مطابق) سب سے پہلے عیسائیوں کو اذیت دی اور یہ بھی بظاہر قابل تسلیم دکھائی دیتا ہے کہ ۱۹۶۴ء میں رومن فرمانروا نیرو نے عظیم آگ کے سلسلہ میں عیسائیوں کو قربانی کا بکرا بنانا چاہا اور یہودیوں سے کہا کہ وہ عیسائیوں کی نشان دہی کریں۔''

اسی کتاب کے ص۳۰۷ پر فاضل مصنف نے عیسائیوں کے ساتھ سلوک کو اس طرح بیان کیا ہے: ''انتظامیہ کی عیسائیوں سے دشمنی تو کم خطرناک تھی اور دوسری رعایا کی دشمنی زیادہ خطرناک تھی۔ جیسے جیسے دوسری صدی گزر رہی تھی عیسائیوں پر عام حملے ہو رہے تھے اور انتظامیہ بھی خاموش تھی۔ کیونکہ وہ ایک غیرقانونی مذہب کے پیروکار تھے۔''

عیسائیوں کی حالت تین صدیوں تک ایسی ہی رہی اور ان کے برے دن اس وقت ختم ہوئے جب ۳۲۴ء میں رومی فرمانروا کانسٹنٹائن نے باقاعدہ طور پر عیسائیت کو قبول کر لیا اور عیسائیت رومی سلطنت کا سرکاری مذہب بن گیا۔ معلوم نہیں قمر عثمانی صاحب نے کس شہادت کی بناء پر یہ دعویٰ کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں مخالفین پر غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ یہ عثمانی صاحب کی خواہش تو ہو سکتی ہے لیکن اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

کیا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں؟

جناب عثمانی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجودہ عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین سمجھتے ہیں۔ عیسائیت کی بنیاد۔

۱...... ازلی گناہ۔
۲...... تجسم۔
۳...... کفارہ۔

کے تین عقائد پر ہے اور پورا مذہب صرف یہی ہے یعنی عیسائی ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ ایک شخص یہ عقیدہ رکھے کہ وہ پیدائشی گنہگار ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی

نافرمانی کر کے جو پھل کھایا تھا وہ گناہ وراثتاً اسے منتقل ہوا ہے۔ نسل انسانی کو اس گناہ سے نجات دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے (جو مہربان بھی ہے اور منصف بھی) اپنے اکلوتے صلبی بیٹے کو انسانی جسم دے کر بھیجا کہ وہ اس دنیا میں صلیب پر اپنی جان دے کر نسل انسانی کے ازلی گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ پس جس شخص نے بھی یہ عقیدہ اختیار کر لیا وہ بخشا گیا۔ عیسائیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا تصور بھی یہ نہیں ہے کہ ذات باری تعالیٰ واحد اور احد ہے، بلکہ عیسائیوں کے عقیدہ کے رو سے ذات باری تعالیٰ، باپ، بیٹا اور روح القدس پر مشتمل ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ تین بھی ہے اور ایک بھی ہے۔ لیکن تین کس طرح ایک ہو سکتے ہیں ان کے نزدیک یہ ایک بھید ہے جسے نہ سمجھا جا سکتا ہے نہ سمجھایا جا سکتا ہے۔ اب اگر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ازلی گناہ، تجسم، کفارہ اور تثلیث کے عقائد کی تبلیغ کی تھی تو عیسائی واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین ہیں اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان عقائد کی تبلیغ نہیں کی اور یقیناً نہیں کی تو پھر عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں وہ تو پال کے متبعین ہیں جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی غیر حاضری میں یہ عقائد گھڑے اور عیسائیت کے نام سے ان عقائد کی تبلیغ کی۔

سورۂ آل عمران کی اس آیت میں ''فوق الذین کفروا'' کے جو الفاظ آئے ہیں عثمانی صاحب نے ان کا ترجمہ کیا ہے۔ ''تمہارے متبعین کو روز قیامت تک (ان) منکرین حق پر غالب کرنے والا ہوں۔''

غالب بھی عربی کا لفظ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ اس کی جگہ فوق استعمال کیا ہے۔ فوق کا ترجمہ غالب درست معلوم نہیں ہوتا اور پھر اس سے سیاسی غلبہ کا مفہوم تو بالکل نہیں نکالا جا سکتا جس کی تائید نہ ماضی کی تاریخ میں ہوتی ہے نہ حال کی تاریخ سے۔ سیاسی میدان میں تو اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے کہ انسانوں کے درمیان دن بدلتے رہتے ہیں۔ آج بھی متبعین مسیح (بشرطیکہ موجودہ عیسائیوں کو متبعین مسیح قبول کر لیا جائے) کو یہود پر حقیقی غلبہ حاصل نہیں ہے۔ آج بھی بقول علامہ اقبالؒ

مغرب کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے

امریکہ اس وقت دنیا کی واحد سپر پاور ہے۔ لیکن امریکہ کی اقتصادیات پر یہودیوں کا پورا پورا کنٹرول ہے۔ وہاں کے صدر ہوں، کانگرس ہو یا سینٹ، کسی میں جرأت نہیں کہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھا سکیں جس سے یہودیوں کے مفاد پر زد پڑتی ہو۔ یہودیوں نے امریکہ میں قسطوں پر خریداری (*Hier Purchase System*) متعارف کرا کے ہر امریکی کو بنکوں کا

مقروض بنادیا ہے اور بینک یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں۔اس پر بھی اگر جناب مولانا قمر عثمانی صاحب یہ فرمائیں کہ موجودہ عیسائیوں کو اپنے دشمن یہود پر غلبہ حاصل ہے اور یہ غلبہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں ہی حاصل ہوگیا تھا تو میں کیا عرض کرسکتا ہوں سوائے اس کے کہ:''جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔''

غالباً عثمانی صاحب کی کتاب پڑھ کر ہی چند سال قبل پوپ نے یہود کو حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کے الزام سے بری کردیا تھا۔

متفق گردید رائے بو علی با رائے من

جناب مولانا قمر احمد عثمانی اور ان کے ہم نوا اتفاق کریں یا اختلاف میرے نزدیک عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ تثلیث پرست ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا صلبی بیٹا تسلیم کرتے ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول۔حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین صرف وہی لوگ ہیں اور ہوسکتے ہیں جو انہیں ان کی معجزانہ پیدائش کے باوجود اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ اور اس کا رسول تسلیم کرتے ہیں۔ان کی تعداد اگرچہ ہمیشہ کم تھی لیکن یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی موجود رہے اور آج بھی موجود ہیں اور (Unitarian) کہلاتے ہیں۔ان کے علاوہ حضرت مسیح کے متبعین ہم مسلمان ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث رسول تسلیم کرتے ہیں۔ان کی والدہ کو پاک دامن مانتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کو تسلیم کرنے کے باوجود انہیں اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ اور رسول مانتے ہیں۔

میرے نزدیک فوق کا مطلب برتری ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین کو یہ برتری دلیل کے میدان میں حاصل ہے نہ کہ سیاسی میدان میں اس کی تازہ اور نمایاں مثال جناب احمد دیدات اور جمی سواگرٹ کے درمیان امریکہ میں چند سال قبل ہونے والا مناظرہ ہے۔ جونیجو حکومت کے دور میں ایک دفعہ روزنامہ جنگ لاہور نے جنگ فورم میں اس مناظرہ کی وڈیو دکھانے کا اعلان کردیا تھا اور اس کے لئے چار بجے بعد دوپہر کا وقت مقرر تھا لیکن اخبار میں اعلان دیکھتے ہی لاہور کے پادری صاحبان نے عیسائیوں کا ایک جلوس نکالا اور ڈپٹی کمشنر لاہور کو مجبور کیا کہ وہ اس مناظرہ کی نمائش دفعہ ۱۴۴ کے تحت بند کردے۔ چنانچہ جب وقت مقررہ پر لوگ جنگ فورم پہنچے تو وہاں یہ نوٹس لگا ہوا تھا۔

''دفعہ نمبر ۱۴۴ ضابطہ فوجداری کے تحت مناظرہ کی نمائش ممنوع ہے۔''

حالانکہ اس جگہ نوٹس کی عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی۔ ’’حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور تحقیق باطل ہے ہی بھگوڑا۔‘‘

تیسرا وعدہ

اس ضمن میں عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ تیسرا وعدہ اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح سے یہ تھا کہ: ’’میں تمہیں دشمنوں سے پاک رکھنے والا ہوں۔‘‘

اس مسئلہ پر مجھے مولانا صاحب سے اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمنوں کو اس قابل ہی نہ رہنے دیا کہ وہ طاقت اور مقتدرت رکھنے کے باوجود حضرت مسیح علیہ السلام کو گزند پہنچا سکیں۔ اس صورتحال کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے: ’’اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا۔‘‘

(سورۃ المائدہ آیت نمبر:۱۱۰، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیہ مبارکہ کی رو سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو دشمنوں کی گرفت میں آنے ہی نہ دیا۔

چوتھا وعدہ

اس ضمن میں مولانا عثمانی صاحب فرماتے ہیں۔ متبعین مسیح کا بنی اسرائیل میں سے منکرین حق پر غلبہ چوتھا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح سے کیا تھا۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس سے سیاسی غلبہ ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ یہ تفوق دلیل کے میدان میں ہے۔ مولانا کا ارشاد ہے کہ: ’’ان چاروں وعدوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کے حق میں یہودی قوم پر ان کے غلبے اور برتری کا جو پہلو پایا جاتا ہے وہ اسی صورت میں قائم رہتا ہے جب یہود کی تدابیر قتل وصلب کو ناکام بنا کر آپ کی طبعی موت اسی وقت واقع ہو۔ بصورت دیگر آسمان سے نزول کے بعد عام حالات میں موت واقع ہوتی ہے تو جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے: ’’انی متوفیک‘‘ کے وعدے کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ اس کے مقابلے میں ’’انی رافعک الیّٰ‘‘ کے وعدے میں جسمانی طور پر رفع الی السماء کی مزعومہ شکل کے ساتھ بظاہر ترفع کا ایک پہلو موجود ہے۔ مگر یہ جملہ چونکہ ’’انی متوفیک‘‘ کے بعد آیا ہے لہٰذا وفات کے بعد ترفع کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو ’’رافعک الیّٰ‘‘ سے بلندی درجات مراد لی جائے یا پھر اسے بھی مجازی معنوں پر محمول کیا جائے کہ میں تمہیں تمہاری طبعی موت کی صورت میں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔‘‘

عثمانی صاحب نے اپنی تحریر میں جس الجھن کا ذکر کیا ہے وہ اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ انہوں نے یہ بات حتمی طور پر طے کرلی ہے کہ ''انی متوفیک'' کا مطلب بہرحال ''میں تجھے طبعی موت دوں گا'' ہے۔ اسی وجہ سے انہیں اس آیہ مبارکہ میں الفاظ کی ترتیب درست معلوم نہیں ہوتی اور ''رافعک الیّٰ'' کے مجازی معنی کرنے پر مجبور ہیں۔ لیکن اگر ''انی متوفیک'' کا ترجمہ: ''میں تمہیں پورا پورا (روح وجسم دونوں کے ساتھ) خود وصول کرنے والا ہوں'' کیا جائے تو نہ ہی کوئی الجھن پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی اس آیت میں الفاظ کی ترتیب غلط معلوم ہوتی ہے۔

ایک بات جو میری سمجھ میں نہیں آئی وہ یہ ہے کہ ''رافعک الیّٰ'' میں رفع الی السماء کا مفہوم کیسے داخل ہوگیا اس آیہ مبارکہ میں کون سا ایسا لفظ ہے جس کا ترجمہ ''آسمان'' کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صرف یہ فرمایا ہے کہ ''میں تمہیں اوپر اٹھاؤں گا'' اس میں نہ تو آسمان کا ذکر ہے اور نہ ہی بلندی درجات کا۔ سیدھا سیدھا حضرت مسیح علیہ السلام سے خطاب ہے جب وہ دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں اور بظاہر ان کو صلیب دیئے جانے کے انتظامات مکمل ہوچکے ہیں۔ ان کے بچ نکلنے کے امکانات بھی نظر نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو بشارت دیتے ہیں۔

''میں تمہیں پورا پورا (روح اور جسم دونوں) وصول کرلوں گا۔''

لیکن کس طرح؟

اس طرح کہ: ''میں تمہیں اوپر اٹھالوں گا۔''

اور یوں اللہ تعالیٰ نے جو قادر مطلق ہے اپنے ایک بندے اور برگزیدہ رسول کو دشمنوں سے محفوظ کرلیا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو وہاں سے اٹھا کر کہاں لے گیا۔ اس کی ضرورت بھی نہیں اس کائنات کے اندر بھی اور باہر بھی صرف اللہ تعالیٰ کا ہی تصرف ہے وہ کسی جگہ انہیں حفاظت سے رکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنے کسی بندے کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر لے جائے۔ کیونکہ اس نے تو صرف حکم ہی دینا ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کیوں اٹھایا؟ اس کا جواب میں نے اپنے رسالہ ''نزول مسیح علیہ السلام آخر کیوں؟'' میں دے دیا ہے۔

سرسید ہوں یا مرزا غلام احمد یا مولانا قمر احمد عثمانی ان کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ نیوٹن کے دور کی پیداوار ہیں اور نیوٹن کی سائنس یہ کہتی تھی کہ یہ کائنات مادے سے بنی ہے اور مادہ ازلی ہے۔ یہ فنا نہیں ہوتا صرف اپنی شکل تبدیل کرتا ہے۔ مثلاً پانی ٹھنڈا ہوگا تو ٹھوس برف بن جائے گا

اور گرم ہوگا تو بھاپ (گیس) بن جائے گا۔ یعنی ٹھوس، مائع اور گیس میں سے کسی حالت میں ہوگا۔ لکڑی جل جائے گی تو راکھ اور دھوئیں کی شکل اختیار کر لے گی۔ چونکہ مادہ فنا پذیر نہیں۔ اس لئے یہ کائنات بھی فنا پذیر نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک مشین کی طرح آٹومیٹک چل رہی ہے اور ہمیشہ چلتی رہے گی۔ یہاں جو کچھ بھی ہورہا ہے عمل اور ردعمل کی بنیاد پر ہورہا ہے۔ اوّل تو اس کائنات کا خالق کوئی ہے نہیں۔ اگر ہے تو وہ اس کو چالو کرنے کے بعد ریٹائر ہوگیا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کے معاملہ میں مولانا عثمانی کو وہ تمام قوانین ٹوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں جن پر ظاہر کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ معلوم نہیں مولانا عثمانی صاحب کو یہ بھی تسلیم ہے یا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو تین سو نو سال ایک غار میں سلائے رکھا یا یہ کہ آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے انکار کر دیا یا حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جانے کے باوجود مچھلی کی خوراک نہ بن سکے۔

عثمانی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ آئن سٹائن نے نیوٹن کے تمام قاعدے کلیے درہم برہم کر دیئے ہیں۔ اب مادہ فنا پذیر ہے بلکہ اب تو مادہ کا وجود ہی ختم ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس وقت اس کائنات کو تخلیق کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے پاس اینٹ، ریت، بجری یا سیمنٹ نہیں تھا اور نہ ہی ان اشیاء کی ضرورت تھی۔ اس کے پاس تو اس کا حکم ''کن'' تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم ''کن'' نے الیکٹرون، نیوٹرون اور پروٹون کی تخلیق کر دی جو مادہ نہیں ہیں بلکہ انرجی ہیں اور مختلف تناسب سے جب وہ جمع ہوئے تو انہوں نے مختلف عناصر کی صورت اختیار کر لی۔ یہ کائنات آٹومیٹک نہیں چل رہی بلکہ ہمارا رب ہمہ وقت اس کا نگران ہے اور اس کام میں اسے تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ وہ جب چاہتا ہے کسی بھی طبعی قانون کو کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ ساقط کر دیتا ہے۔ لہٰذا مجھے اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی الجھن نہیں ہوتی کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں محفوظ رہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے جلانے سے انکار کر دیا تھا یا اصحاب کہف تین سو نو سال ایک غار میں بغیر کھائے پئے آرام سے سوئے رہے اور جسمانی طور پر کمزور بھی نہ ہوئے۔ اسی طرح مجھے یہ تسلیم کرنے میں بھی کوئی الجھن نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے اور رسول کو دشمنوں سے بچانے کے لئے ایک اچھوتی تدبیر کی اور اپنے رسول کو اس نے اس کے دشمنوں کے درمیان سے اس طرح اٹھالیا کہ کسی کو معلوم بھی نہ ہوسکا اور اسے کسی ایسی جگہ آسمان پر پہنچا دیا جہاں وہ اس وقت تک آرام کرتا رہے۔ جب تک کہ اس کی دوبارہ ضرورت نہیں پڑتی اور جب

ضرورت پڑے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول کو اسی طرح معجزانہ طور پر واپس بھی لے آئے گا کہ سب ایمان لانے پر مجبور ہوں گے۔

’’اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے اور دن قیامت کے ہوگا اوپر ان کے گواہ۔‘‘ (سورۂ نساء آیت:۱۵۹، ترجمہ: شاہ رفیع الدین)

سورۂ مائدہ کی آیات

جناب مولانا قمر احمد عثمانی اس عنوان کے تحت اپنے رسالہ کے ص۱۹،۲۰ پر جو کچھ تحریر فرماتے ہیں وہ میں نقل کر رہا ہوں تاکہ اس ضمن میں جو کچھ مجھے عرض کرنا ہے اس سے قبل قاری کے سامنے جناب مولانا عثمانی کا نقطہ نظر پوری طرح سامنے آجائے۔ (میں صرف آیات کا ترجمہ درج کروں گا) وہ فرماتے ہیں: ’’اس کے بعد سورۂ مائدہ کی آیات نمبر۱۱۶، ۱۱۷ پر غور فرمائیے اور جب کہا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کیا تم نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی خدا کے علاوہ معبود قرار دے لو تو عیسیٰ (عیسیٰ علیہ السلام) نے عرض کیا میں تو آپ کو (ہر شرک سے) منزہ سمجھتا ہوں۔ مجھے کس طرح زیبا تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوگا تو آپ کو اس کا (ضرور) علم ہوگا۔ (کیونکہ) آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں اور میں جو کچھ آپ کے علم میں ہے اسے نہیں جانتا۔ بے شک آپ ہی تمام غیبوں کے جاننے والے ہیں میں نے ان سے بجز اس کے کچھ اور نہیں کیا جو آپ ہی نے مجھے (ان سے) کہنے کو فرمایا تھا کہ تم (سب) اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی اور میں تو ان (کے حالات) پر اسی وقت تک باخبر رہا جب تک ان میں رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے وفات دے دی تو پھر ان پر آپ ہی نگران حال تھے اور آپ تو ہر بات کی پوری پوری خبر رکھتے ہیں۔‘‘

سورۂ مائدہ کی آیات نمبر۱۱۶، ۱۱۷ کا ترجمہ درج کرنے کے بعد مولانا عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ’’آیت کریمہ کا یہ جملہ ’’**وکنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم**‘‘ خاص طور پر قابل توجہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ میں تو اپنی قوم کے حالات پر اسی وقت تک باخبر رہا جب تک ان کے درمیان موجود تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے موت دے دی تو پھر آپ ہی ان کے نگران حال تھے۔‘‘ (مجھے کیا معلوم کہ انہوں نے میرے بعد کیا روش اختیار کی)

مادمت فیھم اور فلما توفیتنی کی بحث

اس ضمن میں جناب مولانا عثمانی نے جو بحث کی ہے اسے میں انہی کے الفاظ میں درج کررہا ہوں تاکہ ان کا نقطۂ نظر قاری کے سامنے پوری طرح واضح ہوجائے۔

’’حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حق تعالیٰ کے درمیان یہ مکالمہ ان کی وفات کے بعد ہوا یا قیامت کے دن ہوگا اس سے قطع نظر ہم یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ سے جواباً یہ عرض کررہے ہیں کہ میں ان کے درمیان اپنی موجودگی کے زمانے تک ہی ان کے حالات سے باخبر رہ سکتا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باخبری کا یہ زمانہ جس کا وہ ذکر فرمارہے ہیں۔ بہرحال آپ کی وفات یا بصورت دیگر رفع الی السماء کے تصور کو قبول کرلیتے ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے ہیں اور ان کی وفات ہنوز واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ قرب قیامت کے وقت آسمان سے نزول کے بعد ہوگی تو اس صورت میں ان کے جواب کا یہ جزو تو درست ہوگا کہ میں اس وقت تک باخبر رہا جب تک ان میں رہا مگر جواب کا اگلا جزو کہ ’’جب تو نے مجھے موت دی‘‘ درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ آپ نے اپنے جواب کے اس حصے میں حق تعالیٰ کے نگران ہونے کا زمانہ اپنی وفات کے بعد کا زمانہ قرار دیا ہے۔ ’’**مادمت فیھم**‘‘ کے بعد کا زمانہ قرار نہیں دیا اور موت کے بعد کا زمانہ ابھی تک پیش ہی نہیں آیا تو ان کے جواب کا یہ جزو کیسے صحیح قرار دیا جاسکتا ہے؟ یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باخبری کا زمانہ تو ’’**مادمت فیھم**‘‘ تک تھا اور حق تعالیٰ کی نگرانی کا زمانہ ’’**فلما توفیتنی**‘‘ کے بعد شروع ہوگا تو گزشتہ دو ہزار سال کی یہ طویل مدت جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے اب تک گزر چکی ہے اور ابھی نہ جانے کتنے ہزار سال ان کے آسمان سے نزول اور وفات پانے تک اور گزریں گے تو اس ہزاروں سال پر محیط درمیانی مدت میں قوم نصاریٰ پر نگران حال کون ہوگا؟ جب کہ اس قوم کی تمام مشرکانہ گمراہیاں (عقیدہ تثلیث وغیرہ) اسی زمانے سے تعلق رکھتی ہیں جس کا کوئی شہید و رقیب نہیں ہے۔

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا‘‘

میں نے یہ طویل اقتباس اس لئے نقل کیا ہے کہ تا کہ معلوم ہو سکے کہ جناب مولانا عثمانی کیا کہنا چاہتے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں خود بھی ان کی تشریح نہیں سمجھ سکا اس کی وجہ مجھ میں فہم کی کمی ہی ہو سکتی ہے۔ غالباً مولانا عثمانی کہنا یہ چاہتے ہیں کہ: ’’فلما توفیتنی‘‘ کا مطلب تو بہرحال یہی ہے کہ ’’جب تو نے مجھے موت دے دی‘‘ اور حق تعالیٰ کی نگرانی کا دور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد شروع ہونا ہے۔ اس لئے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت واقع نہیں ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابھی تک نصاریٰ پر حق تعالیٰ کی نگرانی بھی شروع نہیں ہوئی۔ ایسی صورت میں تو نصاریٰ گزشتہ دو ہزار سال سے بغیر کسی نگران کے ہیں جو ممکن نہیں۔ لہٰذا مجبوراً ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کو قبول کرنا پڑے گا تا کہ حق تعالیٰ کی نگرانی کا دور شروع ہو سکے۔ اگر بات یہی ہے جو میں سمجھا ہوں تو واقعی ؎

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

سب سے پہلی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ ’’فلما توفیتنی‘‘ کا مطلب کیا یہ ہے کہ ’’جب تو نے مجھے موت دے دی‘‘ یا اس کا مطلب ہی کچھ اور ہے۔

’’میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور ان پر مطلع رہا۔ جب تک ان میں رہا پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا تو آپ ہی ان پر مطلع رہے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔‘‘ (سورۃ المائدہ آیت نمبر:۱۱۷، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جن الفاظ کا ترجمہ جناب مولانا قمر احمد عثمانی ’’جب تو نے مجھے موت دے دی‘‘ کر رہے ہیں انہی الفاظ کا ترجمہ مولانا تھانوی ’’جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا‘‘ کر رہے ہیں۔ میں یہاں دوبارہ عرض کروں گا کہ موت بھی عربی زبان کا لفظ ہے۔ سنسکرت یا لاطینی زبان کا لفظ نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں موت کا لفظ استعمال نہیں کیا تو وہ موت کا مفہوم دینا ہی نہیں چاہتا۔ اب میں اس آیہ مبارکہ کا وہ ترجمہ بھی درج کر دیتا ہوں جو آربری نے کیا ہے جو مذہباً عیسائی ہے اور اگر اس آیہ مبارکہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت ہوتی ہو تو یہ ایک عیسائی کے عقائد سے مطابقت رکھتی ہے۔ آربری اس آیہ مبارکہ کا ترجمہ اس طرح کرتا ہے۔

"I only said to them what Thou did command me "Serve God my Lord and your Lord."

And I was a witness over them while I remained among them but when Thou didst take me to Thyself Thou was Thyself the watcher over them; Thou Thyself art witness of everything."

(Arberry)

آپ نے ملاحظہ فرمالیا:''فلما توفیتنی'' کا ترجمہ آربری نے بھی۔

"But when Thou didst take me to Thyself."

کیا ہے یہ ساری الجھن اس لئے ہے کہ جناب مولانا عثمانی صاحب نے یہ طے کرلیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام موت سے ہم کنار ہو چکے ہیں۔اس مسئلہ میں مجھے جناب مولانا قمر عثمانی صاحب (جو بہرحال ایک عالم دین ہوں گے) سے اختلاف کرنا پڑ رہا ہے۔میں عالم تو نہیں ہوں ایک عام آدمی ***Layman*** ہوں اور اس حیثیت سے جو بات میری سمجھ میں آئی ہے اسے بیان کرر ہا ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے تین دور

میرے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے تین ادوار ہیں۔

۱...... پہلا دوران کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے اور صلیب کے واقعہ پر ختم ہوتا ہے۔چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزانہ ہوئی تھی اور گہوارے میں کلام کر کے انہوں نے اپنی والدہ محترمہ کی پاک دامنی ثابت کر دی تھی اس لئے یہود نے حضرت مریم علیہا السلام کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ورنہ ممکن ہے وہ انہیں سنگسار ہی کر دیتے۔

۲...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا دوسرا دور نام نہاد واقعہ صلیب سے شروع ہوتا ہے۔جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دشمنوں سے بچانے کے لئے آسمان پر اٹھالیا۔یہ دور اس وقت ختم ہو جائے گا جب وہ دوبارہ معجزانہ طور پر ہی اس سرزمین پر واپس آجائیں گے۔

۳...... ان کی زندگی کا تیسرا دوران کی واپسی سے شروع ہوگا اور ان کی طبعی موت پر ختم ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے پہلے دور میں توحید ہی کی تعلیم دی۔ قرآن کریم سے اسی بات کی شہادت ملتی ہے۔ بائبل میں کسی جگہ ان کی طرف منسوب یہ الفاظ نہیں ملتے کہ وہ خدا کے صلبی بیٹے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اپنے کسی وعظ میں یہ بات کہی کہ وہ صلیب پر جان دے کر انسان کے ازلی گناہ کا کفارہ ادا کرنے آئے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اپنی کسی تقریر میں تثلیث کی تعلیم دی۔ یہ عقائد تو ان کی غیر حاضری میں گھڑے گئے ہیں۔ بلکہ انہوں نے تو اپنے پیروکاروں کا یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ خود کو عیسائی یا مسیحی کہیں۔

اپنی زندگی کے تیسرے دور میں بھی وہ توحید کی تعلیم ہی دیں گے۔ اپنی زندگی کے دوسرے دور میں وہ زمین پر ہیں ہی نہیں اس لئے اپنے ماننے والوں کی گمراہی کے ذمہ دار بھی نہیں ہیں اور یہی بات وہ اپنی صفائی میں اللہ تعالیٰ سے کہیں گے۔

مولانا عثمانی غالباً اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ کوئی چوکیدار سمجھ بیٹھے ہیں جس کی ڈیوٹی صرف اس وقت شروع ہونا تھی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ڈیوٹی ختم ہونا تھی اور جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ ان کی ڈیوٹی بھی ختم نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ڈیوٹی شروع کرانے کے لئے ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندگی سے فارغ کیا جائے۔ سبحان اللہ! کیا اعلیٰ تصور ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تثلیث پرستوں پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کریں گے اور جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی صفائی میں وہی کہیں گے جو حقیقت ہے لیکن اس سے یہ کس طرح ثابت ہوگیا کہ آج سے دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوجہ طبعی موت اس دنیا سے رخصت ہوگئے تھے۔

سورۂ مریم کی آیات

جناب مولانا قمر عثمانی نے ص۲۴ پر سورۂ مریم کی آیات نمبر ۳۰ تا ۳۴ نقل کی ہیں اور ان کا ترجمہ دیا ہے۔ میں صرف ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں جو انہیں کے الفاظ میں ہے: ''وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور اس نے مجھے نبی بنایا اور مجھے بابرکت بنایا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ جب تک میں زندہ رہوں اور مجھے والدہ کا خدمت گار بنایا اور اس نے مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم حق

بات یہی ہے کہ جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔''

حضرت مولانا عثمانی نے مذکورہ بالا آیات کی جو تشریح کی ہے وہ بہت دلچسپ ہے اس لئے میں اسے بھی من وعن درج کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہوں۔ مولانا عثمانی فرماتے ہیں: ''ان آیات میں چند باتیں نہایت قابل توجہ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت مریم علیہم السلام پر لعن وطعن کرنے والوں سے گہوارہ میں کلام کرتے ہوئے فرمائی تھیں کہ میں اللہ کا ایک خاص بندہ ہوں جس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور مجھے بابرکت بنایا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں اور جب تک میں زندہ رہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ یہاں صاحب کتاب نبی ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے بابرکت ہونے کا ذکر ''این ما کنت '' کے الفاظ کے ساتھ فرمارہے ہیں کہ میں کہیں بھی رہوں میرے صاحب کتاب نبی اور بابرکت ہونے کی مذکورہ حیثیتیں برقرار رہیں گی۔''

مذکورہ بالا تبصرہ کے بعد مولانا عثمانی صاحب یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم کرنا عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے ان کا نقطۂ نظر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے دلائل کا ضروری حصہ نقل کردوں جس کے لئے انہوں نے عنوان قائم کیا ہے۔ ''قرب قیامت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اثبات۔''

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اپنی ان خصوصیات کا اثبات اپنی زندگی تک کے لئے کیا تھا جو بالکل درست تھا مگر خود ہمارے عقیدہ حیات مسیح علیہ السلام نے ان کی نبوت ورسالت کا اثبات قرب قیامت تک کے لئے کردیا اور اس طرح ہم نے خود اپنے ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔ کیونکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحالت جسمانی آسمان پر زندہ موجود ہیں تو وہ اس وقت بھی نبی ہیں اور جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے۔ تب بھی نبی ہوں گے۔ کیونکہ ان کی زندگی کا تسلسل قائم ہے اور اس وقت تک قائم رہے گا۔ جب تک زمین پر آنے کے بعد ان کی موت واقع نہیں ہوجاتی اور پھر ہمارا ہی عقیدہ بھی تو ہے کہ ''لیظھرہ علی الدین کله '' کا وعدۂ خداوندی بھی (جو درحقیقت حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں فرمایا تھا کہ آپ کو مبعوث فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ آپ کے ذریعہ اسلام کو تمام ادیان عالم پر غالب فرمانا چاہتا ہے۔ قطعی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے ہاتھوں پورا ہوگا۔ دیکھئے ترجمہ: قرآن مولانا محمود الحسن حاشیہ از شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی) اندریں حالات آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ کیونکہ زیرنظر آیات کے یہ دو جملے ''این ما کنت '' میں جہاں کہیں بھی ہوں اور ''مادمت حیا '' جب تک میں زندہ رہوں انہی مطالب ومعانی پر

دلالت کرتے ہیں جن کی وضاحت ہم نے سطور بالا میں کی ہے۔''صاحب کتاب نبی ہونا'' اور بابرکت ہونا یہ دونوں باتیں ''این ما کنت '' کے ساتھ وابستہ ہیں۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں میری دونوں حیثیتیں بہرحال برقرار رہیں گی تو اس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے بھی نبی تھے اور وہ اس وقت بھی نبی ہیں اور جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو بھی نبی ہوں گے۔ کیونکہ ''این ما کنت'' کا تقاضا یہی ہے۔ نقل مکانی سے اس کی یہ دونوں حیثیتیں متاثر نہ ہوں۔''

میں مولانا عثمانی سے یہ سوال کرتا ہوں کہ دوسرے اصحاب کتب انبیاء کا معاملہ کیا ہے؟ کیا ان پر کوئی ایسا وقت بھی آیا تھا جب وہ صاحب کتاب نبی نہیں رہے تھے۔ مولانا صاحب کی مذکورہ بالا تشریح سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ایسے نبی ہیں جو ہرحال میں صاحب کتاب نبی رہے اور بابرکت رہے۔ باقی انبیاء کی زندگی میں ایسے اوقات بھی آئے جب وہ نہ تو صاحب کتاب نبی رہے اور نہ ہی بابرکت رہے اور یہ خصوصیت صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے کہ وہ ہرحال میں صاحب کتاب نبی اور بابرکت رہے۔

کتاب دیئے جانے اور نبی بنائے جانے کا ذکر آیت ۳۰ میں ہے اور اس آیت میں ''این ما کنت '' کے الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن مولانا عثمانی صاحب کی تشریح کی رو سے ''این ما کنت '' کے الفاظ آیت:۳۱ کی بجائے آیت:۳۰ ہونا چاہئے تھے۔ اب مولانا عثمانی کے نزدیک آیات میں یا اس کے ترجمہ میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی تو اس کی تشریح کرتے ہوئے یہ فرض کر لینا چاہئے کہ ''این ما کنت '' کے الفاظ آیت:۳۰ میں شامل ہیں اور اس طرح عثمانی صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے اور بابرکت ہونے کو ''این ما کنت'' کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ حالانکہ آیت:۱۳۰ اپنی جگہ مکمل ہے اور ''این ما کنت '' کے الفاظ آیت:۳۱ میں ''وجعلنی مبارکاً'' کے بعد آئے ہیں اور اسی سے وابستہ ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ اس زمین پر آنا ختم نبوت سے متصادم ہے یا نہیں اسے تو بعد میں دیکھیں گے۔ پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ سورۂ مریم کی آیت:۳۱ میں جو الفاظ آئے ہیں ان کی کیا اہمیت ہے۔ خوش قسمتی سے میرا تعلق جس پیشہ سے ہے اس میں کام ہی تحریر کو پڑھنا اور اس سے صاحب تحریر کا منشاء معلوم کرنا ہوتا ہے۔ جن تحریروں کو پڑھنا اور سمجھنا ہوتا ہے ان کا تعلق افسانہ، ناول یا شعر کی صنف سے نہیں ہوتا بلکہ یہ وہ تحریریں ہوتی ہیں جن سے لوگوں کے حقوق وفرائض کا تعین ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی تحریر کو یہ طے کر کے پڑھا جاتا ہے کہ اس میں صاحب تحریر نے

نہ تو کوئی ضروری لفظ چھوڑا ہے اور نہ ہی کوئی غیر ضروری لفظ استعمال کیا ہے۔ نہ صرف الفاظ بلکہ Comma اور Semi Colon تک کو اہمیت دی جاتی ہے۔ میں اپنی تربیت کی بناء پر یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ میں کوئی لفظ بھی زیب داستان یا ضروری شعری کی وجہ سے استعمال نہیں کیا۔ میں ان آیات مبارکہ کا ترجمہ دوبارہ درج کرتا ہوں البتہ بات کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے میں اس میں ایک تحریف کر رہا ہوں اور ''جہاں کہیں بھی ہوں'' کے الفاظ حذف کرر ہا ہوں۔

''وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور اس نے مجھے نبی بنایا اور مجھے بابرکت بنایا اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں اور مجھے اپنی والدہ کا خدمت گار بنایا اور اس نے مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔ مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر اٹھایا جاؤں گا یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم۔ حق بات یہی ہے جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔''

مذکورہ بالا ترجمہ کو ایک بار نہیں بار بار پڑھیں۔ اس عبارت میں آپ کو کوئی کمی محسوس ہوتی ہے؟ یقیناً نہیں۔ کیا قاری محسوس کرتا ہے کہ اس عبارت میں سے کوئی لفظ چھوڑ دیا گیا ہے؟ یقیناً نہیں۔ کیا اس عبارت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری محسوس ہوتی ہے؟ جواب نفی میں ہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ: ''این ما کنت'' کے الفاظ غیر ضروری طور پر اس آیہ مبارکہ میں داخل کر دیئے گئے ہیں؟ کیا یہ الفاظ زیب داستان کے لئے ہیں؟ ممکن ہے جناب قمر عثمانی اور ان کے ہم خیال حضرات اس کا جواب اثبات میں دیں۔ لیکن میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے پاک ہے اس نے ''این ما کنت'' کے الفاظ نہ تو غیر ضروری طور پر استعمال کئے ہیں اور نہ ہی ضرورت شعری کے تحت۔ میرے نزدیک ان الفاظ کی بہت اہمیت ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے سمجھا جائے۔ چنانچہ اس موقع پر میں قاری کے سامنے ایک مفروضہ پیش کرتا ہوں۔ فرض کریں آپ اپنے کسی دوست سے کہتے ہیں کہ آپ اس سے رابطہ کریں گے اور وہ جواب میں کہتا ہے کہ: ''میں آپ سے رابطہ کروں گا جہاں کہیں بھی ہوا۔''

تو اس کے جواب سے آپ کیا سمجھیں گے؟ یہی کہ آپ کا دوست کسی ایسی جگہ بھی ہوسکتا ہے جو آپ کے لئے غیر متوقع ہو۔ اسی طرح اگر ''این ما کنت'' کے الفاظ نہ ہوتے تو قرآن مجید کا ہر طالب علم یہ سمجھتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں بھی یعنی اس زمین پر اور اگلی دنیا میں بھی بابرکت ہیں اور اس میں کوئی الجھن نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ انسان یا تو

اس دنیا میں زمین پر ہوتا ہے یا اگلی دنیا میں ہوتا ہے جو موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ لیکن ’’این ما کنت‘‘ کے الفاظ نے بتادیا کہ وہ خلاف توقع کسی تیسری جگہ بھی ہو سکتے ہیں اور یہی ان الفاظ کی اہمیت ہے۔ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے غیر ضروری طور پر ادا نہیں کروائے بلکہ ان الفاظ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں غیر معمولی اہمیت ہے اور یہ بتانے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تیسری جگہ بھی ہو سکتے ہیں۔

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طویل عمر پانا ختم نبوت سے متصادم ہے؟

اس کا جواب حاصل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ نبی اکرم ﷺ خاتم النّبیین کس طرح ہیں۔ میں ان لوگوں میں شامل ہوں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خاتم النّبیین نہ بنانا ہوتا تو وہ انسان کو پیدا ہی نہ کرتا۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایڈہاک ازم کی بنیاد پر روز کے روز اپنے فیصلے نہیں کرتا جو ہم سب کا معمول ہے۔ جب باری تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ کائنات کی تخلیق کرے اور کائنات میں اسے سیارے پر جسے ہم زمین کہتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو اپنا خلیفہ بنا کر آباد کرے تو اسی وقت اس نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ ہی اپنے دین کو مکمل کرے گا اور نسل انسانی پر اپنی نعمت تمام کرے گا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو نبی اکرم ﷺ کو سب سے پہلے نبی بنایا گیا اور وہ ’’اوّل النّبیین‘‘ بھی ہوئے اور ’’خاتم النّبیین‘‘ بھی ہوئے۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

میرے نزدیک نبی اکرم ﷺ خاتم النّبیین اس لحاظ سے ہیں کہ سلسلہ انبیاء میں ان کی بعثت سب سے آخر میں ہوئی اور ان کے ذریعہ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کیا۔ اپنی آخری کتاب کو نسل انسانی تک پہنچایا۔ اپنی نعمت کو پورا کیا اور ان کے ذریعہ انسان پر اپنی ہدایت کے بارہ میں اتمام حجت کر دیا اور تا قیام قیامت نبی اکرم ﷺ کے قول وفعل کو ہی معیار حق بنا دیا۔ اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو بھی اور نہیں تو بھی، نبی اکرم ﷺ کی یہ حیثیت اس سے متاثر نہیں ہوتی۔

بات کو سمجھنے کے لئے ہم عالم تصور میں یہ فرض کر لیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت زندہ تھے جب نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت چونکہ نبی

اسرائیل کی طرف ہے۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں کاررسالت انجام دے رہے ہیں۔ ایسی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے دوقسم کے طرز عمل ممکن ہوسکتے ہیں۔

۱...... ایک طرز عمل تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے کہیں آپ ﷺ کیوں قبل از وقت تشریف لے آئے۔ ابھی تو میں موجود ہوں۔ آپ ﷺ نے میرے مرنے کا انتظار تو کیا ہوتا۔

۲...... دوسرا طرز عمل وہی ہوسکتا ہے جسے قرآن کریم نے بیان کیا ہے: ’’اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والا ہے جن کا نام (مبارک) احمد ہوگا۔ میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔‘‘

(سورۂ صف آیت نمبر:۶، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور بائبل میں اس بات کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ’’اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق۔‘‘

(یوحنا، باب:۱۴، فقرہ:۱۷)

’’اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار (رحمت اللعالمین۔ راقم) آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔‘‘ (یوحنا، باب:۱۶، فقرہ:۳۱)

اور اس طرز عمل کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کی تصدیق کریں اور اپنے متبعین سے بھی کہیں کہ آج سے آپ لوگ شریعت موسوی کی بجائے شریعت محمدی کی پیروی کریں گے۔ اب تاقیام قیامت حق وہ ہے جو محمد رسول اللہ کہیں گے اور کریں گے۔ کیونکہ میری بعثت تو صرف بنی اسرائیل کے لئے ہے جب کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت تمام انسانوں کے لئے ہے اور تاقیام قیامت ہے۔ اگرچہ میری طبعی عمر ابھی باقی ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد میری معنوی عمر ختم ہوگئی ہے اور میرا دور نبوت پورا ہوگیا ہے اور یہ طرز عمل بالکل اس میثاق کے مطابق ہوتا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں بایں الفاظ کیا ہے۔

’’اور جب اللہ تعالیٰ نے عہد لیا انبیاء سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم دوں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر (رسول راقم) آوے جو مصدق ہو اس کا جو تمہارے پاس ہے تو تم اس رسول پر اعتقاد (ایمان، راقم) بھی لانا اور اس کی مدد بھی کرنا۔ فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا وہ بولے ہم نے اقرار کیا ارشاد فرمایا تو گواہ رہنا اور میں اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔‘‘ (آل عمران:۸۱، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اب میں اپنے قاری سے بھی اور جناب مولانا قمر احمد عثمانی سے بھی سوال کرتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی زمین پر زندہ موجود ہوتے اور بیت المقدس میں تبلیغ کر رہے ہوتے تو وہ پہلا طرز عمل اختیار کرتے یا دوسرا۔ اگر جواب میں یہ کہا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہو ہی نہیں سکتی تھی کیونکہ ایک وقت میں دو نبی مبعوث ہو ہی نہیں سکتے تو یہ خلاف حقیقت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت عطاء کی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ایک ہی وقت میں بنی اسرائیل میں موجود رہے۔ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء سے جو میثاق لیا تھا وہ ان کے پیروکاروں نے پورا کیا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سلسلہ انبیاء میں ایسے نبی ہیں جو بنفس نفیس اس میثاق کو پورا کریں گے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر معاملہ میں ایک استثناء ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا کسی طرح بھی نبی اکرم ﷺ کی خاتم النّبیین کی حیثیت کو متاثر نہیں کرتا۔ میرا احساس یہ ہے کہ جن لوگوں نے کبھی اپنے مدرسہ سے باہر قدم نہیں رکھا صرف وہی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا اور نبی ہونا بھی عقیدہ ختم نبوت سے متصادم خیال کرتے ہیں۔ غالباً ایڈمنسٹریشن کے بارے میں ایسے لوگوں کی معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ میں اس کو ایک مثال سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔

عام مشاہدہ کی بات ہے کہ بعض تھانوں میں انچارج سب انسپکٹر ہوتا ہے اور بعض میں انسپکٹر۔ اب فرض کریں کہ ایک تھانے میں جہاں انچارج سب انسپکٹر ہے ایک انسپکٹر انچارج بن کر آجاتا ہے اور سب انسپکٹر کا تبادلہ بھی نہیں ہوتا تو کیا اس صورت میں جب کہ سب انسپکٹر موجود ہے نئے آنے والے انسپکٹر کی حیثیت میں کوئی فرق پڑا۔ ہرگز نہیں۔ فائنل اتھارٹی تھانے کے معاملات میں اب پہلے سے موجود سب انسپکٹر نہیں بلکہ انسپکٹر بن گیا۔

میں ایک اور ٹھوس مثال سے اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ گزشتہ چند سالوں میں پنجاب میں کچھ نئے اضلاع بنائے گئے ہیں۔ مثلاً اوکاڑہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، لیہ، بھکر، چکوال، پاک پتن وغیرہ۔ اضلاع کا درجہ حاصل کرنے سے قبل یہ مقامات تحصیل کا درجہ رکھتے تھے اور ان مقامات کا انتظامی سربراہ اسسٹنٹ کمشنر ہوتا تھا۔ لیکن ان مقامات کو جب اضلاع کا درجہ دے دیا گیا تو انتظامی سربراہ اسسٹنٹ کمشنر کی بجائے ڈپٹی کمشنر کو بنادیا گیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اسسٹنٹ کمشنر اور ڈپٹی کمشنر دونوں ہی کا تعلق سی.ایس.پی کیڈر (Cadre) سے ہوتا ہے۔ ضلع بننے کے بعد جب یہاں ڈپٹی کمشنر تعینات کیا گیا تو اسسٹنٹ کمشنر پہلے سے وہاں موجود

تھا اور موجود رہا۔ لیکن کیا اسسٹنٹ کمشنر کی وہاں پہلے سے موجودگی نے ڈپٹی کمشنر کی حیثیت کو متاثر کیا؟ ہرگز نہیں۔ فرق اگر پڑا تو اسسٹنٹ کمشنر کو پڑا کہ اسی جگہ پر وہ فائنل اتھارٹی نہ رہا۔ بلکہ ڈپٹی کمشنر فائنل اتھارٹی ہوگیا۔ اس مثال سے باآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی (جن کی بعثت محدود طور پر صرف بنی اسرائیل کے لئے ہے اور ان کا **Tanure** بھی پورا ہو چکا ہے) نبی اکرم ﷺ کی بین الاقوامی اور دوامی حیثیت کو متاثر نہیں کرتی۔ اب فائنل اتھارٹی خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی اور ان کے متبعین کے لئے بھی تاقیام قیامت صرف اور صرف نبی اکرم ﷺ ہیں۔ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی اکرم ﷺ دونوں ایک ہی کیڈر سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ میرے نزدیک تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام اگر آج دنیا میں موجود ہوتے یا اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے ان کو موجود کر دے تو ان سب کے لئے بھی نبی اکرم ﷺ ہی فائنل اتھارٹی ہوتے اور ان سب کو نبی اکرم ﷺ کی لائی ہوئی کتاب اور ان کی سنت مطہرہ کی پیروی کرنا پڑتی اور ان سب کی موجودگی نبی اکرم ﷺ کی خاتم النّبیین کی حیثیت کو متاثر نہ کرتی۔

یہ صرف ایک نظری بات ہی نہیں ہے کہ جملہ انبیاء اور ان کے متبعین کے لئے اب نبی اکرم ﷺ ہی مطاع ہیں (اسی وجہ سے میں نبی اکرم ﷺ کو سید ولد آدم تسلیم کرتا ہوں) بلکہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی اس کا عملی مظاہرہ بھی ہو چکا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جس رات حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معیت میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس اور بیت المقدس سے ساتویں آسمان تک اللہ تعالیٰ کے حضور شرف باریابی حاصل کرنے کے لئے سفر کیا تو زمین سے رخصت ہونے سے قبل بیت المقدس میں انہوں نے نماز پڑھائی اور جملہ انبیاء نے نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ یہ اس امر کا اعلان تھا کہ اب سے تاقیام قیامت جملہ انبیاء اور ان کے متبعین کے لئے نبی اکرم ﷺ کا قول وفعل ہی حجت ہوگا۔ حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی پہلی فصل باب فی المعراج میں پانچویں نمبر پر معراج کی حدیث درج ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے میں صرف اس کا وہی حصہ نقل کرتا ہوں جو میرے موضوع سے متعلق ہے۔ نبی اکرم ﷺ بیان فرماتے ہیں: ''یہ حقیقت ہے کہ معراج کی رات میں نے اپنے آپ کو انبیاء کے درمیان دیکھا میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا جو کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام ایک میانہ قد مرد نظر آئے۔ جیسے وہ (قبیلہ) شنؤہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا جو کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ ان سے سب سے زیادہ

مشابہت رکھنے والے شخص ابن مسعود ثقفی ہیں۔ پھر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا جو کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے ان سب سے زیادہ مشابہت جو شخص رکھتا ہے وہ تمہارا دوست ہے جب نماز کا وقت آیا تو میں ان کا امام بنا۔‘‘

ایک عام آدمی (Layman) کی حیثیت سے ختم نبوت کا مطلب جو میں نے سمجھا ہے وہ میں نے عرض کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کی یا سب کی موجودگی کسی طرح بھی نبی اکرم ﷺ کی خاتم النّبیین کی حیثیت کو متاثر نہیں کرتی۔

ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ نبی اکرم ﷺ نے معراج کے سفر میں مسجد اقصیٰ میں انبیاء سے ملاقات کی تھی تو اس موقع پر انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح موجود تھیں اور ان کے جسم موجود نہ تھے اور ان ارواح میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح بھی شامل تھی۔ لہٰذا اس سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت ہوگئی۔ علاوہ ازیں کوئی صاحب یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ روحانی دنیا کے معاملات کو اس مادی دنیا کے معاملات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اس مسئلہ میں یہ بات پیش نظر رہے کہ حدیث معراج نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جملہ انبیاء کے لئے اب نبی اکرم ﷺ ہی مطاع ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی یہ حیثیت اس سے متاثر نہیں ہوتی کہ وہاں جملہ انبیاء کرام کی ارواح ہی موجود تھیں اور وہ ارواح ان کے جسموں میں موجود تھیں یا جسموں کے بغیر۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اصل اہمیت تو حاصل ہی روح کو ہے۔ جسم تو صرف روح کا آلہ کار (Tool) ہے۔ ویسے بھی جسم تو اضافی (Relative) چیز ہے۔ انسان جو جسم لے کر پیدا ہوتا ہے جوانی میں وہ جسم موجود نہیں رہتا۔ اسی طرح بڑھاپے میں انسانی جسم وہ نہیں ہوتا جو جوانی میں ہوتا ہے جو لوگ بائیالوجی کے طالب علم ہیں انہیں معلوم ہے کہ جسم کے (Cell) خلئے مرتے بھی رہتے ہیں اور جھڑتے بھی رہتے ہیں اور نئے خلئے (Cell) پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اصل چیز تو روح ہے جو مکلّف ہے جسم تو صرف (Container) برتن ہے اور روح کا آلہ کار کہ اس کے بغیر روح اپنا اظہار نہیں کر سکتی جس طرح بلب کے بغیر بجلی اپنا ظہور نہیں کر سکتی لیکن اصل چیز بجلی ہے بلب اس کا آلہ کار۔ اگر بیت المقدس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح نے ہی نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کی ہے تو میرا مقدمہ ثابت ہوگیا اور اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ان انبیاء کرام علیہم السلام میں کوئی نبی بھی جسم کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ میں اس بات کو بھی خارج از امکان نہیں سمجھتا کہ جملہ انبیاء وہاں اپنے جسموں کے ساتھ موجود ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لئے کچھ وقت کے لئے زندہ کر دیا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ہر

معاملہ ہی میں ایک استثناء ہیں۔ ان کی پیدائش استثناء، ان کا رفع استثناء، ان کا نزول استثناء اس لئے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس مجلس میں اس طرح موجود ہوں جس طرح کوئی بھی شخص موجود ہوسکتا ہے تو اس میں ہرگز کوئی جائے تعجب نہیں۔ لیکن دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اپنے جسموں کے ساتھ موجود ہوسکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ یہ خیال کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بھی موت دینے کے بعد قیامت سے قبل زندہ نہیں کرے گا، بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ بطور پروانہ تقرری (**Appointment Letter**) عطاء کیا تھا وہ ''قم باذن اللہ'' کہہ کر مردے کو زندہ کردیں اور انہوں نے کسی مردہ کو زندہ کر کے یہ پروانہ تقرری دکھایا بھی ہوگا۔ قرآن مجید میں ہمیں اس کی تفصیل نہیں ملتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے معجزانہ طور پر کس مردہ شخص کو زندہ کیا تھا۔ اس لئے ہم اس مقصد کے لئے بائبل سے رجوع کرنے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے۔ بائبل کی کتب متی اور یوحنا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردہ کو زندہ کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔ متی میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

''وہ ان سے یہ باتیں کہہ ہی رہا تھا کہ دیکھو ایک سردار نے آ کر اسے سجدہ کیا اور کہا میری بیٹی ابھی مری ہے۔ لیکن تو چل کر اپنا ہاتھ اس پر رکھ تو وہ زندہ ہو جائے گی۔ جب بھیڑ نکال دی گئی تو اندر جا کر اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور لڑکی اٹھی اور اس بات کی شہرت اس تمام علاقہ میں پھیل گئی۔'' (متی باب:۱۰، فقرہ:۱۸-۲۶)

بائبل کی کتاب یوحنا میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک مردہ کو زندہ کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔ پوری تفصیل اس کتاب کے باب:۱۱ میں درج ہے۔ میں اس کا ضروری حصہ ہی نقل کرتا ہوں۔

''یسوع پھر اپنے دل میں نہایت رنجیدہ ہوکر قبر پر آیا۔ وہ ایک غار تھا اور اس پر پتھر دھرا تھا۔ یسوع نے کہا پتھر کو ہٹاؤ۔ اس مرے ہوئے شخص کی بہن مرتھا نے اس سے کہا۔ اے خداوند! اس میں سے تو اب بدبو آتی ہے۔ کیونکہ اسے چار دن ہوگئے ہیں...... اور یہ کہہ کر اس نے بلند آواز سے پکارا کہ اے لعزر نکل آ۔ جو مر گیا تھا وہ کفن سے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے نکل آیا اور اس کا چہرہ رومال سے لپٹا ہوا تھا۔ یسوع نے ان سے کہا اسے کھول کر جانے دو۔''

(یوحنا باب:۱۱، فقرہ:۳۸-۴۴)

ایک مردہ کے زندہ کرنے کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی پیش آیا تھا۔ وہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک نوجوان قتل ہوگیا اور قاتل

کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کی جائے اور اس کی ایک ران مقتول کے جسم سے لگائی جائے وہ زندہ ہوکر خود اپنے قاتل کی نشاندہی کردے گا۔ قرآن کریم میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے۔

''جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہم کو مسخرا بناتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''نعوذ باللہ'' جو میں ایسا جہالت والوں کا سا کام کرو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ درخواست کیجئے اپنے رب سے کہ ہم سے بیان کردیں کہ اس (بیل) کے کیا اوصاف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ بیل ایسا ہو کہ نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو۔ (بلکہ) پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں سو اب (زیادہ حجت مت کرو بلکہ) کر ڈالو جو کچھ تم کو حکم ملا ہے۔ کہنے لگے کہ (اچھا یہ بھی) درخواست کیجئے ہمارے لئے اپنے رب سے یہ (بھی) بیان کردیں کہ رنگ اس کا کیسا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ وہ زرد رنگ کا بیل ہے جس کا رنگ زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو کہنے لگے کہ (اب کی بار اور) ہماری خاطر سے اپنے رب سے دریافت کردیجئے کہ ہم سے بیان کردیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں۔ کیونکہ ہم کو اس بیل میں (قدرے) اشتباہ ہے اور ہم ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ (اب کی بار) ٹھیک سمجھ جائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ وہ نہ تو ہل میں چلا ہو جس سے زمین جوتی جاوے اور نہ اس سے زراعت کی آبپاشی کی جاوے۔ (غرض ہر قسم کے عیب سے) سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو۔ (یہ سن کر) کہنے لگے کہ اب آپ نے پوری بات فرمائی پھر اس کو ذبح کیا اور (اپنی حجتوں سے بظاہر) کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے اور جب تم لوگوں (میں سے کسی نے) ایک آدمی کا خون کردیا۔ پھر ایک دوسرے پر اس کو ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا ظاہر کرنا منظور تھا جس کو تم مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے ہم نے حکم دیا کہ اس کو اس کے کوئی سے ٹکڑے سے چھواؤ دو۔ اسی طرح حق تعالیٰ (قیامت میں) مردوں کو زندہ کردیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی مظاہر قدرت تم کو دکھلاتے ہیں۔ اسی توقع پر کہ تم عقل سے کام کیا کرو۔'' (سورۃ البقرہ نمبر:۶۷-۷۳، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہو تو وہ جب چاہے کسی بھی مردہ شخص کو قبل از قیامت زندہ کردیتا ہے۔ لہٰذا میں یہ یقین کرنے میں ہرگز متردد نہیں ہوں کہ جملہ انبیاء نے اپنے جسموں کے ساتھ ہی نبی اکرم ﷺ کی اقتداء کی تھی اور اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو کچھ دیر کے لئے زندہ کردیا تھا جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے ہی زندہ تھے۔

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کا نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد تک زندہ ہونا یا زندہ ہو جانا نبی اکرم ﷺ کی خاتم النّبیین کی حیثیت کو متاثر نہیں کرتا۔ کیونکہ ان سب کا دور (Tanure) پورا ہو چکا ہے اور ان سب کے لئے اب نبی اکرم ﷺ ہی مطاع ہیں۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے جناب قمر عثمانی مزید فرماتے ہیں: ''واوصنی بالصلٰوۃ والزکوٰۃ مادمت حیاً'' اور اس نے مجھے (نظام) صلٰوۃ اور (نظام) زکوٰۃ (قائم کرنے) کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔ یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ ایک عام انسان کے لئے تو ان ہر دو فرائض کی بجا آوری کا حکم اس کی ذات تک محدود ہوتا ہے کہ اس نے جونہی یہ فرائض ادا کر دیئے وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا۔ مگر ایک صاحب کتاب نبی کے لئے یہی حکم نظام صلٰوۃ اور نظام زکوٰۃ کے قیام سے عبارت ہوتا ہے اور یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اس میں ان دونوں نظاموں کو پوری طرح جاری اور نافذ کرے۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنے منصب نبوت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا اور یہ ذمہ داریاں اس کی زندگی کے آخری سانس تک باقی رہتی ہیں۔ اسی لئے آیت زیر نظر میں بھی ان ذمہ داریوں کی بجا آوری کو ''مادمت حیا'' کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان دونوں صورتوں یعنی ''این ما کنت'' اور ''مادمت حیا'' میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور فرائض نبوت کی بجا آوری ہر قید مکانی اور قید زمانی سے آزاد ہو جاتی ہے اور ان کی زندگی کو تو ہم نے پہلے ہی قرب قیامت تک طول دے کر جاوداں بنا دیا ہے۔

اس آیہ مبارکہ کا ترجمہ کرتے ہوئے مولانا عثمانی نے قوسین میں نظام کے لفظ کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس کا ترجمہ نظام کیا جاسکتا ہو۔ جی نہیں چاہتا کہ جناب مولانا قمر احمد عثمانی کی مذکورہ بالا فاضلانہ بحث پر کوئی تبصرہ کیا جائے۔ صرف ذائقہ تبدیل کرنے کے لئے میں بھی چند معروضات پیش کر دیتا ہوں۔ جناب عثمانی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ: ''این ما کنت'' اور ''مادمت حیا'' کے الفاظ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو ہر قید مکانی اور قید زمانی سے آزاد کر دیا ہے۔ میں آج تک اس غلط فہمی میں تھا کہ صرف نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت ہی بین الاقوامی اور دوامی ہے۔ انبیاء سابقین میں ہر ایک کی نبوت کسی نہ کسی خاص قوم کی طرف ہی تھی۔ جناب عثمانی کا شکریہ کہ انہوں نے میری غلط فہمی دور کر دی۔

میں یہ بھی تسلیم کر لیتا ہوں کہ ایک نبی کے لئے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطلب نظام زکوٰۃ اور نظام صلوٰۃ کا قیام ہوتا ہے۔ لیکن کیا نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم گروہ انبیاء میں سے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہی تھا یا ہر نبی کو یہ حکم دیا جاتا رہا ہے؟ اگر ہر نبی کو یہ حکم دیا جاتا رہا ہے کہ وہ نظام زکوٰۃ اور نظام صلوٰۃ قائم کرے تو حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت ہود علیہم السلام نے نظام زکوٰۃ اور نظام صلوٰۃ کس طرح قائم کیا تھا؟ کیونکہ ان کی اقوام تو ان پر ایمان ہی نہیں لائی تھیں۔ جب تک کسی نبی کی قوم اس پر ایمان نہیں لاتی اس وقت تک ادائیگی صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ کا حکم ان کی ذات تک ہی محدود رہے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوسکتا کہ وہ نبوت کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں ناکام ہوگئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں یہ بات کہہ دی تھی کہ اللہ نے انہیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے تو کیا انہوں نے گہوارے میں نماز پڑھنا شروع کردی اور زکوٰۃ ادا کرنا شروع کردی تھی؟ اگر نہیں تو کیا وہ کار رسالت انجام دینے میں ناکام رہے؟ ہر حکم کی تعمیل کا ایک وقت ہوتا ہے یا مخصوص حالات ہوتے ہیں۔ جس شخص کی جیب بالکل خالی ہو تو وہ زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوگا کہ وہ ادائیگی زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل نہیں کر رہا۔ میں جناب مولانا قمر عثمانی سے یہ سوال کرنے پر مجبور ہوں کہ جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں قید تھے تو وہ نظام زکوٰۃ اور نظام صلوٰۃ کس طرح قائم کر رہے تھے؟ میں یہ سوال اس مفروضہ کی بناء پر کر رہا ہوں کہ مولانا عثمانی اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جانے کے باوجود مچھلی کی خوراک نہیں بنے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب وہ اپنی قوم میں ہیں ہی نہیں اور جب تھے تو ان کی اقوام ان پر ایمان ہی نہیں لائی تھیں تو وہ نظام زکوٰۃ اور نظام صلوٰۃ کے قیام کے مکلّف کس طرح ہوگئے؟

مجھے نہیں معلوم کہ جن لوگوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسلام کا ادیان عالم پر غلبہ قطعی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں پورا ہوگا۔ ان کے نزدیک اس کی صورت کیا ہے۔ حدیث سے جو اطلاع ہمیں ملتی ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تمام ادیان مٹ جائیں گے اور صرف اسلام ہی باقی رہ جائے گا۔ میرے نزدیک یہ نتیجہ ہوگا حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کا نہ کہ مقصد۔ میں اپنی بات کو کئی مثالوں سے واضح کر سکتا ہوں۔ لیکن تاریخ کو نظر انداز کرتے ہوئے میں روزمرہ زندگی سے ایک مثال دے کر اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

فرض کیجئے آپ باغ میں سیر کے لئے جاتے ہیں اور وہاں آپ کو پھولوں کی خوشبو بھی مل جاتی ہے۔ اب باغ میں جانے سے آپ کا مقصد تو صرف سیر کرنا تھا لیکن اس کے نتیجے میں آپ کو خوشبو بھی مل گئی۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا اصل مقصد تو یہود کو دجال سے نجات دلانا ہوگا۔ لیکن چونکہ ان کی آمد اس طرح معجزانہ ہوگی کہ یہود کے پاس ان کو مسیح تسلیم کئے بغیر چارہ ہی نہیں ہوگا۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت پر نبی اکرم ﷺ پر بھی ایمان لے آئیں گے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی زبان مبارک سے اپنے ابن اللہ ہونے کی تردید کر رہے ہوں گے اور تجسم، کفارہ اور ازلی گناہ جیسے عقائد پر تبرا کر رہے ہوں گے تو تثلیث پرست عیسائی بھی ان کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت پر ہی نبی اکرم ﷺ پر بھی ایمان لے آئیں گے۔ اس طرح یہودیت اور عیسائیت دونوں ادیان ختم ہو جائیں گے۔ یہ بات ذہن میں رہے الہامی دین اسلام کے علاوہ صرف یہودیت اور عیسائیت ہیں۔ ہندو اور بدھ مت تو فلسفیانہ مذاہب ہیں۔ ان کی بنیاد وحی اور الہام ہے ہی نہیں اور اس وجہ سے یہ بے بنیاد مذاہب ہیں۔ صرف اسی وجہ سے باقی ہیں کہ مسلمان تبلیغ دین کے معاملہ میں نالائقی کا ثبوت دیتے رہے ہیں۔ جس روز بھی مسلمانوں نے ہندوؤں اور دوسرے فلسفیانہ مذاہب کے پیروکاروں میں تبلیغ دین شروع کر دی اسی روز یہ مذاہب سکڑنا شروع ہو جائیں گے اور رفتہ رفتہ مٹ جائیں گے۔

جناب عثمانی صاحب نے اپنی تائید میں مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کیا ہے۔ ان کا نقطہ نظر میرے لئے یا کسی اور کے لئے حجت نہیں ہے۔ میرے دل میں مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت احترام ہے۔ مجھے ان کی زندگی میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔ بایں ہمہ اگر ان کا نقطہ نظر بھی وہی ہے جو جناب عثمانی صاحب کا ہے تو میں بصد ادب ان سے اختلاف کرتا ہوں۔ ان کا نقطہ نظر ان کی مجبوری بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ نیوٹن کے دور میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن غالباً ایسا ہے نہیں مجھے مولانا عبداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''رسالہ محمودیہ'' مع اردو ترجمہ مل گئی ہے۔ اس کے ص۲۷ پر مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے امام العصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک الہام ان کی کتاب ''**تفهيمات الالهيه**'' سے پسندیدگی کے ساتھ (**With Approval**) نقل کیا ہے جو اس طرح ہے: ''عنقریب کمال کے افق کا سردار بن جائے گا اور قرب الٰہی کی اقلیم پر حاوی ہو جائے گا۔ تیرے بعد کوئی مقرب الٰہی ایسا نہیں ہو سکتا جس کی ظاہری

اور باطنی تربیت میں تیرا ہاتھ نہ ہو۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں۔“

(رسالہ محمودیہ اردو، ترجمہ رسالہ عبیدہ ص۲۷)

اگر مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور نزول کے قائل نہ ہوتے تو وہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الہام کو نقل نہ کرتے اور اگر نقل کرتے تو اس کے ساتھ اپنا اختلافی نوٹ ضرور لکھتے۔ اس بناء پر میں یہی رائے قائم کرنے پر مجبور ہوں کہ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر بھی اس مسئلہ میں وہی تھا جو امت مسلمہ کے سواد اعظم کا ہے۔

سلب نبوت کا تصور یا عقیدۂ ختم نبوت کی نفی

اس عنوان کے تحت مولانا عثمانی لکھتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم کرلیا جائے اور یہ نقطہ نظر اختیار کیا جائے کہ قیامت سے قبل ایک بار پھر وہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو یہ نقطۂ نظر عقیدۂ ختم نبوت سے متصادم ہے۔ کیونکہ سلب نبوت کا قرآن میں کوئی تصور نہیں۔ اس لئے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آئیں گے تو نبی بھی ہوں۔ مولانا عثمانی کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لئے میں ان کی تحریر من وعن درج کررہا ہوں۔

”اور اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو ازروئے روایات ان کی حیثیت نبی کی نہ ہوگی بلکہ وہ آنحضرت ﷺ کے ایک عام امتی کی حیثیت سے اشاعت اسلام اور غلبہ اسلام کے لئے کام کریں گے تو اس صورت میں اوّل تو آپ کے ارشاد ”وجعلنی نبیاً وجعلنی مبارکا این ما کنت“ کہ حق تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا اور بابرکت بنایا (دریں حالت کہ) میں جہاں کہیں بھی ہوں کی نفی ہوتی ہے اور اس پر دوسرا زبردست اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت سے اشارتاً بھی سلب نبوت کا کوئی تصور ثابت نہیں ہے۔ جس کی بناء پر ایک صاحب کتاب نبی کو مسلوب النبوۃ فرما کر ایک عام امتی کا درجہ دے دیا جائے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا اثبات قرب قیامت تک ہوجاتا ہے۔ جس کے بعد آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کے عقیدہ کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ بیک وقت دو عالمگیر نبوتیں مجتمع نہیں ہوسکتیں اور عقیدہ ختم نبوت کی موجودگی میں تو کسی ظلی وبروزی نبوت کا تصور بھی قبول نہیں کیا جاسکتا۔ چہ جائیکہ ایک ایسے صاحب کتاب نبی کی رسالت کو تسلیم کرلیا جائے جس کی نبوت آنحضرت ﷺ کی بعثت کے زمانہ ماقبل سے شروع ہوکر قرب قیامت تک جاری وساری رہے؟ اس صورت حال میں میں لازماً عقیدۂ ختم نبوت اور عقیدۂ حیات مسیح علیہ

السلام میں سے کسی ایک عقیدہ کا انتخاب کرنا ہوگا اور دوسرے عقیدے سے دست بردار ہونا پڑے گا کہ دونوں عقیدے ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔‘‘

یا چنان کن یا چنیں

جناب عثمانی صاحب مندرجہ بالا عبارت کے ذریعہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم کرنا اور ان کو نبی بھی تسلیم کرنا عقیدۂ ختم نبوت سے متصادم ہے۔ ان کی تحریر سے جو بات ازخود نکل آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ آج سے دو ہزار برس قبل بوجہ طبعی موت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا سے رخصت ہوگئے تھے تو پھر وہ نبی بھی نہ رہے۔ گویا مولانا عثمانی کے نزدیک جب اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کو موت آجاتی ہے تو اس کی نبوت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں مولانا عثمانی صاحب کے خیال کے مطابق موت سے نبوت سلب ہو جاتی ہے۔ میں مولانا عثمانی سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ایسا سمجھتے ہیں یا یہ عقیدہ رکھتے ہیں تو اسے واضح طور پر بیان کرنا چاہئے تھا کیونکہ اگر موت سلب نبوت کی وجہ ہو سکتی ہے تو طبعی موت نبی اکرم ﷺ پر بھی وارد ہو چکی ہے۔ لیکن کوئی شخص مسلمان ہوتے ہوئے یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ طبعی موت نے نبی اکرم ﷺ سے نبوت سلب کر لی ہے۔

بات کو سمجھنے کے لئے میں یہ تسلیم کر لیتا ہوں کہ آج سے دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم طبعی موت کی بناء پر اس دنیا سے رخصت ہوگئے تھے۔ لیکن کیا اس وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نبوت سلب ہوگئی۔ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ نبوت وہ مقام ہے وہ اعزاز اور منصب ہے جسے موت سلب نہیں کر سکتی۔ موت ہے کیا؟ ادھر سے ادھر جانے کا نام۔ زندگی کے سفر میں گاڑی تبدیل کرنے کو موت کا نام دے دیا گیا ہے۔

ہر دم جواں پیہم رواں ہے زندگی

اب اگر یہ تسلیم ہے کہ موت سے نبوت سلب نہیں ہو سکتی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا سے بوجہ موت رخصت ہو جانے کے باوجود کل بھی نبی تھے آج بھی نبی ہیں اور آئندہ بھی نبی ہوں گے۔ اگر وہ آج بھی نبی ہیں تو کیا وہ ہمارے لئے واجب الاطاعت ہیں؟ کیا ان کا قول وفعل ہمارے لئے حجت ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ کیوں؟ کیا اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوجہ طبعی موت اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں؟ یقیناً نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا یا نہ ہونا اس سوال سے بالکل غیر متعلق (***Irrelevant***) ہے۔ وہ زندہ ہوں یا آج سے دو ہزار سال قبل بوجہ موت دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں۔ ہمارے

لئے وہ اس وجہ سے واجب الاطاعت نہیں ہیں کہ ان کا دور(Tanure) اس روز پورا ہوگا جس روز نبی اکرم ﷺ کو یہ حکم مل گیا۔ ’’قم فانذر‘‘

اور نبی اکرم ﷺ کا دور نبوت تا قیام قیامت ہے۔ اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں کہ گزشتہ انبیاء میں سے کوئی ابھی زندہ ہے یا نہیں ہے۔ اگر تمام انبیاء بھی زندہ ہوتے یا اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے اب تمام انبیاء کو زندہ کر دے پھر بھی نبی اکرم ﷺ کی خاتم النّبیین کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان سب کے لئے بھی نبی اکرم ﷺ ہی اب مطاع ہیں اور باوجود اس کے کہ نبوت ان میں سے کسی کی بھی سلب نہیں ہوئی۔ اب ان سب کے لئے نبی اکرم ﷺ کا قول وفعل ہی حجت ہوگا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان سب کی بعثت کسی نہ کسی مخصوص قوم کے لئے تھی اور ان سب کے عہد (Tanure) پورے ہو چکے جب کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت پوری نوع انسانی کے لئے ہے اور نبی اکرم ﷺ کا عہد (Tanure) تا قیام قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو بایں الفاظ بیان کیا ہے۔

’’کہہ اے (دنیا جہاں کے) لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے۔ سو (ایسے) اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے (ایسے) نبی امی پر (بھی) جو کہ (خود) اللہ پر اور ان کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس (نبی) کا اتباع کرو تا کہ تم راہ (راست) پر آجاؤ۔‘‘ (الاعراف:۱۵۸، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

نبی اکرم ﷺ کی جو بھی حیثیت ہے اس کی وضاحت کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت تمام کر دی اور نوع انسانی کے لئے اسلام کو تا قیام قیامت بطور دین کے پسند کر لیا اور اعلان کر دیا کہ: ’’بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے۔‘‘ (آل عمران:۱۹)

اسی اعلان نے جملہ انبیاء کے عہد (Tanure) کو ختم کر دیا۔ ہم اگر کسی عیسائی یا یہودی کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بوجہ موت نبوت سلب ہو چکی ہے۔ بلکہ ہم ان کو اس لئے دعوت ایمان دیتے ہیں کہ گزشتہ انبیاء کا دور ’’قد خلت‘‘ ہو چکا ہے۔ ان سب کے عہد (Tanure) پورے ہو چکے ہیں۔ اب نبی اکرم ﷺ کا عہد (Tanure) ہے جو قیام قیامت تک جاری رہے گا۔ لہٰذا گزشتہ انبیاء میں سے کسی کا آج زندہ ہونا کس طرح بھی عقیدہ ختم نبوت سے متصادم نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

چند اشکال اور ان کے جوابات

اس عنوان کے تحت جناب عثمانی نے چند اشکالات کے جواب دیئے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ ان کو بھی دیکھ لیا جائے۔

(۱)سب سے پہلا اشکال جسے انہوں نے حل کرنے کی کوشش کی ہے وہ ان کے نزدیک سورۂ آل عمران کی آیت ۴۶ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کو انہوں نے کس طرح حل کیا ہے وہ آپ ان کی تحریر سے ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ جسے قارئین کی سہولت کے لئے من وعن درج کر رہا ہوں۔ میں نے خود بھی اسے بار بار پڑھا ہے اور قاری کو بھی اسے پڑھنے کے بعد ہی اندازہ ہو سکے گا کہ جناب عثمانی اس اشکال کو حل کر سکے یا نہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''جہاں تک اس دعوے کے اثبات کا تعلق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو بحالت جسمانی آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے اور نہ وہ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کی متذکرہ آیات کے تائیدی بیانات سے اس کا اثبات پوری طرح ہوگیا ہے۔ البتہ قرآن کریم ہی بعض آیات سے اس ضمن میں جو چند اشکال پیش کئے جاتے ہیں ان کا رفع کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ کہی جاتی ہے کہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۴۶ میں کہا گیا ہے کہ ''**ویکلم الناس فی المهد و کهلاً ومن الصالحین**'' اور لوگوں سے کلام کریں گے گھوارے میں اور پختہ عمر میں اور شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے ہم نے لفظ ''**کهلاً**'' کا ترجمہ پختہ عمر کیا ہے۔ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ ادھیڑ عمر اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے ہوکر کیا ہے۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے موضح القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد لوگوں کے سامنے ایسی ہی باتیں کریں گے جیسی گھوارے میں کی ہیں۔ یعنی توحید ورسالت کی تبلیغ فرمائیں گے۔ مطلب ومفہوم کے اعتبار سے ان ترجموں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ کہولت کی عمر بہ اعتبار لغت تیس سے پچاس سال تک ہوتی ہے اور جو لوگ بعض ضعیف روایات کی بناء پر یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی آسمان پر اٹھالئے گئے تھے اور جب دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تو اس وقت پختہ عمر میں لوگوں سے کلام کریں گے۔ ان کا یہ دعویٰ محض بے دلیل ہے۔ کیونکہ منصب رسالت پر فائز ہونے کی عمر پختہ عمر ہی ہوتی ہے۔ عفوان شباب یا آغاز جوانی میں یہ ذمہ دارانہ منصب کسی ناپختہ ذہن وعمر کے انسان کو یونہی نہیں سونپ دیا جاتا۔'' (ص۲۹)

جناب مولانا قمر احمد عثمانی کی مہربانی ہے کہ ان کے ذریعہ ہمیں معلوم ہو گیا کہ منصب نبوت کسی ناپختہ ذہن اور ناپختہ عمر کے انسان کو عطاء نہیں کیا جاتا۔

سورۂ آل عمران کی اس آیہ مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دو خصوصی صفات کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہیں ان کا گہوارے میں کلام کرنا اور کہولت کی عمر میں کلام کرنا۔ میرے نزدیک کہولت کی عمر چالیس سال سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے قبل جوانی کا دور ہوتا ہے۔ لیکن میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ کہولت کی عمر تیس سال سے شروع ہوتی ہے یا چالیس سال سے۔ مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ اس آیہ مبارکہ کے ذریعہ حضرت مریم علیہا السلام کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ ان کا فرزند جب کہولت کی عمر کو پہنچے گا تو گونگا نہیں ہو جائے گا کیونکہ مولانا قمر عثمانی کی اطلاع کے مطابق اس دور میں جونہی کوئی شخص کہولت کی عمر کو پہنچتا تھا تو گونگا ہو جاتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس خوشخبری کے ذریعہ حضرت مریم علیہا السلام کی یہ پریشانی دور کر دی۔ ماشاء اللہ کیا تفسیر ہے اس آیہ مبارکہ کی اور کیا فاضلانہ تشریح ہے قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ لیکن کیا مناسب نہیں ہوگا کہ زیادہ خوش ہونے سے پہلے ہم اس آیت مبارکہ کا سیاق وسباق دیکھ لیں۔ اس آیت مبارکہ سے متعلقہ مضمون آل عمران کی آیت:۴۲ سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے قبل حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر ہے۔

''اور جس وقت کہا فرشتوں نے اے مریم تحقیق اللہ نے برگزیدہ کیا تجھ کو تمام عالموں کی عورتوں کے اوپر۔ اے مریم فرمانبرداری کر اپنے پروردگار کے واسطے اور سجدہ کیا کر اور رکوع کیا کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔ یہ غیب کی خبریں ہیں وحی کرتے ہیں ہم اس کو طرف تیرے اور نہ تھا تو ان کے پاس جب جھگڑے تھے۔ جس وقت کہا فرشتوں نے اے مریم تحقیق اللہ بشارت دیتا ہے تجھ کو ساتھ ایک بات اپنی طرف سے نام اس کا ہے مسیح عیسیٰ علیہ السلام بیٹا مریم علیہا السلام کا۔ آبرو والا بیچ دنیا کے اور آخرت کے اور نزدیک کئے گئے لوگوں میں سے اور باتیں کرے گا لوگوں سے بیچ جھولے کے اور ادھیڑ اور صالحوں میں سے۔ کہا اے میرے رب کیونکر ہوگا میرے واسطے بچہ اور نہیں ہاتھ لگایا مجھ کو کسی آدمی نے۔ کہا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب مقرر کرتا ہے کچھ کام کو پس سوائے اس کے نہیں کہ کہتا ہے اس اس کو ''ہو'' پس ہو جاتا ہے اور سکھا دے گا اس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل۔'' (آل عمران:۴۲-۴۸، ترجمہ شاہ رفیع الدین)

سورۂ آل عمران کی آیت:۴۶ اس خوشخبری کا ایک حصہ ہے جو فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو اس وقت سنائی جب وہ حجرے میں معتکف تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹا

عطاء کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس بیٹے کی چند خصوصیات سے آگاہ کیا جن میں سے دو یہ ہیں:

۱...... گہوارے میں معجزانہ طور پر باتیں کرے گا اور اس طرح اپنی والدہ کی پاک دامنی ثابت کرے گا۔

۲...... وہ ادھیڑ عمر میں کلام کرے گا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ گہوارے میں کلام کرنا تو ایک معجزہ ہے لیکن کیا ادھیڑ عمر میں کلام کرنا بھی کوئی ایسی انوکھی خصوصیت ہے کہ اگر حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ بتائی جاتی تو ان کو معلوم ہی نہ ہوتا؟ کیا اس دور میں لوگ ادھیڑ عمر میں گونگے ہو جاتے تھے؟ ادھیڑ عمر تو جس شخص کو بھی نصیب ہو جائے وہ ادھیڑ عمر میں اسی طرح باتیں کرے گا جس طرح پہلے کرتا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان دو خصوصیات کو ان پر احسان کے طور پر اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: ''جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ ابن مریم میرے اس فضل کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیا ہے جب کہ میں نے روح القدس سے تمہاری تائید کی اور تم لوگوں سے کلام کرتے تھے۔ گہوارے میں بھی اور ادھیڑ (عمر) ہو کر بھی۔'' (سورۂ المائدہ:۱۱۰، ترجمہ: مولانا اصلاحی)

اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حشر کے روز ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ اپنی عنایات گنوائے گا جو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ پر کی ہیں اور فرشتے جب حضرت مریم علیہا السلام کو ایک بیٹا دیئے جانے کی خبر دیتے ہیں تو وہ بھی اس بیٹے کی یہی دو خصوصیات بیان کرتے ہیں۔ یعنی:

۱...... وہ گہوارے میں کلام کرے گا۔

۲...... وہ ادھیڑ عمر میں کلام کرے گا۔

اب مجھے جناب مولانا قمر احمد عثمانی یا ان کے ہم خیال حضرات میں سے کوئی یہ بتائے کہ گہوارے میں کلام کرنا تو یقیناً ایک معجزہ ہے۔ لیکن ادھیڑ عمر میں کلام کرنا آخر کون سا ایسا خصوصی فضل ہے جو کبھی کسی پر نہ کیا گیا ہو۔ فضل بھی ایسا کہ فرشتے بھی حضرت مریم علیہا السلام سے اس کا ذکر کریں اور حشر کے روز اللہ تعالیٰ بھی اسے احسان کے طور پر یاد دلائے۔ میرے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دونوں خصوصیات یکساں نوعیت کی ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔ اگر گہوارے میں کلام کرنا ایک معجزہ ہے تو ادھیڑ عمر میں کلام کرنا بھی اسی طرح کا معجزہ ہونا چاہئے۔ تب ہی وہ ایک خصوصی فضل شمار کیا جاسکتا ہے جو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہی ہوا ہوگا۔ گروہ انبیاء میں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ہی ایسی ہوگی جسے اللہ تعالیٰ اپنا یہ احسان جتلائے

گا لیکن ادھیڑ عمر میں کلام کرنا معجزہ اس طرح ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے گئے تو وہ ان کی جوانی کا وقت تھا۔ اس زمین پر ان کو ابھی ادھیڑ عمر نصیب ہی نہیں ہوئی تھی۔ اب جب وہ دوبارہ اس زمین پر تشریف لائیں گے تب ہی ان کو ادھیڑ عمر نصیب ہوگی۔ دوبارہ اس دنیا میں آ کر ادھیڑ عمر پانا ہی ایسا خصوصی فضل ہے جو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کیا گیا ہے۔ اگر وہ دوبارہ اس زمین پر نہ آئیں تو ان کو نہ ادھیڑ عمر نصیب ہوگی اور نہ ہی وہ ادھیڑ عمر میں کلام کر سکیں گے۔ اگر قادیانی حضرات یہ کہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آج سے دو ہزار سال قبل کشمیر میں ادھیڑ عمر نصیب ہوگئی تھی تو اس صورت میں ادھیڑ عمر میں کلام کرنا کس طرح خصوصی فضل شمار کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہر شخص ادھیڑ عمر میں کلام کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دو خصوصیات:

۱...... گہوارے میں کلام کرنا۔

۲...... کہولت کی عمر میں کلام کرنا۔

ایسے خصوصی فضل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی میں صرف اور صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کئے ہیں اور حقیقت میں یہ ہیں بھی ایسے انوکھے فضل کہ حشر کے روز اللہ تعالیٰ انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر احسان کے طور پر جتلائے تو ہرگز جائے تعجب نہیں۔

(۲) دوسرا اشکال جناب قمر عثمانی کے نزدیک سورۂ زخرف کی آیت:۶۱ سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کا ترجمہ اس طرح ہے: ''اور وہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کے تعین کا ذریعہ ہیں تم لوگ اس (کی صحت) میں شک مت کرو اور میرا اتباع کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔''

(ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیت مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے جناب عثمانی تحریر فرماتے ہیں: ''اس ضمن میں سورۂ الزخرف کی یہ آیت بھی پیش کی جاتی ہے: ''**وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بہا واتبعون ھذا صراط مستقیم**'' اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی ایک نشانی ہے تو تم اس (کی صحت) میں شک نہ کرو اور میری پیروی اختیار کرو کہ سیدھا راستہ یہی ہے۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بتایا گیا ہے تو اس حقیقت سے کون انکار کر رہا ہے جو بڑے بڑے معجزات بحکم خداوندی ان سے ظہور پذیر ہوئے۔ مثلاً بے جان اجسام میں جان ڈالنا، مردوں کو ''**قم باذن اللہ**'' کہہ کر زندہ اٹھا کھڑا کرنا وغیرہ وغیرہ تو یہ ساری باتیں قیامت ہی کی نشانیوں میں سے ہیں۔''

آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ جناب عثمانی نے کس طرح اشکال رفع فرمایا ہے۔ ان کے

نزدیک قیامت کی نشانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذاتی طور پر دوبارہ اس سرزمین آنا نہیں ہے بلکہ وہ حسی معجزات قیامت کی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پروانہ تقرری کے طور پر عطاء کئے تھے۔ گویا اس آیت میں ''وہ'' کی ضمیر (واحد غائب مذکر) اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے نہیں بلکہ بے جان اجسام میں جان ڈالنا اور مردوں کو زندہ کرنا اور اس کے علاوہ ''وغیرہ وغیرہ'' کے لئے استعمال کی ہے۔ ہم مان لیتے ہیں کہ اس آیہ مبارکہ میں واحد مذکر غائب کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے نہیں بلکہ ان کے معجزات اور ''وغیرہ وغیرہ'' کے لئے ہے۔ لیکن اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جناب مولانا قمر عثمانی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو حسی معجزات عطاء کئے تھے وہ یہ تھے۔

۱...... مردہ زندہ ہوگیا۔
۲...... مٹی سے پرندے کی شکل بنائی گئی اور اس میں جان پڑ گئی۔

لیکن وہ یہ باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کے دشمنوں سے بچانے کے لئے اٹھالیا تھا اور ضرورت پڑنے پر جس طرح انہیں اٹھایا تھا۔ اسی طرح معجزانہ طور پر انہیں واپس بھی لاسکتا ہے اور یہ واقعہ قیامت برپا ہونے کے قریب ہوگا اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت کی نشانی ہوں گے۔

اس موقع پر جناب قمر احمد عثمانی سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات:

۱...... مردہ کو زندہ کرنا۔
۲...... مٹی سے پرندہ کی شکل بنا کر اس میں جان ڈال دینا۔
۳...... وغیرہ وغیرہ۔

کو قیامت کی نشانیاں تو شمار کرلیا ہے لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطاء کئے گئے حسی معجزہ یعنی عصا کو نظر انداز کر گئے ہیں۔ وہ بھی ایک بے جان لکڑی تھی جس نے اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں زندہ اژدھا کی شکل اختیار کر لی تھی بلکہ وہ ساحروں کی رسیوں ''وغیرہ وغیرہ'' کو سب لوگوں کے سامنے نگل بھی گیا تھا۔ اگر مٹی سے پرندہ کی بنائی گئی شکل کا زندہ پرندہ بن جانا قیامت کی نشانی ہوسکتا ہے تو بے جان لکڑی کا زندہ اژدھا بن جانا قیامت کی نشانی کیوں نہیں ہوسکتا؟ امید ہے اپنے رسالہ کے اگلے ایڈیشن میں وہ عصائے موسیٰ علیہ السلام کو بھی ''وغیرہ وغیرہ'' کے ساتھ قیامت کی نشانیوں میں شمار کرلیں گے۔ اب یہ بات میں قاری کے فہم پر چھوڑتا ہوں کہ

مولانا عثمانی صاحب نے اس اشکال کو کس حد تک دور کر دیا ہے؟ یا مزید اشکال پیدا کر دیا ہے اور وہ اشکال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کی نشانیاں از قسم مردہ کو زندہ کرنا، مٹی سے پرندہ کی شکل بنا کر اس میں جان ڈالنا اور ''وغیرہ وغیرہ'' کو تو آج سے دو ہزار سال قبل نازل کر دیا۔ لیکن قیامت ابھی تک برپا نہیں کی۔ غالباً قیامت کی نشانیاں نازل کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کو یاد آیا ہوگا کہ ابھی تو میں نے اپنی آخری کتاب کو بھی نازل کرنا اور آخری رسول کو بھی مبعوث کرنا ہے۔ اس خیال کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قیام قیامت کو مزید چند ہزار سال کے لئے مؤخر کر دیا۔ اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔ آخر ایسی بھی کیا جلدی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عثمانی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات سے کہہ دیا ؎

کار خدائی دراز ہے اب قیامت کا انتظار کر

(۳) تیسرا اشکال عثمانی صاحب کے نزدیک سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۵۹ سے پیدا ہوتا ہے جس کا ترجمہ وہ یہ کرتے ہیں: ''اور اہل کتاب میں سے کوئی نہیں جو اس کی موت سے قبل اس کی تصدیق نہ کرلے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر شہید ہوگا۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں: ''(اس آیت) سے بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ اہل کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے پہلے ان پر یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔''

اس ضمن میں مزید لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ''وہ'' کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کے لئے ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: ''موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کی ہرزہ سرائیوں کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے غلط اور بے بنیاد دعووں کا تذکرہ جو خاصا طویل ہے، جملہ معترضہ کے طور پر کیا گیا ہے (اور جملہ معترضہ کی طوالت کسی قدر بھی ہوسکتی ہے) اس کے بعد آیت زیر نظر میں روئے سخن پھر آنحضرت ﷺ اور قرآن کی جانب لوٹ آیا ہے اور کہا جارہا ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں جس پر اس کی موت سے پہلے قرآن یا صاحب قرآن کی صداقت وحقانیت کی تصدیق نہ ہو جائے گی۔ یعنی قرآن کریم میں جو باتیں ان کے سابقہ کردار واعمال کے بارے میں بیان کی گئی ہیں ان کی تصدیق تو ہر اہل کتاب کو ہو ہی چکی ہے اور ان کی موجودہ روش کے بارے میں جو کچھ بیان کیا جارہا ہے کیونکہ وہ بھی وقوع پذیر ہوتا جارہا ہے۔ اس لئے امر واقعی کے طور پر قرآن اور صاحب قرآن کی صداقت تو ان پر بخوبی واضح ہو چکی ہے اور ہوتی جارہی ہے۔ مگر یہ اور بات ہے کہ یہ لوگ اپنے تمرد وسرکشی کے باعث زبان

سے اس حقیقت نفس الامری کا اعتراف واقرار نہ کر پائیں اور خیال رہے کہ یہاں ''من اھل الکتب'' سے صرف مدینہ میں اس وقت کے آباد اہل کتاب مراد ہیں۔ چونکہ یہی لوگ آکر آنخضرت ﷺ سے مختلف سوالات کرتے تھے۔ ساری دنیا کے یا قیامت تک آنے والے اہل کتاب مراد نہیں ہیں۔

تو ان اہل کتاب کی تصدیق بالقرآن یا آنخضرت ﷺ کی صداقت پر یقین کی کیفیت بالکل ایسی تھی جس طرح کوئی مجرم یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نے یہ جرم واقعی کیا ہے عدالت مجاز کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف محض اس لئے نہیں کرتا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو پھر وہ سزا سے نہیں بچ سکے گا۔ تو اسی طرح ان اہل کتاب پر بھی واقعاتی شواہد کی بناء پر قرآن اور آنخضرت ﷺ کی حقانیت وصداقت تو ثابت ہوچکی ہے یہ اور بات ہے کہ یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے اس کا زبانی اعتراف نہیں کرتے۔ اس تصریح کے مطابق ''وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہٖ'' کا مطلب یہ ہوگا کہ ان اہل کتاب (یعنی مدینہ اور جوار مدینہ میں آباد اہل کتاب) میں سے کوئی ایسا نہیں جو اپنی موت سے پہلے اس (قرآن یا صاحب قرآن) کی تصدیق نہ کرے گا اور ہمارے اس خیال کی تائید کہ ''لیؤمنن بہ'' سے قرآن یا آنخضرت ﷺ پر ایمان لانا مراد ہے۔ اسی مقام پر چند آیات کے بعد آیت نمبر:۱۶۶ سے بھی ہورہی ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے: ''لٰکن اللہ یشھد بما انزل الیک انزلہ بعلمہٖ والملٰئکتہ یشھدون وکفٰی باللہ شھیدًا'' لیکن حق تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ جس کو آپ کی طرف نازل کیا ہے اور اپنے پورے علمی کمال کے ساتھ نازل کیا ہے گواہی دے رہے ہیں اور ملائکہ بھی گواہی دے رہے ہیں اور اللہ ہی کی گواہی کافی ہے کہ ''یسئلک اھل الکتٰب'' سے ''وکفٰی باللہ شھیدًا'' تک آنخضرت ﷺ کی رسالت اور ایمان بالقرآن ہی کا بیان مذکور ہے۔''

میں نے جناب عثمانی صاحب کا طویل اقتباس اس لئے دیا ہے کہ قاری کے سامنے ان کا نقطۂ نظر پوری طرح واضح ہوجائے۔ سورۂ نساء کی آیت:۱۵۹ میں ''وہ'' کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے یا نبی اکرم ﷺ کے لئے ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس سے ماقبل کی آیات کو دیکھ لیا جائے اور ساتھ ہی یہ ذہن میں رکھا جائے کہ سورۂ نساء کی آیات نمبر:۱۵۷،۱۵۸ میں جہاں بھی ''وہ'' کی ضمیر آئی ہے جناب عثمانی صاحب کو تسلیم ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہی ہے۔ میں اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے سورۂ نساء کی آیت:۱۵۳ سے

شروع کرتا ہوں۔ البتہ بات کو سمجھنے کے لئے آیات: ۱۵۷، ۱۵۸ میں ’’وہ‘‘ کی ضمیر کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام بھی لکھ رہا ہوں۔

’’آپ سے اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک خاص نوشتہ آسمان سے منگوادیں۔ سوانہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بات کی درخواست کی تھی اور یوں کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کھلم کھلا دکھلا دو۔ جس پر ان کی اس گستاخی کے سبب ان پر کڑک بجلی آ پڑی۔ پھر انہوں نے گئوسالہ تجویز کیا تھا بعد اس کے کہ بہت سے دلائل ان کو پہنچ چکے تھے۔ پھر ہم نے اسے درگزر کر دیا تھا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ دروازے میں عاجزی سے داخل ہونا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ یوم ہفتہ کے بارے میں تجاوز مت کرنا اور ہم نے ان سے قول وقرار شدید لئے۔ سو ہم نے سزا میں مبتلا کیا ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور ان کے کفر کی وجہ سے احکام الٰہیہ کے ساتھ اور ان کے قتل کرنے کی وجہ سے انبیاء کو ناحق اور ان کے اس مقولہ کی وجہ سے کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں بلکہ ان کے کفر کے سبب ان کے قلوب پر اللہ تعالیٰ نے بند لگا دیا ہے۔ سو ان میں ایمان نہیں لاتے مگر قلیل اور ان کے کفر کی وجہ سے اور حضرت مریم علیہا السلام پر ان کے بڑا بھاری بہتان دھرنے کی وجہ سے اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح علیہ السلام ابن مریم کو جو کہ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے قتل کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے نہ ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اشتباہ ہوگیا اور جو لوگ ان (عیسیٰ علیہ السلام) کے بارہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں اور ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا بلکہ ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور کوئی شخص اہل کتاب سے نہیں رہتا مگر اس (عیسیٰ علیہ السلام یا محمد ﷺ) کے مرنے سے پہلے ضرور ایمان لائے گا اور قیامت کے روز وہ (عیسیٰ علیہ السلام یا محمد ﷺ) ان (اہل کتاب) پر گواہی دیں گے۔‘‘ (سورۂ نساء: ۱۵۳ تا ۱۵۹)

آپ نے سورۂ نساء کی آیات نمبر ۱۵۳ تا ۱۵۹ کا مطالعہ فرمالیا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صیغہ واحد غائب مذکر کی ضمیر کو چھ بار استعمال کیا ہے۔ جناب قمر احمد عثمانی کو تسلیم ہے کہ صیغہ واحد غائب مذکر کی ضمیر چار دفعہ تو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ لیکن پانچویں اور چھٹی بار واحد مذکر غائب کی یہ ضمیر نبی اکرم ﷺ کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگر پانچویں بار بھی یہ ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے استعمال کی جائے تو ان کو اب تک زندہ تسلیم کرنا پڑتا ہے اور دوبارہ آنا بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے جو عثمانی صاحب کو قبول نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہود کے جرائم جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب بھی شامل ہے کچھ تفصیل بیان کی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ وضاحت کی ہے کہ یہود اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ نہ وہ صلیب دیئے گئے اور نہ ہی قتل کئے گئے۔ قتل کی تردید اس لئے کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنا دعوتی کام چھوڑ کر اچانک منظر سے غائب ہوگئے تھے اور جو شخص اچانک غائب ہو جائے اور عام حالات میں جن لوگوں کو اس کی نقل وحرکت اور آمدورفت کا علم ہونا چاہئے وہ اس کے بارے میں قطعاً بے خبر ہوں اور کچھ بااثر لوگ اس کے دشمن بھی ہوں تو ایسے شخص کی اچانک گمشدگی پر عام لوگ یہی قیاس کرتے ہیں کہ اسے قتل کر دیا گیا ہوگا۔ میں نے آیت:۱۵۹ کے ترجمہ میں واحد مذکر غائب کے ساتھ بریکٹ میں (عیسیٰ علیہ السلام یا محمد ﷺ) دونوں نام اس لئے لکھ دیئے ہیں کہ جب قاری آیت نمبر:۱۵۹ کے ترجمہ کو ماقبل آیات کے ساتھ ملا کر پڑھے تو خود فیصلہ کر سکے کہ اس آیت میں واحد مذکر غائب کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہو سکتی ہے یا نبی اکرم ﷺ کے لئے۔ میرے نزدیک اس آیت میں واحد مذکر غائب کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے کہ ماقبل کی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود کی طرف بطور رسول مبعوث ہوئے تھے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ یا تو یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی زندگی میں ایمان لے آئیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ان پر عذاب نازل ہو جائے۔ کیونکہ: ''اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے حکم ازلی میں لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔'' (مجادلہ نمبر ۲۱، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

چونکہ ابھی تک نہ تو یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ان پر عذاب نازل ہوا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے قبل یہود ان پر ایمان لے آئیں اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء کی آیت:۱۵۹ میں بیان کی ہے۔ ان آیات میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر ہی نہیں تو واحد مذکر غائب کی ضمیر ان کے لئے کس طرح ہو سکتی ہے؟

مولانا سندھی اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا نقطۂ نظر

مولانا عثمانی نے اپنی تائید میں مولانا سندھی اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا نقطہ نظر پیش کیا ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنی تفسیر ''الہام الرحمٰن'' میں سورۂ نساء:۱۵۹ کی تفسیر کرتے

ہوئے واحد غائب کی تمام ضمیروں کا مرجع آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کو قرار دیا ہے۔ مولانا عثمانی صاحب کے بیان کے مطابق مولانا سندھی نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے: ’’سب سے پہلے عزیز احمد نے ہمیں بتایا کہ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی (دیوبندی) نے اس کے حاشیہ پہ لکھا ہے کہ: ’’قبل موته‘‘ کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے۔ دیکھا تو ہماری آنکھیں کھل گئیں اور اب معاملہ صاف ہوگیا ’’ایمان‘‘ کا ترجمہ ہماری اپنی تحقیق ہے۔ رسول اللہ ﷺ دنیا پر قرآن کی حکومت قائم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ ان کے مرکز میں جو حجاز میں ہے کوئی طاقت زندہ نہیں رہ سکتی۔ ان کے حکم کے ماننے بغیر حجاز میں کوئی طاقت رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں زندہ رہے تو کام ہی کیا ہوا۔‘‘

اس پر مزید تبصرہ جناب مولانا عثمانی صاحب نے اس طرح کیا ہے: ’’ہماری بیان کردہ تعبیر اور مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی تعبیر وتشریح میں فرق صرف اتنا ہے کہ ہم نے ’’لیؤمنن به‘‘ کی ضمیر کا مرجع رسول اللہ اور کتاب اللہ دونوں کو متحمل مانا ہے اور ’’قبل موته‘‘ کی ضمیر کے مرجع کا تعین عام مفسرین کی تعبیر کے مطابق اہل کتاب پر کیا ہے۔ مگر ان تعبیرات میں کوئی خاص فرق نہیں ہے جب کہ اہل کتاب سے مراد ہم بھی عہد رسالت کے انہی اہل کتاب کو لے رہے ہیں جو مدینہ یا جوار مدینہ میں قیام پذیر تھے۔ تو یہ سب اہل کتاب آنحضرت ﷺ کی وفات سے قبل آپ ﷺ کی رسالت اور قرآن کی صداقت کو کسی عنوان سے تسلیم کرلیں گے یا خود اپنی موت سے پہلے ایسا کریں گے۔ نتیجہ کے اعتبار سے ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جہاں تک قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے آنحضرت ﷺ کی شہادت کے اثبات کا تعلق ہے تو ہمارا نقطۂ نظر بھی وہی ہے جو مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور ہمارے خیال میں مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری تعبیر کے قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تعبیر قرآن کی کسی آیت کے معارض نہیں ہے جب کہ اپنی موت سے پہلے تمام اہل کتاب کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں خود قرآن کی تصریحات کے منافی ہے اور حقیقت حال کے بھی خلاف ہے۔‘‘

میں اس سے قبل مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’’رسالہ محمودیہ‘‘ سے ایک حوالہ درج کر چکا ہوں۔ جہاں انہوں نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’’تفہیمات الٰہیہ‘‘ سے ایک عبارت نقل کی ہے اور اس کے ساتھ کوئی اختلافی نوٹ نہیں دیا تو کیوں نہ یہ باور کیا جائے کہ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر بھی اس مسئلہ میں وہی ہے جو امت مسلمہ کا ہے۔

تمام اہل کتاب کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا کس طرح قرآن کی تصریحات کے خلاف ہے؟ اس کے بارے میں مولانا عثمانی نے نہ تو قرآن کریم کی کسی آیت کا حوالہ دیا ہے اور نہ ہی کوئی اور منطقی دلیل پیش کی ہے۔ اس کے برعکس قرآن کریم سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی طرف کسی رسول کو مبعوث کیا تو وہ قوم یا تو اس رسول پر ایمان لے آئی (اور قوم سے مراد پوری قوم ہے اس کی کچھ تعداد نہیں یہ تو ہوا ہے اتمام حجت سے قبل اس قوم کے جن افراد کا وقت پورا ہو چکا تھا وہ حالت کفر پر ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ لیکن اتمام حجت کے بعد اس قوم کا کوئی فرد باقی نہ رہا جو ایمان نہ لایا ہو) یا پوری قوم اپنے رسول کی تکذیب کی بناء پر برباد کر دی گئی اور اس رسول کی نگاہوں کے سامنے اس طرح برباد کر دی گئی جس طرح رسول نے خبر دی تھی۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کی پوری قوم ان پر ایمان لے آئی تھی۔

''ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش دیا۔''

(سورۂ صف:۱۴۸، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

معلوم نہیں مولانا عثمانی کو یہ ناممکن کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم کا ہر ہر فرد قوم کی طرف مبعوث کئے گئے رسول پر ایمان لے آئے اور ''حقیقت حال'' کے بھی خلاف نہیں الا یہ کہ ہم یہ تسلیم کر لیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آج سے دو ہزار سال قبل موت سے ہم کنار ہو گئے تھے۔

سورۂ نساء:۱۵۹ میں واحد مذکر غائب کی ضمیر کا مرجع نبی اکرم ﷺ کو قرار دینا تاریخی طور پر بھی غلط ہے۔ تمام دنیا کو معلوم ہے کہ مدینہ کے یہود (الا ماشاء اللہ) نبی اکرم ﷺ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ وہ مدینہ سے خیبر چلے گئے تھے اور وہاں لوگ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے بغیر فتح خیبر کے بعد بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت تک مقیم رہے۔ فتح خیبر کے موقع پر بھی انہیں وہیں مقیم رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ البتہ کچھ شرائط طے کر دی گئی تھیں۔ ان شرائط کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کا موضوع زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جزیرہ نمائے عرب سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔ محمد حسین ہیکل اپنی کتاب ''عمر فاروق اعظم'' میں لکھتے ہیں: ''حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن مسائل سے دلچسپی رکھتے تھے ان میں عرب ممالک کی سیاسی وحدت بھی شامل تھی۔ لیکن ان کی اس دلچسپی نے انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اعانت سے کبھی غافل نہ کیا اور وہ صدیقی سیاست کے نفاذ میں پورے خلوص سے کوشاں رہے۔ اس کے بعد جب وہ خود مسند آرائے خلافت ہوئے تو سب سے پہلے

انہوں نے اپنی توجہ اسی وحدت کے استحکام پر مبذول فرمائی۔ ان کے غور فکر نے انہیں اس نتیجہ پر پہنچایا کہ یہ وحدت اس وقت تک محفوظ و مامون نہیں رہ سکتی جب تک وہ ہر قسم کے شائبے سے بالکل پاک نہ ہو جائے اور اس کی یہی ایک صورت ہے کہ جس طرح عربوں کی زبان ایک ہے۔ اسی طرح ان کا وطن اور ان کے عقائد بھی مکمل طور پر ایک ہو جائیں۔ لیکن یہودی اور عیسائی ابھی جزیرہ عرب میں موجود تھے تو کیا کتاب اور سنت سے اختلاف کئے بغیر حضرت عمرؓ انہیں وہاں سے نکال سکتے تھے؟

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی یہودیوں سے دوستی کا معاہدہ فرمایا۔ لیکن وہ عہد شکنی کر کے غداری پر اتر آئے اور مدینہ سے نکال دیئے گئے۔ اس کے بعد بھی انہوں نے اپنی دشمنی کا سلسلہ جاری رکھا اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں جزیرہ نمائے عرب کی اکثر یہودی بستیوں سے جلاوطن فرمادیا۔ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہودیوں کا اپنی آبادیوں میں رہنا کوئی ایسا حق نہ تھا جس کا احترام ضروری ہو اور ان کے ساتھ دوستی کا معاہدہ صرف ایک سیاسی قدم تھا جو مدینہ کے ابتدائی دور میں حکومت کی کسی مصلحت کے پیش نظر اٹھایا گیا تھا۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے یہ محسوس فرمایا کہ حکومت کے اعلیٰ مصلحت اسے درست نہیں سمجھتی، تو اسے چھوڑ کر دوسرا طریق عمل اختیار کرلیا۔ حضرت عمرؓ کی رائے میں حکومت کی اسی اعلیٰ مصلحت کا تقاضا تھا کہ تمام جزیرہ نمائے عرب میں صرف ایک عقیدہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عہد خلافت کا آغاز ہی اس سے کیا کہ نجران کے عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا۔ لیلیٰ بن امیہ کو ان کا حکم تھا کہ عیسائیوں پر دین کے معاملے میں زبردستی نہ کی جائے۔ لیکن جو عیسائی اپنے مذہب پر قائم رہے، اسے نکال دیا جائے اور ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا جائے۔ یہی کچھ ان یہودیوں کے ساتھ کیا گیا جو سیمرا اور فدک میں باقی رہ گئے تھے۔ انہیں وہاں سے جلاوطن کر کے شام بھیج دیا گیا۔ ان کی زمینوں کی قیمت انہیں دے دی گئی اور ان میں سے کسی کے ساتھ بدسلوکی نہ کی گئی۔ اس طرح جزیرۃ العرب اسلام کے سوا ہر عقیدے سے خالی ہوگیا اور اس وحدت کی بنیادیں وہاں استوار ہوگئیں جو امیر المؤمنین کا مطمع نظر تھی۔'' (ص۵۳۷)

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ مدینہ کے یہود من حیث القوم نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں بھی ایمان سے بہرہ ور نہ ہوئے بلکہ اس وقت بھی جب حضرت عمرؓ نے ان کو جزیرہ نمائے عرب سے نکل جانے کا حکم دیا انہوں نے ایمان پر مہاجرت کو ترجیح دی۔ پھر بھی مولانا عثمانی صاحب یا کوئی اور (خواہ وہ کسی بھی علمی مرتبہ کا ہو) یہ کہے کہ مدینہ کے یہود نبی اکرم ﷺ پر ایمان

لے آئے تھے تو میں کیا عرض کرسکتا ہوں سوائے اس کے کہ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوئی؟

یہ ضمنی عنوان جناب عثمانی نے اپنی کتاب کے ص۳۶ پر دیا ہے اور عنوان سے ظاہر ہے کہ عثمانی صاحب نے یہ فرض کرلیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد ہوئی ہے۔ کیونکہ عثمانی صاحب کے خیال کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت ممکن ہی نہیں تھی وہ لکھتے تھے: ''حرف آخر کے طور پر سورۃ الصّف کی آیت:۶ پر بھی نظر ڈال لیجئے۔ جس میں ارشاد ہورہا ہے: ''**واذ قال عیسیٰ ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللّٰہ الیکم مصدقاً لما بین یدی من التورٰتہ ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** ''اور جب کہا عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نے کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو (توراۃ) آچکی ہے۔ میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں۔ جن کا نام احمد ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔ اس آیت میں ''**یاتی من بعدی** ''اس امر پر دلیل قطعی ہے کہ آنخضرت ﷺ کی بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوئی اور اگر وہ ابھی تک آسمان پر بقید حیات موجود ہیں تو ''**یاتی من بعدی** ''جو میرے بعد آئیں گے، کا بیان بالکل غلط اور خلاف واقعہ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا زمانہ شروع ہی نہیں ہوا اور بلحاظ عربیت حدیث ''**لا نبی بعدی** ''میں لفظ ''**بعدی** '' کا جو مطلب ہے۔ ''**یاتی من بعدی** ''میں بھی اس لفظ کا وہی مطلب ہونا چاہئے اور اگر یہ مطلب لیا جائے کہ ''**من بعدی** '' سے مراد ''**رفع الی السماء** '' کا زمانہ ہے تو زمین پر دوبارہ تشریف آوری اور موجودگی کے وقت جب وہ خود اور تمام مسلمان اس فقرہ کی تلاوت کریں گے تو کیا اس وقت یہ سمجھا جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی وفات کے بعد بھی کوئی پیغمبر آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا؟''

مولانا عثمانی اپنے اس نقطۂ نظر میں تنہا نہیں ہیں۔ اس مسئلہ میں مرزاغلام احمد قادیانی بھی ان کے ہم نوا ہیں وہ بھی ''میرے بعد'' سے مراد ''میری موت کے بعد'' لیتے ہیں۔ اس آیہ مبارکہ کا سادہ ترجمہ یہ ہے: ''جب کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے فرمایا۔ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا۔ (رسول) آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے تورات (آچکی) ہے۔ میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والا ہے جن کا نام (مبارک) احمد

ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔‘‘ (الصّف:۶، ترجمہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

یہ تو ایک حقیقت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد ہوئی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہی ہوگی (چونکہ قرآن بیان کر رہا ہے) کہ آج سے دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کی بشارت بھی دی ہوگی۔ اس آیت مبارکہ میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کا ترجمہ موت کیا جاسکے اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بتایا ہوتا کہ میری موت کے بعد ایک رسول آنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یہاں موت کا لفظ استعمال کرنے سے کون روک سکتا تھا۔ اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا ہی یہ ہو کہ میری بعثت کے بعد ایک رسول مبعوث ہونے والے ہیں اور میں اپنی قوم کو ان کی آمد کی اطلاع دے رہا ہوں اور ان کا نام نامی اسم گرامی بتا رہا ہوں۔ اگر ایسا ہے تو قرآن نے ان کے بیان کو صحیح درج (Quote) کیا ہے دوسری صورت یہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خبر تو یہ دی ہو کہ میری موت کے بعد ایک رسول آنے والے ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے ان کے الفاظ کو صحیح رپورٹ نہ کیا ہو۔ ان دو میں سے کون سی صورت ممکن ہے اس کا فیصلہ خود کر لیں۔ البتہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی کہ اس میں الجھن کیا ہے؟ اگر کسی وقت عثمانی صاحب اپنے اہل خانہ کو یہ کہہ کر رخصت ہوں ’’میرے بعد ایک صاحب آئیں گے اور کوئی پیغام دیں گے‘‘ اور ان کی غیر حاضری میں وہ صاحب آئیں اور پیغام دے کر چلے جائیں تو مولانا صاحب کو واپس آنے کے بعد کیا الجھن ہوگی؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنی قوم کو یہ کہہ کر چلے گئے کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کا دین مکمل کریں گے۔ نسل انسانی پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری کریں گے۔ ان کی غیر حاضری میں وہ رسول اللہ ﷺ مبعوث بھی ہوئے اور کار رسالت انجام دے کر رخصت بھی ہوگئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واپسی کے بعد یہی تو معلوم ہوگا کہ جس طرح انہوں نے خبر دی تھی۔ بالکل اسی طرح ہو چکا ہے وہ ایک دفعہ پھر نبی اکرم ﷺ کی تصدیق کر دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو اس میں کوئی الجھن نہیں ہوگی۔ معلوم نہیں عثمانی صاحب کو اس میں کیا اشکال نظر آتا ہے۔ عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ’’وہ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے۔ وہ بقید حیات ہوں گے اور دجال جیسے فتنوں کا مقابلہ اور ان کا استیصال فرما رہے ہوں گے۔ اس وقت قرآن کریم کے اس جملے ’’بل رفعه الله اليه ‘‘ کا کیا مطلب لیا جائے گا؟ کیونکہ قرآن تو کہہ رہا ہوگا۔ اللہ نے انہیں اپنی طرف آسمان پر اٹھا لیا ہے۔ مگر وہ بنفس نفیس اور بقید حیات لوگوں کے درمیان موجود ہوں گے۔‘‘ (ص۳۸)

میں تو اس پر صرف یہی عرض کرسکتا ہوں کہ ناطقہ سر بگریباں ہے۔ اسے کیا کہئے۔ قران کریم میں سورۂ روم کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔ ’’ال م، اہل روم ایک قریب کے موقع میں مغلوب ہوگئے اور اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب تین سال سے لے کر نو سال تک کے اندر اندر غالب آجائیں گے۔‘‘ (سورۂ روم:۲تا۴، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اب تو دنیا میں روم نام کا کوئی ملک بھی باقی نہیں ہے۔ لیکن قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات کی تلاوت کرتے ہوئے کوئی الجھن محسوس نہیں ہوتی۔ حالانکہ ان آیات مبارکہ میں جو خبر ہے اس میں زمانہ مستقبل کا ذکر ہے جب کہ حقیقت میں وہ اب ماضی بعید بن چکا ہے۔ اسی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس آیت مبارکہ کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ’’ہم نے اسے اٹھالیا۔‘‘ لیکن وہ ایک وقت میں دوبارہ لوگوں کے درمیان موجود ہوں گے تو ایک وقت میں دوبارہ اس دنیا سے بوجہ موت رخصت بھی ہو چکے ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کی تلاوت کرتے ہوئے کوئی الجھن نہیں ہوگی۔

سورۂ نساء کی ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے تیسرے سال یروشلم میں پیش آئے وہ واقعات یہ ہیں:

۱...... حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمن ان کو صلیب دیئے جانے کا حکم حاصل کر چکے ہیں۔

۲...... حضرت مسیح علیہ السلام نہ صلیب دیئے گئے۔

۳...... حضرت مسیح علیہ السلام کسی اور طریقے سے بھی قتل نہ کئے گئے۔

۴...... اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو ان کے دشمنوں کی گرفت میں نہ آنے دیا۔

۵...... اور وہاں سے معجزانہ طور پر اٹھالیا۔

مندرجہ بالا واقعات میں کون سا واقعہ ایسا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے واپس آجانے کے نتیجہ میں غلط ثابت ہوجائے گا اور کس بات کو ’’منسوخ الحکم‘‘ کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ان آیات میں تو کوئی حکم بیان ہی نہیں ہوا۔

مولانا عثمانی نے حدیث ’’لانبی بعدی‘‘ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال کیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ سورۂ صف کی آیت میں ’’من بعدی‘‘ کا بھی وہی مطلب لیا جانا چاہئے جو ’’لا نبی بعدی‘‘ کا ہے۔

میری رائے میں حدیث ’’لا نبی بعدی‘‘ عثمانی صاحب کے مؤقف کی ہرگز تائید نہیں کرتی۔ اس حدیث کا سادہ ترجمہ یہ ہے: ’’میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔‘‘

اس حدیث سے یہ مفہوم ہرگز نہیں نکلتا کہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں تو کوئی دوسرا نبی ہوسکتا تھا لیکن ان کی موت کے بعد کوئی نبی نہیں۔ کیا عثمانی صاحب اس امکان کو تسلیم کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں کوئی دوسرا شخص بطور نبی مبعوث ہوسکتا تھا؟ جس طرح اس حدیث کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ: ''میری بعثت کے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اسی طرح سورۂ صف کی مذکورہ آیت میں ''من بعدی'' کا مطلب بھی ''میری بعثت کے بعد'' ہے نہ کہ ''میری موت کے بعد''

دوسرا اشکال مولانا عثمانی اس طرح بیان کرتے ہیں: ''اسی طرح حق تعالیٰ تو سورۂ آل عمران:۵۵ میں فرمارہے ہیں کہ میں تمہارے متبعین کو گروہ منکرین پر روز قیامت تک غلبہ عطاء کرنے والا ہوں۔ مگر ہماری تفسیری تعبیرات وروایات یہ ثابت کررہی ہیں کہ تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قیامت سے قبل ہی ایمان لے آئیں گے تو قرآن کے مذکورہ بیان کا تقاضا تو یہ ہوگا کہ وہ منکرین (یہودیوں) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین (نصاریٰ) کے مابین تاقیام قیامت تصادم وآویزش کا سلسلہ جاری رہے اور حضرت عیسیٰ کو ماننے والے اپنے دشمنوں پر وقوع قیامت تک غالب رہیں۔ مگر ہم قرآنی فرمودات کے علی الرغم یہ دعویٰ کررہے ہیں کہ تمام اہل کتاب حلقہ بگوش اسلام ہوجائیں گے اور یہ سب کچھ قیامت سے بہت پہلے ہوجائے گا تو اندریں صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے یہودیوں پر قیامت تک غالب رہنے کی کیا شکل ہوگی؟ جب کہ یہ دونوں گروہ ایمان لانے کے بعد ملت واحدہ بن چکے ہوں گے تو گروہ غالب کون ہوگا اور مغلوب کسے کہا جائے گا؟'' (ص۳۹،۴۰)

مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ ہماری تفسیری روایات کیا کہتی ہیں۔ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین (یونی ٹیرین عیسائی اور مسلمان) اور دشمنان حضرت مسیح علیہ السلام (یہود اور تثلیث پرست) کے درمیان ابتداء ہی سے آویزش جاری ہے اور متبعین مسیح علیہ السلام کو جو فوقیت (سیاسی غلبہ نہیں) حاصل ہے وہ دلیل کے میدان میں ہے اور یہ آویزش قیام قیامت تک جاری رہے گی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کے موقع پر سورۂ نساء:۱۵۹ کے مطابق تمام اہل کتاب (یہود اور تثلیث پرست دونوں) ان پر ایمان لے آئیں گے تو یہ قیامت کے قریب ہی ہوگا۔ کیونکہ (قرب) قیامت کی ایک نشانی تو حضرت مسیح علیہ السلام ذات گرامی خود ہے لیکن فوقیت کو سیاسی غلبہ قرار دینا نہ صرف یہ کہ واقعاتی طور پر درست نہیں ہے بلکہ اس لفظ (فوق) سے سیاسی غلبہ کے معنی کسی طرح بھی نہیں نکالے جاسکتے۔

تیسرا اشکال عثمانی صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں: ’’پھر بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی، قرآن کھلے بندوں یہ اعلان کررہا ہے کہ: ’’والقینا بینهم العداوة والبغضاء الی یوم القیمة‘‘ اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک دشمنی اور بغض ڈال دیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمام اہل کتاب کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد روز قیامت تک ان کے مابین بغض وعداوت کی آخر کیا شکل ہوگی۔ قرآن کو تو جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ اس کی صداقت وحقانیت پر ہمارے دین وایمان کی بنیاد قائم ہے۔ البتہ ہم آیات قرآنی کی ان تعبیرات یا ایسی روایات ہی کو غلط قرار دے سکتے ہیں جو قرآنی تصریحات کے سراسر منافی ہیں۔‘‘ (ص:۴۰)

عثمانی صاحب نے آیت کا یہ ٹکڑا سورۂ المائدہ کی آیت:۶۴ سے لیا ہے پوری آیت مبارکہ کا ترجمہ اس طرح ہے: ’’اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہوگیا ہے۔ ان ہی کے ہاتھ بند ہیں اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت سے دور کردیئے گئے بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں اور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب بن جاتا ہے اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا ہے جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں۔ حق تعالیٰ اس کو بجھا دیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے۔‘‘ (سورۂ المائدہ:۶۴، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

میرے نزدیک تو اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بیان کیا ہے کہ جو قوم بھی اللہ تعالیٰ سے سرکشی اختیار کرتی ہے اس قوم میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے دیگر بیماریوں کے علاوہ بغض وعداوت بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اگرچہ ذکر یہود کا ہے لیکن قانون عمومی ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ یہود کے علاوہ دوسری اقوام کو کھلی چھٹی ہے جو چاہیں کریں۔ اس وقت مسلمانوں میں جو بغض وعداوت ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ سے سرکشی کی وجہ سے ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں عراق، ایران جنگ ہوئی۔ اس کے بعد کویت کے مسئلہ پر بھی مسلمان ممالک آپس میں لڑتے رہے ہیں۔ اب افغانستان میں خانہ جنگی جاری ہے تو ان تمام جھگڑوں کا واحد سبب یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی من حیث القوم اللہ تعالیٰ سے سرکشی اختیار کرلی ہے اور میرے نزدیک اس آیت مبارکہ کی صحیح تشریح یہی ہے: ’’واللہ واعلم بالصواب‘‘

میں نے جناب مولانا قمر احمد عثمانی کے رسالہ ’’عقیدہ ختم نبوت اور حیات مسیح علیہ السلام‘‘ کے پہلے ایڈیشن میں دیئے گئے تمام دلائل کا جائزہ لے لیا ہے۔ اس دوران میں ان کے

رسالہ کا دوسرا ایڈیشن بھی مجھے مل گیا ہے۔ میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ اس کا جائزہ بھی ساتھ ہی لے لیا جائے۔

دوسرے ایڈیشن میں جناب قمر احمد عثمانی نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱...... نزول مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ ظنی ہیں اور عقیدہ کی بنیاد ظن پر نہیں رکھی جاسکتی۔

۲...... نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ اجماعی عقیدہ نہیں ہے۔ اس ضمن میں جناب عثمانی صاحب نے اجماع کی تعریف پر سیر حاصل کی ہے۔

۳...... جو شخص نزول مسیح علیہ السلام کا قائل نہ ہو وہ کافر یا دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہے۔

ان گزارشات کے بعد میں اصل مضمون کی طرف واپس آتا ہوں۔

مجھے اعتراف ہے کہ میں ایک بے علم انسان ہوں اور احادیث کے بارے میں کلام کرنا میرے لئے سزاوار ہی نہیں، کسی بھی حدیث کا مقام طے کرنا علماء حدیث کا کام ہے۔ احادیث ضعیف بھی ہیں، موضوع بھی ہیں، صحیح بھی ہیں۔ اس مضمون پر ہماری تاریخ میں بہت کام ہوا ہے۔ میرے جیسے انسان کے لئے لازم ہے وہ اس مسئلہ میں علماء حدیث کی رائے کو قبول کرے۔

مجھے اس سے بھی غرض نہیں کہ نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ اجماعی عقیدہ ہے یا نہیں۔ میں نے جو رائے قائم کی ہے اور جسے میں نے ان صفحات میں بیان کیا ہے اس کی بنیاد بھی نزول مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کا اجماعی ہونا یا نہ ہونا نہیں ہے۔ مجھے جو بات قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہوئے درست معلوم ہوئی ہے اسے میں نے بیان کر دیا ہے۔ میں نے تو کسی تفسیر کا مطالعہ بھی نہیں کیا ہے۔ میں نے تو نزول مسیح علیہ السلام کو قرآن کریم کی بعض آیات سے **INFER** کیا ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص انہی آیات سے کوئی دوسرا **Inference** نکالتا ہے تو اسے اس کا حق حاصل ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ علماء کرام اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ البتہ میرے نزدیک جو شخص نزول مسیح کا قائل نہ ہو وہ بھی اس طرح مسلمان ہے جس طرح وہ شخص مسلمان ہے جو نزول مسیح کا قائل ہے۔ کیونکہ یہ عقیدہ کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ عقیدہ کا مسئلہ تو صرف یہی ہے کہ ایک مسلمان نبی اکرم ﷺ کی شہادت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو اللہ تعالیٰ کا رسول برحق تسلیم کرے اور ان کی معجزانہ پیدائش (بن باپ کے) کو تسلیم کرے اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو پاک دامن اور تمام عالم کی عورتوں سے افضل تسلیم کرے۔ اس میں ایمان کی حدود یہی ہیں۔ آگے مسئلہ **Inference** کا ہے۔

ایک قادیانی دلیل

اب تک میں نے ان تمام دلائل کا جائزہ لیا ہے جو مولانا قمر احمد عثمانی نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی موت ثابت کرنے کے لئے اپنے رسالہ میں پیش کئے ہیں۔ اس ضمن میں ایک دلیل اگرچہ جناب عثمانی صاحب نے درج نہیں کی ہے۔ لیکن قادیانی حضرات اسے پوری شدت سے پیش کرتے ہیں۔ قادیانی امت سورۂ آل عمران کی آیت:۱۴۴ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے حق میں استدلال پیش کرتی ہے۔ اس آیت مبارکہ کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

''اور محمد ﷺ صرف رسول ہی تو ہیں۔ آپ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص بھی الٹا پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور خدا تعالیٰ جلد ہی عوض دے گا حق شناس لوگوں کو۔'' (سورۂ آل عمران:۱۴۴، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

قادیانی حضرات اس آیت مبارکہ کے الفاظ ''گزر چکے ہیں'' سے مراد لیتے ہیں۔ ''مر چکے ہیں'' اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یقین نہیں آرہا تھا کہ نبی اکرم ﷺ پر بھی موت وارد ہو سکتی ہے تو اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اسی آیہ مبارکہ کی تلاوت کی تھی تو ان کو نبی اکرم ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کا یقین آگیا تھا اور اس واقعہ سے قادیانی حضرات یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ صحابہ کرام کا یہ اجماع تھا کہ تمام انبیائے سابقہ پر موت وارد ہو چکی ہے اور ان میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ''گزر چکے ہیں'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس جگہ ''مر چکے ہیں'' کے الفاظ استعمال کر سکتا تھا۔ اس صورت میں کوئی الجھن باقی نہ رہتی۔ چنانچہ قادیانی امت کو حسب عادت اس جگہ بھی معنوی تحریف کرنا پڑی۔ میں قادیانی امت کے سامنے اپنا ایک بیان ذیل میں درج کرتا ہوں جس میں ''گزر چکے ہیں'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ میں ان کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ میرے بیان میں ''گزر چکے ہیں'' کی جگہ ''مر چکے ہیں'' کے الفاظ استعمال کر کے دکھائیں۔

''بل کلنٹن امریکہ کے صدر ہی تو ہیں۔ بل کلنٹن سے پہلے بھی بہت سے صدر گزر چکے ہیں۔ سو اگر بل کلنٹن مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا وہ قانون منسوخ ہو جائیں گے جن پر بل کلنٹن

نے دستخط کئے ہیں۔‘‘

اگر کسی قادیانی میں ہمت ہے تو آگے بڑھے اور ’’گزر چکے ہیں‘‘ کی جگہ ’’مر چکے ہیں‘‘ کے الفاظ تبدیل کر کے دکھائے۔ پس معلوم ہوا کہ ’’گزر چکے ہیں‘‘ کا مطلب ’’مر چکے ہیں‘‘ نہیں ہوتا۔ رہ گیا یہ مسئلہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بارے میں اجماع ہوگیا تھا تو میں قادیانی امت کو ایک دفعہ پھر چیلنج کرتا ہوں کہ وہ صرف یہ ثابت کر دیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس مجلس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی ہوا تھا۔ اجماع تو دور کی بات ہے۔

مناسب ہوگا اگر اس موقع قرآن کریم کی دیگر آیات بھی دیکھ لی جائیں جن سے قادیانی حضرات جناب عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی موت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سورۂ آل عمران:۱۴۴ کے علاوہ قادیانی امت سورۂ نحل:۲۰،۲۱ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت اخذ (**Iner**) کرتی ہے۔ ان آیات مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ’’اور جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں وہ (معبودین) مردے (بے جان) ہیں۔ زندہ نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔‘‘

(ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ معبود جن کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مشرکین پوجا کرتے ہیں وہ تو خود بے جان ہیں اور اپنی پوجا کئے جانے کی نہ تو خبر رکھتے ہیں اور نہ وہ کسی بات کا جواب دے سکتے ہیں۔ ان کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا۔ جب کہ مشرکین ان کی قبروں پر جا کر مرادیں مانگتے ہیں۔

قادیانی حضرات ان معبودین میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل کرتے ہیں۔ کیونکہ عیسائی حضرات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی میں شریک قرار دیتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا صلبی بیٹا قرار دیتے ہیں۔

بلاشبہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی میں شریک قرار دیتے ہیں بلکہ وہ تو روح القدس کو بھی خدائی میں شریک یقین کرتے ہیں۔ اگر اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو خطاب کیا ہوتا تو یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان معبودین میں شامل ہوتے جن کو اللہ تعالیٰ نے مردہ قرار دیا ہے۔ لیکن اس آیہ مبارکہ میں تو خطاب مشرکین مکہ سے ہے۔ اس لئے کہ سورۂ نحل مکہ میں نازل ہوئی ہے اور مکہ میں نصاریٰ کا وجود نہیں۔ علاوہ ازیں سورۂ نحل میں نصاریٰ کا ذکر تک نہیں اور اس لئے ذکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ (جو عالم الغیب ہے) کو معلوم تھا کہ مرزا قادیانی کی امت اس

آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال کرے گی اس لئے اس نے سورۂ نحل میں نصاریٰ کے ذکر تک حذف کر دیا۔ پھر کس قرینہ کی رو سے اس آیہ مبارکہ میں جن معبودین کا ذکر ہے۔ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل کیا جائے۔ اگر قادیانی امت یہ کہے کہ اس آیت مبارکہ میں خطاب عمومی ہے۔ اس لئے ان معبودین میں جن کو اللہ تعالیٰ مردہ قرار دے رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل کیا جائے تو یہ اس لئے درست نہیں کہ سورۂ نحل کی آیت ۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر وہ یکا یک کھلم کھلا جھگڑنے لگا۔''

(ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیت میں بھی خطاب عمومی ہے لیکن ہمارا ایمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نطفے سے پیدا نہیں کئے گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کوئی استثناء بھی بیان نہیں کیا۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی عقل دی ہے کہ ہم خود ہی نہ تو حضرت آدم علیہ السلام کو اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ انسان سمجھتے ہیں جن کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے۔ اس آیت مبارکہ سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ نہیں کرتے کہ ہر انسان ہر وقت جھگڑتا ہی رہتا ہے۔ بلاشبہ عام طور پر انسان جھگڑالو ہے۔ لیکن ہم از خود ہی انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر بزرگان دین کو اس سے مستثناء کر دیتے ہیں۔ یہ ایک تسلیم شدہ اصول ہے جسے مرزا غلام احمد قادیانی کی تائید بھی حاصل ہے کہ استثناء سے اصول باطل نہیں ہوتا اور محض اس بناء پر کہ ان آیات میں خطاب عمومی ہے۔ ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

قادیانی امت سورۂ الانبیاء کی آیت: ۳۴ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال کرتی ہے۔ ''اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔ پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ رہیں گے۔'' (ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیت مبارکہ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر دو وجوہ کی بناء پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کا بھی عقیدہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں ہمیشہ رہیں گے۔ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اس زمین پر واپس آ کر اسی طرح موت کا ذائقہ چکھیں گے۔ جس طرح ہر ذی نفس موت سے ہم کنار ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں بھی ایک اصول ہی بیان ہوا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں استثناء کوئی نہیں ہوگا۔

سورۂ الاعراف: ۲۵ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال کیا جاتا ہے:

’’فرمایا تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے پھر نکلنا ہے۔‘‘

(ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس وقت ارشاد فرمائے تھے۔ جب انہیں جنت سے نکال کر زمین پر آباد ہونے کے لئے بھیجا جارہا تھا۔ اس آیت مبارکہ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ امت مسلمہ اس بات کی قائل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی زمین پر موت سے ہم کنار ہوں گے اور اسی زمین میں دفن بھی ہوں گے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کچھ مدت کے لئے زمین سے کسی دوسرے جگہ نہیں جاسکتے۔ نبی اکرم ﷺ معراج پر جاچکے ہیں اور انسان کچھ مدت کے لئے چاند پر بھی جاچکا ہے اور مدت ایک اضافی (**Relative**) چیز ہے۔ ہمارے لئے دو ہزار یا چار ہزار سال بہت لمبی مدت ہے۔ لیکن خالق کائنات کے لئے نہیں۔

سورہ المائدہ:۷۵ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اس آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ’’مسیح ابن مریم کچھ بھی نہیں صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے رسول اور بھی گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھئے تو ہم کیونکر دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھئے وہ الٹے کدھر جارہے ہیں۔‘‘ (ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیت مبارکہ سے قادیانی حضرات استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں تو لازم ہے کہ وہ کھانا بھی کھاتے ہوں گے اور کھانا کھاتے ہوں گے تو حوائج ضروریہ بھی ان کو لاحق ہوتے ہوں گے۔ ایسی صورت میں آسمانوں پر وہ حوائج ضروریہ سے کس طرح فارغ ہوتے ہوں گے۔

بلاشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ دوسرے انسانوں کی طرح ہی کھانا کھایا کرتے تھے۔ لیکن اس سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ وہ انسان تھے خدا نہیں تھے۔ اس آیت مبارکہ میں خطاب نصاریٰ سے ہے کہ وہ غور کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا اس کے بیٹے کس طرح ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ خدا کو تو کھانے کی حاجت نہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر وقت کھانا ہی کھاتے رہتے تھے۔ ہر کھانے کے بعد انسان وقفہ کرتا ہے وہ وقفہ زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔ انسان تو انسان ہے جو نائب خدا ہے۔ بعض جانور بھی ایسے ہوتے ہیں جو سردیوں کا پورا موسم جو نصف سال سے بھی زائد ہوتا ہے بغیر کچھ کھائے پئے گزار دیتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں۔ حوالہ

کے لئے دیکھ لیجئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج۵ ص۹۰۹۔ ایسے جانور اپنی پناہ گاہوں میں پورا موسم سو کر گزارتے ہیں۔ مچھلی کی ایک قسم بھی ایسے جانوروں میں شامل ہے۔

اصحاب کہف ۳۰۹ سال بغیر کھائے پئے سوئے رہے۔ اگر اصحاب کہف ۳۰۹ سال اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغیر کھائے پئے گزار سکتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ کس طرح ناممکن ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے باوجود تین یا چار ہزار سال بغیر کھائے نہیں گزار سکتے۔ زندگی کھانے کی محتاج نہیں۔ زندگی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن کا روزہ رکھا تھا اور اس کے بعد یہ بات کہی تھی کہ انسان صرف روٹی سے زندہ نہیں رہتا اس کا ذکر بائبل میں اس طرح ہے: ''پھر یسوع روح القدس سے بھرا ہوا یردن سے لوٹا اور چالیس دن تک روح کی ہدایت سے بیاباں میں پھرتا رہا...... اور ان دنوں میں اس نے کچھ نہ کھایا اور جب دن پورے ہو گئے تو اسے بھوک لگی ابلیس نے اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اس پتھر سے کہہ روٹی بن جائے۔ یسوع نے اس کو جواب دیا۔ لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی سے جیتا نہ رہے گا۔'' (لوقا باب:۴، فقرہ:۱تا۵)

حقیقت یہ ہے کہ زندگی روٹی سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے قائم ہے۔ اگر اللہ کا حکم ہے جیسا کہ ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال بغیر کھائے زندہ رہ سکتے ہیں۔ اگر روٹی سے ہی زندگی قائم ہو تو ایسے شخص کو کبھی موت نہ آئے جو ہر وقت کھاتا رہتا ہو۔

اگرچہ یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ زندگی روٹی کی محتاج نہیں بلکہ اپنے رب کے حکم سے قائم ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم اس بات کو خارج از امکان نہیں سمجھتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رزق ملتا ہو اور وہ کھاتے بھی ہوں اور حوائج ضروریہ پھر بھی لاحق نہ ہوتے ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بہت ہی آسان ہے کہ وہ اپنے کسی بندے کے لئے ایسی خوراک کا انتظام کردے جسے کھانے کے نتیجے میں حوائج ضروریہ لاحق نہ ہوتے ہوں ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کے بعد جنت میں رہنے کا حکم دیا تو کہا کھاؤ پیو مگر ایک مخصوص درخت کا پھل نہ کھانا۔ حضرت آدم جنت میں رزق کھاتے رہے اور ان کو بیت الخلاء کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے: ''اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم علیہ السلام تم اور تمہاری بی بی جنت میں رہو اور پھر جس جگہ سے چاہو دونوں کھاؤ اور اس درخت کے پاس مت جاؤ۔ کبھی ان لوگوں کے شمار میں آجاؤ جن سے نامناسب کام ہو جایا کرتے ہیں۔''

(الاعراف:۱۹، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ تعالیٰ شہداء کو بھی رزق دیتا ہے۔ لیکن ان کو بھی بیت الخلاء کی ضرورت پیش نہیں آتی۔’’اور (اے مخاطب) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق ملتا ہے۔‘‘

(آل عمران:۱۶۹، ترجمہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حشر کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو جنت میں داخل فرمائے گا ان کو وہاں ہر طرح کا رزق میسر ہوگا۔ انواع اقسام کے پھل ہوں گے۔ دودھ ہوگا شہد ہوگا۔ اللہ کے بندے یہ سب کچھ کھائیں گے لیکن انہیں حوائج ضروریہ پھر بھی لاحق نہیں ہوں گے۔ اسی طرح یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر رزق بھی دیتا ہو اور ان کو حوائج ضروریہ پھر بھی لاحق نہ ہوتے ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح کا رزق اس وقت تک ملتا رہے جب تک وہ وہاں ہیں اور جب واپس زمین پر آجائیں تو پھر عام انسانوں کی طرح ان کی حالت ہو جائے۔

قادیانی امت سورۂ مریم:۳۱ کے ایک حصہ سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال کرتی ہے۔ اس کا ترجمہ اس طرح ہے:’’اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ ہوں۔‘‘ (ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیت مبارکہ سے قادیانی حضرات یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندگی میں نماز پڑھا کرتے تھے اور زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے۔ اگر وہ آسمان پر زندہ ہیں تو لازم ہے کہ ان کے پاس سرمایہ بھی ہوتا کہ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور زکوٰۃ وصول کرنے والے حاجت مند بھی ہونے چاہئیں۔ چونکہ یہ ممکن نہیں اس لئے لازم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام موت سے ہم کنار ہو چکے ہوں۔

سورۂ مریم کی جس آیت کا ترجمہ میں نے اوپر دیا ہے یہ اس تقریر کا حصہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں اپنی والدہ کی پاک دامنی ثابت کرنے کے لئے کی تھی۔ میں اس آیت مبارکہ سے قبل ازیں استدلال کر چکا ہوں۔ اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں رکوع سجود شروع کر دیا تھا اور مال تقسیم کرنا شروع کر دیا تھا؟ اگر نہیں تو کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سے گریز کیا تھا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہ تو گہوارے میں رکوع سجود کیا اور نہ ہی زکوٰۃ کسی مسکین کو ادا کی۔ اسی طرح وہ جب تک زمین پر واپس نہیں آتے۔ ادائیگی زکوٰۃ کا حکم ان کے لئے اسی طرح معطل رہے گا جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کے لئے مچھلی کے پیٹ میں معطل تھا اور واپسی کے بعد بھی اسی وقت تک معطل ہی

رہے گا جب تک کہ ان کو کسی طرف سے کوئی مال وصول نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ قادیانی امت کو قرآن کریم کا صحیح فہم عطاء فرمائے۔ آمین!

حیات مسیح علیہ السلام کے بارہ میں احادیث

جناب قمر احمد عثمانی نے اپنے رسالہ کے دوسرے ایڈیشن میں علامہ تمنا عمادی کی کتاب ''انتظار مسیح ومہدی'' سے وہ تنقید نقل کی ہے جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بارے میں احادیث پر کی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ احادیث کے بارے میں کلام کرنے کی اہلیت مجھ میں نہیں ہے۔ مولانا تمنا عمادی کی تنقید کا جواب دنیا علماء حدیث کا کام ہے۔ ان میں سے کوئی اس مضمون کی اہمیت محسوس کرے تو اس کا جواب دے۔ البتہ ایک عام آدمی (**Layman**) کی حیثیت سے جو میں محسوس کرتا ہوں اسے بیان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

دین کے ماخذ

ہمارے دین کے بنیادی ماخذ قرآن اور سنت ہیں۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی تک اپنے آخری رسول کے ذریعہ پہنچایا۔ سنت نام ہے نبی اکرم ﷺ کے قول وفعل کا جس کا کچھ حصہ ہم تک تواتر سے پہنچا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اقوال مبارکہ یا آپ کے عمل کو مسلمانوں نے کتب احادیث کو محفوظ کرنے کے لئے جو محنت کی ہے وہ اس موضوع پر بھی لکھی گئی کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ نبی اکرم ﷺ (فرد واحد) کے اقوال وافعال کو محفوظ کرنے کے لئے تقریباً پانچ لاکھ اشخاص کے حالات کو محفوظ کیا گیا ہے۔ انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔ یہ تمام محنت صرف اس لئے کی گئی ہے کہ دین تو نام ہی ''محمد رسول اللہ'' کے اتباع کا ہے۔ قرآن کو بھی ہم اللہ کا کلام تسلیم کرتے ہیں تو صرف اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اس کی اطلاع دی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے اقوال مبارکہ کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک حصہ تو احکام کا ہے یعنی اوامر ونواہی۔ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ دوسرا حصہ جو ہے اسے ہم اخبار کہہ سکتے ہیں۔ اخبار کا تعلق ماضی سے بھی ہے اور مستقبل سے بھی۔ امم سابقہ کے بارے میں جو خبریں نبی اکرم ﷺ نے دی ہیں ان کا تعلق ماضی سے ہے۔ آنے والے واقعات کے بارے میں جو خبریں انہوں نے دی ہیں ان کا تعلق مستقبل سے ہے اور اس میں وہ خبریں بھی شامل ہیں جن کا تعلق یوم حشر اور اس کے بعد سے ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انتہائی دیانتداری سے اللہ تعالیٰ کے دین

(کتاب وسنت) کو نبی اکرم ﷺ سے حاصل کر کے امت کو منتقل کیا ہے۔ اب جس شخص کو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت وامانت پر اعتماد نہیں ہوگا۔ اس کے لئے نہ تو قرآن قابل اعتماد ہے اور نہ ہی سنت کیونکہ دونوں ماخذ امت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطہ سے حاصل ہوئے ہیں۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قابل اعتماد ہونا (**Credibility**) مجروح ہو جائے تو دین مجروح ہوگیا اور دشمنان اسلام نے عدالت صحابہ کو ہی نشانہ بنایا۔

احادیث کیوں وضع کی گئیں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں دشمنان اسلام بالخصوص یہود اس بات سے تو مایوس ہوگئے کہ اسلام کو کھلے میدان میں شکست دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے طریقہ واردت تبدیل کر کے اندر سے حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا جو مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے دشمنان اسلام نے عبداللہ بن سبا کی سرکردگی میں منافقانہ طور پر اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا کے گروہ نے احادیث وضع کر کے پھیلانا شروع کردیں۔ جن سے یہ ثابت ہوسکے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان ہی مشکوک تھا اور یہ کہ نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد وہ سب (سوائے تین یا چار کے) مرتد ہوگئے تھے۔ خلافت جو کہ نبی اکرم ﷺ کے خاندان بالخصوص ان کے عم زاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا۔ انہوں نے غصب کرلیا اور خاندان نبوت کے دشمن بن گے۔ عبداللہ بن سبا کے متبعین نے ہی نظریہ امامت پیش کیا اور امام کے معصوم عن الخطا ہونے کی تبلیغ کی اور اس مقصد کے لئے وسیع پیمانے پر احادیث وضع کی گئیں اور یہ کام صرف وہی لوگ کرسکتے تھے جن کا نہ اللہ پر ایمان تھا اور نہ اللہ کے رسول ﷺ پر چنانچہ جو لوگ ان سے متاثر ہوئے ان کا یہ حال ہوگیا کہ ان کے نزدیک اصل قرآن تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور انہوں نے اسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس قرآن کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور اب یہ قرآن ان کے بارھویں امام (امام مہدی) کے پاس ''سرمن رائے'' کی غار میں ہے۔ جب وہ ظاہر ہوں گے تو قرآن کو بھی لے آئیں گے۔ جو قرآن مسلمانوں کے پاس ہے اس کو محرف تسلیم کرنا ان کے لئے ضروریات دین میں سے ہوگیا۔

دوسری صدی ہجری میں عباسیوں نے جب بنوامیہ کی حکومت کے خلاف بغاوت کی تیاریاں کیں تو ان کے حامیوں کو بھی عباسیوں کے حق میں اور بنوامیہ کے خلاف احادیث وضع

کرنے کی ضرورت پیش آئی اور مسلمانوں کو بنوامیہ کے خلاف استعمال کرنے کے لئے ان کو وسیع پیمانے پر پھیلایا گیا۔

میں یہ بات بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ تمام موضوع احادیث کا تعلق اخبار سے ہے۔ لیکن سوال یہ ہے جس کا جواب علامہ تمنا عمادی اور ان کے ہم نواؤں کے ذمہ ہے کہ نزول مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو احادیث ہیں ان کو کس نے وضع کیا اور کس مقصد کے لئے ان کو استعمال کیا؟ کیا ان احادیث کو سبائیوں نے نظریہ امامت کی تائید میں استعمال کیا؟ جواب نفی میں ہے۔ کیا ان کو عباسیوں نے امویوں کے خلاف استعمال کیا؟ جواب نفی میں ہے۔

تیسری صدی ہجری کے آغاز میں کتب احادیث کو مرتب کر دیا گیا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۵۴ھ میں ہوا اور وہ اس سے قبل صحیح بخاری مرتب کر چکے تھے۔ دوسری کتب احادیث کی صورت بھی یہی ہے۔ تیسری صدی ہجری کے اوائل سے لے کر آج تک کتب احادیث ہم تک تواتر سے پہنچی ہیں۔ کسی کا بھی یہ نقطۂ نظر نہیں ہے کہ کتب احادیث مرتب ہونے کے بعد تاریخ کے کسی دور میں ان میں تحریف کی گئی ہے۔ جو احادیث بھی وضع ہوئی ہیں وہ پہلی دو صدیوں میں ہی وضع کی گئی ہیں اور خاص مقاصد کے حصول کے لئے وضع کی گئی ہیں اور ان سے جو فائدہ اٹھانا مقصود تھا وہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اٹھالیا گیا تھا۔ نظریہ امامت کو ممکن حد تک پھیلایا جا چکا تھا اور امویوں کا تختہ بھی الٹا جا چکا تھا۔

نزول مسیح علیہ السلام کے بارے میں احادیث کو جو شخص بھی موضوع سمجھتا ہے خواہ علامہ تمنا عمادی ہوں یا مولانا قمر احمد عثمانی۔ یہ بتانا ان کا فرض ہے کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں ان احادیث کو وضع کر کے کس نے کیا مقصد حاصل کیا۔ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں یہ احادیث کس نے اس لئے تو وضع نہیں کی تھیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی ان احادیث کی بنیاد پر مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ پہلی اور دوسری صدی میں کسی نے نہ تو مسیح ہونے کا دعویٰ کیا نہ ہی مثیل مسیح ہونے کا اور نہ ہی ان احادیث سے کسی گروہ نے کوئی سیاسی یا دنیوی فائدہ اٹھایا۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ بغیر کسی **Motive** کے کسی نے بھی احادیث وضع نہیں کی تھیں۔ چونکہ تاریخ سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ نزول مسیح کے بارے میں احادیث وضع کر کے کسی نے کوئی مقصد حاصل کیا تھا تو ایک عام آدمی (**Layman**) کی حیثیت سے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ یہ احادیث موضوع نہیں ہیں۔ خواہ تمنا عمادی یا ان کے ہم نوا ان احادیث کے راویوں کو کمزور ہی کیوں نہ ثابت کریں۔ میرے لئے یہ آسان ہے کہ ان راویوں کو جھوٹا سمجھنے کی بجائے میں مولانا عمادی اور

جناب عثمانی کو غلط سمجھ لوں۔

نزول مسیح علیہ السلام کے بارے میں احادیث کا موضوع ہونا اس صورت میں بھی تسلیم کیا جاسکتا تھا اگر یہ احادیث قرآن کریم سے متصادم ہوتیں لیکن ایسا ہے نہیں۔ میں تو حیات مسیح علیہ السلام کو قرآن کریم سے ہی **Infer** کرتا ہوں۔ اس لئے مجبور ہوں کہ ان احادیث کو صحیح تسلیم کرلوں۔

نزول مسیح کے بارے میں احادیث کو قادیانی حضرات بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے قادیانی امت سے بھی کچھ عرض کرنا ہے۔ ذیل میں اس موضوع پر تین احادیث درج کرتا ہوں۔

۱...... ’’حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے عنقریب ابن مریم تم میں اتریں گے حاکم عادل ہوکر پھر وہ صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کرا دیں گے۔ لڑائی کو موقوف کردیں گے۔ مال اس قدر فراواں ہوگا کہ کوئی شخص قبول نہ کرے گا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ ساری نعمتوں سے بہتر ہوگا پھر ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ تم اس کی تصدیق چاہتے ہوتو پڑھ لو یہ آیت: ہر ایک اہل کتاب مرنے سے پہلے اس پر ایمان لائے گا اور دن قیامت کے وہ ان پر گواہ ہوگا۔‘‘

(صحیح بخاری، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

۲...... حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمﷺ نے فرمایا کہ میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں اور تحقیق وہی اترنے والے ہیں جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا۔ ان کا چہرہ سرخی سفیدی لئے ہوگا۔ دو رنگدار چادروں کے درمیان ان کا چہرہ سرخی سفیدی لئے ہوگا۔ دو رنگدار چادروں کے درمیان ان کا سر (چمک سے) قطرے گراتا معلوم ہوگا۔ اگرچہ اسے پانی نہ ملا ہو۔ پھر وہ اسلام کی حمایت میں قتال کریں گے لوگوں سے۔ پس صلیب کو پاش پاش کردیں گے اور خنزیر کو قتل کردیں گے۔ پھر چالیس سال تک زمین میں رہیں گے۔ پھر فوت ہوں گے اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے۔ (ابوداؤد ج۲ ص۲۸)

۳...... عمر بن عاص کے بیٹے عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام زمین پر اتریں گے۔ پس نکاح کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی اور پینتالیس سال تک رہیں گے۔ پھر فوت ہوں گے اور میرے پاس میرے مقبرے میں دفن ہوں گے اور پھر میں اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی مقبرے سے اٹھیں گے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان۔

(مشکوٰۃ ص۴۸۰، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

اب قادیانی حضرات یہ فیصلہ کرلیں کہ یہ احادیث صحیح ہیں یا موضوع۔ اگر تو قادیانی امت یہ فیصلہ کرلے کہ یہ احادیث صحیح ہیں تو ان میں کسی مثیل مسیح کا نہیں عیسیٰ ابن مریم کا ذکر ہے اور وہ نسل انسانی میں ایک ہی شخصیت ہیں۔ لہٰذا مثیل مسیح کا نظریہ ایک ڈھوسلہ ہے اور اگر ان کے نزدیک یہ احادیث موضوع ہیں تو قصہ ہی ختم ہوگیا۔ پھر تو نہ کسی مسیح نے آنا ہے اور نہ کسی مثیل مسیح نے آنا ہے۔ قصہ کوتاہ شد ورنہ دردسر بسیار بود۔

حرف آخر

میں نے گزشتہ صفحات میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے دور نبوت ورسالت میں انبیائے سابقین میں سے کسی کا زندہ ہونا یا زندہ ہو جانا نبی اکرم ﷺ کی خاتم النّبیین کی حیثیت (Status) کو متاثر نہیں کرتا۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا دور نبوت اور رسالت تا قیام قیامت ہے اور اس وجہ سے اب تا قیام قیامت نبی اکرم ﷺ ہی پوری نسل انسانی کے لئے مطاع ہیں اور انبیائے سابقین میں سے اگر کوئی زندہ ہے (جیسا کہ ہے) تو اس کے لئے بھی نبی اکرم ﷺ ہی مطاع ہیں۔

اس مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کردے جیسا کہ بہاء اللہ نے ایران میں اور مرزا غلام احمد قادیانی نے برصغیر ہندوستان میں کردیا ہے تو اس کے اثرات کیا ہوں گے۔ اس سوال پر غور کرنے سے قبل یہ مناسب ہے کہ نبوت کی تعریف معلوم کرلی جائے۔

نبوت کی تعریف

اگرچہ ہم سب اس بات کا شعور رکھتے ہیں کہ نبوت کیا ہے۔ لیکن اس کو الفاظ میں بیان کرنا اتنا سہل نہیں۔ پنجاب یونیورسٹی نے ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' کے نام سے جو انسائیکلوپیڈیا مرتب کی ہے۔ اس کی جلد۲۲ کے ص۹۵ پر نبوت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: ''نبوت، مادہ نباء بعض نے ن.ب.ی بھی تجویز کیا ہے۔ نبوت کے لغوی معنی ہیں ارتفاع، بلندی، رفعت، علو، اونچی شان بلند منصب کی وجہ سے نبوت کہا گیا۔ نبوت ایک ایسا منصب ہے جو کسبی نہیں یعنی اپنی کوشش یا ریاضت سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہبی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور

اس کی بخشش وموہبت ہے۔ اللہ تعالیٰ دین اور اپنے احکام واوامر بندوں تک پہنچانے کے لئے کسی برگزیدہ بندے کو منتخب فرما کر نبوت کے بلند منصب پر فائز کر دیتے ہیں۔ امام راغب کے مطابق نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان دنیوی اور اخروی فلاح کے لئے سفارت ہے۔ منصب نبوت کے ساتھ عام طور پر تین چیزوں کو وابستہ کیا جاتا ہے۔(۱) بعض غیبی امور پر من جانب اللہ اطلاع، (۲) خوارق کا ظہور یعنی خلاف عادت واقعات کا اظہار، (۳) فرشتوں کے ذریعہ وحی الٰہی کی آمد یا فرشتوں کو مختلف صورتوں میں دیکھنا یا ان کی آمد ورفت اور موجودگی کو محسوس کرنا۔‘‘

تنقیحات

نبوت کی اس تعریف سے درج ذیل تنقیحات واضح ہوتی ہیں:

۱...... نبوت ایک منصب ہے۔

۲...... اس منصب پر اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے انعام کے طور پر اپنے جس بندے کو پسند کرتا ہے مبعوث (Appoint) کر دیتا ہے۔

۳...... یہ منصب کوشش سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

۴...... اس منصب پر جب کوئی بندہ مبعوث ہوجاتا ہے تو اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے احکام اپنے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ یعنی منصب نبوت پر فائز شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بن جاتا ہے اور اسی کے ذریعہ اللہ کی رضا معلوم کی جاسکتی ہے۔

منصب نبوت کے تقاضے

اب ہم معلوم کرتے ہیں کہ منصب نبوت کے منطقی تقاضے کیا ہیں:

(۱) منصب نبوت پر فائز شخص کو اپنی حیثیت کے بارے میں کبھی شبہ نہیں ہوتا یعنی نبی اپنی نبوت پر سب سے پہلے خود ایمان لاتا ہے اور اس کے بعد دوسروں کو اسی ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے برعکس مرزا غلام احمد قادیانی کے بقول کہ اللہ تعالیٰ انہیں نبی کہتا رہا اور وہ اس سے انکار کرتے رہے۔ تا آنکہ مرزا قادیانی پر بارش کی طرح وحی ہوئی تو انہیں یقین آیا کہ وہ نبی ہیں۔

چنانچہ مرزا قادیانی اپنی کتاب (حقیقت الوحی ص۱۴۹، خزائن ج۲۲ ص۱۵۳) پر لکھتے ہیں:

’’اگرچہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر

خدااور رسول نے دی تھی۔ مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ اس لئے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل کرنا نہ چاہا۔ بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا لیکن بعد اس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی الٰہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا تو ہی ہے۔''

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ مرزاغلام احمد قادیانی کا سالہا سال تک سمجھ ہی نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ ان کو مسیح موعود مبعوث کر رہا ہے۔ تنگ آ کر اللہ تعالیٰ کو بارش کی طرح مرزا قادیانی پر وحی نازل کرنا پڑی۔ تب جا کر مرزا قادیانی کو یقین آیا۔ دوسرے لفظوں میں جب تک وحی کی بارش نہیں ہوئی مرزا قادیانی اپنی نبوت پر ایمان نہیں لائے۔ لیکن یہ بارش کس روز ہوئی؟ کسی قادیانی کو معلوم نہیں اور نہ ہی مرزا قادیانی کے مجموعہ الہامات (جو ''تذکرہ'' کے نام سے چھپا ہے) سے معلوم ہوتا ہے۔ مرزاغلام احمد قادیانی اپنی نبوت پر بارہ سال تک ایمان نہیں لائے اور یہ عرصہ حالت کفر میں ہے۔

(۲) نبی سے قبل از بعثت بھی کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا جس کی بعد از نبوت اسے ممانعت کا اعلان کرنا ہو۔ ورنہ اس کا اعتبار ہی قائم نہیں ہوگا۔ جب کہ اعتبار اور ساکھ ہی نبوت کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتا ہے۔ مثلاً نبی کی اپنی قوم اور اس کا اپنا خاندان اگر مشرک ہے پھر بھی زندگی کے کسی بھی حصہ میں شرک میں مبتلا نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام باوجود اس کے ان کی قوم اور خاندان بت پرست تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نوعمری میں بھی بت شکنی ہی کی اور نہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ایک نبی زندگی کے کسی بھی حصہ میں بت پرستی کی تو مذمت کرے لیکن بت پرست حکمرانوں کی تعریف کرے۔ جیسے مرزاغلام احمد قادیانی کہ مدعی تو ہیں صلیب توڑنے کے لیکن صلیب پرست حکمرانوں کی زندگی بھر چاپلوسی کرتے رہے اور اس معاملہ میں پیشہ ور قصیدہ گو حضرات کو بھی مات کر دیا۔ مثلاً مرزاغلام احمد قادیانی اپنی تالیف ''ستارہ قیصرہ'' میں برطانوی ملکہ وکٹوریہ کو مخاطب کرتے ہیں: ''اے ملکہ معظمہ قیصرہ ہند! خدا تجھے اقبال اور خوشی کے ساتھ عمر میں برکت دے۔ تیرا عہد کیا ہی مبارک ہے کہ آسمان سے خدا کا ہاتھ تیرے مقاصد کی تائید کر رہا ہے۔ تیری ہمدردی رعایا اور نیک نیتی کی راہوں کو فرشتے صاف کر رہے ہیں۔ تیرے عدل کے لطیف بخارات بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں تاکہ سب ملک رشک بہار بنادیں۔''

’’اے قیصرہ وملکہ معظّمہ! ہمارے دل تیرے لئے دعا کرتے ہوئے جناب الٰہی میں جھکتے ہیں اور ہماری روحیں تیرے اقبال اور سلامتی کے لئے حضرت احدیت میں سجدہ کرتی ہیں۔ اے اقبال مند قیصرہ ہند ہم تیرے وجود کو اس ملک کے لئے خدا کا ایک بڑا فضل سمجھتے ہیں اور ہم ان الفاظ کے نہ ملنے پر شرمندہ ہیں جن سے ہم اس شکر کو پورے طور پر ادا کر سکتے ہیں……

خداتعالیٰ تیری آنکھیں مرادوں کے ساتھ ٹھنڈی رکھے اور تیری عمر اور صحت اور سلامتی میں زیادہ سے زیادہ برکت دے اور تیرے اقبال کا سلسلہ ترقیات جاری رکھے اور تیری اولاد اور ذریت کو تیری طرح اقبال کے دن دکھائے اور فتح اور ظفر عطاء کرتا رہے۔‘‘

(تحفہ قیصریہ ص۱۴،۱۵، خزائن ج۱۲ ص۲۶۶،۲۶۷)

مرزاغلام احمد قادیانی کا زندگی بھر یہی طرز عمل رہا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے انگریوں (صلیب پرستوں) کی تعریف میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ ان سے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔ اگرچہ مرزاغلام احمد قادیانی اس بات کے مدعی تھے کہ وہ صلیب کو توڑنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ لیکن انہوں نے صلیب پرست انگریز حکمرانوں کی اطاعت کو اپنی شرائط بیعت میں شامل کر لیا۔ چنانچہ اپنی کتاب جس کا نام مجموعہ اشتہارات ہے۔ اس کی جلد۲ ص۴۶۵ پر تحریر کرتے ہیں: ’’میں سرکار انگریزی کا بدل وجان خیرخواہ ہوں اور میں ایک شخص امن دوست ہوں اور اطاعت گورنمنٹ اور ہمدردی بندگان خدا کی میرا اصول ہے اور یہ وہی اصول ہے جو میرے مریدوں کی شرائط بیعت میں داخل ہے۔ چنانچہ پرچہ شرائط بیعت جو ہمیشہ مریدوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اس کی دفعہ چہارم میں ان ہی باتوں کی تصریح ہے۔‘‘

یہ دورخا پن مرزاغلام احمد قادیانی کی ہی خصوصیت ہے کہ دعویٰ صلیب شکنی کا کریں اور ترغیب دیں صلیب پرستوں کی اطاعت کی۔

(۳) جب کوئی اللہ کا بندہ منصب نبوت پر سرفراز ہو جاتا ہے تو اس کا ہر قول وفعل اس پر ایمان لانے والوں کے لئے حجت ہو جاتا ہے۔ انبیائے سابقین میں سے جس کی وہ توثیق کرے اس کا اتباع کرنے والے صرف اسی کو صادق تسلیم کریں گے۔ انبیائے سابقین کی تعلیم میں سے وہ جو چاہے منسوخ کرے جو چاہے باقی رکھے۔ مثلاً ہم مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول تسلیم کرتے ہیں اور یونی ٹیرین عیسائی بھی انہیں اللہ تعالیٰ کا رسول ہی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ایک یونی ٹیرین عیسائی کے ایمان اور ایک مسلمان کے ایمان میں بنیادی فرق ہے اور وہ فرق

یہ ہے کہ مسلمان اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں تو نبی اکرم ﷺ کی سند پر نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی سند پر۔ اگر نبی اکرم ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نہ کی ہوتی تو مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی رسول تسلیم نہ کرتے اور ان کے بارے میں یہود کے ہمنوا ہوتے۔ اب جو شخص بھی مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت کو تسلیم کرتا ہے وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ اس کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کا قول وفعل ہی معیار حق ہے نہ کہ نبی اکرم ﷺ کا قول وفعل۔ اگر ایک قادیانی قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کرتا ہے تو مرزا غلام احمد قادیانی کی سند پر نہ کہ نبی اکرم ﷺ کی سند پر۔ اگر نبی اکرم ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نہ کی ہوتی تو مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی رسول تسلیم نہ کرتے اور ان کے بارے میں یہود کے ہمنوا ہوتے۔ اب جو شخص بھی مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کو تسلیم کرتا ہے وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ اس کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کا قول وفعل ہی معیار حق ہے نہ کہ نبی اکرم ﷺ کا قول وفعل۔ اگر ایک قادیانی قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کرتا ہے تو مرزا غلام احمد کی سند پر نہ کہ نبی اکرم ﷺ کی سند پر۔ اسی طرح جو شخص بہاء اللہ ایرانی کے دعویٰ رسالت کو تسلیم کرتا ہے وہ بھی اگر نبی اکرم ﷺ کی نبوت کو اور قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتا ہے تو بہاء اللہ کی سند پر۔ بہاء اللہ کے دعویٰ میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ اس کا اعلان ہی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اب بہاء اللہ کا دور ہے۔ اب حق وہ ہے جو بہاء اللہ لائے ہیں نہ کہ وہ جو محمد رسول اللہ ﷺ لائے تھے اور یہ ایک منطقی بات ہے۔ قطع نظر اس کے کہ بہاء اللہ اپنے دعویٰ میں صادق ہے یا نہیں جو شخص بھی بہاء اللہ پر ایمان لائے گا وہ ماقبل کے انبیاء پر ایمان بہاء اللہ کی سند پر ہی لائے گا۔ اگرچہ قادیانی حضرات کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن وہ اس معاملہ میں غلط بیانی کرتے ہیں جو ان کی مجبوری ہے۔ میں بہاء اللہ کی ایک تحریر جو اس نے نپولین ثالث کو لکھی تھی سے ایک اقتباس نقل کرتا ہوں جو قادیانی نقطۂ نظر کی تکذیب کے لئے کافی ہے۔

''کہہ کہ کیا تم لوگ اس پر اعتراض کرتے ہو جو کھلے کھلے نشان اور برہان، حجت اور آیات الٰہی لے کر آیا ہے۔ یہ باتیں اس کے نفس کی جانب سے نہیں ہیں بلکہ اس خدا کی طرف سے ہیں جس نے اس کو مبعوث کیا۔ سچائی کے ساتھ بھیجا اور تمام جہانوں کے لئے چراغ روشن بنایا۔'' (تربیت عالم تالیف چوہدری محمد عبدالرحمٰن ص ۳۱۱)

بہاء اللہ کی مندرجہ بالا تحریر سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس کا دعویٰ رسول مبعوث ہونے کا ہے۔ بہائی حضرات اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ بہائیوں کا پیغام یہ نہیں ہے کہ بہاء اللہ کو خدا تسلیم کرو ورنہ وہ آپ کو جہنم میں داخل کر دے گا۔ ان کی دعوت یہ ہے کہ بہاء اللہ کو اللہ کا رسول تسلیم کرو اور اس کی شریعت پر عمل کرو۔ ہوسکتا ہے کہ بہاء اللہ کی کسی تحریر سے یہ مطلب نکالا جاسکتا ہو کہ بہاء اللہ اور خدا ایک ہیں جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ پیغام بائبل میں مذکور ہے کہ ''وہ اور باپ ایک ہیں'' لیکن اس طرح کی کسی عبارت سے یہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ بہاء اللہ نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ بہائیوں کی دعوت کیا ہے اور ان کا پیغام کیا ہے۔ مرزاغلام احمد قادیانی نے بھی اس طرح کی عبارتیں لکھی ہیں۔ مثلاً: ''میں نے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اور میرا اپنا کوئی ارادہ اور کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا۔''

''خدا تعالیٰ میرے وجود میں داخل ہوگیا اور میرا غضب اور حلم اور تلخی اور شیرینی اور حرکت اور سکون سب اسی کا ہوگیا اور اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے تو آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب اور تفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا۔''

(تذکرہ ص۱۹۳)

بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی کہ مرزاغلام احمد قادیانی نے کشف میں خود کو خدا سمجھا اور زمین وآسمان بھی تخلیق کئے۔ وہ اس سے آگے نکل گئے۔ قاضی یار محمد ایڈووکیٹ کانگڑہ جو مرزا قادیانی پر ایمان لے آیا تھا اپنی کتاب (اسلامی قربانی ص۱۲) لکھتا ہے: ''جیسا کہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی طاقت کا اظہار فرمایا تھا۔''

اس کے باوجود قادیانی حضرات نہ تو یہ دعوت دیتے ہیں کہ مرزاغلام احمد قادیانی کو خدا تسلیم کرو اور نہ ہی ان کا یہ پیغام ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی کو خدا کی بیوی تسلیم کرو۔ بالکل اسی طرح بہائی حضرات بھی یہ دعوت نہیں دیتے کہ بہاء اللہ ایرانی کو خدا تسلیم کرو۔ وہ بہاء اللہ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ نہ تو خود کو مسلمان کے طور پر متعارف کرواتے ہیں اور نہ ہی اپنے مذہب کو اسلام کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ ایک منطقی طرز عمل ہے۔ جب وہ ایک نئی نبوت پر ایمان لے آئے تو انہوں

نے اسلام سے نکل جانے کا اعلان کردیا اور اپنے مذہب کا نام بھی نیا تجویز کرلیا۔ اب مسلمانوں میں سے جو بھی ان کے مذہب کو قبول کرتا ہے وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ وہ مسلمانوں کے ہی ایک فرقہ سے نکل کر دوسرے فرقے میں داخل ہورہا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نیا مذہب اختیار کر رہا ہے جو اسلام سے مختلف ہے۔

غیر منطقی مؤقف

قادیانی حضرات کو منطقیت سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ وہ بیک وقت مرزاغلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کو خاتم النّبیین بھی تسلیم کرتے ہیں اور خاتم کا مطلب آخری نہیں بلکہ مہر لیتے ہیں۔ یعنی اب نبی صرف وہی ہوگا جس پر نبی اکرم ﷺ کی مہر لگی ہوگی اور مہر کا مطلب اطاعت ہے۔ یعنی مرزاغلام احمد قادیانی نے نبی اکرم ﷺ کی اس قدر اطاعت کی کہ اس کے نتیجہ میں انہیں نبوت مل گئی۔ قادیانی حضرات جس الجھن سے دوچار ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی نے جتنی دفعہ نبی ہونے کا اقرار کیا ہے اتنی دفعہ ہی انکار بھی کیا ہے۔ مثلاً وہ ۲؍اکتوبر ۱۸۹۱ء کے ایک اشتہار میں لکھتے ہیں: ’’گزارش ضروری یہ ہے کہ عاجز مؤلف براہین احمدیہ حضرت قادر مطلق جل شانہ سے مامور ہوا ہے کہ نبی ناصری اسرائیلی (مسیح) کی طرز پر کمال مسکینی اور فروتنی وغربت وتذلل وتواضع سے اصلاح خلق کے لئے کوشش کرے۔‘‘

(مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل ص۲۰)

مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنے کاروبار کا آغاز ایک مصلح کے طور پر کیا جیسا کہ مذکورہ بالا اشتہار سے ظاہر ہے لیکن ساتھ ہی اپنے نبی ہونے کا اعلان بھی برابر کرتے رہتے تھے۔ جب تک ان کے متبعین کی تعداد کم تھی اور ان کی شکارگاہ مسلمان ہی تھے۔ جو ختم نبوت پر ایمان رکھتے تھے اس لئے جب بھی کسی طرف سے گرفت ہوتی فوراً تردید کردیتے لیکن تردید میں اس بات کی گنجائش رکھتے کہ آئندہ بھی حسب ضرورت اپنے دعویٰ کا اعادہ کرتے رہیں۔ مثلاً: ’’تمام مسلمانوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس عاجز کے رسالہ فتح اسلام وتوضیح مرام وازالہ اوہام میں جس قدر ایسے الفاظ موجود ہیں کہ محدث ایک معنی میں نبی ہوتا ہے یا یہ کہ محدثیت جزوی نبوت ہوتی ہے یا یہ کہ نبوت ناقصہ ہے یہ تمام الفاظ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں بلکہ صرف سادگی سے ان کے لغوی معنوں کی رو سے بیان کئے گئے ہیں ورنہ حاشا وکلا مجھے نبوت حقیقی کا ہرگز دعویٰ نہیں۔‘‘

(مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل ص۳۱۳)

نبوت صرف نبوت ہوتی ہے۔ایک شخص نبی ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔نبوت نہ تو ناقص ہوتی ہے نہ غیر حقیقی۔نہ ظلی نہ بروزی نہ جزوی۔مرزاغلام احمد قادیانی نے یہ تمام الفاظ صرف مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے استعمال کئے اور بالآخر مرزاغلام احمد قادیانی نے کمال سادگی سے خود کو نبی اکرم ﷺ کے مقام تک پہنچا دیا اور اعلان کر دیا۔ ''اگر کوئی شخص اسی خاتم النّبیین میں ایسا گم ہو کہ بباعث نہایت اتحاد اور نفی غیریت کے اسی کا نام پالیا ہو اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرہ کا اس میں انعکاس ہو گیا ہو تو وہ بغیر مہر توڑے نبی کہلائے گا۔کیونکہ وہ محمد ہے۔گو ظلی طور پر پس باوجود اس شخص کے دعویٰ نبوت کے جس کا نام ظلی طور پر محمد اور احمد رکھا گیا۔پھر بھی سیدنا محمد خاتم النّبیین ہی رہا کیونکہ یہ محمد ثانی اسی محمد ﷺ کی تصویر اور اسی کا نام ہے۔'' (مجموعہ اشتہارات حصہ سوم ص۴۳۴)

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ مرزاغلام احمد قادیانی جو ایک مصلح کے طور پر شروع ہوا۔ ''کمال سادگی'' سے محمد رسول اللہ ﷺ کی نشست پر مسند نشین ہو گیا اور اب خاتم النّبیین مرزاغلام احمد قادیانی ہے نہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ۔اب حق وہ ہے جو مرزاغلام احمد قادیانی کہے گا یا کرے گا نہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا قول وفعل۔اب قرآن اگر اللہ کا کلام ہے تو اس لئے کہ مرزاغلام احمد قادیانی اس کی گواہی دیتا ہے نہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ۔اب مرزاغلام احمد قادیانی کی وہی حیثیت ہے جو اس سے قبل محمد رسول اللہ ﷺ کی تھی۔اب مرزاغلام احمد قادیانی کا انکار ایسا ہی کفر ہے جیسا کہ اس سے قبل محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار کفر تھا۔اس بات کو مرزاغلام احمد قادیانی نے بالکل واضح کر دیا ہے۔وہ اپنی کتاب ''حقیقت الوحی'' میں لکھتا ہے: کفر دو قسم کے ہیں:

''(اوّل) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔(دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے۔اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔''

(حقیقت الوحی ص۱۷۹، خزائن ج۲۲ ص۱۸۵)

اب ایک قادیانی کے نزدیک مرزاغلام احمد قادیانی اسی مقام ومنصب پر فائز ہے جو مسلمانوں کے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔اگر کوئی قادیانی اس سے انکار کرتا ہے تو وہ یا تو خود کو فریب دے رہا ہوتا ہے یا دوسروں کو فریب دینے کی کوشش کرتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ فریب کا دوسرا نام قادیانیت ہے۔ایک قادیانی کے نزدیک کس طرح محمد رسول اللہ ﷺ اور مرزاغلام احمد قادیانی میں فرق نہیں ہے۔اس کو ایک مساوات کے ذریعہ سمجھتے ہیں۔

مساوات کا ایک سوال

$$2 + 2 = 4$$

$$1 + 3 = 4$$

پس ثابت ہوا کہ

$$1 + 3 = 2 + 2$$

مساوات کا دوسرا سوال

مرزا غلام احمد قادیانی کا انکار = کفر

محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار = کفر

مرزا غلام احمد قادیانی کا انکار = محمد رسول اللہ ﷺ کا انکار

پس ثابت ہوا:

مرزا غلام احمد = محمد رسول اللہ ﷺ

میں قادیانی امت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ مساوات کے مذکورہ بالا حل شدہ سوال کو غلط ثابت کر سکتے ہیں تو کریں۔ چونکہ قادیانی امت کے نزدیک مرزا غلام احمد قادیانی اسی مقام ومنصب پر فائز ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ اس لئے قادیانی امت مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ حق تسلیم کرتی ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیم میں جو تبدیلی چاہے کر دے یا پوری تعلیم کی تصدیق کر دے۔ اسی طرح وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو یہ حق حاصل ہے کہ قرآن کریم میں جو تبدیلی چاہے کر دے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتب میں قرآن مجید کی جو آیات تحریف کر کے نقل کی ہیں اس کو قادیانی امت نے جوں کا توں رکھا ہوا ہے۔ جس کی کچھ تفصیل یہ ہے:

(۱) قرآن مجید میں سورۂ الحجر کی آیت:۸۷ اس طرح ہے: ''لقد آتینک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم''

مرزا قادیانی نے اس آیت کو اپنی کتاب براہین احمدیہ کی پہلی فصل کے ص۵۸۰ پر اس طرح نقل کیا ہے: ''ان اتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم''

مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ کتاب براہین احمدیہ پہلی دفعہ ۱۸۸۰ء میں طبع ہوئی اور اس کے بعد متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن قادیانی امت نے اس آیت مبارکہ کو درست نہیں

کیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک مرزا قادیانی نے قرآن کی آیت مبارکہ کی اصلاح کی جس کا اس کو حق حاصل تھا۔

(۲) قرآن مجید میں سورۂ ہے انفال کی آیت:۲۹ اس طرح ہے: ’’**یا ایھا الذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا ویکفر عنکم سیاٰتکم ویغفرلکم واللہ ذوالفضل العظیم**‘‘

اس آیت مبارکہ کو مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام ص۱۵۵ پر اس طرح درج کیا ہے: ’’**یا ایھا الذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً ویکفر عنکم سیئاٰتکم ویجعل لکم نورًا تمشون بہ**‘‘

مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ کتاب بھی پہلی دفعہ ۱۸۸۳ء میں طبع ہوئی اور اب تک اس کو کئی دفعہ طبع کیا جاچکا ہے۔ لیکن اس آیت کو درست نہیں کیا گیا۔ وجہ یہی ہے کہ قادیانی امت کے نزدیک مرزا قادیانی کو یہ حق حاصل تھا کہ قرآن مجید میں جو تبدیلی چاہے کردے۔

(۳) سورۂ حج کی آیت:۵۲ قرآن مجید میں اس طرح ہے: ’’**وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنّٰی القی الشیطٰن فی امنیتہ فینسخ اللّٰہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللّٰہ آیٰتہ واللّٰہ علیم حکیم**‘‘

مرزا غلام احمد قادیانی نے اسی آیت مبارکہ کو اپنی کتاب (براہین احمدیہ ص۶۵۵) پر اس طرح درج کیا ہے: ’’**وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث الا اذا تمنّٰی القی الشیطٰن فی امنیتہ فینسخ اللّٰہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللّٰہ آیاتہ**‘‘

باوجود اس کے کہ براہین احمدیہ کے کئی ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ قادیانی امت نے اس آیت مبارکہ کو درست نہیں کیا۔

سورۂ حج کی اسی آیت مبارکہ کو مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب (ازالہ اوہام حصہ دوم ص۶۲۹، خزائن ج۳ ص۴۳۹) پر اس طرح درج کیا ہے: ’’**وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا اذا تمنّٰی القی الشیطان فی امنیتہ**‘‘

اس کتاب میں بھی اس آیت مبارکہ کو آج تک درست نہیں کیا گیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ کتب (جن میں قرآن مجید کی آیات کو تحریف کر کے درج کیا گیا ہے) کے کئی ایڈیشن طبع ہوچکے ہیں اور قادیانی امت نے ان کو درست نہیں کیا۔ کیوں؟

اس لئے کہ قادیانی امت مرزاغلام احمد قادیانی کا یہ حق تسلیم کرتی ہے کہ وہ قرآن مجید میں تبدیلی کر سکتا ہے اور جو تبدیلی اس نے کی ہے اس کو قادیانی امت نے اسی طرح قائم رکھا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قادیانی حضرات قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ان آیات کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنی کتب میں تحریف کر کے لکھا ہے۔ (اب خزائن میں قادیانیوں نے امت محمدیہ کے تعاقب سے خوفزدہ ہو کر تصحیح کر دی ہے۔ مرتب)

مرزاغلام احمد کا اصل دعویٰ

مرزاغلام احمد قادیانی کا اصل دعویٰ بھی یہ ہے کہ وہ آخری نبی ہے۔ اگرچہ اس نے الفاظ یہ استعمال نہیں کئے۔

۱...... مرزاغلام احمد قادیانی اپنی کتاب (کشتی نوح ص۵۶، خزائن ج۱۹ ص۶۱) پر لکھتا ہے: ’’مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں۔ میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے۔ کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔‘‘

مرزاغلام احمد قادیانی کی کتاب ’’کشتی نوح‘‘ ۱۹۰۲ء میں طبع ہوئی ہے۔ مذکورہ بالا عبارت میں ’’آخری راہ‘‘ سے مراد ’راہ نبوت‘ اور ’’آخری نور‘‘ سے مراد ’’نور نبوت‘‘ ہے۔

۲...... مرزاغلام احمد قادیانی نے اگرچہ چھوٹی بڑی اسّی (۸۰) کتب چھوڑی ہیں۔ اگر وہ اس بات کا قائل نہ ہوتا کہ وہ آخری نبی ہے تو وہ اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت دیتا اور اپنی امت کو اس کی نشانیاں بتاتا تا کہ وہ اسے پہچان سکے۔ لیکن اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔

۳...... قادیانی امت بھی کسی نئے نبی کی منتظر نہیں ہے اور مرزاغلام احمد قادیانی کو ہی آخری نبی سمجھتی ہے۔

میں نے بہائی حضرات کا نقطہ نظر معلوم کرنے کے لئے لاہور کے بہائی مرکز سے رجوع کیا۔ ان کا نقطۂ نظر مجھے یہ بتایا گیا کہ بہائیوں کے نزدیک نبی اکرم ﷺ پر نبوت ختم ہوئی ہے۔ رسالت ختم نہیں ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ خاتم النّبیین تو ہیں ختم الرسل نہیں ہیں۔ نبوت و رسالت میں فرق بہائیوں کے نزدیک یہ ہے۔ رسول نئی شریعت لے کر آتا ہے جب کہ نبی گزشتہ شریعت کا اتباع کرتا ہے۔ بہائیوں کے نزدیک بہاء اللہ، اللہ کا رسول ہے اور نئی شریعت لے کر آیا ہے اور اس نے نبی اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس کے جواب میں

جب میں نے یہ عرض کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف رسول مبعوث ہوئے تھے اور وہ کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے تو اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

نبوت و رسالت میں فرق

اس موقع پر نبوت اور رسالت میں جو فرق علمائے کرام سے میں نے سمجھا ہے وہ عرض کر دوں تو مناسب رہے گا۔

نبوت کی تعریف تو میں عرض کر ہی چکا ہوں۔ نبی اللہ کا وہ بندہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے اس منصب کے لئے منتخب کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بنے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''(ایک زمانہ میں) سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں (انبیاء راقم) کو بھیجا جو کہ خوشی (کے وعدے) سناتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ (آسمانی) کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں۔ اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امور اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرمائیں اور اس کتاب میں (یہ) اختلاف اور کسی نے نہیں کیا۔ مگر صرف ان لوگوں نے جن کو (اوّلاً) وہ کتاب ملی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضح پہنچ چکے تھے۔ باہمی ضد اضدی کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ (ہمیشہ) ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں (مختلفین) اختلاف کیا کرتے تھے۔ بفضل تعالیٰ بتلا دیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتا دیتے ہیں۔'' (سورۂ بقرہ:۲۱۳، ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ بعثت انبیاء کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نیک بندوں کو انعام کی خوشخبری دینا اور سرکش بندوں کو سزا کی اطلاع دینا ہے اور اس کے علاوہ ہر اختلافی مسئلہ کا فیصلہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے رسول بھی نبی ہوتے ہیں لیکن ان کے سپرد کسی قوم پر حجت تمام کرنا ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے: ''ان سب کو خوشخبری دینے والے رسول بنا کر اس لئے بھیجا تا کہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان رسولوں کے بعد کوئی عذر نہ رہے اور اللہ تعالیٰ زور والے اور حکمت والے ہیں۔'' (سورۂ نساء:۱۶۵، ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

نبی اور رسول کے فرق کو اس مثال سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر ڈپٹی کمشنر سی.ایس.پی ہوتا ہے۔ لیکن ہر سی.ایس.پی ڈپٹی کمشنر نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر رسول نبی ہوتا ہے۔ لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ سی.ایس.ایس کا امتحان پاس کرنے کے بعد کچھ امیدوار کسٹم میں چلے

جاتے ہیں۔ کچھ انکم ٹیکس میں، کچھ آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس میں اور کچھ ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ میں چلے جاتے ہیں۔ اب کسٹم آفیسر بھی سی.ایس.ایس ہے اور ڈپٹی کمشنر بھی سی.ایس.ایس ہے۔ لیکن فرائض میں فرق ہے۔ کسٹم آفیسر کی ذمہ داری صرف ٹیکس وصول کرنا ہے۔ جب کہ ڈپٹی کمشنر کی ذمہ داری ضلع میں امن وامان کا قیام ہے۔ ڈپٹی کمشنر کسی بھی مجمع کو منتشر ہونے کا حکم دے سکتا ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں قوت استعمال کرسکتا ہے۔ خواہ اس کے نتیجہ میں کچھ اموات ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ پھر بھی اس کا حکم بالکل قانونی ہوگا اور اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ اس کے برعکس کسٹم آفیسر بھی اگرچہ سی.ایس.ایس ہے۔ لیکن وہ کسی مجمع کو منتشر ہونے کا حکم نہیں دے سکتا اور اگر دے گا تو وہ غیر قانونی ہوگا۔

اس مثال سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول بھی نبی ہوتا ہے۔ لیکن اس کے فرائض (Assignment) ایک نبی سے زائد ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا ایک رسول کسی قوم پر اتمام حجت کر دیتا ہے تو اگر وہ قوم رسول کا اتباع نہ کرے تو اس پر لازماً عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: ''اے میری قوم میں تمہارے پاس صاف صاف ڈرانے والا ہوں (اور کہتا ہوں) کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ (یعنی توحید اختیار کرو) اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔'' (سورۂ نوح نمبر۲،۳، ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کے جواب میں ان کے قوم کا طرز عمل یہ تھا۔ ''اور کہا انہوں نے ہرگز مت چھوڑو معبودوں کو اپنوں کو اور مت چھوڑو ودکو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث یعوق اور نسر کو۔'' (سورۂ نوح:۲۳، ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے نہ بت پرستی ترک کی نہ توحید اختیار کی تو اتمام حجت کے بعد پر ان پر عذاب آ گیا اور صرف وہی لوگ اس عذاب سے نجات حاصل کر سکے جنہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کا اتباع کیا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے (اہل مدین سے) فرمایا کہ اے میری قوم تم (صرف) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود (بننے کے قابل) نہیں اور تم ناپ تول میں کمی مت کیا کرو۔ (کیونکہ) میں تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں اور مجھ کو تم پر اندیشہ ہے۔ ایسے دن کے عذاب کا جو انواع مصائب کا جامع ہوگا اور اے میری قوم تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور (شرک اور نقص حقوق

کر کے) زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو۔‘‘

(سورۂ ہود:۸۴،۸۵، ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

مذکورہ بالا آیات کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام کے ذمہ یہ فرض تھا کہ وہ اپنی قوم کو شرک سے روکیں اور ناپ تول میں کمی بیشی کرنے سے باز رکھیں۔ لیکن ان کی قوم نے کہا: ’’انہوں نے کہا اے شعیب بہت سی باتیں تمہاری کہی ہوئی ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تم کو اپنے مجمع میں کمزور دیکھ رہے ہیں۔ اگر تمہارے خاندان کا (کہ ہمارے ہم مذہب ہیں ہم کو) پاس نہ ہوتا تو ہم تم کو (کبھی کا) سنگسار کر چکے ہوتے اور ہماری نظر میں تمہاری کچھ توقیر نہیں۔‘‘

(سورۂ ہود:۹۱، ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

چنانچہ جب حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان کا اتباع نہ کیا اور حضرت شعیب علیہ السلام نے حجت تمام کر دی تو پھر وہی ہوا جو ایک رسول کی تکذیب کرنے والی قوم کے ساتھ ہوتا ہے۔ ’’اور جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) آپہنچا (تو) ہم نے (اس عذاب سے) شعیب اور جو ان کی ہمراہی میں اہل ایمان تھے ان کو اپنی عنایت (خاص) سے بچالیا اور ان ظالموں کو ایک سخت آواز نے آ پکڑا سو اپنے گھروں کے اندر اوندھے گرے رہ گئے۔ جیسے کبھی ان گھروں میں آباد ہی نہ تھے۔ خوب سن لو (اور عبرت پکڑ لو) مدین کو رحمت سے دوری ہوئی جیسا ثمود رحمت سے دور ہوئے تھے۔‘‘ (سورۂ ہود:۹۴،۹۵، ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

میں نے اللہ تعالیٰ کے دو رسولوں کا ذکر کیا ہے۔ اس فہرست میں اضافہ کیا جاسکتا ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی طرف اپنے رسول کو مبعوث کیا تو اس کو اتمام حجت کی متعین ڈیوٹی دی اور اگر قوم نے اتباع نہ کیا تو قوم پر عذاب آ گیا اور عذاب سے صرف وہی بچ سکے۔ جنہوں نے رسول کا اتباع کیا تھا۔ رسول اور نبی میں وہی فرق ہے جو ڈپٹی کمشنر اور کالج کے پروفیسر میں ہوتا ہے۔ رسول کی ذمہ داری اتمام حجت ہوتی ہے جب کہ نبی کی ذمہ داری پروفیسر کی طرح تعلیم، ترغیب، رسول کی تعلیمات کو قبول نہ کرنے کا انجام اتمام حجت کے بعد دنیا میں عذاب اور آخرت کا خسران ہے اور نبی کی تعلیم کو قبول نہ کرنے کا انجام بھی آخرت کی بربادی ہے۔ جس طرح پروفیسر کی تعلیم قبول نہ کرنے والے کا انجام بھی خوشگوار نہیں ہوتا۔ اگرچہ فوری طور پر سزا نہیں ملتی۔

خلاصہ کلام

اب تک کی بحث سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ:

۱...... نبی اکرم ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والا نبی اکرم ﷺ کے دور نبوت کو (جو تا قیام قیامت ہے) ختم کردیتا ہے۔

۲...... نئے نبی کی نبوت پر ایمان لانے والے انبیاء ماقبل پر ایمان نئے نبی کی سند پر ہی رکھیں گے۔

۳...... نیا مدعی نبوت اس بات کا حق رکھے گا کہ نبی اکرم ﷺ کی شریعت کو چاہے تو منسوخ کردے۔

امید ہے اب تک یہ محقق ہوچکا ہوگا کہ گزشتہ انبیاء میں کسی کا یا سب کا نبی اکرم ﷺ کے دور نبوت میں زندہ ہونا یا زندہ ہوجانا نبی اکرم ﷺ کی خاتم النّبیین کی حیثیت کو متاثر نہیں کرتا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی کا دعویٰ نبوت عقیدۂ ختم نبوت کے منافی ہے۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی نبی کی بعثت ممکن ہی نہیں جس طرح یہ ممکن نہیں کہ خدا دو بھی ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب سلسلہ نبوت کو نبی اکرم ﷺ پر ختم کردیا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنا فیصلہ تبدیل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ’’**ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیین وکان اللہ بکل شئ علیما**‘‘ ﴿محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔﴾ (سورۂ احزاب:۴۰، ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیت مبارکہ کی تشریح نبی اکرم ﷺ نے بایں الفاظ کردی اور مثبت ومنفی دونوں طرح کردی: ’’میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔‘‘

اگر کوئی شخص اس آیت کی کوئی دوسری تشریح کرتا ہے تو وہ اعلان کرتا ہے کہ قرآن اگرچہ نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوا تھا لیکن وہ اس کو نہ صحیح سمجھ سکے اور نہ صحیح سمجھا سکے اور اس سے بڑھ کر گمراہ کن نقطہ نظر کوئی نہیں ہوسکتا یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلی جائے کہ انسانی تاریخ میں نبی اکرم ﷺ ہی وہ واحد شخص ہیں کہ انہیں ان کی زندگی میں ان کی قوم نے سب سے زیادہ سچا جانا، پہچانا، قبول کیا اور پھر ان کا اس طرح اتباع کیا کہ انسانی تاریخ اس کی دوسری نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ انہوں نے جو کچھ کیا اور کہا وہ حق تھا صرف حق تھا اور حق کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ

نے ان کی ذات کو تا قیام قیامت واجب الاطاعت بنادیا اور ان کے لائے ہوئے حق (کتاب وسنت) کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا کہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہی نہ رہے اور آپ ﷺ کی ذات مبارک پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا۔ امت مسلمہ میں اس مسئلہ پر کبھی بھی دو آراء نہیں پائی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے آخری دنوں میں اور ان کی موت کے بعد اسود عنسی، طلیحہ اسدی اور مسیلمہ کذاب (جو مدعی نبوت تھے) سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یہ سوال نہیں پوچھا تھا کہ وہ ظلی نبی ہیں۔ بروزی نبی ہیں۔ حقیقی نبی ہیں۔ امتی نبی ہیں۔ غیر حقیقی نبی ہیں۔ کسی کے فیض سے نبی بنے ہیں یا اپنے لئے ''نبی'' کا لفظ لغوی معنوں میں استعمال کر رہے ہیں بلکہ انہیں اس انجام تک پہنچا دیا جس کے وہ حقدار تھے۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت سے یہ سوال بھی نہیں پوچھا جا سکتا کہ اس کے پاس دعویٰ نبوت کی دلیل کیا ہے یا کس قسم کی نبوت کا وہ مدعی ہے۔ وہ بالیقین کذاب ہے۔

نئی نبوت کی ضرورت ہی نہیں

رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی نبی کے مبعوث ہونے کی نہ تو شرعاً گنجائش ہے اور نہ عقلاً، قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی نبی کے آنے کی ممکنہ صورتیں چار ہو سکتی ہیں۔

۱...... کسی قوم میں اس سے پہلے کوئی نبی نہ آیا ہو یا کسی نبی کی تعلیمات ان تک نہ پہنچی ہوں۔

۲...... پچھلے نبی کی تعلیمات میں تحریف ہو چکی ہو لہٰذا ان تعلیمات پر عمل کرنا ممکن نہ رہا ہو۔

۳...... کسی نبی کی مدد کے لئے کسی دوسرے نبی کی ضرورت ہو۔

۴...... پچھلے نبی کی تعلیمات نامکمل ہوں اور دین کی تکمیل کے لئے مزید انبیاء کی ضرورت ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد کسی نبی کے مبعوث ہونے کی مندرجہ بالا چاروں ممکنہ صورتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت وراہنمائی کے لئے جن انبیاء کو مبعوث کیا ان کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر بیان کی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے قبل ہر نبی صرف اپنی ہی قوم کی جانب ہدایت الٰہی لے کر پہنچا اور اللہ کی جانب سے سونپی گئی ذمہ داری کا حق ادا کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو بلا تخصیص قوم تمام انسانوں کی جانب قیامت تک کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود آپ ﷺ کی زبانی یہ اعلان کرایا: ''قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً (الاعراف:۱۵۸)'' ﴿آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہان کے) لوگو! میں

تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔﴾ (الاعراف:۱۵۸، ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور پھر آپ ﷺ تعلیمات الٰہی کو عام کرنے میں مصروف عمل ہوئے تاریخ شاہد ہے کہ جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو دین اسلام عرب کی حدود سے باہر نکل چکا تھا۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں کون سی جگہ ایسی ہے جہاں آپ کی تعلیمات موجود نہ ہوں۔ کون سی جگہ ایسی ہے جہاں قرآن موجود نہیں، کون سی جگہ ایسی ہے۔ جہاں احادیث کی کتب موجود نہیں۔ کون سی جگہ ایسی ہے جہاں سیرت طیبہ کی کتب موجود نہیں ہیں۔ قرآن مجید کے تراجم صرف مسلمانوں نے نہیں کئے بلکہ غیر قومیں بھی تراجم کئے بغیر نہیں رہ سکیں۔ سیرت کی کتابیں صرف مسلمانوں نے تحریر نہیں کیں۔ غیر مسلم بھی اس لطف ولذت سے آشنا ہو چکے ہیں۔ لہٰذا جب آپ ﷺ کو تمام انسانیت کے لئے رسول بنا کر بھیج دیا گیا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات بھی دنیا کے ہر گوشے تک پہنچ چکی ہیں تو پھر کسی نئے نبی کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

نئے نبی کے آنے کی دوسری صورت یہ بتائی گئی کہ پچھلے نبی کی تعلیمات میں تحریف ہو چکی ہو اور ان پر عمل کرنا ممکن نہ رہا ہو۔

آپ ﷺ کے آنے کے بعد یہ گنجائش بھی ختم ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت، ہدایات، تعلیمات نہ صرف موجود ہیں۔ بلکہ محفوظ ہیں اور محفوظ کیوں نہ ہوں۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اس شریعت کو بھیجنے والے نے خود اٹھالی۔ ’’انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحٰفظون‘‘ ﴿بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان)﴾

(الحجر:۹، ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس حفاظت کے وعدہ کے بعد اس میں تحریف ممکن ہی نہیں اور اللہ کا یہ چیلنج آج بھی موجود ہے۔

’’وان کنتم فی ریب مما نزلنا علٰی عبدنا فأتوا بسورة من مثله وادعوا شهدآء کم من دون الله ان کنتم صادقین‘‘ ﴿اور اگر تم کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو اور بلا لو اپنے حمایتوں کو جو خدا سے (الگ) تجویز کر رکھے ہیں اگر تم سچے ہو۔﴾

(سورۂ بقرہ:۲۳، ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

چنانچہ نئے نبی کے ظہور کی یہ گنجائش بھی ختم ہوگئی۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت نہ صرف موجود ہے بلکہ اسی شکل میں موجود ہے جس میں نازل ہوئی۔

پھر آپ ﷺ کی سنت مبارکہ کو محفوظ کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس جانفشانی کا مظاہرہ کیا اور اطاعت کا جو حق ادا کیا۔ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ تعلیمات تو تعلیمات، رسول اللہ ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، پسند ناپسند، لباس، کنگھی، خوشبو غرض حلیہ مبارک تک چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی محفوظ کر لی گئی۔

نئے نبی کی آمد سے متعلق تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ایک نبی کی مدد کے لئے دوسرے نبی کی ضرورت ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات محسوس کرے کہ ایک نبی کی مدد کے لئے دوسرے نبی کی ضرورت ہے تو ایک نبی کی موجودگی میں دوسرے نبی کو بھی اللہ تعالیٰ مبعوث کر دیتا ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کے لئے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی بنایا گیا۔

اب اگر نبی اکرم ﷺ کی مدد کے لئے کسی نبی کی ضرورت ہوتی تو وہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں بھیجا جاتا کیونکہ ایسی مدد حضور ﷺ کی زندگی ہی میں فائدہ دے سکتی تھی نہ کہ بعد میں اور اگر زندگی میں ایسا نہیں ہوا تو وفات کے بعد اس کی قطعاً گنجائش موجود نہیں۔ پھر ایسی شخصیت کو مدد کی ضرورت بھی کیوں ہوگی جس کے متعلق اس کا بھیجنے والا یہ اعلان کر دے۔

''وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (النجم:۴)'' ﴿اور نہ آپ اپنی خواہشات نفسانی سے باتیں بناتے ہیں ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔﴾

(ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

چوتھی ممکنہ صورت یہ ہوسکتی ہے کہ پچھلے نبی کی تعلیمات نامکمل ہوں اور دین کی تکمیل کے لئے مزید انبیاء کی ضرورت ہو الحمدللہ! یہ ضرورت بھی ختم ہوچکی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ پر دین کی تکمیل ہوچکی ہے۔ آج دین اپنی مکمل شکل میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تکمیل دین کی یہ خوشخبری دس ہجری میدان عرفات میں رسول اللہ ﷺ کی زبانی اپنے بندوں تک پہنچادی۔

''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً (المائدہ:۳)'' ﴿آج کے دن تمہارے لئے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔﴾

(ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

کسی نئے نبی کے ظہور کی ممکنہ ضرورتوں کا تفصیلاً جائزہ لینے کے بعد یہ امر طے ہوگیا کہ اب کسی نئے نبی کی قطعاً ضرورت باقی نہیں۔ رہا دین کی تبلیغ واشاعت کی ذمہ داری تو وہ اب کسی نبی کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ امت مسلمہ کی ہے۔ قرآن مجید سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے:

ارشاد باری ہے:’’کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر (آل عمران:۱۱۰)‘‘ ﴿تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی۔ تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔﴾ (ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور ایک جگہ ارشاد باری ہے۔

عقیدہ ختم نبوت دین کے بنیادی عقائد اور اہم معاملات میں سے ہے۔ اس کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے پر ایمان وکفر کا دارومدار ہے۔ اگر یہ عقیدہ صحیح نہیں اور کوئی اسے تسلیم کرے تو وہ کافر اور اگر یہ عقیدہ صحیح ہے اور کوئی اسے تسلیم نہ کرے تو کافر عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ اتنے اہم عقیدے کے بارے میں اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہماری صحیح راہنمائی نہ کریں اور بات گول مول کر دی جائے۔ جس طرح آپ ﷺ کے نبی آخر ہونے کے دلائل فراہم کئے گئے۔ اسی طرح اگر کسی اور نبی نے آنا ہوتا تو اس کے آنے سے متعلق بھی اللہ تعالیٰ اور نبی کی جانب سے ہمیں بتادیا جاتا کہ اور نبی آئیں گے تم ان پر بھی ایمان لے آنا۔

مثلاً سورۂ نساء کی یہ آیت اس طرح کہنے کی بجائے:’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور (ان کی جو) تم میں صاحب امر ہیں۔‘‘ (النساء:۵۹)

یہ آیت اس طرح ہوتی:’’اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور جو ان کے بعد رسول آئیں گے ان کی بھی اطاعت کرو۔‘‘

خود نبی ﷺ یہ فرما جاتے:’’میرے بعد بھی نبی آئیں گے تم ان پر بھی ایمان لانا۔‘‘

جب کہ آپ ﷺ نے یہ صراحت فرمادی:’’لا نبی بعدی‘‘

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے اس عقیدے کی جس طرح وضاحت فرمادی ہے کہ اب اس میں کسی شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کو تسلیم نہیں کرتا۔

’’ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیین وکان اللہ بکل شئ علیماً (الاحزاب:۴۰)‘‘ ﴿محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔﴾ (ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

وہ سوائے کافر کہلانے کے اور کچھ استحقاق نہیں رکھتا۔ قرآن مجید سے بھی ایسے منکرین کا کافر ہونا ہی ثابت ہوتا ہے جو آپ ﷺ کے حق اطاعت سے روگردانی کرتے ہیں۔

سورۂ آل عمران:۳۲ میں ارشاد باری ہے:’’قل اطیعو اللّٰہ والرسول فان تولوا فان اللّٰہ لا یحب الکفرین ‘‘ ﴿اور جو آپ ﷺ (یہ بھی) فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی پھر (اس پر بھی) اگر وہ لوگ اعراض کریں سو (سن رکھیں کہ) اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں رکھتے۔﴾ (ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

مذکورہ بالا آیات قرآنی نے واضح کر دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد کسی نئے نبی کی ضرورت ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ مکمل کر دیا۔ اپنی نصیحت پوری کر دی۔ قرآن اور سنت کو تا قیامت محفوظ کر کے نسل انسانی پر اپنی حجت پوری کر دی اور کار رسالت امت مسلمہ کے سپرد کر دیا کہ وہ قرآن مجید کے ذریعہ نسل انسانی پر اس طرح اتمام حجت کرتی رہے۔ جس طرح سید ولد آدم نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں کیا تھا اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہیں اور اپنے مسلمان حکمرانوں کی بھی معروف میں اطاعت کرتے رہیں۔ اگر حکمرانوں کے ساتھ کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دی ہوئی ہدایت کی روشنی میں فیصلہ کریں۔ اگر نبی اکرم ﷺ کے بعد بھی کسی نبی نے مبعوث ہونا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا حکم یہ نہ ہوتا کہ اپنے اختلاف کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف **Refer** کریں۔

میں نے جناب قمر احمد عثمانی کے رسالہ ’’حیات مسیح اور ختم نبوت‘‘ کے بارے میں اپنی گزارشات عرض کر دی ہیں اور مسئلہ زیر بحث کے دوسرے پہلو یعنی نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی شخص کے دعویٰ نبوت کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں، کا جائزہ بھی حسب توفیق و استعداد لے لیا ہے۔ اس بات کا فیصلہ قاری ہی کر سکتا ہے کہ میں اپنی کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں میں تو صرف عرض کر سکتا ہوں کہ میرے جیسے گنہگار انسان کے لئے اس موضوع کا حق ادا کرنا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ جس ذات گرامی کے حوالے سے اس موضوع پر گفتگو کی جاتی ہے۔ اس کے بارے میں بصد عجز و نیاز صرف یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ:’’بعد از خدا بزرگ توہی قصہ مختصر‘‘

میری تحریر میں اگر کوئی خیر ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے۔’’وما توفیقی الا باللّٰہ العلی العظیم ‘‘اور اگر میری تحریر میں کسی پہلو سے کوئی کمی ہے تو اس کی وجہ میری کم علمی ہے۔ میں قاری سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ اس دعا میں شریک ہو کہ اگر میری تحریر میں کوئی خیر ہے تو اے میرے رب اسے پڑھنے والوں کے لئے پر اثر بنا دے اور اگر اس میں کوئی

گمراہی ہے تو مجھے اور پڑھنے والوں کو بھی اس سے اپنی پناہ میں رکھ۔’’و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسوله الکریم‘‘

کتابیات

اس مضمون میں جن کتب سے حوالے دیئے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱...... قرآن مجید، ترجمہ: ازمولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وشاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ۔

۲...... تدبر قرآن، ازمولانا امین اصلاحی۔

۳...... قرآن مجید، ترجمہ: ازمرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ثانی امت قادیانی۔

۴...... ترجمہ: قرآن از انگریزی، از آرتھر. جے. آربری۔

۵...... تحقیق عارفانہ از قاضی محمد نذیر قادیانی۔

۶...... ازالہ اوہام، ازمرزا غلام احمد قادیانی۔

۷...... براہین احمدیہ حصہ چہارم، ازمرزا غلام احمد قادیانی۔

۸...... راز حقیقت، ازمرزا غلام احمد قادیانی۔

۹...... شہادت القرآن، ازمولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔

۱۰...... تاریخ عالم بزبان انگریزی، از جے. ایم. رابرٹس۔

۱۱...... عمر فاروق اعظم، ازمحمد حسین ہیکل۔

۱۲...... انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا جلد پنجم۔

۱۳...... بائبل یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ شائع کردہ بائبل سوسائٹی لاہور۔

۱۴...... حقیقت الوحی، ازمرزا غلام احمد قادیانی۔

۱۵...... مجموعہ اشتہارات، ازمرزا غلام احمد قادیانی۔

۱۶...... کتاب البریہ، ازمرزا غلام احمد قادیانی۔

۱۷...... تربیت عالم، ازمنشی عبدالرحمٰن۔

۱۸...... تذکرہ (مجموعہ الہامات) مرزا غلام احمد قادیانی۔

۱۹...... اسلامی قربانی، ازیار محمد ایڈووکیٹ کانگڑہ (حال انڈیا)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے

کارنامے

جناب نور محمد قریشی ایڈووکیٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجمالی فہرست

حرف تقدیم	۳۱۷
اپنی بات	۳۲۲
قبولیت دعا	۳۲۹
مولوی ثناءاللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ	۳۳۶
صلیب پرست انگریزوں کی حکومت کے لئے جاسوسی	۳۴۲
اصل کارنامہ	۳۴۷
اللہ تعالیٰ کا تعارف	۳۵۳
ہندو مذہب سے پیوندکاری	۳۵۵
تحریف میں کمال	۳۶۶
قرآن کریم میں تحریف	۳۶۶
احادیث سے حسن سلوک	۳۶۷
مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر میں تحریف	۳۶۸
اپنے ہی کلام میں تحریف	۳۶۹
قادیان کو اجاڑنا	۳۷۳
قتل کی ترغیب	۳۸۷
کافرسازی	۴۰۱
بلندی اور پستی کا اجتماع	۴۱۵
مال بٹورنا	۴۱۹
ضمیمہ	۴۳۶
طریق حصول نبوت کی دریافت	۴۳۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف تقدیم

قریشی صاحب پیشے کے لحاظ سے ایک کامیاب وکیل ہیں اور وکالت میں ان کے تخصص کا شعبہ انکم ٹیکس کے حسابات ومقدمات کی پیروی ہے۔ مگر ان کے دینی وعلمی ذوق کی تاریخ وکالت میں ان کی دلچسپی سے کہیں زیادہ پرانی ہے۔ انسانی واضطراری مجبوریوں سے قطع نظر انہوں نے علم وعمل کے درمیان ہم آہنگی کا رشتہ استوار رکھنے کی بھی ہمیشہ سعی کی ہے۔ آج سے قریباً نصف صدی پہلے وہ اپنی جوانی کے آغاز میں ہی کوآپریٹو بینک کی ملازمت سے اس بناء پر مستعفی ہوگئے کہ اپنی محنت کی اجرت سودی کاروبار میں ملوث ادارے کی آمدنی سے وصول کرنے کے روادار نہ تھے۔ شاید اسی جرأت مندانہ اور مبارک اقدام نے زندگی کے نشیب وفراز سے گزرتے ہوئے انہیں اپنے موجودہ مقام پر پہنچایا۔

تصنیف وتالیف کے کوچے میں بھی ان کی حیثیت نوواردکی نہیں۔ قادیانیت اور اس کے مخصوص عقائد اور رد آپ کا خصوصی موضوع ہی نہیں بلکہ انہیں تحقیق وتحریر کے میدان میں لانے کا باعث ومحرک بھی ہے۔ اس شعبے میں ان کی دومؤلفات بالترتیب ’’نزول مسیح علیہ السلام آخر کیوں؟‘‘ (لاہور، علم وعرفان پبلشرز، طبع دوم ۲۰۰۰ء) اور ’’حیات مسیح علیہ السلام اور ختم نبوت...... مولانا قمر احمد عثمانی کے نقطہ نظر کا جائزہ‘‘ (لاہور، قومی پبلشرز ۱۹۹۷ء) کے عنوان سے شائع ہوکر قادیانیت کے حوالے سے تحقیق کرنے والے فضلاء میں اپنی حیثیت منوا چکی ہیں۔

زیر نظر کتاب اس سلسلے کی تیسری کڑی ہے۔ اس کا اسلوب دینی موضوعات پر لکھی جانے والی اکثر کتب سے خاصا مختلف ہے، جن میں کسی موضوع کو مرکزی عنوان ٹھہرا کر اس کی منطقی فروع کو ابواب وفصول میں تقسیم کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ مگر اس کتاب کا انداز پردۂ سیمیں پر یکے بعد دیگرے نمودار ہونے والے ان مناظر کا سا ہے۔ جن میں باعتبار تسلسل ایک منظر کا دوسرے منظر سے براہ راست کوئی ربط نہیں ہوتا۔ ہر منظر ایک مرکزی کردار یا ایک مرکزی خیال پر مرتکز ہوتا ہے اور اس مرکزی شخصیت یا مرکزی خیال کے بارے میں قاری کے ذہن پر اپنی ناقابل تردید سچائی اور بے رحم استدلال کے باعث مثبت یا منفی تأثر کا ایک گہرا نقش مرتسم کردیتا ہے۔ اس متفرق مناظر سے پیدا ہونے والے یہ سب نقوش مرکزی شخصیت یا موضوع کے بارے میں ایک ہی منطقی نتیجے کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور اس طرح ان متنوع اور رنگارنگ تصاویر کی مدد سے

مصنف ایک ماہر مصور کی طرح اس مخصوص شخصیت یا مرکزی خیال کی صداقت یا کذب کے بارے میں اپنی رائے کا نہایت مؤثر طور سے اظہار کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

مرزاغلام احمد قادیانی نے برطانوی دور میں اسلام اور اہل اسلام کے حوالے سے جو کردار ادا کیا، قریشی صاحب نے مرزا قادیانی کی اپنی تصانیف کے آئینے میں اس کی نہایت مؤثر عکس بندی کی ہے۔ اسلوب بیان سادہ، انداز روزمرہ کی گفتگو کا سا، پیرایہ اظہار کسی عدالت میں ایک ماہر قانون دان کی تقریر کی طرح مدلل اور دلنشین، تصویر کشی میں حکایت کی سی دلچسپی جو قاری کو اس اکتاہٹ سے کوسوں دور رکھتی ہے جو بالعموم سنجیدہ تحریروں سے اکثر قارئین پر طاری ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ بات کہنے کا انداز علمی جس میں متانت ورزانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا...... گو کئی مقامات پر مصنف طنز واستہزاء کے نشتر کا استعمال کرنے سے باز نہیں رہ سکے۔

مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کے ابطال میں مصنف کا اسلوب کتنا مؤثر، نتیجہ خیز اور فیصلہ کن ہے۔ اس کا اندازہ آپ کتاب کے کسی حصے پر نظر ڈال کر لگا سکتے ہیں۔ ہم نے کتاب کے مجموعی اسلوب کی طرف جو اشارہ کیا ہے، اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپ کسی باب کا مطالعہ گزشتہ ابواب کا مطالعہ کئے بغیر، پورے اطمینان سے کر سکتے ہیں اور اس کا نتیجہ اسی باب کے مشمولات سے اخذ کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے ماسبق اور مابعد کو پڑھنے، سمجھنے کی قید نہیں۔ مثلاً ''قبولیت دعا'' کے عنوان سے معنون مضمون کو لے لیجئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں مرزا قادیانی کی تحریری بددعا مرقومہ ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء (یکم/ربیع الاوّل ۱۳۲۵ھ) کے آخری حصے کا اقتباس ملاحظہ ہو: ''اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین! مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون وہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے۔''

''اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق

کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو، مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر......اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔‘‘

(مجموعہ اشتہارات ج۳ص ۵۷۹)

اب یہ تاریخی حقیقت سب کو معلوم ہے کہ مرزا قادیانی کی وفات ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء/ ۲۴/ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ کو ہوئی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۵/مارچ ۱۹۴۸ء کو ہوا۔ اس قضیہ کے بارے میں قادیانی حضرات کے مؤقف پر مدلل بحث کے بعد مصنف نے آخر میں جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس سے اتفاق نہ کرنا کسی بھی سلیم الفطرت شخص کے لئے مشکل ہوگا۔

اسی طرح ’’قتل کی ترغیب‘‘ کے عنوان سے مرزا قادیانی اور پادری عبداللہ آتھم کے درمیان مناظرہ (۲۲/مئی تا ۵/جون ۱۸۹۳ء) کے ضمن میں مصنف نے مرزا قادیانی کی یہ تحریر نقل کی ہے: ’’میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیش گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جائے، روسیاہ کیا جائے۔ میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جائے، مجھ کو پھانسی دیا جائے، ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں۔‘‘

(مجموعہ اشتہارات ج۱ص ۴۳۵)

۵/ستمبر ۱۸۹۴ء کو ۱۵ ماہ کی یہ مدت پوری ہونے پر عیسائیوں نے امرتسر میں عبداللہ آتھم کو کندھوں پر اٹھا کر جلوس نکالا اور مرزا قادیانی کے بعض مرید عیسائی ہوگئے۔ اس واقعہ کی جزئیات پر قادیانی حضرات کی طرف سے مدافعانہ دلائل کا مدلل تجزیہ کرنے کے بعد مصنف نے مرزا قادیانی کی اس پیش گوئی کا پورا نہ ہونا ثابت کیا ہے۔ اسی باب میں مرزا قادیانی اور محمدی بیگم کے قصے کے حوالے سے بھی مرزا قادیانی کی پیش گوئی کے غلط ثابت ہونے سے ان کے دعویٰ نبوت کا ابطال کیا گیا ہے۔

کتاب کے ابواب کا خلاصہ ان ملاحظات میں سمونا ہرگز مقصود نہیں۔ تاہم قارئین کو یہ دکھانے کے لئے کہ ہر باب اپنی اپنی جگہ کس مؤثر انداز میں مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کا ابطال کرتا ہے، ایک مختصر باب بعنوان ’’اللہ تعالیٰ کا تعارف‘‘ کی طرف اشارہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ ایک ماہر وکیل کی طرح اس مختصر باب میں مصنف نے مقدمہ کے طور پر قرآن کریم سے ۱۱/اقتباسات کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ جن میں مالک مطلق کی توصیف وتعریف بیان ہوئی ہے۔ پھر تقابلی انداز میں مرزا قادیانی کے ارشادات سے ایک اقتباس نقل کیا گیا ہے۔ جس میں رب قدیر کا

وصف اس طرح کیا گیا ہے: ’’تخیلی طور پر ہم فرض کر سکتے ہیں کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بے شمار ہاتھ، بے شمار پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لاانتہاء عرض اور طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ یہ وہی اعضاء ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں عالم نام ہے۔ جب قیوم عالم کوئی حرکت جزوی یا کلی کرے گا تو اس کی حرکت کے ساتھ اس کے اعضاء میں حرکت پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہوگا۔‘‘

(توضیح مرام ص۷۵،۷۶، خزائن ج۳ ص۸۹،۹۰)

یقیناً کائنات کی ہر شئے پر محیط رب قادر وکریم کی اس ’’الہامی وصف خوانی‘‘ پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

برطانوی آقاؤں کے ساتھ مرزا قادیانی کی انتہائی وفا شعاری اور اطاعت گزاری کا رشتہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس کی تائید میں دور حاضر کے مشہور وممتاز مستشرق اور ’’برصغیر میں اسلام‘‘ کے متخصص پروفیسر ولفرڈ کینٹ ویل سمتھ (**Prof. Wilfered Cantwell Smith**) کا مندرجہ ذیل بیان پیش کیا جاسکتا ہے۔ جماعت احمدیہ اور لاہوری جماعت کے سیاسی اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"There was a political difference also: the secessionists (dissociating themselves less from the wider Muslim community) were beginning to feel and to participate in the nascent anti-imperialism of Indian Islam (Kanpur Mosque incident, 1913), while the major group explicitly clung to the traditional loyalty of the founder and his family." (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام طبع جدید، مقالہ بعنوان ’’احمدیت‘‘ ج۱ ص۳۰۱)

ترجمہ: ایک سیاسی اختلاف بھی تھا۔ علیحدہ ہونے والے[۱] (وسیع تر امت مسلمہ سے اپنے آپ کو (نسبتاً) کم الگ کرتے تھے) ہندوستانی مسلمانوں میں نئی نئی اٹھنے والی سامراج

۱ یعنی مولوی محمد علی لاہوری کی قیادت میں قائم ہونے والی ’’احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور‘‘ جو لاہوری پارٹی کے نام سے معروف ہوئی۔

مخالف تحریک کو محسوس کرنے اور اس میں شرکت کرنے لگے تھے (مثلاً کانپور کی مسجد کا واقعہ ۱۹۱۳ء) جب کہ بڑا گروہ (یعنی قادیانی جماعت) صریح طور پر بانی جماعت اور اس کے خاندان کی (برطانوی استعمار کے ساتھ) روایتی وفاداری سے چمٹی ہوئی تھی۔

شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (**Shorter Encyclopaedia Islam**) کے مقالہ نگار ''احمدیت'' کے عنوان کے تحت امتناع جہاد اور برطانوی حکومت کی اطاعت کا قادیانی جماعت کی امتیازی خصوصیات کے طور پر ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Regarding the vocation of the Mahdi and the djihad the Ahmadiya teach that the task of the former is one of peace, and that the djihad against the unfaithful must be conducted with peaceful means instead of instruments of war; under all circumstances sincere obedience must be given to the Government."

(Shorter Encyclopaedia of Islam 1961)

ترجمہ: مہدی کی دعوت اور جہاد کے بارے میں جماعت احمدیہ کی تعلیم یہ ہے کہ مہدی کا مشن امن کا مشن ہوگا اور غیر مسلموں کے خلاف جہاد لازماً حربی وسائل کی بجائے پرامن ذرائع سے کیا جانا چاہئے اور ہر حال میں حکومت کی اطاعت پورے خلوص کے ساتھ کرنی چاہئے۔

(شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (۱۹۶۱ء)، آرٹیکل بعنوان ''احمدیت'')

''اصل کارنامہ'' کے عنوان سے مصنف نے مہدی سوڈانی کے ایمان افروز اور انقلاب آفرین کردار کی تصویر کشی کے پہلو بہ پہلو مرزا قادیانی کی برطانوی سرکار سے وفاداری واطاعت شعاری کا نقشہ پیش کیا ہے اور اس تقابلی تصویر سے مرزا قادیانی کی شخصیت کو تاریخی حقیقت کے آئینے میں اس طرح دکھایا ہے کہ کوئی چشم بصیرت رکھنے والا شخص اس توحید پرست مجاہد کے مقام جلیل کے مقابلے میں مرزا قادیانی کی ''نبوت'' کا مقام پہچاننے میں ہرگز چوک نہیں سکتا۔

یہ تحریر نامکمل رہے گی اگر براہین احمدیہ کی اشاعت کی تاریخ کے اس ماہرانہ تجزیہ کا ذکر نہ کیا جائے، جس کی روشنی میں مصنف نے مرزا قادیانی کی نبوت کے ارتقائی سفر پر روشنی ڈالی ہے۔ اس باب کا مضمون وعنوان ''مال بٹورنا'' بھی الفاظ کی سادگی اور معنی کی پرکاری کا عمدہ نمونہ ہے۔

وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ کے وہ افراد جو احمدیت کا کھلے ذہن، معروضیت اور حقائق کی روشنی میں مطالعہ کرنا چاہیں گے، اس مختصر مگر نہایت مؤثر کتاب کو بے حد مفید اور دلچسپ پائیں گے۔

اس تحریر کو قریشی صاحب کے علمی کارناموں میں روزافزوں ترقی وبرکات کی دعا پر ختم کرتا ہوں۔

ڈاکٹر شیر محمد زمان

چیئرمین، اسلامی نظریاتی کونسل، حکومت پاکستان اسلام آباد

۲۷ر ربیع الاوّل ۱۴۲۲ھ (۲۰ر جون ۲۰۰۱ء)

اپنی بات

اپنی بات کہنا کافی مشکل ہوتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ممکن حد تک مختصر الفاظ میں اپنی بات کہہ دوں۔ میں اس موقع پر اس قادیانی دوست کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس نے قادیانیت کی دعوت دے کر مجھے مرزاغلام احمد قادیانی کو پڑھنے کی ترغیب دی۔ اس شکریہ کے دیگر احباب بھی حقدار ہیں جو وقتاً فوقتاً اس موضوع پر سوالات کر کے مجھے مطالعہ کے لئے ترغیب دیتے رہے۔

ایک تو مزاج ہی ایسا تھا پھر پیشہ بھی ایسا میسر آ گیا کہ جو بات قبول کرنا ہے، دلیل کی بناء پر قبول کرنا ہے اور اگر رد کرنا ہے تو بھی دلیل کی بناء پر۔ اس وجہ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام اگرچہ میرا موروثی مذہب ہے لیکن میرا ذاتی مذہب بھی ہے۔ میں قادیانی احباب سے بھی گزارش کروں گا کہ قادیانیت ان کا ذاتی مذہب بھی ہونا چاہئے۔ صرف موروثی مذہب نہیں۔ میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ مرزاغلام احمد قادیانی کو ایک دفعہ پورا پڑھ لیں اور اس کے بعد بھی اگر مرزاغلام احمد قادیانی کو صادق پائیں تو قادیانیت پر قائم رہیں۔ ورنہ حشر کے روز یہ عذر ان کے کام نہیں آئے گا کہ ہم تو پیدا ہی قادیانی گھرانے میں ہوئے تھے۔

مجھے جب شعور نصیب ہوا تو انگریزوں کے چل چلاؤ کے دن تھے۔ پورا برصغیر اس قسم کے نعروں سے گونج رہا تھا کہ ہندوستان چھوڑ دو، بٹ کے رہے گا ہندوستان، بن کے رہے گا پاکستان اس ماحول میں جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ مرزاغلام احمد انگریزوں کی بلندی اقبال کے لئے تمام عمر دعا گو رہے تو میرے لئے یہی ایک بات کافی تھی کہ اسے رد کر دیا جائے۔ یہ کوئی الزام نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ نمونہ حاضر خدمت ہے: ’’اے قیصرہ وملکہ معظّمہ! ہمارے دل تیرے لئے دعا کرتے ہوئے جناب الٰہی میں جھکتے ہیں اور ہماری روحیں تیرے اقبال اور سلامتی کے لئے حضرت

احدیت میں سجدہ کرتی ہیں۔ اے اقبال مند قیصرہ ہند! اس جوبلی کی تقریب پر ہم اپنے دل اور جان سے تجھے مبارک باد دیتے ہیں اور خدا سے چاہتے ہیں کہ خدا تجھے ان نیکیوں کی بہت بہت جزا دے جو تجھ سے اور تیری بابرکت سلطنت سے اور تیرے امن پسند حکام سے ہمیں پہنچتی ہیں۔ ہم تیرے وجود کو اس ملک کے لئے خدا کا ایک بڑا فضل سمجھتے ہیں اور ہم ان الفاظ کے نہ ملنے سے شرمندہ ہیں جن سے ہم اس شکر کو پورے طور پر ادا کر سکتے ہیں۔ ہر ایک دعا جو ایک سچا شکر گزار تیرے لئے کر سکتا ہے، ہماری طرف سے تیرے حق میں قبول ہو۔ خدا تیری آنکھوں کو مرادوں کے ساتھ ٹھنڈی رکھے اور تیری عمر اور صحت اور سلامتی میں زیادہ سے زیادہ برکت دے۔ تیرے اقبال کا سلسلہ ترقیات جاری رکھے اور تیری اولاد اور تیری ذریت کو تیری طرح اقبال کے دن دکھادے اور فتح اور ظفر عطاء کرتا رہے۔" (تحفہ قیصریہ ص۱۴،۱۵، خزائن ج۱۲ ص۲۶۶،۲۶۷)

مجھے معلوم ہے کہ قادیانی حضرات کو یہ حوالے ناگوار گزرتے ہیں لیکن حقیقت خوشگوار ہو یا ناگوار بہرحال حقیقت ہوتی ہے کہ جب بھی مرزاغلام احمد قادیانی نے صلیب پرست، مشرک انگریزوں کو مخاطب کیا تو ان کا انداز اسی طرح کا تھا کہ: "اللہ دی امان...... رب دیاں رکھاں...... بھاگ لگے رہن"

اس موضوع پر جب بات کی جائے تو قادیانی احباب دوسروں کے حوالے دینا شروع کر دیتے ہیں کہ انہوں نے بھی انگریزوں کی خوشامد کی تھی۔ ہمیں تسلیم ہے کہ ہندوستان میں اور بھی بہت سے ٹوڈی قسم کے لوگ تھے جو انگریزوں کی خوشامد کیا کرتے تھے۔ اب اگر مرزاغلام احمد نے بھی دوسروں کی طرح انگریزوں کی چاپلوسی کی تو ان میں اور دوسروں میں کیا فرق رہا۔ اس کے باوجود اگر قادیانی امت مرزاغلام احمد قادیانی کی بزرگی کی قائل ہے تو اس کی مرضی۔

ایک بات اور! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سورۂ المنافقون کا آغاز اس طرح فرماتے ہیں: "جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔" (المنافقون نمبر:۱، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

باوجود اس کے کہ منافق نبی اکرم ﷺ کے سامنے ان کی تصدیق کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹا کہا ہے۔ کیونکہ وہ تصدیق صرف زبان سے ہوتی تھی۔ دل سے منافق، نبی اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کے معترف نہیں تھے۔ یہی حال میرے نزدیک قادیانی امت کا ہے۔ یہ لوگ بھی گلا پھاڑ پھاڑ کر کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النّبیین ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی گواہ

ہے اور ہم مسلمان بھی گواہ ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں۔ نبوت نبی اکرم ﷺ پر ختم ہے۔ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کیا۔ اپنی آخری کتاب کو ان پر نازل کر کے اور حضور کی سنت کو آخری اسوۂ حسنہ قرار دے کر نبوت کو ختم کر دیا۔

لیکن جب قادیانی امت یہ کہتی ہے کہ:

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں دل سے ہیں خدام ختم المرسلین

(درثمین ص۷، از مرزاغلام احمد قادیانی)

تو اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے اور ہم مسلمان بھی جانتے ہیں کہ قادیانی امت جھوٹ بول رہی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا تو ایمان ہے کہ سلسلہ نبوت مرزاغلام احمد قادیانی کے آنے سے مکمل ہوا ہے۔

روضہ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک میرے آنے سے ہوا کامل بہ جملہ برگ وبار

(درثمین ص۸۴، از مرزاغلام احمد قادیانی)

ایک اصولی بات اور بھی ہے۔ ہم مسلمان ایمان رکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ امام الانبیاء ہیں اور سید ولد آدم ہیں۔ اسی لئے سب سے آخر میں آئے ہیں۔ کیونکہ افضل سب سے آخر میں آتا ہے اور افضل کے ہوتے ہوئے کوئی مفضول نہیں آسکتا اور نہ اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ سب سے افضل ہیں اور خیرالبشر ہیں۔ ان کی لائی ہوئی کتاب موجود ہے۔ ان کی سنت موجود ہے اور اس طرح موجود ہے گویا کہ وہ بذات خود موجود ہیں۔ اب ان کی موجودگی میں ان سے کوئی کم افضل (مفضول) مبعوث ہوکر آجائے تو اس کا کیا فائدہ؟ ہاں! اگر کوئی ان سے بھی بڑھ کر افضل آجائے تو اس کا کوئی جواز بھی ہے اور اس کا کوئی فائدہ بھی۔ لہٰذا قادیانی امت کا یہی عقیدہ ہے اور ہونا بھی یہی چاہئے کہ مرزاغلام احمد افضل الانبیاء ہے اور افضل البشر ہے۔ لیکن جب وہ اس میں سے نبی اکرم ﷺ کے لئے استثناء نکالتے ہیں تو یہ کھلی منافقت ہوتی ہے۔ کیونکہ خود مرزاغلام احمد قادیانی کا دعویٰ ہے۔

’’مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور میں اس کے سب نوروں میں آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے۔ کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔‘‘ (کشتی نوح ص۵۶، خزائن ج۱۹ص۶۱)

قادیانی امت کے لئے آخری راستہ محمد رسول اللہ ﷺ کا راستہ نہیں ہے۔ بلکہ آخری راستہ مرزاغلام احمد قادیانی کا راستہ ہے اور آخری نور ہدایت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس نہیں بلکہ مرزاغلام احمد قادیانی کے پاس ہے۔ قادیانی امت کے عقیدے کی صحیح ترجمانی تو یہ ہے۔

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد جس نے دیکھنے ہوں جس نے اکمل غلام احمد کو دیکھے قادیان میں

(اخبار البدر قادیان ج۵، نمبر۴۳ ص۱۴ کالم۱، مورخہ ۲۵/ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

لہٰذا قادیانی امت کے نزدیک ہم مسلمانوں کی وہی حیثیت ہے جو ہمارے نزدیک عیسائیوں کی ہے۔ اس بارے میں مرزاغلام احمد قادیانی کے صاحبزادے مرزابشیر احمد لکھتے ہیں: ’’حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں (غیر احمدی سے مراد ہم مسلمان...... راقم) کے ساتھ وہ سلوک جائز رکھا جو نبی اکرم ﷺ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کا جنازہ پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کرسکتے ہیں۔‘‘

(کلمتہ الفصل، مصنفہ بشیر احمد ریویو آف ریلیجنز ج۱۴ نمبر۴ ص۱۶۹، بابت ماہ اپریل ۱۹۱۵ء)

اس لئے جب قادیانی حضرات یا ان کا گرو یہ کہتا ہے کہ:

’’دل سے ہیں خدام ختم المرسلین‘‘

تو یہ صرف اور صرف منافقت ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ بھی واقف ہے اور ہم مسلمان بھی آگاہ ہیں۔ اس کے برعکس ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور یہ کہ:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب (اقبال)

ہم مسلمان نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں ہر مدعی نبوت کو کاذب گردانتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ؎

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہ ہر مفہوم شرک (اقبال)

ختم نبوت درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ایک احسان عظیم ہے کہ اس نے نسل انسانی کی حالت انتظار ختم کر دی۔ یہ گویا اس امر کا اعلان تھا کہ نسل انسانی ارتقاء کے اس مرحلہ پر آگئی ہے کہ اس کے سپرد اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کی جاسکتی ہے اور اس کے لئے آخری رسول کے ذریعہ دین مکمل کیا جاسکتا ہے اور آخری اسوۂ حسنہ کا امین بنایا جاسکتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے کہ ؎

لا نبی بعدی احسان خدا است پردۂ ناموس دین مصطفیٰ است

(اقبال)

امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے دین کو نسل انسانی تک پہنچانے کا حق ادا کر چکے ہیں۔ اب کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کے بارے میں ہم یہ کہہ سکیں کہ اس کے بارہ میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ معلوم نہیں۔ چنانچہ مرزاغلام احمد قادیانی بھی اس کے گواہ ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حجت پوری کردی ہے۔

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حجت تمام دنیا پر پوری ہوچکی ہے اور آپ کے انوار سورج سے زیادہ چمک رہے ہیں۔'' (حقیقت الوحی ص۱۷۷، خزائن ج۲۲ ص۱۷۳)

جب حقیقت یہ ہے اور واقعی یہی ہے تو نبی کریم ﷺ کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی ایسے شخص کی کیا حاجت ہوسکتی ہے جو صلیب پرست، مشرک انگریزوں کی اس قدر خوشامد اور چاپلوسی کرتا تھا کہ ان کے چپڑاسی بھی نہیں کرتے ہوں گے۔

اپنی بات کچھ طویل ہوگئی ہے۔ لیکن ایک بات اور بھی کہنا ضروری ہے۔ قادیانیوں کے مخالفین میں سے کسی کو موت آجائے تو قادیانی امت اس پر بہت خوشی مناتی ہے۔ مثلاً ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کو نواب محمد احمد خاں کے قتل کے جرم میں پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں سے سزا ہوئی اور اس سزا پر جب عمل درآمد ہوا تو قادیانی امت نے بہت خوشی منائی اور کہا کہ بھٹو کو پھانسی اس لئے ہوئی ہے کہ اس نے ۱۹۷۴ء میں قادیانی امت کو غیرمسلم قرار دیا تھا۔ ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیرمسلم قرار دیا گیا تو یہ قومی اسمبلی کا متفقہ فیصلہ تھا، نہ کہ صرف بھٹو کا فیصلہ تھا۔ بھٹو صاحب اگرچہ قائد ایوان تھے لیکن جن تیرہ دنوں میں قومی اسمبلی میں قادیانی خلیفہ مرزاناصر احمد نے اپنا مؤقف پیش کیا تو وہ اسمبلی کے اجلاس میں اپنی دوسری مصروفیات کی بناء پر کم ہی شریک ہوئے تھے۔ اب قومی اسمبلی کے ممبران (جن کی تعداد دوصد سے بھی زائد تھی) میں سے کسی اور کی تو نکسیر بھی نہیں پھوٹی تھی۔ حالانکہ فیصلہ کرنے والے اصل میں تو وہی تھے۔

اسی طرح کی خوشی قادیانی امت نے اس وقت بھی منائی جب جنرل ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ ایک فضائی حادثہ کا شکار ہوئے۔ قادیانی امت نے برملا کہا کہ جنرل ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کو حادثاتی موت اس لئے آئی ہے کہ اس نے امتناع قادیانیت کا آرڈیننس پاس کیا تھا۔ میں قادیانی امت سے سوال کرتا ہوں کہ کیا بھٹو رحمۃ اللہ علیہ کی موت سے قومی اسمبلی کا فیصلہ کالعدم ہوگیا تھا؟ اگر نہیں تو اس کی موت پر آپ کی خوشی کا جواز؟ اسی طرح جنرل ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کی موت سے امتناع قادیانیت آرڈیننس ختم تو نہ ہوا۔ وہ تو آج بھی باقی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ان شاءاللہ! جنرل ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کو تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ نصیب ہوا۔ دنیا کا کوئی کونا ایسا نہیں جہاں مسلمان تو ہوں اور

جنرل ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہ ہوئی ہو۔ یہاں تک کہ لاہور لائیکورٹ کے جج صاحبان جنہوں نے ہائیکورٹ کے صحن میں کبھی بھی کسی کی غائبانہ نماز جنازہ ادانہیں کی۔ انہوں نے بھی جنرل ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جنرل محمد ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ پہلا شخص ہے جس کی حرم کعبہ میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر ہروقت کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ ہاتھ اٹھائے اس کی مغفرت کی دعا کررہا ہوتا ہے۔

اب قادیانی امت کی خوشی کا کوئی جواز؟

مجھے قادیانی امت کی خدمت میں اپنی طرف سے یہ کہنا کہ وہ کسی مخالف کی موت پر خوشی نہ منایا کریں۔ یہ بچگانہ حرکت ہے۔ موت کسی کے لئے سزانہیں ہے جوذی روح بھی اس دنیا میں آیا ہے۔ اسے بذریعہ موت رخصت ہونا ہے۔ سب سے پہلے انسان سے لے کر اس دنیا میں آنے والے سب سے آخری انسان تک سب ہی موت کی وادی میں سے گزریں گے۔ لہٰذا کسی کی موت بھی (سوائے مرزاغلام احمد قادیانی کے) نہ تو قادیانیت کی صداقت کی دلیل ہے اور نہ کذب کی۔ صدق اور کذب کا فیصلہ تو میرٹ (**Merit**) پر ہوتا ہے۔

مرزاغلام احمد قادیانی کی موت البتہ قادیانیت کی صداقت یا کذب کی دلیل ہے۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی اللہ تعالیٰ سے ایک دعا کے ذریعہ اپنی موت کو اپنے صدق یا کذب کا معیار بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی۔ اس موضوع پر میرا مضمون شامل کتاب ہے۔ یہاں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ موت چونکہ کسی ذی روح کے لئے سزانہیں ہے۔ اسی لئے اسلام میں ’’قتل‘‘ قابل راضی نامہ جرم ہے۔ لیکن زنانہیں۔ چونکہ مقتول نے بہرحال کبھی نہ کبھی مرنا تھا اور اس کی موت کا وقت بھی مقرر تھا اور بہانہ بھی۔ یعنی مقتول نے قتل ہوکر ہی موت سے ہمکنار ہونا تھا۔ اس لئے ’’قتل‘‘ قابل راضی نامہ بنادیا گیا کہ اگر مقتول کے وارث قصاص نہ لینا چاہیں تو یہ ان کا حق ہے۔ اس پر کوئی قادیانی دوست یہ سوال کرسکتا ہے کہ جب مقتول نے قتل ہوکر ہی مرنا تھا تو پھر قاتل کو قصاص میں قتل کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرنے والے نے بلاشبہ قتل ہوکر ہی مرنا تھا۔ لیکن قاتل کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اسے قتل کرتا۔ کیونکہ ایک مسلمان کی جان صرف تین صورتوں میں لی جاسکتی ہے۔

۱...... اس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کیا ہو۔

۲...... اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو۔

۳...... وہ اسلام چھوڑ کر مرتد ہوگیا ہو۔

مجھے معلوم ہے کہ قادیانی حضرات اس کے قائل نہیں ہیں کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ لیکن یہ ان کے دل کا چور ہے۔ کیونکہ وہ خود کو مرتد سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ کے بارے میں امت مسلمہ میں کبھی اختلاف نہیں رہا۔ ان سے درخواست ہے کہ وہ اس موضوع پر جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا مطالعہ کریں۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ میں ''قتل'' قابل راضی نامہ جرم رہا ہے اور ''زنا'' ناقابل راضی نامہ۔ تاریخ میں پہلی دفعہ اس ترتیب کو مرزاغلام احمد قادیانی کے آقا و مولا صلیب پرست، مشرک انگریز کی حکومت نے الٹ دیا کہ ''قتل'' کو ناقابل راضی نامہ بنادیا اور ''زنا'' کو قابل راضی نامہ۔ الحمدللہ! اب پاکستان میں اس ترتیب کو ایک بار پھر صحیح کردیا گیا ہے۔ یعنی ''قتل'' تو قابل راضی نامہ جرم ہے اور ''زنا'' ناقابل راضی نامہ جرم۔

مرزاغلام احمد قادیانی نے تقریباً اٹھائیس سال قلم گھسایا۔ ان اٹھائیس سالوں میں انہوں نے کیا کارنامے انجام دیئے؟ میں نے ان صفحات میں اس کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ میری کوشش کس قدر کامیاب ہے؟ یہ تو قاری ہی بتا سکے گا۔ میرے لئے تو یہی کافی ہے کہ ایک بزرگ نے مبارک باد دی کہ حشر کے روز مجھے اسی صف میں جگہ مل جائے گی جس صف میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر کھڑے ہوں گے۔ اگر ایسا ہوگا تو مجھ سے بڑا خوش نصیب کون؟ الحمدللہ! کہ میں بھی ایک سوت کی انٹی لئے اپنے رب کے فضل سے مصر کے بازار میں کھڑا طالبان یوسف کی صف میں شامل ہوں گا۔ البتہ قادیانی امت سے درخواست ہے کہ اگر مرزاغلام احمد قادیانی کا کوئی کارنامہ رہ گیا ہو تو وہ اس کی نشاندہی کردیں۔ آئندہ اشاعت میں اسے بھی شامل کردوں گا۔

ایک بات اور! اکثر قادیانی یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر مرزاغلام احمد قادیانی واقعی نوسرباز تھا تو محمد علی لاہوری جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور حکیم نورالدین جیسے عالم اس کے پیچھے کیسے لگ گئے؟ اس معاملہ میں مجھے مرزا محمد حسین مرحوم سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ یہ دونوں حضرات، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کی معجزانہ پیدائش کے قائل نہیں تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کا یہ بیان قرآن مجید میں نقل کیا ہے کہ ''میرے بچہ کیسے ہوگا مجھے تو کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔'' اس لئے سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان جیسے تعلیم یافتہ حضرات کو مرزاغلام احمد قادیانی کا مرید بنادیا۔ یہ بات تسلیم کرنے کی معقول وجہ ہے۔ میں نے کسی مضمون میں حکیم نورالدین کی ایک تحریر کا اقتباس پڑھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جو آگ ٹھنڈی ہوئی تھی وہ اس طرح کی آگ نہیں تھی جس پر روٹی پکائی جاتی ہے۔ بلکہ یہ مخالفت کی آگ تھی۔

اب ایک عالم دین اگر ایسی بات کہے تو پھر واقعی اسے سزا کے طور پر مرزا غلام احمد قادیانی کا مرید ہو جانا چاہئے۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے مخالفت کی آگ ٹھنڈی ہوگئی تھی تو انہوں نے اپنے آبائی شہر سے ہجرت کیوں کی؟ پھر تو ان کے لئے اور بھی لازم تھا کہ وہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ''پس ایمان لایا اس پر لوط اور حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں اپنے پروردگار کی بتلائی ہوئی جگہ کی طرف ہجرت کر جاؤں گا۔ بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے۔''

(العنکبوت:۲۶، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

''کہا ہم نے اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا اوپر ابراہیم کے اور ان لوگوں نے ان کے ساتھ برائی کرنا چاہا تھا۔ اس وہم نے ان ہی لوگوں کو ناکام کر دیا اور ہم نے ابراہیم اور لوط کو ایسے ملک کی طرف بھیج کر بچالیا جس میں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکت رکھی تھی۔''

(الانبیاء:۶۹ تا ۷۱، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس پر بھی اگر حکیم نورالدین جیسا عالم دین اور محمد علی لاہوری جیسا تعلیم یافتہ شخص یہ کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے حقیقی آگ نہیں بلکہ مخالفت کی آگ ٹھنڈی ہوئی تھی تو پھر واقعی سزا کے طور پر ان لوگوں کو مرزا غلام احمد قادیانی جیسے شخص کا مرید ہو جانا لازم تھا۔ اللہ تعالیٰ ایسی سزا سے ہر شخص کو محفوظ رکھے۔ آمین!

''وآخر دعوانا للحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم''

قبولیت دعا

مرزا غلام احمد قادیانی گورداسپور ضلع (مشرقی پنجاب) کے ایک گاؤں کے زمیندار تھے۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق ان کے والد نے ان کی تعلیم کے لئے مختلف اوقات میں تین اساتذہ کو ملازم رکھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو کسی سکول یا مدرسہ میں داخل نہیں کروایا گیا تھا۔ انہوں نے جو کچھ اور جتنا پڑھا گھر پر ہی پڑھا۔ مرزا قادیانی کے اپنے بیان کے مطابق ۱۸۵۷ء میں وہ سولہ سترہ سال کے تھے۔

۱۸۵۷ء میں مسلمانان ہند نے مغل بادشاہ کا اقتدار بحال کرنے اور صلیب پرست انگریزوں کو ملک بدر کرنے کی جو جدوجہد کی تھی اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے والد مغل ہونے کے باوجود صلیب پرست انگریزوں کے ساتھ تھے۔ اس غداری کے عوض مرزا غلام احمد قادیانی کے والد کو

صلیب پرست انگریز گورنر کے دربار میں کرسی ملتی تھی جس پر مرزا قادیانی تمام عمر فخر کرتے رہے۔

۱۸۵۷ء کی جدوجہد میں مسلمان علماء نے نمایاں کردار ادا کیا اور انہیں کرنا بھی چاہئے تھا۔ کیونکہ انگریزی اقتدار کا مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ مسلمان حکمران کی جگہ غیر مسلم حکمران بن گئے۔ بلکہ اس کے پیچھے یورپ کی وہ ملحدانہ تہذیب بھی چلی آرہی تھی جس کے اثرات سے مسلمانوں کی ایک معقول تعداد نہ مسلمان رہی نہ کافر ہوئی۔ یعنی قلب نظر سے تو وہ مرتد ہوگئے لیکن مسلمانوں میں شامل بھی رہے۔ وہ فرائض سے تو غافل ہوگئے لیکن مسلم معاشرہ سے وابستہ رہتے ہوئے وہ تمام حقوق حاصل کرتے رہے جو صرف ایک مسلمان کا ہی حق ہوتا ہے۔ چنانچہ جب شکست ہوگئی تو مسلمان علماء کی خاصی بڑی تعداد کو پھانسی چڑھا دیا گیا۔ جو رہ گئے انہیں حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔

حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی مجھے کچھ وضاحت کرنا پڑے گی۔ ۱۸۵۷ء تک انڈین پینل کوڈ (تعزیرات ہند) نافذ نہیں ہوئی تھی اور عمر قید کا مطلب چودہ سال کی سزا نہیں تھا بلکہ فی الواقع یہ عمر قید ہی تھی اور قیدی کو جزائر انڈیمان بھیج دیا جاتا تھا اور اسے واپس آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ جو صاحب تفصیل میں جانا چاہیں وہ کتاب ’’کالا پانی‘‘ حاصل کرلیں۔ اردو بازار میں دستیاب ہے۔

۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی سے ہندو زعماء کو کوئی دلچسپی نہیں تھی، ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ تو پہلے بھی حکمران نہیں تھے بلکہ نئے حکمرانوں کو انہوں نے خوش آمدید کہا تھا۔ کیونکہ ان کے مذہب (عیسائیت) میں وہ اپیل نہیں تھی جو اسلام میں تھی اور ہے، جس کے نتیجے میں ہندوستان میں ہندو مسلسل مسلمان ہوتے رہے۔ جب حکومت مسلمانوں کے پاس تھی تو کسی ہندو مذہبی عالم میں یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ اسلام یا کسی مسلمان شخصیت کے بارے میں کوئی نازیبا کلمہ زبان پر لائے۔ اب ہندو مذہبی لیڈروں نے اعلانیہ اسلام پر حملے شروع کر دیئے۔ یورپ سے کچھ عیسائی پادری بھی عیسائیت کی تبلیغ کے لئے وارد ہوگئے۔ ان کا نشانہ بھی اسلام ہی تھا۔ (ہندو مذہب کو انہوں نے بھی نہ چھیڑا۔ کیونکہ ہندومت معروف معنوں میں مذہب ہے ہی نہیں وہ ایک کلچر ہے جس میں کچھ اوہام اور کچھ اصنام شامل کر دیئے گئے ہیں) ہندو مذہبی لیڈروں اور عیسائی مبلغین کی سرگرمیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمان علماء میدان میں موجود ہی نہیں تھے جس کی وجہ سے مسلمان عوام انتہائی مایوسی کا شکار تھے۔ خانہ خالی را دیو مے گیرند کے مصداق مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کے دفاع کا اعلان کر دیا اور اس مقصد کے لئے خوب اشتہار بازی کی اور چھاپہ خانہ جو نیا نیا برصغیر میں آیا تھا، اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔

جب بھی مرزاقادیانی کسی مخالف فریق سے مناظرہ طے کرتے تو اس کے لئے اشتہار شائع کرتے اور اسے دور دور تک پہنچانے کا انتظام کرتے۔ مناظرہ کرنے یا اس کے نتیجہ سے مرزاقادیانی کو اتنی دلچسپی نہیں ہوتی تھی جس قدر اس کی تشہیر سے ہوتی تھی۔ مناظرہ میں ان کی قابلیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ امرتسر کے ایک عیسائی پادری عبداللہ آتھم سے مرزاقادیانی پندرہ دن مناظرہ کرتے رہے۔ جب اسے شکست نہ دے سکے تو یہ اعلان کر کے مناظرہ ختم کر دیا کہ اس مناظرہ میں جو فریق ناحق ایک انسان کو خدا بنا رہا ہے، وہ آج سے پندرہ ماہ کے اندر مر جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں آتھم پادری مناظرہ کے بعد پندرہ ماہ میں مر جائے گا۔ وہ شخص ضعیف العمر ہونے کے باوجود پندرہ ماہ میں نہ مرا تو عیسائیوں نے امرتسر میں آتھم کو کندھوں پر بٹھا کر جلوس نکالا اور مرزاقادیانی کے کچھ مرید بھی عیسائی ہوگئے۔

مرزاقادیانی نے اس کا اعتراف اپنی ایک کتاب انجام آتھم میں بایں الفاظ سوال وجواب کی صورت میں کیا ہے:

”قولہ: قادیانی صاحب کے پیرو پیش گوئی کے سبب ان سے منحرف ہوگئے۔

اقول: میاں حسام الدین کی یہ دروغ گوئی درحقیقت افسوس کی جگہ نہیں۔ کیونکہ ان کے بزرگ عیسائی ایک مردہ کو خدا بنانے کے لئے کئی جھوٹی انجیلیں بنا کر چھوڑ گئے تو جھوٹ بولنا ان کی وراثت ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ اگر انحراف سے ان کی مراد ایک آدھ ناسمجھ کا انحراف ہے تو آپ کے یسوع صاحب پر سب سے پہلے یہ الزام ہے۔ کیونکہ یہودا اسکریوطی یسوع صاحب سے بڑے زور وشور کے ساتھ منحرف ہوا تھا۔ اور نہ صرف منحرف ہوا بلکہ بدظن ہوکر یہ چاہا کہ ایسا شخص ہلاک ہی ہو جائے تو بہتر ہے۔ تیس روپیہ لینے پر اسی وجہ سے راضی ہوا کہ یہ رقم قلیل بھی اس کے وجود سے بدرجہا افضل ہے۔“ (انجام آتھم ص۱۱، خزائن ج۱۱ ص۱۱)

یہاں مرزاقادیانی کو اعتراف ہے کہ پندرہ دن عبداللہ آتھم سے الوہیت مسیح کے موضوع پر مناظرہ میں اسے شکست نہ دے سکے تو اس کے بعد یہ پیش گوئی کر دی کہ عبداللہ آتھم ایک ماہ ایک دن کے حساب سے پندرہ ماہ میں مر جائے گا۔ جب پندرہ ماہ میں اسے موت نہ آئی تو مرزاقادیانی کے کئی مرید مرتد ہوکر عیسائی ہوگئے۔ مرزاقادیانی اس کو مبنی برحق اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ یسوع کا ایک مرید یہودا اسکریوطی ان سے منحرف ہوگیا تھا۔ اگر ان (مرزاقادیانی) کا کوئی مرید اسلام سے منحرف ہوگیا تو کیا ہوا؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اس واقعہ کو مرقس (**Mark**) نے اپنی گاسپل میں اس طرح رپورٹ کیا ہے: ’’جب شام ہوئی تو وہ ان بارہ کے ساتھ آیا اور جب وہ اکٹھے بیٹھے کھا رہے تھے تو یسوع نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک جو میرے ساتھ کھاتا ہے مجھے پکڑوادے گا۔‘‘ (مرقس باب:۱۴، فقرہ:۱۷،۱۸)

متی نے اپنی گاسپل میں یہودا اسکریوطی کے بارے میں اس طرح لکھا ہے: ’’جب اس کے پکڑوانے والے یہودا نے یہ دیکھا کہ وہ مجرم ٹھہرایا گیا تو پچھتایا اور وہ تیس روپے سردار، کاہنوں اور بزرگوں کے پاس واپس لاکر کہا میں نے گناہ کیا اور ایک بے قصور کو قتل کے لئے پکڑوایا۔‘‘ (متی باب:۲۷، فقرہ:۳،۴)

مرزا قادیانی نے حضرت مسیح علیہ السلام کی مثال تو دے دی کہ ان کا ایک پیروکار بھی منحرف ہوگیا تھا اور اس نے دولت کے لالچ میں اپنے مرشد کو پکڑوادیا۔ لیکن اس واقعہ میں چند باتیں قابل غور ہیں:

۱...... مرزا قادیانی عبداللہ آتھم پادری کو پندرہ دن مناظرہ میں شکست نہ دے سکے۔

۲...... پندرہ دن پورے ہونے پر مرزا قادیانی نے کہہ کر مناظرہ ختم کر دیا کہ عبداللہ آتھم پندرہ ماہ میں مر جائے گا اور یہ اس کے باطل پر اور مرزا قادیانی کے حق پر ہونے کا ثبوت ہوگا۔

۳...... آتھم کو پندرہ ماہ کے گزر جانے پر بھی موت نہ آئی تو مرزا قادیانی کے کچھ مرید عیسائی ہوگئے۔

۴...... مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ اگر کوئی مرتد ہوا ہے تو کوئی بات نہیں حضرت مسیح علیہ السلام کا ایک پیروکار بھی دولت کے لالچ میں منحرف ہوگیا تھا۔

اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ پکڑا جانے والا شخص حضرت مسیح علیہ السلام ہی تھے تو حضرت مسیح علیہ السلام کا پیروکار دولت کے لالچ میں منحرف ہوا۔ جب کہ مرزا قادیانی کے پیروکار مرزا قادیانی کی نالائقی کی وجہ سے عیسائی ہوئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا پیروکار تو اپنے فعل پر پچھتایا۔ توبہ کی اور وہ رقم واپس کر دی جو اسے دی گئی تھی۔ جب کہ مرزا قادیانی کے جو مرید عیسائی ہوگئے تھے وہ کبھی مسلمان نہ ہوئے۔ یہ تھی مناظروں میں مرزا قادیانی کی کارکردگی۔

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے علاقے کے جاگیردار بھی تھے۔ جاگیرداروں کو مفت ہی میں

کچھ چاپلوس مل جایا کرتے ہیں۔ اشتہار بازی کے ذریعہ مرزا قادیانی کے گرد کچھ عقیدت مند بھی جمع ہوگئے تھے۔ اپنے عقیدت مندوں کے ذریعہ مرزا قادیانی نے اپنے بارے میں یہ افواہ بھی پھیلائی ہوئی تھی کہ ان کی دعائیں بہت مقبول ہوتی ہیں۔ اس مقصد کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی نے الہام بھی گھڑے ہوئے تھے۔ مثلاً: ’’میں تجھے پہچانتا ہوں کہ تو ہی میرا خدا ہے۔ اس لئے میری روح تیرے نام سے ایسی اچھلتی ہے جیسا کہ شیر خوار بچہ ماں کے دیکھنے سے۔ لیکن اکثر لوگوں نے مجھے نہیں پہچانا اور نہ قبول کیا۔ اس لئے نہ میں نے بلکہ میری روح نے اس بات پر زور دیا کہ میں یہ دعا کروں کہ اگر میں تیرے حضور میں سچا ہوں اور اگر تیرا غضب میرے پر نہیں ہے اور اگر میں تیری جناب میں مستجاب الدعوات ہوں تو ایسا کر کہ جنوری ۱۹۰۰ء سے اخیر دسمبر ۱۹۰۲ء میرے لئے کوئی اور نشان دکھلا اور اپنے بندہ کے لئے گواہی دے جس کو زبانوں سے کچلا گیا ہے۔ دیکھ! میں تیری جناب میں عاجزانہ ہاتھ اٹھاتا ہوں کہ تو ایسا ہی کر۔ اگر میں تیرے حضور میں سچا ہوں اور جیسا کہ خیال کیا گیا ہے کافر اور کاذب نہیں ہوں تو ان تین سال میں جو اخیر دسمبر ۱۹۰۲ء تک ختم ہو جائیں گے کوئی ایسا نشان دکھلا جو انسانی ہاتھوں سے بالاتر ہو۔ جب کہ تو نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ میں تیری ہر ایک دعا قبول کروں گا مگر شرکاء کے بارے میں نہیں۔‘‘

(تریاق القلوب ص۲،۳، خزائن ج۱۵ ص۵۱۰)

اکثر ضعیف الاعتقاد لوگ دعا کروانے کے لئے بھی مرزا قادیانی کے پاس آیا کرتے تھے۔ دعا کے لئے لوگ خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کسی کے لئے فی سبیل اللہ دعا نہیں کرتے تھے۔ اس کے لئے سائل کی حیثیت کے مطابق نذرانہ وصول کرتے تھے۔ سیرت مہدی میں مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد نے پر ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب جو رئیس تھے لیکن اولاد نرینہ نہ رکھتے تھے۔ ایک دوست کے ذریعہ اولاد نرینہ کے لئے مرزا قادیانی سے دعا کی درخواست کی۔ اس کا مرزا قادیانی نے جواب دیا، وہ اس طرح ہے: ’’آپ اس سے جا کر کہہ دیں کہ وہ اسلام کی خدمت کے لئے (یعنی مرزا قادیانی کو...... راقم) ایک لاکھ روپیہ دے یا دینے کا وعدہ کرے۔ پھر ہم اس کے لئے دعا کریں گے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ پھر اللہ اسے لڑکا دے گا۔‘‘ (سیرت المہدی حصہ اوّل ص۲۵۷)

ایک لاکھ روپیہ آج کے انیس کروڑ بیس لاکھ ہیں۔ (اس وقت گوشت ایک روپیہ کا سولہ سیر تھا اور آج ایک سو بیس روپے کلو ہے) مرزا غلام احمد قادیانی کی دعائیں واقعی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوتی تھیں یا نہیں۔ وہ تو میں نہیں جانتا لیکن ایک دعا ایسی ہے جو مرزا غلام احمد

قادیانی کی ضرور قبول ہوئی اور من وعن قبول ہوئی۔ پیشتر اس سے کہ میں اس دعا کا ذکر کروں، میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں مرزا غلام احمد قادیانی سے پہلی دفعہ کس طرح متعارف ہوا۔

میں ابھی پرائمری سکول ہی میں تھا جب میں نے مرزا غلام احمد قادیانی کا نام سنا اور وہ بھی ایک شعر کے ذریعہ۔ شعر کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

اگر مرزا ہوتا خدا کا نبی تو ٹٹی میں گر کر نہ مرتا کبھی

شعر سننے کے بعد میں نے اس کی شان نزول معلوم کی تو مجھے بتایا گیا کہ ایک شخص جس کا نام مرزا غلام احمد ہے، اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس کی موت اس طرح ہوئی تھی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مجھے اس کا یقین نہ آیا۔ کیونکہ اس عمر میں بیت الخلاء کا نقشہ اس طرح تھا کہ گھر کی سب سے آخری چھت پر چار فٹ مربع جگہ جس کے گرد تین یا چار فٹ اونچی دیوار اور اس کے اندر تین یا زیادہ سے زیادہ چار چولہے۔ میرے ذہن نے اس کو قبول نہ کیا کہ کوئی شخص اس جگہ بھی موت سے ہم کنار ہوسکتا ہے۔ بعد میں جب قادیانی لٹریچر پڑھنے کی ضرورت پیش آئی تو معلوم ہوا کہ جو بات اس شعر کی صورت میں کہی گئی تھی وہ زیادہ غلط بھی نہیں تھی۔ ہوا اس طرح کہ مرزا قادیانی کا انتقال ہیضہ سے ہوا اور ہیضہ دست اور قے کی بیماری ہے۔ جس سے جسم کا پانی اور نمکیات خارج ہو جاتے ہیں اور اگر اس پر قابو نہ پایا جائے تو اس سے موت واقع ہوسکتی ہے۔ جب مرزا قادیانی کو ہیضہ ہوا تو رات کا وقت تھا۔ پہلی حاجت کے لئے تو وہ اٹھ کر بیت الخلاء چلے گئے۔ لیکن اس سے اس قدر ضعف ہو گیا کہ دوبارہ بیت الخلاء جانا ان کے لئے ممکن نہ رہا اور ان کے لئے اسی خواب گاہ میں بندوبست کر دیا گیا اور وہ اسی خواب گاہ میں ہی دست اور قے سے فراغت حاصل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ موت واقع ہوگئی۔ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ ان کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد نے سیرت المہدی میں اپنی والدہ سے رپورٹ کیا ہے جو اس طرح ہے: ”خاکسار نے والدہ صاحبہ کی یہ روایت جو شروع میں درج کی گئی ہے، جب دوبارہ والدہ صاحبہ کے پاس برائے تصدیق بیان کی اور حضرت مسیح موعود کی وفات کا ذکر آیا تو والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود کو پہلا دست کھانا کھانے کے وقت آیا تھا مگر اس کے بعد تھوڑی دیر تک ہم لوگ آپ کے پاؤں دباتے رہے اور آپ آرام سے لیٹ کر سو گئے اور میں بھی سوگئی۔ لیکن کچھ دیر بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور غالباً ایک یا دو دفعہ رفع حاجت کے لئے آپ پاخانہ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد زیادہ ضعف محسوس کیا تو اپنے ہاتھ سے مجھے جگایا۔ میں اٹھی تو آپ کو اتنا ضعف تھا کہ آپ میری چارپائی پر ہی لیٹ گئے اور میں آپ کے پاؤں دبانے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت صاحب نے فرمایا تم اب سو جاؤ۔ میں نے کہا نہیں میں

دباتی ہوں۔ اتنے میں آپ کو ایک اور دست آیا مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ پاخانہ نہ جاسکتے تھے۔ اس لئے میں نے چارپائی کے پاس ہی انتظام کر دیا اور آپ وہی بیٹھ کر فارغ ہوئے اور پھر اٹھ کر لیٹ گئے اور میں پاؤں دباتی رہی۔ مگر ضعف بہت ہوگیا تھا۔ اس کے بعد ایک اور دست آیا اور پھر آپ کو ایک قے آئی۔ جب آپ قے سے فارغ ہوکر لیٹنے لگے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ لیٹے لیٹے پشت کے بل چارپائی پر گر گئے اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرایا اور حالت دگرگوں ہوگئی۔'' (سیرت المہدی حصہ اوّل ص ۱۱،۱۲)

بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ مرزا قادیانی کے موت کے منظر کو ان کے خسر (مرزا محمود احمد کے نانا) میر ناصر نواب نے مکمل کیا ہے۔ اب ہم میر ناصر نواب صاحب سے رجوع کرتے ہیں۔ میر صاحب فرماتے ہیں: ''ابتداء میں جب کہیں حضرت صاحب باہر تشریف لے جاتے تھے تو مجھے گھر کی حفاظت اور قادیان کی خدمت کے لئے چھوڑ جاتے تھے اور آخر زمانہ میں جب کہیں سفر کرتے تھے اور گھر کے لوگ ہمراہ ہوتے تھے تو بندہ بھی ہم رکاب ہوتا تھا۔ چنانچہ جب آپ لاہور تشریف لے گئے جس سفر میں آپ کو سفر آخرت پیش آیا تب بھی بندہ آپ کے ہمراہ تھا اور اس شام کی سیر میں بھی شریک تھا جس کے دوسرے روز آپ نے قبل از دوپہر انتقال فرمایا۔ انا ﷲ وانا الیہ راجعون!

اب بڑی اور سخت تبدیلی میرے حال میں ہوئی اور ایسی سخت مصیبت نازل ہوئی جس کی تلافی بہت مشکل ہے۔ اﷲتعالیٰ کے سوا میری تکلیف کو کوئی نہیں جان سکتا۔ حضرت صاحب جس رات بیمار ہوئے اس رات میں اپنے مقام پر جاکر سو چکا تھا۔ جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا۔ جب میں حضرت صاحب کے پاس پہنچا اور آپ کا حال دیکھا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: ''میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہوگیا ہے۔'' اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ دوسرے روز دس بجے کے بعد آپ کا انتقال ہوگیا۔'' (حیات ناصر ص ۱۴، از یعقوب علی عرفانی)

عام حالات میں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی کہ کون کس مرض کے سبب موت سے ہمکنار ہوا۔ آخر ہر ایک نے دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ یہاں مستقل قیام کسی کا بھی نہیں۔ بیماری تو موت کا بہانہ ہوتی ہے لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کے معاملہ میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ مرزا قادیانی کا مرض الموت ان کے صدق یا کذب کا نشان تھا اور ان کی دعا تھی جسے اﷲتعالیٰ نے قبول کیا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ مولانا ثناء اﷲ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو کذاب ثابت کرنا اپنی زندگی کا مشن بنایا ہوا تھا۔ وہ امرتسر سے ایک ہفتہ وار پرچہ ''اہل حدیث'' کے نام

سے نکالتے تھے اور اس پرچہ کے چند صفحات مرزا غلام احمد قادیانی کے لئے وقف تھے۔ بعد میں انہوں نے ایک مستقل رسالہ بھی اس مقصد کے لئے شائع کرنا شروع کر دیا۔ امر واقع یہ ہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر تنہا اس قدر کام کیا جو ایک انجمن بھی نہیں کر سکتی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ عالم دین تو تھے ہی لیکن ساتھ ہی قادر الکلام بھی، اور بلا کے حاضر جواب بھی تھے۔ ان کی حاضر جوابی کا ایک واقعہ میں نے سنا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ کسی جگہ قادیانی حضرات سے ان کا مناظرہ تھا۔ جب مناظرہ شروع ہوا تو قادیانی نمائندے نے چند فتاویٰ کفر جو بریلوی حضرات نے ان پر لگائے تھے، پیش کر دیئے اور کہا کہ آپ تو مسلمان ہی نہیں ہیں۔ آپ مناظرہ میں مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کر سکتے۔ پہلے اپنا اسلام ثابت کیجئے اور پھر مناظرہ کیجئے۔ مولانا نے جواب میں کہا کہ ان فتاویٰ کفر کی بناء پر میں کافر ہوں۔ قادیانیوں نے کہا ہاں! مولانا نے اسی وقت کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھا اور کہا اب تو میں مسلمان ہو گیا ہوں، اب آگے بات کریں۔ اس طرح مولانا نے اپنی حاضر جوابی سے ان کی تدبیر ایک لمحہ میں الٹ کر رکھ دی۔

مرزا غلام احمد قادیانی مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے تعاقب سے بہت تنگ رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی مرزا قادیانی کے مرض الموت کو ان کے کذاب ہونے کا ایک نشان بنانا تھا۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے از خود بغیر کسی مطالبہ کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جو ان کے اخبار ''الحکم'' قادیان کے ۱۷؍اپریل ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔ اس دعا کے ذریعہ مرزا قادیانی نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ مرزا غلام احمد اور ثناء اللہ کے درمیان سچا فیصلہ فرما دے کہ ان میں سے سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے اور اس طرح مرزا قادیانی نے فیصلہ خدا کے ہاتھ میں دے دیا۔ مرزا قادیانی کی دعا من وعن ذیل میں درج ہے اور چشم کشا ہے۔ بشرطیکہ پڑھنے والے کے دل کی آنکھیں اندھی نہ ہوں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

یستنبئونک احق ھو قل ای وربی انہ لحق

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب، السلام علی من اتبع الہدیٰ! مدت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے اس پرچہ میں

مردود و کذاب دجال مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا سراسر افتراء ہے۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا مگر چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افتراء میرے پر کر کے دنیا کو میری طرف سے آنے سے روکتے ہیں اور مجھے ان گالیوں اور ان تہمتوں اور ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں کہ جن سے بڑھ کر کوئی لفظ سخت نہیں ہوسکتا۔ اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا (اور واقعی ایسا ہی ہوا...... راقم) کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے۔ جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئی تو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیش گوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم و خبیر ہے، جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے۔ اگر یہ دعویٰ مسیح موعود ہونے کا محض میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک! میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین! مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔ آمین یا رب العالمین!

میں ان کے ہاتھ سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گزر گئی۔ وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کے

لئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے اور انہوں نے ان تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت: ’’**لا تقف ما لیس لک به علم** ‘‘ پر بھی عمل نہیں کیا اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہایت درجہ کا بدآدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بداثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہیں تہمتوں کے ذریعے سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو، مبتلا کر۔ اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔ ’’**ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین. آمین** ‘‘ بالآخر مولانا صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم: عبداللہ الصمد مرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ واید

مرقومہ: ۱۵/اپریل ۱۹۰۷ء، یکم/ربیع الاوّل ۱۳۲۵ھ‘‘

(مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۵۷۸،۵۷۹)

مرزا قادیانی کی مذکورہ بالا دعا کے الفاظ پر غور فرمائیے: ’’اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے مگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون ہیضہ وغیرہ۔‘‘

مرزا قادیانی کی دعا کے آخری الفاظ قابل غور ہیں: ’’......اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور نہایت سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر دے۔ اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔ آمین!‘‘

الراقم لکھنے سے پہلے مرزا قادیانی لکھتے ہیں:’’اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے مرزا غلام احمد کی اس دعا کو قبول کیا اور جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب تھا اسے صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالیا۔ کیونکہ مرزا قادیانی ۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء کو ہیضہ میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہوگئے اور جس کمرہ میں وہ موت سے ہمکنار ہوئے اسی میں ہی دست اور قے کرتے رہے تا آنکہ ان کی روح پرواز کر گئی۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کے کذاب ہونے کی شہادت کو محفوظ رکھنا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے خسر کے سامنے مرزا قادیانی کی زبان سے یہ الفاظ نکلوائے۔’’میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہوگیا ہے۔‘‘

اب مرزا قادیانی کے خسر میر ناصر نواب ان الفاظ کو بھول سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے حافظہ میں یہ الفاظ محفوظ رکھے۔ یہاں تک کہ یعقوب علی عرفانی کو دیئے گئے انٹرویو میں انہوں نے یہ الفاظ ادا کئے اور انٹرویو لینے والے نے یہ الفاظ لکھ لئے۔ اب یعقوب علی عرفانی کتاب کی اشاعت سے قبل ان الفاظ کو اس انٹرویو سے نکال سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کی توفیق سلب کر لی اور مرزا غلام احمد قادیانی کے یہ الفاظ مستقل طور پر محفوظ ہوگئے۔ اس کے برعکس مولانا ثناء اللہ، مرزا غلام احمد قادیانی کے بعد چالیس سال زندہ رہے اور ان کا انتقال ۱۹۴۸ء میں سرگودھا میں ہوا۔ مرزا قادیانی نے یہ فیصلہ خدا کے ہاتھ میں دیا تھا اور خدا نے فیصلہ کر دیا کہ مرزا قادیانی کا دعویٰ مسیح موعود ان کے نفس کا افتراء تھا۔ جب قادیانی دوستوں کے سامنے یہ شہادت پیش کی جاتی ہے تو وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں، اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔

۱...... قادیانی حضرات کا ایک جواب تو یہ ہوتا ہے کہ یہ مباہلہ تھا اور مباہلہ میں ضروری ہوتا ہے کہ فریق مخالف اس کو قبول بھی کرے۔ چونکہ مولانا ثناء اللہ نے اسے قبول ہی نہیں کیا تھا۔ اس لئے مباہلہ منسوخ ہوگیا۔ اس کے بعد اس بات کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی کہ مرزا قادیانی کس مرض سے آنجہانی ہوئے اور کب ہوئے۔

۲...... بعض قادیانی یہ کہتے ہیں کہ مولانا ثناء اللہ نے اپنے رسالہ میں لکھ دیا تھا کہ مجھے یہ طریق فیصلہ قبول نہیں اور یہ کہ میں (ثناء اللہ) پہلے مروں یا آپ پہلے مریں آپ (مرزا غلام احمد قادیانی) بہرحال جھوٹے ہیں۔ اس لئے دعا منسوخ ہوگئی۔

۳...... کچھ قادیانی دوست میر ناصر نواب کو ہی جھوٹا قرار دے دیتے ہیں۔ میں اسی ترتیب سے قادیانی حضرات کے ان عذرات کا جائزہ لوں گا۔

(۱) میں قادیانی دوستوں سے گزارش کروں گا کہ یہ ہرگز مباہلہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مباہلہ کا ذکر سورۃ آل عمران کی آیت:۶۱ میں کیا ہے جو اس طرح ہے: ’’پس جو شخص آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں (اب بھی) حجت کرے جب کہ آپ کے پاس علم (قطعی) آچکا تو آپ فرما دیجئے کہ آؤ ہم (اور تم) بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو۔ اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور (ہم) اپنے آپ کو اور تم اپنے آپ کو۔ پھر ہم (سب مل کر) خوب دل سے دعا کریں اس طور سے کہ اللہ کی لعنت بھیجیں جو (اس بحث میں) ناحق پر ہوں۔‘‘

(آل عمران:۶۱، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ مباہلہ میں دونوں فریق مع اپنے بیوی بچوں کے ایک مقام پر جمع ہوں اور دونوں فریق مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس فریق پر لعنت بھیجے جو جھوٹا ہے۔ خود مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی مباہلہ کی تعریف کی ہے جو اس طرح ہے: ’’ان لوگوں نے کہا کہ اس شخص کی کتاب ایک ایسی کتاب ہے جو کذب اور کفر سے بھری ہوئی ہے۔ سو ان کو کہہ دے کہ آؤ ہم اور تم مع اپنی عورتوں اور بیٹوں اور عزیزوں کے مباہلہ کریں پھر ان پر لعنت کریں جو کاذب ہیں۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۲۶۵، خزائن ج۵ ص۲۶۵)

ایک اور جگہ بھی مرزا قادیانی نے مباہلہ کی تعریف کی ہے: ’’اور بعض لوگوں نے اپنے دلوں میں کہا کہ اے خدا کیا تو زمین پر ایک ایسے شخص کو قائم کردے گا کہ جو دنیا میں فساد پھیلائے تو خدا تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اور ان لوگوں نے کہا کہ اس شخص کی کتاب ایسی کتاب ہے جو کذب اور کفر سے بھری ہوئی ہے۔ سو ان کو کہہ دے کہ آؤ ہم اور تم اپنی عورتوں اور بیٹوں اور عزیزوں کے مباہلہ کریں اور پھر ان پر لعنت کریں جو کاذب ہیں۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۲۶۵، خزائن ج۵ ص۲۶۵)

مرزا قادیانی کے نزدیک بھی مباہلہ کے لئے فریقین کا نہ صرف ایک مقام پر جمع ہونا ضروری ہے بلکہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ جمع ہونا ضروری ہے اور باہم مل کر دعا کرنا کہ ’’فریقین میں سے جو جھوٹ پر قائم ہے، اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔‘‘ مباہلہ ہے۔

مرزا قادیانی نے مذکورہ دعا میں نہ صرف یہ کہ سرے سے مباہلہ کا لفظ ہی استعمال نہیں کیا بلکہ مولانا ثناء اللہ مرحوم کو تو کسی ایک مقام پر مع عورتوں اور بچوں کے جمع ہونے کی دعوت ہی نہیں دی تو پھر یہ مباہلہ کیسے ہوگیا؟ یہ صرف اور صرف ایک دعا تھی جو مرزا غلام احمد قادیانی نے خلوص دل سے اللہ تعالیٰ سے مانگی، جسے اللہ تعالیٰ نے قبول کرلیا۔ اس دعا میں اس طرح کی کوئی

شرط تھی ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو صرف اس صورت میں قبول کرے اگر مولانا ثناء اللہ اس پر آمین کہیں۔ مرزا قادیانی اس بات کے مدعی تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی سب دعائیں قبول کرے گا سوائے شرکاء کے۔ اب امر واقع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کی کوئی اور دعا قبول کی ہو یا نہ کی ہو۔ لیکن یہ دعا ضرور قبول کی جس نے مرزا قادیانی کو صادق یا کذب ثابت کرنا تھا۔ قادیانی امت بھی کیا کرے اگر اس طرح کے عذرات پیش نہ کرے تو مرزا قادیانی کو جھوٹا تسلیم کر لے۔ آبائی مذہب چھوڑنا بہت جرأت طلب ہوتا ہے۔ ہر قادیانی تو زیڈ.اے سلہری نہیں بن سکتا۔

(۲) یہ درست ہوسکتا ہے کہ مولانا ثناء اللہ نے اپنے رسالہ میں یہ لکھ دیا ہو کہ: ’’میں پہلے مروں یا بعد میں آپ بہر حال جھوٹے ہیں۔‘‘ یہ الفاظ مولانا مرحوم نے اس لئے لکھے ہوں گے ان کو یقین کامل تھا کہ مرزا غلام احمد جھوٹا ہے۔ خود مرزا قادیانی نے بھی ان سے اسی دعا میں کہا ہے کہ مولانا اس دعا کو اپنے رسالہ میں شائع کرنے کے بعد جو چاہیں لکھ دیں اور انہوں نے جو مناسب سمجھا لکھ دیا۔ اب اگر تو مرزا غلام احمد قادیانی بھی اپنے رسالہ میں اس کے بعد میں شائع کر دیتے کہ میں اپنی دعا کو جو ’’الحکم‘‘ میں شائع ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے واپس اس لئے لیتا ہوں کہ مولانا ثناء اللہ نے اس طریق فیصلہ کو قبول نہیں کیا تو اس صورت میں قادیانی دوستوں کے لئے یہ کہنا جائز ہوتا کہ دعا منسوخ ہوگئی۔ لیکن مرزا قادیانی نے تو اس دعا کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے واپس نہیں لیا۔ لہٰذا دعا اپنی جگہ موجود رہی اور اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبولیت بخش کر ثابت کر دیا کہ مرزا قادیانی اپنے دعوؤں میں کاذب تھے اور یہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی از قسم مہدی ومسیح موعود ان کے نفس کا افتراء تھا تو ہم اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کو کیوں قبول نہ کریں۔

(۳) اگر کچھ قادیانی دوست یہ کہہ کر جان چھڑانا چاہتے ہیں کہ میر ناصر نواب جھوٹے تھے تو ان کی مجبوری قابل فہم ہے۔ لیکن ان کی عقل اگر مفلوج نہیں ہوگئی تو ان کو غور کرنا چاہئے کہ کیا میر ناصر نواب کی شہرت ایک جھوٹے شخص کی تھی؟ اگر نہیں تو کیا انہوں نے صرف اسی ایک معاملہ میں جھوٹ بولنا تھا۔ میر ناصر نواب مرزا قادیانی کے خسر تھے۔ اس سفر میں وہ مرزا قادیانی کے ساتھ تھے۔ بلکہ گزشتہ شام کی سیر میں بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جب مرزا قادیانی کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو وہ مرزا قادیانی کی طرف چلے آئے۔ ان کو دیکھ کر مرزا قادیانی نے جو بات کہی وہ یہ ہے کہ: ’’میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہوگیا ہے۔‘‘ اور یہ آخری الفاظ ہیں جو ان کی زبان سے ادا ہوئے۔ ان الفاظ کے شائع ہونے کے بعد میر صاحب اور ان کی صاحبزادی (مرزا قادیانی کی بیگم) کئی سال زندہ رہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی تردید نہیں کی۔ اس کے بعد کسی قادیانی کا

یہ کہنا کہ میر ناصر نواب یا یعقوب علی عرفانی نے یہ بات گھڑ لی تھی، کیا وقعت رکھتا ہے؟

(۴) ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ مرزا قادیانی کی میت بذریعہ ریل قادیان لے جانے کے لئے ریلوے کے ڈاکٹر نے جو سرٹیفکیٹ دیا تھا اس میں ڈاکٹر نے مرض ہیضہ نہیں لکھا تھا بلکہ اسہال کا مرض لکھا تھا۔ لہٰذا مرزا قادیانی ہیضہ سے نہیں اسہال سے فوت ہوئے تھے۔ قادیانی احباب کو غور کرنا چاہئے کہ ریلوے کے ڈاکٹر نے مرزا قادیانی کا علاج تو نہیں کیا تھا کہ اسے مرض معلوم ہوتا۔ ڈاکٹر کو جو مرض بتایا گیا اس نے سرٹیفکیٹ میں لکھ دیا تھا۔ قادیانی احباب یہ دلیل پیش کر کے ثابت یہ کرتے ہیں کہ مرزا قادیانی کے منہ سے جو آخری بات نکلی وہ بھی جھوٹ تھا۔

اس معاملہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ فرض کیجئے مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں فوت ہو جاتے تو کیا قادیانی امت اسے مرزا قادیانی کی صداقت کی دلیل نہ بتاتی؟ اب اگر مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا مرزا قادیانی کی زندگی میں مرجانا مرزا قادیانی کی صداقت کی دلیل ہوتا تو اس کے برعکس مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں مرزا قادیانی کا مرجانا مرزا قادیانی کے کذاب ہونے کی دلیل کیوں نہیں ہے؟ کوئی نہ سمجھنا چاہے تو اس کی مرضی ورنہ بات تو بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی دعا کو قبولیت بخشی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں مرزا قادیانی کو ہیضہ کے مرض سے موت دے کر ثابت کر دیا کہ مرزا قادیانی کا دعویٰ مسیح موعود مرزا قادیانی کے نفس کا افتراء تھا اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں مرزا قادیانی مفسد اور کذاب تھے اور دن رات افتراء کرنا ان کا کام تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ اب جو چاہے ہدایت قبول کرے اور جو ہدایت قبول کرے گا تو اپنے ہی بھلے کے لئے کرے گا۔

”وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین“

صلیب پرست انگریزوں کی حکومت کے لئے جاسوسی

ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک واقعہ نظر سے گزرا جو ہدیہ قارئین ہے۔ مغل بادشاہ شاہ جہاں کی بیٹی بیمار ہوگئی۔ بہت علاج کیا گیا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ اتفاق سے ایک انگریز سیاح بھی اس دوران میں دہلی آ گیا۔ وہ ڈاکٹر بھی تھا۔ اس کی سیاحت کا سبب یہ بن گیا کہ اس کی بیوی جس سے اسے بہت محبت تھی، فوت ہوگئی۔ اس کا دل اچاٹ ہو گیا اور اس نے سب کچھ فروخت کر کے سیاحت کے لئے رخت سفر باندھ لیا اور جہاں گردی کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

جب وہ دہلی میں تھا تو اسے بھی شہزادی کی بیماری کی اطلاع مل گئی۔ اس نے شاہی دربار تک اطلاع پہنچائی کہ اسے شہزادی کا علاج کرنے کی اجازت دی جائے، جو مل گئی۔ اس نے علاج شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے علاج مؤثر ثابت ہوا اور شہزادی تندرست ہوگئی۔ جب شہزادی صحتیاب ہوگئی تو شاہ جہاں نے انگریز ڈاکٹر کو طلب کیا اور کہا ''مانگو کیا مانگتے ہو'' جس کے جواب میں ڈاکٹر نے کہا کہ میری قوم کو ہندوستان میں تجارتی دفتر قائم کر کے ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کا پرمٹ دیا جائے۔ اس کی فرمائش پوری کر دی گئی۔ انگریز ڈاکٹر نے وہ اجازت نامہ لے جا کر انگلستان کے دربار میں پیش کر دیا جس کے نتیجہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی جو بالآخر ہندوستان پر حکمران ہوگئی۔

مغل حکومت، اورنگزیب عالمگیر تک کافی مضبوط تھی۔ لیکن صد افسوس کہ اس کے جانشین اوصاف حکمرانی سے محروم ثابت ہوئے۔ مرکز گریز رجحانات بڑھتے گئے اور صوبے آزاد ہوتے چلے گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کلکتہ کے قریب اپنا تجارتی دفتر قائم کیا اور اس جگہ کا نام اس نے فورٹ ولیم رکھا۔ ابتداء میں انگریزوں نے اپنے دفاتر اور گوداموں کی چوکیداری کے لئے مسلح دستہ رکھنے کی مقامی حکومت سے باقاعدہ اجازت حاصل کی جو رفتہ رفتہ ایک باضابطہ فوج کی شکل اختیار کر گئی۔ اس باضابطہ فوج میں سپاہی سب کے سب مقامی ہی تھے۔ صرف افسران انگریز تھے۔ اسی فوج سے لارڈ کلائیو نے سراج الدولہ کو شکست دی اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے اقتدار کو مشرق سے مغرب کی طرف وسعت دینا شروع کر دی۔ دہلی میں بیٹھے ہوئے حکمرانوں کو تو کوئی خبر ہی نہ تھی۔ وہ تو حال مست تھے۔ ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کو شکست دینے کے بعد انگریزوں کے راستہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ لیکن ۱۸۵۷ء تک ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان پر مغل بادشاہ کے نام سے ہی حکومت کر رہی تھی۔ تمام فرمان بادشاہ کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ لیکن عملاً حکومت انگریزوں کی تھی۔ مغل بادشاہ کی حکومت لال قلعہ کی چاردیواری تک محدود ہو کر رہ گئی۔

۱۸۵۷ء میں مسلمانوں نے مغل بادشاہ کا اقتدار بحال کرنے اور صلیب پرست انگریزوں سے نجات کے لئے جدوجہد کی جو ناکام رہی، انگریزوں نے انقلابی فوج کو شکست دی۔ بہادر شاہ ظفر کو جلاوطن کیا۔ مغل شہزادوں کو قتل کیا اور ہندوستان پر اپنی براہ راست حکومت مستحکم کر لی۔

حکومت اگرچہ صلیب پرست انگریزوں کی تھی لیکن اسے چلانے کے لئے تمام کارکن انہوں نے مقامی آبادی سے بھرتی کئے۔ ۱۸۵۷ء کے تجربہ سے انگریزوں نے دو سبق حاصل کئے۔

ا...... ان پر یہ واضح ہوگیا کہ جلد یا بدیر انہیں ہندوستان کو آزاد کرنا پڑے گا۔ اس لئے انہوں

نے یہ قانون بنادیا کہ کوئی انگریز ہندوستان میں غیرمنقولہ جائیداد نہیں بنائے گا۔

۲...... ان کے لئے لازم ہوگیا کہ باغیانہ خیالات رکھنے والے تمام لوگوں کو کچل دیں۔ باغی عناصر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے ایک مضبوط محکمہ جاسوسی قائم کیا گیا۔

۱۸۵۷ء کی شکست کے بعد مسلمانوں میں یہ بحث چھڑ گئی کہ مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے کے بعد ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام۔ اگر دارالحرب ہے تو نماز جمعہ فرض نہ رہی اور اگر دارالاسلام ہے تو نماز جمعہ بدستور فرض رہی۔ یہ بحث یقیناً کچھ عرصہ چلتی رہی ہوگی۔ بالآخر ایک درمیانی راستہ نکالا گیا کہ نماز جمعہ بھی ادا کی جائے اور نماز ظہر بھی پوری پڑھی جائے۔ میں نے چونکہ قیام پاکستان سے قبل نماز شروع کردی تھی اس لئے مجھے یہی سکھایا گیا تھا قیام پاکستان کے بعد جمعہ کے روز نماز ظہر کو ترک کردیا گیا۔

جو لوگ نماز جمعہ کے بارے میں یہ رائے رکھتے تھے کہ وہ فرض نہ رہی وہ صلیب پرست انگریزوں کی حکومت کو دل سے تسلیم بھی نہیں کرتے تھے۔ انگریزوں کے محکمہ جاسوسی کا فرض ہوگیا کہ وہ ایسے لوگوں کی ٹوہ لگائیں اور ان پر نظر رکھیں تاکہ کسی وقت وہ منظّم ہوکر حکومت کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں۔

اس قسم کے باغیانہ خیالات رکھنے والے لوگوں کے بارے میں رپورٹ کرنے کی ڈیوٹی مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنے ذمہ لے لی۔ چنانچہ مرزاقادیانی نے پہلے تو ایک درخواست اپنی طرف سے اور اپنی امت کی طرف سے گورنمنٹ کو پیش کی کہ ہفتہ وار تعطیل اتوار کی بجائے جمعہ کو کر دی جائے تاکہ کسی کے پاس یہ عذر نہ رہے کہ وہ نماز جمعہ میں اس لئے شریک نہ ہوسکا تھا کہ تعطیل نہیں تھی۔ مرزاقادیانی کے لئے ایسے لوگوں کی نشاندہی کرنا آسان ہوجائے گا جو باوجود تعطیل کے نماز جمعہ میں شامل نہیں ہوتے۔ مرزاقادیانی کی درخواست کا ضروری حصہ پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: ''تیسرے یہ کہ تمام نیک دل اور پاک طبع مسلمان جو گورنمنٹ عالیہ کے سچے خیرخواہ ہیں التزام جمعہ کی رسم کو اس محسن گورنمنٹ کی سچی خیرخواہی اور دلی وفاداری کے لئے ایک علامت ٹھہراتے ہیں۔ مگر بعض دوسرے نالائق نام کے مسلمان جن کی تعداد قلیل ہے اس ملک برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دے کر اپنے خودتراشیدہ خیالات کے رو سے جمعہ کی فرضیت سے منکر ہیں۔ کیونکہ ان کا گمان ہے جو برٹش انڈیا دارالحرب ہے اور دارالحرب میں جمعہ فرض نہیں ہوتا۔ پس کچھ شک نہیں کہ جمعہ کی تعطیل سے ایسے بدباطن کمال صفائی سے شناخت کئے جائیں گے۔ کیونکہ اگر باوجود تعطیل کے پھر بھی وہ جمعہ کی نمازوں میں حاضر نہ ہوئے تو یہ بات کھل جائے گی کہ درحقیقت وہ نالائق اس

گورنمنٹ کے ملک کو دارالحرب ہی قرار دیتے ہیں۔ تبھی تو جمعہ کی پابندی سے عمداً گریز کرتے ہیں۔ سو اس صورت میں یہ مبارک دن نہ صرف مسلمانوں کی عبادات خاصہ کا ایک دن ہوگا بلکہ گورنمنٹ کے لئے بھی ایک سچے مخبر کا کام دے گا اور ایک معیار کی طرح کھرے اور کھوٹے میں فرق کر کے دکھلاتا رہے گا۔ چنانچہ اس درخواست پر بھی صرف انہیں سچے خیرخواہوں کے دستخط درج ہیں جو اس ملک کو دارالحرب قرار نہیں دیتے اور دلی سچائی سے گورنمنٹ کی حکومت کو قبول کر لیا ہے اور اپنے لئے سراسر برکت اور رحمت سمجھا ہے اور کچھ شک نہیں کہ جمعہ کی تعطیل سے ایسے لوگ جو غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں اثر پذیر بھی ہوں گے اور گورنمنٹ کے دلی خیرخواہ بہت ترقی پذیر ہوں گے اور بدباطن تارک الجمعہ بڑی آسانی سے شناخت کئے جائیں گے۔ یہ بات دوبارہ گورنمنٹ کو یاد دلائی جاتی ہے ایک جمعہ ہی مسلمانوں میں اس بات کی علامت ہے کہ کون شخص اس ملک گورنمنٹ کو دارالحرب قرار دیتا ہے اور کون اس کی نفی کرتا ہے۔ سو جو شخص گورنمنٹ برطانیہ کی رعیت ہو کر جمعہ کی فرضیت کا قائل ہے اور اس کا ترک کرنا معصیت سمجھتا ہے وہ ہرگز اس ملک کو دارالحرب قرار نہیں دے گا اور سچے دل سے گورنمنٹ کا خیرخواہ ہوگا۔ لیکن جو شخص برٹش انڈیا میں جمعہ کی فرضیت کا منکر ہے وہ درپردہ اس ملک کا دارالحرب قرار دیتا ہے اور سچا خیرخواہ نہیں۔ سو جمعہ ان دونوں فریقوں کے پرکھنے کے لئے ایک معیار ہے۔'' (مجموعہ اشتہارات حصہ دوم ص۲۲۳،۲۲۴)

مرزاغلام احمد اور ان کے مریدوں کی یہ درخواست تو منظور نہ ہوئی اور صلیب پرست انگریزوں نے بدستور ہفتہ وار تعطیل کا دن اتوار ہی رکھا۔ کیونکہ ان کو جمعہ سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ اگر ہفتہ وار تعطیل کا دن جمعہ مقرر ہو جاتا تو مرزاقادیانی کا کام آسان ہو جاتا اور وہ ایسے تمام مسلمانوں کے نام صلیب پرست انگریزوں کی حکومت کو رپورٹ کر دیتے جو باوجود تعطیل کے نماز جمعہ سے غیر حاضر رہتے۔ کام مشکل ہی سہی لیکن مرزاغلام احمد بھی حوصلہ ہارنے والے شخص نہیں تھے۔ وہ اپنے فرض سے غافل نہیں رہے۔ انہوں نے بدستور ایسے مسلمانوں کی تلاش جاری رکھی جو نماز جمعہ میں شامل نہیں ہوتے تھے اور صلیب پرست انگریزوں کی حکومت کی وجہ سے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے تھے۔ مرزاقادیانی نے اپنی پوری امت کو اسی جاسوسی کے کام پر لگا دیا اور اس کے لئے باقاعدہ ایک گوشوارہ بنا کر اس ہدایت کے ساتھ قادیانی امت کے سپرد کر دیا جس میں وہ ایسے مسلمانوں کے کوائف درج کر کے مرزاقادیانی کو مہیا کریں جو نماز جمعہ میں شامل نہیں ہوتے تھے۔ مرزاقادیانی نے کار نبوت بھی تو صلیب پرست انگریزوں کی خدمت کے لئے ہی شروع کیا تھا۔ اب آپ مرزاغلام احمد قادیانی کا وہ ہدایت نامہ ملاحظہ کریں جو جاسوسی کی غرض

سے قادیانی امت کے نام جاری رکھا گیا اور (مجموعہ اشتہارات حصہ دوم ص۲۲۷،۲۲۸) پر موجود ہے:

’’چونکہ قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیرخواہی کے لئے ایسے نافہم مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کئے جائیں جو درپردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتے ہیں اور ایک چھپی ہوئی بغاوت کو اپنے دلوں میں رکھ کر اسی اندرونی بیماری کی وجہ سے فرضیت جمعہ سے منکر ہوکر اس کی تعطیل سے گریز کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ نقشہ اسی غرض کے لئے تجویز کیا گیا کہ تا اس میں ان ناحق شناس لوگوں کے نام محفوظ رہیں کہ جو ایسے باغیانہ سرشت کے آدمی ہیں۔ اگرچہ گورنمنٹ کی خوش قسمتی سے برٹش انڈیا میں مسلمانوں میں ایسے آدمی بہت ہی تھوڑے ہیں جو ایسے مفسدانہ عقیدہ کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہوں۔ لیکن چونکہ اس امتحان کے وقت بڑی آسانی سے ایسے لوگ معلوم ہوسکتے ہیں جن کے نہایت مخفی ارادے گورنمنٹ کے برخلاف ہیں۔ اس لئے ہم نے اپنی محسن گورنمنٹ کی پولیٹیکل خیرخواہی کی نیت سے اس مبارک تقریب پر یہ چاہا کہ جہاں تک ممکن ہو ان شریر لوگوں کے نام ضبط کئے جائیں جو اپنے عقیدہ سے اپنی مفسدانہ حالت کو ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ جمعہ کی تعطیل کی تقریب پر ان لوگوں کا شناخت کرنا ایسا آسان ہے کہ اس کی مانند ہمارے ہاتھ میں کوئی بھی ذریعہ نہیں۔ وجہ یہ کہ جو ایک ایسا شخص ہو جو اپنی نادانی اور جہالت سے برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتا ہے وہ جمعہ کی فرضیت سے ضرور منکر ہوگا اور اسی علامت سے شناخت کیا جائے گا کہ وہ درحقیقت اس عقیدہ کا آدمی ہے۔ لیکن ہم گورنمنٹ میں بادب اطلاع کرتے ہیں کہ ایسے نقشے ایک پولیٹیکل راز کی طرح اس وقت تک ہمارے پاس محفوظ رہیں گے جب تک گورنمنٹ ہم سے طلب کرے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ ہماری گورنمنٹ حکیم مزاج بھی ان نقشوں کو ایک ملکی راز کی طرح اپنے کسی دفتر میں محفوظ رکھے گی اور بالفعل یہ نقشے جن میں ایسے لوگوں کے نام مندرج ہیں گورنمنٹ میں نہیں بھیجے جائیں گے۔ صرف اطلاع دہی کے طور پر ان میں سے ایک سادہ نقشہ چھپا ہوا جس پر کوئی نام درج نہیں۔ فقط یہی مضمون درج ہے۔ ہمراہ درخواست بھیجا جاتا ہے اور ایسے لوگوں کے نام معہ پتہ ونشان یہ ہیں:

نمبر شمار	نام مع لقب وعہدہ	سکونت	ضلع	کیفیت‘‘

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ صلیب پرست انگریزوں کی حکومت کے لئے جاسوسی کا کام نہ صرف یہ کہ مرزاغلام احمد خود کرتے تھے بلکہ انہوں نے پوری قادیانی امت کو بھی اسی کام پر لگایا ہوا تھا۔ مرزاغلام احمد انگریزوں کے لئے جاسوسی کا کام فی سبیل اللہ نہیں کر رہے تھے۔ یہ یقین کرنے کی بہت مضبوط وجوہ موجود ہیں کہ اس کام کے لئے مرزاغلام احمد قادیانی کو صلیب پرست

انگریزوں کی حکومت بہت بھاری مشاہرہ دیتی تھی۔

مرزابشیراحمد جو مرزاغلام احمد قادیانی کے صاحبزادے تھے، انہوں نے ایک واقعہ لکھا ہے جو نذرقارئین ہے: ’’مرزادین محمد ساکن منگروال ضلع گورداسپور نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود (مرزاقادیانی) نے مجھے صبح کے قریب جگایا اور فرمایا کہ مجھے ایک خواب آیا ہے۔ میں نے پوچھا کیا خواب ہے۔ فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ میرے تخت پوش کے چاروں طرف نمک چنا ہوا ہے۔ میں نے تعبیر پوچھی تو کتاب دیکھ کر فرمایا کہ کہیں سے بہت سا روپیہ آئے گا۔ اس کے بعد میں چار دن یہاں رہا۔ میرے سامنے ایک منی آرڈر آیا جس میں ہزار سے زائد روپیہ تھا۔ مجھے اصل رقم یاد نہیں۔ جب مجھے خواب سنائی تو ملاوامل اور شرن پت کو بھی بلا کر سنائی۔ جب منی آرڈر آیا تو ملاوامل وشرن پت کو بلایا اور فرمایا کہ لو بھئی یہ منی آرڈر آیا ہے جا کر ڈاک خانہ سے لے آؤ۔ ہم نے دیکھا تو منی آرڈر بھیجنے والے کا پتہ اس پر درج نہیں تھا۔‘‘

(سیرت المہدی حصہ سوم ص۱۰۲)

اس روایت کے مطابق منی آرڈر ایک ہزار روپیہ سے زائد کا تھا۔ لیکن اگر ہم اسے پورا ہزار روپیہ بھی سمجھ لیں تو آج کے حساب سے یہ رقم سترہ لاکھ پچاس ہزار چھ سو روپے بنتی ہے۔ اب ایسا کون سا سیٹھ ہے جو اس قدر خطیر رقم مرزاغلام احمد کی نذر کرے اور اپنا نام بھی پوشیدہ رکھے؟ یہ منی آرڈر سوائے محکمہ جاسوسی کے اور کسی کا نہیں ہوسکتا تھا اور صلیب پرست انگریز کی حکومت ہی مرزاقادیانی کو ان کی خدمات کے صلہ میں اس قدر خطیر رقم بطور تنخواہ ادا کر سکتی تھی۔

صلیب پرست انگریزوں کی حکومت کے لئے جاسوسی کا کام بھی مرزاغلام احمد قادیانی کا ایک شاندار کارنامہ تھا اور پوری قادیانی امت اسی کام پر لگی ہوئی ہے جو ان کا گرو زندگی بھر کرتا رہا۔

اصل کارنامہ

وہ کیا تھا جس میں مرزاغلام احمد زندگی بھر مصروف رہے؟ ذیل کی سطور میں اسی کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تحریک احیائے علوم کے نتیجہ میں یورپ علم وہنر کے میدان میں آندھی کی طرح اٹھا اور کرۂ ارض پر چھا گیا۔ بھاپ کی طاقت دریافت ہوئی تو اس سے ریلوے انجن وجود میں آیا جس نے ہزاروں مسافروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا انتظام کر دیا۔ وہ سفر جو پہلے ہفتوں میں طے ہوتا تھا اب گھنٹوں میں طے ہونے لگا۔ برقی طاقت دریافت ہوئی تو اس سے انسانی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ برقی چرخہ اور برقی کھڈی نے ہزاروں گز کپڑا گھنٹوں میں تیار کرنا

شروع کردیا۔ زندگی جو پہلے چیونٹی کی چال چل رہی تھی اب برق رفتار ہوگئی۔ احیائے علوم کے نتیجہ میں جب صنعتی انقلاب آیا تو یورپ کے کارخانوں کے لئے خام مال کی ضرورت پیش آئی جو یورپ کے اندر ضرورت کے لئے ناکافی تھا۔ چنانچہ خام مال کی تلاش میں اہل یورپ کو مشرق کی طرف رخ کرنا پڑا۔ اس تگ ودو میں اہل برطانیہ یورپ کے دیگر ممالک سے آگے نکل گئے۔ اس کی وجہ غالباً بحری جہاز سازی کے میدان میں برتری تھی۔ خام مال کی تلاش میں ہی انگریز ہندوستان بھی آئے اور افریقہ کے کئی ممالک میں بھی انہوں نے قدم جمائے۔ ہندوستان میں اگر مغل حکومت دیمک زدہ تھی تو سلطنت عثمانیہ کی حالت بھی چنداں بہتر نہ تھی۔ مصر اور سوڈان اگرچہ سلطنت عثمانیہ میں شامل تھے لیکن عملاً انیسویں صدی میں وہاں انگریزوں ہی کی حکومت تھی۔ ہندوستان پر ہمیشہ شمال مغرب سے یعنی درۂ خیبر کے راستہ حملہ آور آئے۔ لیکن انگریز مشرق سے شروع ہوئے۔ سب سے پہلے انہوں نے بنگال کو اپنی عملداری میں لیا اور آہستہ آہستہ مغرب کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ کلکتہ سے پشاور تک کسی جگہ بھی کوئی قابل ذکر مزاحمت نہ ہوئی۔ جنوب میں سلطان ٹیپو نے مزاحمت کی لیکن ۱۷۹۹ء میں اسے شکست دینے کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تقریباً مکمل ہوگیا۔ لال قلعہ پر اگرچہ مغل بادشاہ کی حکومت تھی لیکن عملاً پورے ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی ہی حکمران تھی۔

مصر اور سوڈان میں انگریزوں نے اپنی باقاعدہ فوج کا کچھ حصہ رکھا ہوا تھا۔ سوڈان تو عملاً انگریزوں کے زیر تسلط تھا اور خرطوم میں انگریزوں نے اپنا گورنر تعینات کیا ہوا تھا اور بظاہر ایسے کوئی آثار نہ تھے کہ انگریزوں کے اقتدار کو سوڈان میں کسی طرف سے چیلنج کیا جائے گا لیکن اچانک ایک معجزہ ہوگیا۔

۱۸۴۸ء میں سوڈان میں دریائے نیل کے کنارے ایک گاؤں میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام اس کے ماں باپ نے محمد احمد رکھا۔ بچپن میں اس نے قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے بعد مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد اس نے وعظ وتبلیغ کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا کہ خدا کے راستہ میں مہاجرت اختیار کرو۔ جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا نصب العین بناؤ۔ دنیا اور اس کی آسائشوں سے قطع تعلق کرلو، خدا سے ڈرو، اس کے نیک بندوں کی رفاقت اختیار کرو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اللہ کے راستہ میں ایک مسلمان کا تلوار کو حرکت میں لانا ثواب میں ستر برس کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ ان مواعظ کے دوران اس نے مہدی ہونے کا دعویٰ بھی کردیا۔

محمد احمد کے مواعظ میں اس قدر تاثیر تھی کہ ہزاروں آدمی اس کے گرد جمع ہوگئے اور

تین سال کے مختصر عرصہ میں محمد احمد نے سوڈان کے وسیع علاقہ پر قبضہ کرلیا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کئی فوجی مہمات روانہ کی گئیں۔ لیکن ہر معرکہ میں محمد احمد کو کامیابی ہوئی۔ حالانکہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تربیت یافتہ فوجیں روانہ کی گئیں جن کی قیادت تجربہ کار جرنیل کیا کرتے تھے۔ محمد احمد کی حکومت خرطوم کے پاس سے چھ سو میل تک پھیل گئی تھی۔ مشرق کی طرف حبشہ تک کا علاقہ اس کے قبضہ میں تھا۔ اب صرف سوڈان کا دارالخلافہ خرطوم باقی رہ گیا تھا۔ جس وقت محمد احمد نے خرطوم کا محاصرہ کیا وہاں جنرل گورڈن انگریزی سپاہ کی کمان کر رہا تھا۔ محمد احمد نے محاصرے کے بعد جلد ہی خرطوم پر قبضہ کرلیا۔ جنرل گورڈن اس معرکے میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور محمد احمد نے جسے اب پورے سوڈان نے بطور مہدی قبول کرلیا تھا برطانوی سامراج کے آخری سپاہی تک کو سوڈان سے ختم کر دیا۔

جنرل گورڈن نے محاصرے کے دوران جو ڈائری لکھی اسے رابن ماہام نے مرتب کر کے **Last Encounter** کے نام سے لندن سے شائع کر دیا۔ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ خوبصورت عورت وہ ہے کہ اس کی سوکن اس کی خوبصورت کا اعتراف کرے اور عظیم آدمی وہ ہے کہ اس کا دشمن اس کی عظمت کا اعتراف کرے۔ جنرل گورڈن نے اپنی ڈائری میں مہدی سوڈانی کے بارے میں جو تأثرات قلم بند کئے وہ ملاحظہ کریں: ”میں اپنی دوربین سے دیکھ سکتا ہوں کہ مہدی کی فوج جمع ہو رہی ہے۔ درویشوں کے غول مہدی کے سامنے آ کر جھکتے ہیں (مہدی کے پیروکار درویش کہلاتے تھے...... راقم) ان کی آوازیں ہوا کی لہروں پر دریا پار کر کے مجھ تک پہنچ رہی ہیں۔ ان کے سرخ، سیاہ اور سبز جھنڈے بلند ہوتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ ان کو حملہ آور ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ خرطوم اس قدر کمزور ہے کہ ان کے مقابلہ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکے گا۔“

”عمر ابراہیم کو معلوم ہے کہ کن مقامات پر نیل ابیض پایاب ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کہاں کہاں پانی کی گہرائی کم ہے اور کہاں کہاں سے دریا پار کیا جاسکتا ہے۔ اب جب کہ وہ مہدی سے جا کر مل گیا ہے وہ یقیناً یہ معلومات مہدی کے حوالے کر دے گا۔“

”مہدی نے اپنے دوستوں کو دائیں کنارے سے نیل پار کرنے کے لئے حرکت دے دی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جو لوگ میرے اردگرد ہیں وہ اپنی غداری اور مجھ سے نفرت کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اب خرطوم کے عوام مہدی کے ماتحت آنے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ یہ سوڈانی ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ ان کے لئے کوئی قربانی دی جائے۔ لیکن

اس کے باوجود میں اپنے دشمن (مہدی) کی تعریف کرنے پر خود کو آمادہ پاتا ہوں۔ مہدی کا معمولی سے معمولی پیروکار بھی جوش جہاد سے بھرا ہوا ہے اور اس کے لئے ہر قسم کی صعوبت برداشت کرنے کے لئے تیار ہے۔ اسے ہرگز دکھ، تکلیف یا موت کی پروانہیں ہے۔ گویا وہ انسان نہیں ایک پتھر ہے۔" (ص۱۱۱،۱۱۲)

میں نے مہدی سوڈانی کا تفصیل سے ذکر اس لئے کیا ہے کہ وہ مرزاغلام احمد قادیانی کا ہم عصر تھا۔ مہدی سوڈانی نے برطانوی سامراج کے آخری سپاہی تک کو سوڈان سے نکل دیا۔ اپنے زیر حکومت علاقہ میں حدود اللہ کا نفاذ کیا، بیت المال قائم کیا، مکمل امن وامان قائم کیا، منکرات اور فواحش کا مکمل خاتمہ کر دیا۔

انگریزوں نے ہندوستان میں اگرچہ ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی کو کچل دیا تھا۔ لیکن وہ اس سے غافل نہیں تھے کہ یہ واقعہ دہرایا بھی جاسکتا ہے اور جس طرح سوڈان میں مہدی نے انہیں مصیبت ڈال دی تھی اسی طرح ہندوستان میں بھی کوئی شخص دعویٰ مہدویت کر کے انہیں اسی طرح کے حالات سے دوچار کر سکتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد لندن میں حکومت برطانیہ نے ایک کمیشن قائم کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ کیا تدابیر اختیار کی جائیں کہ ۱۸۵۷ء جیسی بغاوت دوبارہ نہ ہو۔ اس کمیشن نے یہ تجویز دی کہ مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص حواری نبی کا دعویٰ کر کے جہاد کو منسوخ کر دے تو یہ مؤثر ثابت ہوگا۔ یہ یاد رہے کہ عیسائی حضرات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو رسول کہتے ہیں اور انہیں مذہب میں ردوبدل کا اختیار حاصل ہے۔ بلکہ موجودہ عیسائی مذہب انہی رسولوں کا ایجاد کردہ مذہب ہے اور انہوں نے ہی تثلیث، ازلی گناہ، تجسم، کفارہ کے عقائد گھڑے ہیں۔ انہی رسولوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد شریعت کو لعنت قرار دیا، ختنہ کو ختم کیا اور الوہیت مسیح کی ترویج کی، تعدد ازواج کو منسوخ کیا۔ انگریزی حکومت کسی ایسے ہی شخص کی تلاش میں تھی جو امتی نبی کا دعویٰ کر کے جہاد کو منسوخ کر دے اور مسلمانان ہند کو آمادہ کرے کہ وہ برٹش حکومت کو دل سے تسلیم کر لیں۔ اس مقصد کے لئے ان کی نگاہ انتخاب مرزاغلام احمد پر پڑی جو اس وقت سیالکوٹ ضلع کچہری میں کلرکی کر رہے تھے اور عیسائی پادریوں سے چھیڑ چھاڑ بھی کرتے رہتے تھے اور اس بناء پر کچھ شہرت بھی حاصل کر چکے تھے۔

مرزاغلام احمد نے اس فرض کو جو انگریزوں نے اس کے سپرد کیا تھا اپنی طرف سے بہ احسن وخوبی ادا کرنے کی پوری کوشش کی۔ مرزاقادیانی کی زندگی کا مشن ہی انگریزوں کی اطاعت بن گیا اور ممانعت جہاد کے لئے جس قدر بھی ممکن تھا انہوں نے کام کیا۔ ایک طرف وہ مہدی تھا

جس کا نعرہ ہی ہجرت اور جہاد تھا اور ایک طرف یہ مہدی تھا جس کا مقصد زندگی ہی ممانعت جہاد اور اطاعت طاغوت تھا۔

مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنی قسمت کو صلیب پرست انگریزوں سے وابستہ کر لیا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ مغل آئے تو ہندوستان میں کم وبیش تین صدیاں حکومت کر گئے۔ اب انگریز آئے ہیں تو وہ تین چار سو سال سے قبل کیا جائیں گے۔ چنانچہ ایک موقع شناس شخص کی طرح اس نے انگریزوں کی اطاعت اور ان سے اظہار وفاداری کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ چنانچہ ایک اشتہار میں مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ''میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزاغلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا جس کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی...... ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے تھے۔ پھر میرے والد کی وفات کے بعد میرا بڑا بھائی مرزاغلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا اور جب تموں کے گزر پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔ پھر میں اپنے والد اور بھائی کی وفات کے بعد ایک گوشہ نشین آدمی تھا۔ تاہم سترہ برس سے سرکار انگریزی کی امداد اور تائید میں اپنی قلم سے کام لیتا ہوں۔ اس سترہ برس کی مدت میں جس قدر کتابیں میں نے تالیف کیں ان سب میں سرکار انگریزی کی اطاعت اور ہمدردی کے لئے لوگوں کو ترغیب دی اور جہاد کی ممانعت کے بارے میں نہایت مؤثر تقریریں لکھیں۔''

(مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۴۵۹، تا۴۶۲)

مرزاغلام احمد قادیانی نے نہ صرف جہاد کو حرام قرار دیا بلکہ صلیب پرست انگریزوں کی اطاعت کو اپنی بیعت کی شرائط میں شامل کر لیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''(میں) سرکار انگریزی کا بدل وجان خیر خواہ ہوں اور میں ایک شخص امن دوست ہوں اور اطاعت گورنمنٹ (انگریزی) اور ہمدردی بندگان خدا کی میرا اصول ہے اور یہ وہی اصول ہے جو میرے مریدوں کی شرائط بیعت میں شامل ہے۔'' (مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۴۶۵)

اللہ تعالیٰ تو انبیاء اس لئے مبعوث کرتا ہے کہ لوگ ان کی اطاعت کریں۔ ارشاد خداوندی ہے: ''اور ہم نے تمام رسولوں کو خاص اس واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے۔'' (سورۂ ن:۶۴)

مرزا قادیانی اگر ظلی نبی نہ ہوتے تو وہ بھی یہی مطالبہ کرتے کہ بحکم خداوندی میری

اطاعت کرو۔ لیکن مرزا قادیانی نے اپنا دین ومذہب انگریزوں کی اطاعت قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا مطالبہ تو یہ ہے: ’’حکم دینے کا اختیار تو صرف اللہ ہی کو ہے اور اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔ یہی سیدھا طریقہ ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔‘‘ (سورۂ یوسف:۴۰)

لیکن مرزا غلام احمد نے قادیانی امت کو پیغام دیا کہ حکم دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ کا نہیں بلکہ صلیب پرست انگریزوں کا ہے اور اپنی امت سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ انگریزوں کی اطاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے تو انبیاء کی بعثت کا مقصد یہ بتایا: ’’وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی کی قوم میں سے رسول بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو (عقائد باطلہ واخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور دانش مندی کی باتیں سکھاتا ہے۔‘‘ (سورۂ جمعہ:۲)

اس کے برعکس مرزا غلام احمد اپنی بعثت کا مقصد یہ بتاتے ہیں: ’’میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو قریباً ساٹھ کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں کہ تا مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیرخواہی اور ہمدردی کی طرف پھیر دوں اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں میں غلط خیال جہاد وغیرہ کے دور کروں جو ان کو دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات حصہ سوم ص۱۱)

یہ تھا اہم کام اور اصل کارنامہ جس کے لئے مرزا قادیانی مبعوث ہوئے تاکہ مسلمانوں کے دلوں کو صلیب پرست انگریزوں کی اطاعت کی طرف پھیر دیں اور اسی کے لئے وہ ابتدائی عمر سے ساٹھ برس کی عمر تک جہاد کرتے رہے۔

میرا قادیانی امت سے یہ سوال ہے کہ اگر ہندوستان کی تمام آبادی مرزا غلام احمد پر ایمان لے آتی (اگر مرزا غلام احمد واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوا تھا تو ہندوستان کی تمام آبادی کو اس پر ایمان لے آنا چاہئے تھا) تو ایسی صورت میں کیا کبھی ہندوستان صلیب پرست انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوسکتا تھا؟

کیا قادیانی امت میں سے کوئی ہے جو اس سوال کا جواب دے اور کیا قادیانی امت میں سے کوئی ہے جو اس سے عبرت حاصل کرے کہ سوڈان کے مدعی مہدویت نے زندگی بھر صلیب پرستوں کے خلاف جہاد کیا اور انگریزوں کو سوڈان سے نکال کر اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ دوسری طرف ہندوستان کا مدعی مہدویت تھا جو عمر بھر اس مقصد کے لئے جہاد کرتا رہا کہ مسلمان صلیب پرست مشرک انگریزوں کی غلامی کو قیامت تک کے لئے قبول کرلیں۔ لیکن اپنے مقصد میں ناکام ہوا کہ اس کے مرنے کے بعد صرف انتالیس سال بعد اس کے آقا ومولا انگریز کو

ہندوستان سے رخصت ہونا پڑا۔

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے غارت گر اقوام ہے صورت چنگیز

(اقبال)

اللہ تعالیٰ کا تعارف

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات پر انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرماتا رہا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ حشر کے روز یہ عذر نہ پیش کر سکے کہ وہ جانتا ہی نہ تھا اور نہ ہی اس کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ تھا کہ اس کے خالق کی رضا کن امور میں ہے؟ اس لئے اگر وہ زندگی میں ایسے کام کرتا رہا ہے جو اس کے خالق کو پسند نہیں تو اسے معذور سمجھا جائے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو جہاں یہ بتایا کہ ان کے خالق کی رضا کن امور میں ہے اور وہ کون سے کام ہیں جن کا کرنا اس کے غضب کا باعث ہوگا۔ وہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کا تعارف بھی کروایا۔ لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات ہی سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اس کی شکل صورت کسی نے بھی بیان نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہ تو وہ آنکھ عطاء کی ہے جو اسے دیکھ سکے اور نہ ہی اسے وہ ذہن دیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی شکل وصورت کو تصور میں لا سکے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی جو صفات معلوم ہوئی ہیں ان کی بناء پر ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حسن کامل ہے۔ وہ اس قدر حسین ہے کہ انسانی آنکھ اس کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے اگر کبھی کسی نے اللہ تعالیٰ کی شکل وصورت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرنے میں انہوں نے اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ مثلاً:

۱...... زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ”میرا پروردگار ایسا ہے کہ وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔“ (سورۂ بقرہ:۲۵۸)

۲...... اللہ تعالیٰ کا علم مکمل ہے: ”اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں۔“ (سورۂ ابراہیم:۳۸)

۳...... اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے: ”تمہارا رب وہ ہے جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔“ (سورۂ الانبیاء:۵۶)

۴...... اللہ تعالیٰ مہربان ہے: ’’بے شک وہ مجھ (ابراہیم) پر بہت مہربان ہے۔‘‘ (سورۂ مریم:۴۷)

۵...... اللہ تعالیٰ راہنمائی فرماتا ہے: ’’اس (باری تعالیٰ) نے مجھے پیدا کیا اور پھر وہی میری راہنمائی کرتا ہے۔‘‘ (سورۂ شعراء:۷۸)

۶...... اللہ تعالیٰ مکمل اختیار رکھتا ہے: ’’آپ کہہ دیجئے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کس طور پیدا کیا پھر دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘ (سورۂ العنکبوت:۲۰)

۷...... اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے: ’’میری (نوح علیہ السلام کی) نصیحت تمہارے کام نہیں آسکتی گو میں تمہیں کیسی ہی نصیحت کروں جب کہ اللہ کو ہی تمہارا گمراہ کرنا منظور ہو۔‘‘ (سورۂ ہود:۳۴)

’’کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔‘‘ (سورۂ بقرہ:۱۴۲)

۸...... بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے: ’’کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمام ملک کا مالک ہے۔ جسے چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔‘‘ (سورۂ آل عمران:۲۶)

۹...... اللہ تعالیٰ دلوں کی مخفی باتوں سے بھی آگاہ ہے: ’’بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے دلوں کی بات کو۔‘‘ (سورۂ آل عمران:۱۱۹)

۱۰...... اللہ تعالیٰ ہی رزق عطاء کرتا ہے: ’’کہہ دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے فراخ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے تنگی سے دیتا ہے۔‘‘ (سورۂ سبا:۳۹)

۱۱...... اللہ تعالیٰ جملہ صفات حسنہ سے متصف ہے: ’’وہی اللہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ظاہر اور پوشیدہ سب کا جاننے والا ہے۔ وہی بخشنے والا مہربان ہے وہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے، بہت پاک ہے۔ تمام عیوب سے مبّرا، امن دینے والا، نگرانی کرنے والا، زبردست ہے، خرابی کا درست کرنے والا، بڑی عظمت والا ہے، وہ شرک سے پاک ہے، وہ اللہ پیدا کرنے والا، درست کرنے والا، تکبر والا، صورتیں بنانے والا، تمام اچھے نام اس کے ہیں، زمین وآسمان کے درمیان ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے۔ وہ غالب اور حکمت والا ہے۔‘‘ (سورۂ حشر:۲۲تا۲۴)

یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی چند صفات جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوئیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات کا احاطہ کرنا ہمارے لئے ممکن ہی نہیں۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت سے ہی اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہماری جملہ خطاؤں سے درگزر فرمادے جن کے لئے ہم کوئی عذر بھی پیش نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ جو انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی سے بھی نہ ہوسکا۔ مرزا قادیانی نے تاریخ انسانی میں پہلی دفعہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعارف کروایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی شکل صورت سے ہمیں آگاہ کیا ہے۔ یہ کارنامہ ایسا ہے کہ قادیانی امت کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعارف درج ذیل الفاظ میں کرایا ہے: ’’تخیلی طور پر ہم فرض کر سکتے ہیں کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بے شمار ہاتھ، بے شمار پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لاانتہاء عرض اور طول رکھتا ہے اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ یہ وہی اعضاء ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں عالم نام ہے۔ جب قیوم عالم کوئی حرکت جزوی یا کلی کرے گا تو اس کی حرکت کے ساتھ اس کے اعضاء میں حرکت پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہوگا۔‘‘

(توضیح المرام ص۷۵، خزائن ج۳ ص۹۰)

یہ کارنامہ واقعی ایسا ہے جو اس سے قبل کسی سے نہ ہوسکا۔ ایں کار از تو آید و انبیاء چنیں کنند۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی مہربانی ہے کہ اس کے ذریعہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی شکل وصورت کا تعارف حاصل ہو گیا کہ اس کی شکل تیندوے کی طرح ہے۔ (معاذ اللہ)

ہندو مذہب سے پیوند کاری

انسان کو مذہب کی کیا ضرورت ہے؟

امر واقعہ یہ ہے کہ انسان اگر صرف ترقی یافتہ حیوان ہی ہوتا تو اسے مذہب کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ انیسویں صدی میں یورپ میں جو فلسفہ ڈارون، فرائیڈ، مارکس اور اس کے شاگردوں نے پیش کیا اس کی بنیاد یہی تھی۔ اس فلسفہ میں مذہب کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ عملی زندگی میں کسی انسان کو بھی مذہب کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر ایک شخص کسان ہے تو اسے کھیت میں ہل چلاتے ہوئے، بیج ڈالتے ہوئے، فصل کاٹتے ہوئے کبھی مذہب کی ضرورت

محسوس نہیں ہوتی۔ اسی طرح دیگر پیشوں کے بارے میں بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ ایک گھریلو خاتون کو بھی ہنڈیا پکاتے ہوئے، کپڑے دھوتے ہوئے یا دیگر کوئی کام کرتے ہوئے مذہب کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تو پھر انسان مذہبی کیوں ہے؟

ایک دفعہ نیو اورلین سے واشنگٹن جاتے ہوئے جہاز میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ تقریباً تین گھنٹے کی پرواز تھی۔ انہوں نے مجھے پہچان کر کہا کہ میرا تعلق برصغیر سے ہے، میرے ساتھ اردو میں گفتگو کی اور بتایا کہ وہ ایک الیکٹریکل انجینئر ہیں اور سائمن کمپنی جرمنی میں کام کرتے ہیں اور کمپنی کی طرف سے ایک ماہ کی تفریحی رخصت پر امریکہ کی سیر کر رہے ہیں۔ سفر کا جملہ خرچ ان کی کمپنی برداشت کر رہی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے ساتھ والی نشست خالی ہے اور مجھے دعوت دی کہ میں بقیہ سفر ان کے ساتھ کروں تاکہ گپ شپ ہوتی رہے۔ چنانچہ میں ان کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ ان کا تعلق بھارت سے ہے اور یہ کہ وہ مذہباً ہندو ہیں۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ عملی زندگی میں ان کو کبھی مذہب کی ضرورت محسوس ہوئی؟ ان کا جواب نفی میں تھا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میرا بھی یہی حال ہے۔ میرا بھی کوئی کام مذہب کی وجہ سے کبھی نہیں رکا۔ لیکن اس کے باوجود میں الحمدللہ! ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تین سوال ایسے ہیں جن کا جواب صرف مذہب ہی سے ملتا ہے۔ وہ سوال ہر انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کے ذہن میں بھی یہ سوالات یقیناً آئے ہوں گے۔ کبھی تو جواب مل جاتا ہے اور کبھی نہیں ملتا۔ جو جواب ملتا ہے وہ کبھی تو درست ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ ان کا اشتیاق بڑھا تو انہوں نے پوچھا کہ وہ تین سوالات کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا ان سوالات کی ترتیب یہ ہے:

پہلا سوال یہ ہے کہ میں کہاں سے آیا ہوں؟ یعنی میرے سفر کا نقطہ آغاز کیا ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟ اس کائنات سے میرا کیا تعلق ہے؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ میں نے کہاں جانا ہے، میرا انجام کیا ہے اور وہاں میرے ساتھ کیا ہوگا؟

میں نے ان سے سوال کیا کہ ہندو مذہب ان سوالات کے کیا جواب دیتا ہے؟ انہوں نے خوش دلی سے تسلیم کیا کہ انہیں معلوم نہیں کہ ان کا مذہب ان سوالات کے کیا جواب دیتا ہے اور جواب دیتا بھی ہے یا نہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ آپ کو مطالعہ کر کے معلوم کرنا چاہئے کہ ہندو مذہب ان سوالات کے کیا جوابات دیتا ہے؟ بلکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ دوسرے مذاہب ان سوالات کے کیا جوابات دیتے ہیں۔ میں نے ان کو

دعوت دی کہ وہ اس نقطۂ نظر سے اسلام کا بھی مطالعہ کریں۔ چاہے سب سے آخر میں کریں۔ مذہب آپ کا جو بھی ہو وہ آپ کا ذاتی مذہب ہونا چاہئے نہ کہ موروثی۔ اگر آپ ہندو ہیں تو آپ کو شرح صدر ہونا چاہئے کہ آپ حق پر ہیں۔ انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا کہ میں نے اسلام کی بہت عمدہ تبلیغ کی۔ (میں نے گفتگو میں ان سے اسلام کے مطالعہ کی درخواست کی تھی۔ اس سے زیادہ نہیں) یہاں تک بات پہنچی تو ہمارا سفر ختم ہوگیا اور ہم ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے۔

میں نے یہ واقعہ بر سبیل تذکرہ بیان کر دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی مذہب کے معاملہ میں زیادہ غور وفکر نہیں کرتے اور آنکھیں بند کر کے موروثی مذہب سے چمٹے رہتے ہیں۔ قادیانی امت کا بھی یہی حال ہے۔ بہت کم قادیانی ہیں جنہوں نے مرزاغلام احمد قادیانی کی کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ اگر مطالعہ کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنی ہر بات کی خود ہی تکذیب کی ہوئی ہے۔ میں بتانا صرف یہ چاہتا ہوں کہ انسان اگر صرف حیوان نہیں ہے تو مذکورہ بالا تین سوال اس کے ذہن میں ضرور پیدا ہوتے ہیں اور صرف مذہب ہی ان سوالات کے جواب مہیا کرتا ہے۔

مذاہب دو قسم کے ہیں:

۱...... الہامی۔ ۲...... فلسفیانہ۔

اسلام، یہودیت اور عیسائیت الہامی مذاہب ہیں۔ ہندومت، بدھ مت اور دوسرے ایشیائی مذاہب فلسفیانہ مذاہب ہیں۔ یہودیت اور عیسائیت اپنے اپنے وقت میں اسلام ہی تھے۔ ان کا منبع اور ماخذ ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی انبیاء کے توسط سے ہدایت۔ دوسرے لفظوں میں وحی الٰہی۔ اس کے برعکس فلسفیانہ مذاہب میں مختلف مفکرین نے مختلف اوقات میں اپنے اپنے علم اور ذوق کے مطابق ان تین سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے جو ہر انسان کے ذہن میں کسی نہ کسی وقت پیدا ہوتے ہیں۔

ہندو مذہب ان سوالات کا جو جواب دیتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے ایک دفعہ ساڑھے چار ارب ارواح پیدا کر دی ہیں۔ اب وہ ان میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہی ارواح بار بار مختلف جسموں میں دنیا میں آتی ہیں۔ اگر ایک شخص نے نیک زندگی گزاری ہے تو اس کی روح موت کے بعد کسی دوسرے انسان کے جسم کے ذریعہ دوبارہ دنیا میں آجائے گی اور اگر اس نے بری زندگی گزاری ہے تو اس کی روح سزا کے طور پر کسی جانور کے جسم کے ذریعہ دوبارہ آجائے گی اور سزا پوری ہونے کے بعد پھر کسی انسان کے جسم کے ذریعہ دنیا میں آجائے

گی اور یہ چکراسی طرح چلتا رہے گا۔اسے ہندو مذہب میں اواگون کہتے ہیں۔

(ماخوذ از مذاہب عالم، تالیف: چوہدری غلام رسول)

اسلام کی رو سے ہر انسان کی ایک ہی روح ہے۔ روح ایک امر خداوندی ہے اور غیر مادی ہے۔ اللہ نے ارواح کو پیدا کیا اور ان سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تمام ارواح نے اقرار کیا کہ بلاشبہ تو ہی ہمارا رب ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو سلا دیا اور ہر ایک کے لئے دنیا میں آنے کا اور دنیا سے جانے کا وقت مقرر کر دیا۔ روح امر ربی ہے اور اسے اپنے ظہور کے لئے ایک جسم کی ضرورت ہے۔ جس طرح بجلی (جو غیر مادی ہے) کو اپنے ظہور کے لئے بلب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس دنیا میں آنے کے بعد اگر ایک انسان اس طرح زندگی گزارتا ہے جس طرح اس کے رب کو مطلوب ہے تو یہ اس کی کامیابی ہے اور اس کی اسے اگلے جہان میں جو حشر کے بعد شروع ہوگا، جزا ملے گی۔ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہوئے زندگی بسر کی تو اس کی اسے اگلے جہاں میں سزا ملے گی۔ اس دنیا میں ہر انسان کی زندگی اس کا عرصہ امتحان ہے۔ یہاں اسے اس بات کی آزادی حاصل ہے کہ جو طرز زندگی چاہے اختیار کرے۔ اگر کوئی شخص مشکل حالات میں زندگی گزار رہا ہے تو یہ بھی امتحان ہے اور اگر کسی کو آسائش میسر ہے تو یہ بھی امتحان ہے۔ یہاں انسان کا ہر عمل ریکارڈ ہو رہا ہے۔ بلکہ اس کے خیالات اور اس کی سوچ تک ریکارڈ ہو رہی ہے اور اس کا یہ نامہ اعمال حشر کے روز اسے پیش کر دیا جائے گا۔

ہر انسان اس دنیا میں ایک ہی بار آتا ہے۔ جب یہاں سے بوجہ موت رخصت ہوتا ہے تو دوبارہ دنیا میں نہیں آتا۔ (اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنی زندگی میں اس سیارے کو چھوڑ کر کچھ مدت کے لئے کسی دوسری جگہ نہیں جا سکتا۔ انسان چاند پر جا چکا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی عارضی طور پر گئے ہوئے ہیں اور وقت ایک اضافی چیز ہے) اس قاعدہ سے انبیاء بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ انبیاء میں سے بھی ہر ایک دنیا میں صرف ایک ہی زندگی لے کر آیا ہے۔ وہ بھی دنیا سے بوجہ موت رخصت ہونے کے بعد حشر کے روز ہی اٹھائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے اس بات کی گواہی لے گا کہ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دیا تھا یا نہیں؟ انبیاء سے گواہی حاصل کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان بندوں سے پوچھے گا کہ اب بتاؤ تمہارے پاس میری نافرمانی کا کیا جواز ہے۔ انبیاء دنیا میں اپنے فرض کی ادائیگی کے بعد سرخرو ہیں اور وہ اس سے غرض نہیں رکھتے کہ دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کے متبعین ان کی

تعلیمات پر کاربند رہتے ہیں یا نہیں اور نہ ہی وہ اس بات کے نگران اور ذمہ دار ہوتے ہیں کہ ان کے متبعین ان کے رخصت ہونے کے بعد کیا کرتے رہتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں اسلام کے ساتھ ہندو مذہب کی پیوندکاری کی ہے۔ مرزا قادیانی کا کہنا یہ ہے کہ کسی اور کی نہیں تو کم از کم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح دنیا میں بار بار آتی رہی ہے۔ ملاحظہ کیجئے: ''اب غور سے اس معرفت کے دقیقہ کو سنو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو دو مرتبہ یہ موقع پیش آیا کہ ان کی روحانیت نے قائم مقام طلب کیا۔ اوّل جب کہ ان کے فوت ہونے پر چھ سو برس گزر گیا اور یہودیوں نے اس بات پر حد سے زیادہ اصرار کیا کہ وہ نعوذ باللہ مکار اور کاذب تھا اور اس کا ناجائز طور پر تولد تھا اور اسی لئے وہ مصلوب ہوا اور عیسائیوں نے اس بات پر غلو کیا کہ وہ خدا تھا اور خدا کا بیٹا تھا اور دنیا کو نجات دینے کے لئے اس نے صلیب پر جان دی۔ پس جب کہ مسیح علیہ السلام کی بابرکت شان میں نابکار یہودیوں نے نہایت خلاف تہذیب جرح کی اور بموجب توریت کی اس آیت کے جو کتاب استثناء میں ہے کہ جو شخص صلیب پر کھینچا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ حضرت مسیح علیہ السلام کو لعنتی قرار دیا اور مفتری اور کاذب اور ناپاک پیدائش والا ٹھہرایا اور عیسائیوں نے ان کی مدح میں افراط کر کے ان کو خدا ہی بنا دیا اور ان پر یہ تہمت لگائی کہ یہ تعلیم انہیں کی ہے۔ تب بہ اعلام الٰہی مسیح کی روحانیت جوش میں آئی اور اس نے ان تمام الزاموں سے اپنی بریت چاہی اور خدا تعالیٰ سے اپنا قائم مقام چاہا۔ تب ہمارے نبی ﷺ مبعوث ہوئے۔ جن کی بعثت کی اغراض کثیرہ میں سے ایک یہ بھی غرض تھی کہ ان تمام بے جا الزاموں سے مسیح کا دامن پاک ثابت کریں اور اس کے حق میں صداقت کی گواہی دیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود مسیح نے یوحنا کی انجیل کے ۱۶باب میں کہا ہے کہ میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا (یعنی محمد ﷺ) تمہارے پاس نہ آئے گا پھر اگر میں جاؤں تو اسے تم پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیروار ٹھہرائے گا۔ گناہ سے اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے۔ راستی سے اس لئے کہ میں اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت سے اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے۔ جب وہ روح حق آئے گی تو تمہیں ساری سچائی کی راہ بتادے گی وہ روح حق میری بزرگی کرے گی۔ اس لئے کہ وہ میری چیزوں سے پائے گی۔ وہ تسلی دینے والا جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا۔ (لوقا:۱۴) میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ مجھ کو نہ دیکھو گے اس وقت تک کہ تم کہو گے مبارک ہے وہ جو

خداوند کے نام پر (یعنی مسیح علیہ السلام کے نام پر) آتا ہے۔ ان آیات میں مسیح کا یہ فقرہ کہ میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ مسیح کی روحانیت اس کے آنے کے لئے تقاضا کرے گی اور یہ فقرہ کہ باپ اس کو میرے نام سے بھیجے گا۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ آنے والا مسیح کی تمام روحانیت پائے گا اور اپنے کمالات کی ایک شاخ کی رو سے وہ مسیح ہوگا جیسا کہ ایک شاخ کی رو سے وہ موسیٰ ہے۔ بات یہ ہے کہ ہماری نبی ﷺ تمام انبیاء کے نام اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ وجود پاک جامع کمالات متفرقہ ہے۔ پس وہ موسیٰ بھی ہے اور عیسیٰ بھی اور آدم بھی اور ابراہیم بھی اور یوسف بھی اور یعقوب بھی۔ اسی کی طرف اللہ جل شانہ اشارہ فرماتا ہے: ''فبھدھم اقتدہ'' یعنی اے رسول اللہ تو ان تمام ہدایات متفرقہ کو اپنے وجود میں جمع کرلے جو ہر یک نبی خاص طور پر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء کی شانیں آنحضرت ﷺ کی ذات میں شامل تھیں اور درحقیقت محمد کا نام ﷺ اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ محمد کے یہ معنی ہیں کہ بغایت تعریف کیا گیا اور غایت درجہ کی تعریف تبھی متصور ہوسکتی ہے کہ جب انبیاء کے تمام کمالات متفرقہ اور صفات خاصہ آنحضرت ﷺ میں جمع ہوں۔ چنانچہ قرآن کریم کی بہت سی آیتیں جن کا اس وقت لکھنا موجب طوالت ہے اسی پر دلالت کرتی بلکہ بصراحت جتلاتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ذات پاک باعتبار اپنی صفات اور کمالات کے مجموعہ انبیاء تھی اور ہر یک نبی نے اپنے وجود کے ساتھ مناسبت پاکر یہی خیال کیا کہ میرے نام پر وہ آنے والا ہے اور قرآن کریم ایک جگہ فرماتا ہے کہ سب سے زیادہ ابراہیم سے مناسبت رکھنے والا یہ نبی ہے اور بخاری میں ایک حدیث ہے جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میری مسیح سے بشدت مناسبت ہے اور اس کے وجود سے میرا وجود ملا ہوا ہے۔ پس اس حدیث میں حضرت مسیح کے اس فقرہ کی تصدیق ہے کہ وہ نبی میرے نام پر آئے گا سو ایسا ہی ہوا کہ ہمارا مسیح جب آیا تو اس نے مسیح ناصری کے ناتمام کاموں کو پورا کیا اور اس کی صداقت کے لئے گواہی دی اور ان تہمتوں سے اس کو بری قرار دیا جو یہود اور نصاریٰ نے اس پر لگائی تھیں اور مسیح کی روح کو خوشی پہنچائی۔ یہ مسیح ناصری کی روحانیت کا پہلا جوش تھا جو ہمارے سیدنا مسیح خاتم الانبیاء ﷺ کے ظہور سے اپنی مراد کو پہنچا۔ فالحمدللہ!

پھر دوسری مرتبہ مسیح کی روحانیت اس وقت جوش میں آئی کہ جب نصاریٰ میں دجالیت کی صفت اتم اور اکمل طور پر آگئی اور جیسا کہ لکھا ہے کہ دجال نبوت کا دعویٰ بھی کرے گا اور خدائی کا بھی۔ ایسا ہی انہوں نے کیا۔ نبوت کا دعویٰ اس طرح پر کیا کہ کلام الٰہی میں اپنی طرف سے وہ دخل

دیئے، وہ قواعد مرتب کئے اور وہ تنسیخ ترمیم کی جو ایک نبی کا کام تھا۔ جس حکم کو چاہا قائم کر دیا اور اپنی طرف سے عقائدنامے اور عبادت کے طریقے گھڑ لئے اور ایسی آزادی سے مداخلت بے جا کی کہ گویا ان باتوں کے لئے وحی الٰہی ان پر نازل ہوگئی۔ سو الٰہی کتابوں میں اس قدر بے جا دخل دوسرے رنگ میں نبوت کا دعویٰ ہے اور خدائی کا دعویٰ اس طرح پر کہ ان کے فلسفہ دانوں نے یہ ارادہ کیا کہ کسی طرح تمام کام خدائی کے ہمارے قبضہ میں آجائیں۔ جیسا کہ ان کے خیالات اس ارادہ پر شاہد ہیں کہ وہ دن رات ان فکروں میں پڑے ہوئے ہیں کہ کسی طرح ہم ہی مینہ برسائیں اور نطفہ کو کسی آلہ میں ڈال کر اور رحم عورت میں پہنچا کر بچے بھی پیدا کرلیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ خدا کی تقدیر کچھ چیز نہیں۔ بلکہ ناکامی ہماری بوجہ غلطی تدبیر تقدیر ہو جاتی ہے اور جو کچھ دنیا میں خداتعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ پہلے زمانہ کے لوگوں کو ہر ایک چیز کے طبعی اسباب معلوم نہیں تھے اور اپنے تھک جانے کی حد انتہاء کا نام خدا اور خدا کی تقدیر رکھا تھا۔ اب علل طبعیہ کا سلسلہ جب بکلی لوگوں کو معلوم ہو جائے گا تو یہ خام خیالات خودبخود دور ہو جائیں گے۔ پس دیکھنا چاہئے کہ یورپ اور امریکہ کے فلاسفروں کے یہ اقوال خدائی کا دعویٰ ہے یا کچھ اور ہے۔ اسی وجہ سے ان فکروں میں پڑے ہوئے ہیں کہ کسی طرح مردے بھی زندہ ہو جائیں اور امریکہ میں ایک گروہ عیسائی فلاسفروں کا انہیں باتوں کا تجربہ کر رہا ہے اور مینہ برسانے کا کارخانہ وشروع ہوگیا اور ان کا منشاء ہے کہ بجائے اس کے کہ لوگ مینہ کے لئے خداتعالیٰ سے دعا کریں یا استسقا کی نماز پڑھیں۔ گورنمنٹ میں ایک عرضی دے دیں کہ فلاں کھیت میں مینہ برسایا جائے اور یورپ میں یہ کوشش ہورہی ہے کہ نطفہ رحم میں ٹھہرانے کے لئے کوئی کل پیدا ہو اور نیز یہ بھی کہ جب چاہیں لڑکا پیدا کرلیں اور جب چاہیں لڑکی اور ایک مرد کا نطفہ لے کر اور کسی پچکاری میں رکھ کر کسی عورت کے رحم میں چڑھا دیں اور اس تدبیر سے اس کو حمل کر دیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یہ خدائی پر قبضہ کرنے کی فکر ہے یا کچھ اور ہے اور یہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ دجال اوّل نبوت کا دعویٰ کرے گا پھر خدا کا اگر اس کے یہ معنی لئے جائیں کہ چندروز نبوت کا دعویٰ کر کے پھر خدا بننے کا دعویٰ کرے گا تو یہ معنی صریح باطل ہیں۔ کیونکہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا اس دعویٰ میں ضرور ہے کہ وہ خداتعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرے اور نیز یہ بھی کہے کہ خداتعالیٰ کی طرف سے میرے پر وحی نازل ہوتی ہے اور نیز خلق اللہ کو وہ کلام سنادے جو اس پر خداتعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ایک امت بنادے جو اس کو نبی سمجھتی اور اس کی کتاب کو کتاب اللہ جانتی ہے۔ اب سمجھنا چاہئے کہ ایسا دعویٰ کرنے والا اسی امت کے روبرو خدائی کا دعویٰ کیونکر کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ

کہہ سکتے ہیں کہ تو بڑا مفتری ہے پہلے تو خدا تعالیٰ کا اقرار کرتا تھا اور خدا تعالیٰ کا کلام ہم کو سناتا تھا اور اب اس سے انکار ہے اور اب آپ خدا بنتا ہے پھر جب اوّل دفعہ تیرے ہی اقرار سے تیرا جھوٹ ثابت ہوگیا تو دوسرا دعویٰ کیونکر سچا سمجھا جائے۔ جس نے پہلے خدا تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرلیا اور اپنے تئیں بندہ قرار دے دیا اور بہت سا الہام اپنا لوگوں میں شائع کر دیا کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے وہ کیونکر ان تمام اقرارات سے انحراف کر کے خدا ٹھہر سکتا ہے اور ایسے کذاب کو کون قبول کر سکتا ہے۔ سو یہ معنی جو ہمارے علماء لیتے ہیں بالکل فاصد (یہ لفظ ص سے ہی لکھا ہوا ہے) ہیں۔ صحیح معنے یہی ہیں کہ نبوت کے دعویٰ سے مراد دخل درامور نبوت اور خدائی کے دعویٰ سے مراد دخل درامور خدائی ہے۔ جیسا کہ آج کل عیسائیوں سے یہ حرکات ظہور میں آرہی ہیں۔ ایک فرقہ ان میں سے انجیل کو ایسا توڑ مروڑ رہا ہے کہ گویا وہ نبی ہے اور اس پر آیتیں نازل ہورہی ہیں اور اک فرقہ خدائی کے کاموں میں اس قدر دخل دے رہا ہے کہ گویا وہ خدائی کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے۔

غرض یہ دجالیت عیسائیوں کی اس زمانہ میں کمال درجہ تک پہنچ گئی ہے اور اس کے قائم کرنے کے لئے پانی کی طرح انہوں نے اپنے مالوں کو بہا دیا ہے اور کروڑ ہا مخلوقات پر بد اثر ڈالا ہے۔ تقریر سے، تحریر سے، مال سے، عورتوں سے، گانے سے، بجانے سے، تماشے دکھلانے سے، ڈاکٹر کہلانے سے، غرض ہر ایک پہلو سے، ہر یک طریق سے، ہر یک پیرایہ سے، ہر یک ملک پر انہوں نے اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ چھ کروڑ تک ایسی کتاب تالیف ہوچکی ہے جس میں یہ غرض ہے کہ دنیا میں ناپاک طریق عیسیٰ پرستی کا پھیل جائے پس اس زمانہ میں دوسری مرتبہ حضرت مسیح علیہ السلام کی روحانیت کو جوش آیا اور انہوں نے دوبارہ مثالی طور پر دنیا میں اپنا نزول چاہا اور جب ان میں مثالی نزول کے لئے اشد درجہ کی توجہ اور خواہش پیدا ہوئی تو خدا تعالیٰ نے اس خواہش کے موافق دجال موجودہ کے نابود کرنے کے لئے ایسا شخص بھیج دیا جو ان کی روحانیت کا نمونہ تھا۔ وہ نمونہ مسیح علیہ السلام کا روپ بن کر مسیح موعود کہلایا۔ کیونکہ حقیقت عیسویہ کا اس میں حلول تھا۔ یعنی حقیقت عیسویہ اس سے متحد ہوگئی تھی اور مسیح کی روحانیت کے تقاضا سے وہ پیدا ہوا تھا۔ پس حقیقت عیسویہ اس میں ایسی منعکس ہوگئی جیسا کہ آئینہ میں اشکال اور چونکہ وہ نمونہ حضرت مسیح کی روحانیت کے تقاضا سے ظہور پذیر ہوا تھا۔ اس لئے وہ عیسیٰ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ کی روحانیت نے قادر مطلق عزاسمہ سے بوجہ اپنے جوش کے اپنی ایک شبیہ چاہی اور چاہا کہ حقیقت عیسویہ اس شبیہ میں رکھی جائے تا اس شبیہ کا نزول ہو۔ پس ایسا ہوگیا۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۳۴۲ تا ۳۴۶، خزائن ج۵ ص۳۴۲ تا ۳۴۶)

قارئین کرام نے زحمت اٹھا کر مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب کا طویل اقتباس پڑھ لیا ہے جس کا پڑھنا کافی دشوار تھا۔ اگر ہم اس عبارت کا تجزیہ کریں تو اس سے درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

(۱) انبیاء کرام علیہم السلام جب دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں تو ان کی ارواح ایسی جگہ بیٹھ جاتی ہیں جہاں سے وہ تانک جھانک کر کے اپنی متبعین کی نگرانی کرتی رہتی ہیں اور جب ان کی ارواح دیکھتی ہیں کہ ان کے متبعین راہ راست سے بھٹک گئے ہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح اللہ تعالیٰ سے تقاضا کرتی ہیں کہ ہمیں ایک بار پھر کسی شخص کے جسم میں داخل کر کے دنیا میں بھیجا جائے تا کہ ہم اپنے گمراہ متبعین کو راہ راست پر سکیں۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (بقول مرزا غلام احمد قادیانی) کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد چھ سو سال تک ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے متبعین راہ راست پر رہے۔ لیکن چھ سو سال کے بعد ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے متبعین نے ازلی گناہ، تجسم، کفارہ اور تثلیث کے عقائد گھڑ لئے اور ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو خدا اور خدا کا بیٹا بنا لیا۔ یہودی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رخصت ہونے کے چھ سو سال بعد تک تو خاموش رہے۔ لیکن جونہی چھٹی صدی شروع ہوئی یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لعنتی اور حرامی کہنا شروع کر دیا (نقل کفر کفر نباشد) چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہے تھے۔ اس لئے ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ ان کے متبعین انہیں خدا یقین کر لیں اور یہود ان کے بارے میں وہ خیالات رکھیں جو وہ رکھتے تھے تو ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی روح کو جوش آیا اور ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی روح نے تقاضا کیا کہ اسے ایک بار پھر دنیا میں کسی شخص کے روپ میں بھیجا جائے تا کہ وہ ان گمراہ لوگوں کو سیدھا کر دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ (جو رحیم اور کریم ہے) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی روح کو محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب کے ذریعہ دنیا میں بھیج دیا اور انہوں (محمد ﷺ) نے جملہ متبعین مسیح علیہ السلام کے عقائد درست کر دیئے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھنا چھوڑ دیا۔ تثلیث، ازلی گناہ، تجسم اور کفارہ کے عقائد سے دستبردار ہو گئے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور حقیقت میں (مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ثانی تھا۔ ان (محمد ﷺ) کا جسم تو اپنا تھا لیکن اس جسم میں روح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تھی۔

مرزاغلام احمد قادیانی کی مذکورہ بالاتحریر کے مطابق یہود اور عیسائی اپنے غلط عقائد سے ایک دفعہ تو (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جدوجہد سے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ظہور ثانی کے ذریعہ کی) دستبردار ہوگئے لیکن مزید تیرہ چودہ صدیاں گزارنے کے بعد متبعین مسیح علیہ السلام اور یہود نے دوبارہ وہ عقائد اور خیالات اپنا لئے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ خدا بنالیا۔ تجسم، کفارہ اور ازلی گناہ کے عقائد دوبارہ اختیار کر لئے۔ یہود نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ لعنتی اور ولدالحرام (نقل کفر کفر نباشد) سمجھنا شروع کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح) یہ سب گمراہی برداشت نہ کرسکی۔ اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح) نے ایک بار پھر اللہ تعالیٰ سے تقاضا کیا کہ اسے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو) ایک موقع مزید دیا جائے اور اسے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو) ایک بار پھر انسانی جسم دے کر دنیا میں بھیجا جائے تاکہ وہ ان گمراہ لوگوں (متبعین مسیح علیہ السلام اور یہود) کو راہ راست پر لاسکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس بار بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کی یہ درخواست رد نہ کر سکے اور اسے مرزاغلام احمد ولد مرزاغلام مرتضیٰ (جو چنگیز خان کی نسل سے تھے اور قادیان ضلع گورداسپور میں آباد تھے) جاگیردار اور رئیس اعظم کے جسم میں داخل کر کے تیسری بار دنیا میں بھیج دیا۔ چنانچہ مرزاغلام احمد کا ظہور حقیقت میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور ثالث تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے ظہور ثالث کے ذریعہ (مرزاغلام احمد قادیانی کے ذریعہ) جملہ متبعین مسیح علیہ السلام کے عقائد درست کر دیئے۔ یہود کو بھی مرزاغلام احمد قادیانی نے قائل کر دیا۔ اب وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو لعنتی اور ولدالحرام (نقل کفر کفر نہ باشد) نہیں سمجھتے بلکہ انہیں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) بنی اسرائیل کی طرف مبعوث اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کر لیتے ہیں۔ اب یہ لوگ (متبعین مسیح علیہ السلام اور یہود) قیامت تک گمراہ نہیں ہوں گے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو چوتھی بار دنیا میں آنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اب میں قادیانی امت سے یہ سوال کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا بار بار ظہور اگر ہندوؤں کا عقیدہ اواگون نہیں ہے تو کیا ہے؟ اگر قادیانی امت کو مرزاغلام احمد قادیانی کی مذکورہ بالاتحریر میں کوئی ابہام محسوس ہوتا ہے یا اسے سمجھنے میں الجھن محسوس ہوتی ہے تو ان کے صاحبزادے مرزابشیر احمد نے اسے دور کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: ’’مسیح موعود (مرزاغلام احمد قادیانی) خود محمد رسول اللہ (ﷺ) ہے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔ اس لئے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر محمد رسول اللہ (ﷺ از راقم) کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت

پیش آتی۔‘‘ (کلمۃ الفصل ص۱۵۸)

دنیا میں کسی روح کا دوبارہ آنا ہندوؤں کا عقیدہ اواگون ہی تو ہے جسے مرزاغلام احمد قادیانی نے اسلام کے ساتھ پیوند کردیا ہے۔ اگر اس پر بھی کسی کی یا قادیانی امت کی تسلی نہیں ہوتی تو مرزاغلام احمد قادیانی ہی کا ایک اور بیان ملاحظہ کرلیں: ’’میں بموجب آیت: ’’**وآخرین منھم لما یلحقوا بھم**‘‘ بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا ہے۔‘‘

(مجموعہ اشتہارات ص۴۳۷، اشتہار ایک غلطی کا ازالہ ص۵، خزائن ج۱۸ ص۲۱۲)

یہ ہے ایک شاندار کارنامہ جو مرزاغلام احمد نے ہندوؤں کے عقیدہ اواگون کی اسلام کے ساتھ پیوندکاری کر کے انجام دیا ہے۔ اس پر قادیانی امت جس قدر بھی فخر کرے کم ہے۔

مرزاغلام احمد قادیانی کا ایک اور کارنامہ بھی ہے۔ اسلام کے ساتھ ہندو مذہب کے پیوندکاری کرتے ہوئے مرزاقادیانی نے یہ انکشاف بھی کیا ہے کہ گزشتہ چند صدیوں کے درمیان جتنے بھی موجد ہوئے ہیں وہ سب حقیقت میں خدائی کے دعویدار تھے۔ نیوٹن سے لے کر آئن سٹائن تک تمام کے تمام خدا ہونے کے مدعی تھے۔ جان لوجی بیرڈ (ٹیلی وژن)، اورول اور ولبر رائٹ (ہوائی جہاز)، ہنری فورڈ (کار کا انجن)، مارکونی (ریڈیو)، ایڈیسن (بجلی کا بلب)، گراہم بل (ٹیلی فون)، جارج سٹیفن (ریلوے انجن) اور جمیز واٹ (بھاپ کا انجن) وغیرہم سب کے سب اصل میں خدا ہونے کے دعویدار تھے۔ اسی طرح وہ تمام یہودی اور عیسائی جنہوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کی، نبوت کے مدعی تھے۔ مرزاقادیانی کے انکشاف کے مطابق جو شخص کسی آسمانی کتاب میں تحریف کردے وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہوتا ہے۔ اسی لئے مرزاقادیانی تمام عمر قرآن کریم میں لفظی ومعنوی تحریف، احادیث میں تحریف، حتیٰ کہ خود اپنی ہی کتب کا حوالہ دیتے ہوئے تحریف میں مصروف رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی سے قبل اس قسم کے مدعیان نبوت یا خدائی کے دعویدار اس قدر شرمیلے تھے کہ انہوں نے اپنے دعویٰ کے بارے میں کسی کو بتایا ہی نہیں اور نہ ہی کسی کو کافر کہا، البتہ ان سب حضرات نے مرزاقادیانی کے کان میں کہہ دیا کہ ہم سب خدا ہونے یا نبی ہونے کے دعویدار ہیں اور ان سب کی طرف سے مرزاقادیانی نے یہ اعلان کردیا۔

یہ بھی مرزاغلام احمد قادیانی کا ایک کارنامہ ہے جو اس سے قبل کوئی بھی نہ کرسکا۔ لیکن اے قادیانی امت! بایں دین ومذہب وبایں عقل ودانش بباید گریست۔

تحریف میں کمال

مرزاغلام احمد قادیانی نے جہاں دوسرے شعبوں میں کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے، وہیں تحریف کے میدان میں بھی ایسے کمالات دکھائے ہیں کہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ میرے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ مرزا قادیانی کی جملہ تحریفات کو قارئین کی خدمت میں پیش کرسکوں۔ میں کوشش کروں گا کہ ہرقسم کی تحریف کا نمونہ ضرور پیش کردوں۔

قرآن کریم میں تحریف

امر واقعہ یہ ہے کہ ہر گمراہ شخص قرآن مجید کی معنوی تحریف کرنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کا کام نہیں چلتا۔ مرزاغلام احمد قادیانی بھی حسب ضرورت یہ کام زندگی بھر کرتے رہے۔ لیکن مرزاقادیانی کی جرأت کی داد دینا پڑتی ہے کہ وہ حسب ضرورت قرآن کریم کی لفظی تحریف بھی کرتے رہے۔ یہاں چند ایک تحریفات پیش خدمت ہیں۔

(۱)قرآن کریم کی اصل آیت: ''**وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیته** (حج:۵۲)''

مرزاغلام احمد قادیانی نے اس آیت کریمہ کو اپنی کتاب میں اس طرح نقل کیا ہے:

''**وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته**''

(آئینہ کمالات اسلام ص۲۳۹، خزائن ج۵ص۲۳۹)

اس آیت کو نقل کرتے ہوئے مرزاغلام احمد قادیانی نے ''**من قبلک**'' کے الفاظ حذف کردیئے۔

(۲)قرآن کی اصل آیت: ''**وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل الله** (توبه:۴۱)''

مرزاغلام احمد نے اس آیت مبارکہ کو اپنی کتاب میں تحریف کر کے اس طرح نقل کیا ہے: ''**وجاهدوا فی سبیل الله باموالهم وانفسهم**''

(جنگ مقدس ص۱۷۶، خزائن ج۶ص۲۷۶)

(۳)قرآن کریم کی اصل آیت: ''**ولقد آتینک سبعا من المثانی والقرآن العظیم**''

مرزاقادیانی نے اس آیت کریمہ کو تحریف کر کے اس طرح نقل کیا ہے: ''**انا آتینک**

سبعا من المثانی والقرآن العظیم“ (براہین احمدیہ ص۴۸۸، خزائن ج۱ص۵۸۰)

ان کتب کے اب تک کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ لیکن قادیانی امت نے ان آیات کو درست نہیں کیا۔ قادیانی امت کے نزدیک قرآن کریم میں غلطیاں تھیں، جنہیں مرزاغلام احمد قادیانی نے درست کردیا۔ میں نے نمونہ کے طور پر تین آیات پیش کردی ہیں۔ مرزاغلام احمد قادیانی نے اس کے علاوہ بھی قرآن کریم کی آیات میں تحریف کر کے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور قادیانی امت نے آج تک ان کو درست نہیں کیا۔ لیکن میں انہیں طوالت کے خوف سے چھوڑ رہا ہوں۔

احادیث سے حسن سلوک

مرزاغلام احمد قادیانی نے احادیث کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، وہ بھی خاصے کی چیز ہے۔ وہ بڑے دھڑلے سے ایک فرضی بات حدیث کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔ مرزاقادیانی کو یقین تھا کہ احمقوں کا جو گروہ ان کے گرد جمع ہے وہ کبھی بھی حدیث کی کتب کی طرف رجوع نہیں کرے گا۔ احادیث کے ساتھ سلوک کے چند نمونے حاضر خدمت ہیں۔ مرزاغلام احمد قادیانی لکھتے ہیں: ”ایسا ہی احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پہ آئے گا وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا۔ سو یہ تمام علامات بھی اس زمانہ میں پوری ہوگئیں اور لکھا تھا کہ وہ اپنی پیدائش کی رو سے دو صدیوں میں اشتراک رکھے گا اور دو نام پائے گا اور اس کی پیدائش دو خاندان سے اشتراک رکھے گی اور چوتھی دوگونہ صفت یہ کہ پیدائش میں بھی جوڑے کے طور پر پیدا ہوگا۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۸۸، خزائن ج۲۱ص۳۵۹)

اب احادیث کی کتب چھان لیجئے۔ حدیث کی کسی کتاب میں آپ کو کوئی ایسی حدیث نہیں ملے گی جس سے دوراز کار تاویل کے ذریعہ بھی یہ مضمون نکالا جاسکتا ہو لیکن قادیانی امت ہے کہ سب کچھ ہضم کئے ہوئے ہے۔

ایک دوسری جگہ حدیث کی طرف غلط انتساب کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں: ”لیکن ضرور تھا کہ قرآن شریف اور احادیث کی وہ پیش گوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا اور وہ اسے کافر قرار دیں گے۔“

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۱۱، خزائن ج۱۷ص۵۳)

پورے قرآن کا مطالعہ کر لیجئے۔ احادیث کا پورا ذخیرہ دیکھ لیجئے۔ آپ کو نہ قرآن مجید کی کسی آیت میں یہ مضمون ملے گا اور نہ ہی کسی حدیث میں اس طرح کی کوئی خبر ملے گی۔ یہاں

تک کہ قرآن مجید اور کتب احادیث میں ''مسیح موعود'' کا لفظ تک نہیں ملے گا۔

کسی بھی شخص کے کلام میں تحریف کر کے نقل کرنا انتہاء درجہ کی خیانت ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام یا اس کے رسول ﷺ کے کلام میں تحریف کرنا اور اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو انہوں نے کبھی نہ کہہ ہو بد دیانتی تو ہے ہی، لیکن اس کے ساتھ ہی سیدھا جہنم میں لے جانے والی حرکت ہے۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر میں تحریف

مرزاغلام احمد قادیانی نے حسب ضرورت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں بھی تحریف کر کے نقل کیا ہے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ محمد صدیق صاحب کو ایک خط لکھا اس میں اصل الفاظ اس طرح ہیں: ''**وقد یکون ذلک لبعض الکمل من متابعیم بالتبعیة والوراثة ایضا واذ اکثر هذا القسم من الکلام مع واحد منهم سمی محدثا**''

جناب مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب کی مذکورہ بالا عبارت میں آخری لفظ ''محدث'' ہے۔ مرزاغلام احمد قادیانی نے اس عبارت کا اردو ترجمہ اپنی کتاب ''براہین احمدیہ'' کی چوتھی جلد میں (جو ۱۸۸۴ء میں شائع ہوئی) نقل کیا ہے اور درست نقل کیا ہے۔ کیونکہ ۱۸۸۴ء تک مرزاغلام احمد قادیانی کے ذہن میں مسیح موعود بننے کا خناس نہیں سمایا تھا۔ (براہین احمدیہ ص۵۴۶، خزائن ج۱ ص۶۵۲) میں مذکورہ عبارت اس طرح ہے: ''اس کی تصدیق کے لئے شیخ عبدالقادر جیلانی اور مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور دوسرے اولیاء اللہ کی کتابیں دیکھنی چاہئیں کہ کس کثرت سے ان کے الہامات پائے جاتے ہیں۔ بلکہ امام ربانی صاحب اپنی مکتوبات کی جلد ثانی میں جو مکتوب پنجاہ ویکم ہے اس میں صاف لکھتے ہیں کہ غیر نبی بھی مکالمات ومخاطبات حضرت احدیت سے مشرف ہو جاتا ہے اور ایسا شخص محدث کے نام سے موسوم ہے۔''

جب مرزاغلام احمد کے دماغ میں مسیح موعود بننے کا خناس بھر گیا تو اسی عبارت کو اپنی کتاب (حقیقت الوحی ص۳۹۰، خزائن ج۲۲ ص۴۰۶) پر تحریف کر کے اس طرح نقل کرتے ہیں: ''مجدد صاحب سرہندی نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اگرچہ اس امت کے بعض افراد مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ سے مخصوص ہیں اور قیامت تک مخصوص رہیں گے۔ لیکن جس شخص کو بکثرت اس مکالمہ ومخاطبہ سے مشرف کیا جائے اور بکثرت امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جائیں وہ نبی کہلاتا ہے۔''

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ترجمہ انتہاء درجہ کی بددیانتی ہے۔

اپنے ہی کلام میں تحریف

تحریف کے میدان میں مرزاغلام احمد قادیانی نے جو کمالات دکھائے ہیں وہ تو اپنی جگہ لیکن اس میں بھی انہوں نے ایک کمال ایسا دکھایا ہے کہ جس کی مثال نہ تو ماضی میں ملتی ہے اور نہ آئندہ کبھی ملے گی اور وہ ہے اپنے ہی پرانے کلام میں حسب ضرورت تحریف کر کے لکھ دینا۔ یہ انوکھا کام نہ ماضی میں کسی نے کیا نہ آئندہ کوئی کرے گا۔ ملاحظہ فرمائیں:

مرزاغلام احمد قادیانی اپنی معروف کتاب (براہین احمدیہ ص۵۱۴، خزائن ج۱ ص۶۱۳) پر لکھتے ہیں: ”یہ سب اشارات مختص المقامات ہیں جن کی تشریح اس جگہ ضروری نہیں (آگے عربی عبارت ہے) **یا عبدالقادر انی معک اسمع واری غرست لک بیدی رحمتی وقدرتی ونجیناک من الغم وفتناک فتونا لیاتینکم منی هدی الا ان حزب اللّٰه هم الغالبون وما کان اللّٰه لیعذبهم وانت فیهم وما کان اللّٰه لیعذبهم وهم یستغفرون**“

اس سے آگے ترجمہ بھی مرزاغلام احمد قادیانی نے اسی کتاب (براہین احمدیہ ص۵۱۴، خزائن ج۱ ص۶۱۳ حاشیہ درحاشیہ) میں اس طرح کیا ہے: ”اے عبدالقادر میں تیرے ساتھ ہوں۔ سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں تیرے لئے میں نے رحمت اور قدرت کو اپنے ہاتھ سے لگایا اور تجھ کو غم سے نجات دی اور تجھ کو خالص کیا اور تم کو میری طرف سے مدد آئے گی۔ خبردار رہو لشکر خدا کا ہی غالب ہوتا ہے اور خدا ایسا نہیں جو ان کو عذاب پہنچادے۔ جب تک تو ان کے درمیان ہے یا جب وہ استغفار کریں۔“

مرزاغلام احمد قادیانی کی یہ کتاب ۱۸۸۴ء میں چھپی۔ جب ۱۹۰۱ء کے بعد ان کی کتاب ”نزول مسیح“ چھپی تو اس میں یہ عبارت اس طرح تھی: ”پس دیکھو یہ پیش گوئی کیسی عظیم الشان ہے جو خسوف کسوف کے بارہ برس پہلے لکھی گئی: **یا عبدالقادر انی معک اسمع واری غرست لک بیدی رحمتی وقدرتی والقیت لحبة منی ولتصنع علی عینی کرزع اخرج شطاه فستغلظ فاستوی علی سوقه**“ (براہین احمدیہ ص۵۱۵، خزائن ج۱ ص۶۱۴)

(ترجمہ اس طرح ہے...... راقم)

”اے قادر کے بندے میں تیرے ساتھ ہوں۔ میں دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں میں نے اپنے محبت تیرے پر ڈال دی تاکہ میری آنکھوں کے روبرو پرورش کیا جائے تو ایک بیج کی طرح

ہے یعنی اکیلا ہے جس کی ابھی کوئی شاخ نہیں نکلی۔ صرف ایک سبزہ نکلا مگر بعد اس کے ایسا ہوگا کہ وہ سبزہ موٹا ہو جائے گا اور اس کی شاخیں تنا پر قائم ہوں گی اور وہ ایک بڑا درخت بن جائے گا۔"

(نزول مسیح ص۱۳۰، خزائن ج۱۸ ص۵۰۸)

(براہین احمدیہ ص۵۱۹ حاشیہ در حاشیہ) میں مرزا غلام احمد لکھتے ہیں: "اور کہیں گے یہ تجھے کہاں سے حاصل ہوا۔ یہ تو ایک سحر ہے جو اختیار کیا جاتا ہے۔ ہم ہرگز نہیں مانیں گے جب تک خدا کو بچشم خود دیکھ نہ لیں۔ سفیہ بجز ضربہ ہلاکت کے کسی چیز کو باور نہیں کرتا۔ میرا اور تیرا دشمن ہے کہہ خدا کا امر آیا ہے سو تم جلدی مت کرو۔ جب خدا کی مدد آئے گی تو کہا جائے گا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں۔ کہیں گے کہ کیوں نہیں۔" (براہین احمدیہ ص۵۱۹، ۵۲۰، خزائن ج۱ ص۶۱۹، ۶۲۰)

اسی عبارت کو مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب نزول مسیح میں اس طرح نقل کیا ہے: "دیکھو (براہین احمدیہ ص۵۱۸، ۵۱۹، خزائن ج۱ ص۶۱۹، ۶۲۰) ترجمہ اور کہتے ہیں کہ یہ مقام تجھے کہاں سے ملا۔ یہ تو ایک فریب ہے۔ ہم تیرے پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو نہ دیکھ لیں۔ یہ لوگ بجز موت کے نشان کے کبھی نہ مانیں گے۔ نہیں ان کو کہہ دے کہ مری یعنی طاعون بھی چلی آتی ہے۔ سو تم مجھ سے جلدی مت کرو۔" (نزول مسیح ص۱۳۲، خزائن ج۱۸ ص۵۱۰)

مرزا غلام احمد نے (براہین احمدیہ ص۴۹۸، خزائن ج۱ ص۵۹۳) پر ایک عبارت کو بایں الفاظ لکھا ہے: "یعنی ہم نے ان نشانوں اور عجائبات کو اور نیز اس الہام پر از معارف وحقائق کو قادیاں کے قریب اتارا ہے اور ضرورت حقہ کے ساتھ اتارا ہے اور بہ ضرورت حقہ اترا ہے۔ خدا اور اس کے رسول نے خبر دی تھی کہ جو اپنے وقت پر پوری ہوئی۔"

اس عبارت کو خطبہ الہامیہ میں نقل کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی نے تحریف کر دی جو اس طرح ہے: "دیکھو (براہین احمدیہ ص۴۹۸، خزائن ج۱ ص۵۹۳) یعنی ہم نے اس مسیح موعود کو قادیاں میں اتارا اور وہ ضرورت حقہ کے ساتھ اتارا گیا اور ضرورت حقہ کے ساتھ اترا۔ خدا نے قرآن میں اور رسول نے حدیث میں جو کچھ فرمایا تھا وہ اس کے آنے سے پورا ہوا۔"

(خطبہ الہامیہ ص ث، ج، خزائن ج۱۶ ص۲۰)

مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک عربی عبارت (براہین احمدیہ ص۲۴۱، خزائن ج۱ ص۲۶۶) پر اس طرح ہے: "**ولن ترضی عنک الیهود ولا النصری وخر قوله بنین وبنات بغیر علم. قل هو اللّٰه احد اللّٰه الصمد**"

اسی عبارت کو مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب (نزول مسیح ص۱۴۹، خزائن ج۱۸

ص۵۲۷) پرتحریف کر کے اس طرح نقل کیا ہے:’’ولن ترضی عنک الیھود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم وخرقوله بنین وبنات بغیر علم قل ھو اللّٰہ احمد اللّٰہ الصمد‘‘

(براہین احمدیہ ص۲۴۱، خزائین ج۱ص۲۶۶)

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمالیا کہ مرزاغلام احمد قادیانی نے فن تحریف میں بھی کمال دکھایا۔قرآن کریم کی آیات میں تحریف کی۔ احادیث کے مضامین میں تحریف کی، امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب میں تحریف کر کے نقل کیا۔ یہاں تک کہ اپنی ہی عبارات میں تحریف کر کے پرانی کتابوں سے نئی کتابوں میں نقل کیا۔ یہ وہ کمال ہے جو علمی وادبی تاریخ میں کسی نے آج تک نہیں دکھایا اور نہ آئندہ ایسی توقع ہے۔

مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنی کتاب (براہین احمدیہ ص۵۵۴، خزائن ج۱ص۶۶۴) پر ایک الہام اس طرح درج کیا ہے:’’پھر بعد اس کے یہ الہام ہے:’’یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ (ومطھرک من الذین کفروا) وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامه ثلة من الاولین وثلة من الآخرین‘‘اے عیسیٰ میں تجھے کامل اجر بخشوں گا یا وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔یعنی رفع درجات کروں گا یا دنیا سے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تیرے تابعین کو ان پر جو منکر ہیں قیامت تک غلبہ بخشوں گا۔یعنی تیرے ہم عقیدہ اور ہم مشربوں کو حجت اور برہان اور برکات کی رو سے دوسرے لوگوں پر قیامت تک فائق رکھوں گا۔‘‘

میں ایک بات کی طرف قادیانی جماعت کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرزاغلام احمد قادیانی کو یہ الہام عربی میں کیا ہے۔ جب کہ مرزاغلام احمد کی اپنی زبان پنجابی ہے۔عربی زبان میں الہام کرنے کے بعد اس کا مفہوم نہیں سمجھایا۔مرزاغلام احمد قادیانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی تعلق تھا کہ وہ انہیں ان کی مادری زبان میں الہام نہیں کرتا تھا بلکہ دوسری زبانوں میں الہام کرتا تھا۔لیکن الہام کا مفہوم کبھی نہیں سمجھاتا تھا۔چنانچہ مرزاغلام احمد قادیانی اپنی سمجھ وفہم کے مطابق اس الہام کا مفہوم متعین کیا کرتے تھے۔اوپر دیئے گئے عربی الہام سے قبل (براہین احمدیہ) پر مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنا ایک الہام بایں الفاظ نقل کیا ہے:’’پھر بقیہ الہامات بالا کا یہ ہے کہ بہ تحقیق میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے راہ بتلائے گا۔اے میرے رب میرے گناہ بخش اور آسمان سے رحم کر ہمارا رب عاجی ہے (اس کے معنی ابھی تک معلوم نہیں ہوئے) جن نالائق باتوں کی طرف مجھ کو بلاتے ہیں ان سے اے میرے رب مجھے زنداں بہتر ہے۔اے میرے خدا مجھ کو میرے غم سے نجات بخش۔اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ تیری

بخششوں نے ہم کو گستاخ کر دیا۔ یہ سب اسرار ہیں کہ جو اپنے اپنے اوقات پر چسپاں ہیں جن کا علم حضرت عالم الغیب کو ہے۔ پھر بعد اس کے فرمایا: ''ھو شعنا نعساً'' یہ دونوں فقرے شاید عبرانی ہیں اور ان کے معنی ابھی تک اس عاجز پر نہیں کھلے۔ پھر بعد اس کے دو فقرے انگریزی کے ہیں جن کے الفاظ کی صحت بباعث سرعت الہام ابھی تک معلوم نہیں اور وہ یہ ہیں ''آئی لو یو، آئی شیل گو یو، اے لارج پارٹی اوف اسلام'' چونکہ اس وقت یعنی آج کے دن اس جگہ کوئی انگریزی خواں نہیں اور نہ اس کے پورے پورے معنی کھلے ہیں۔ اس لئے بغیر معنوں کے لکھ دیا ہے۔''

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ اللہ تعالیٰ مرزاغلام احمد قادیانی کو الہام ایک ایسی زبان میں بھی کر دیتا ہے جو وہ جانتے ہی نہیں۔ مثلاً انگریزی میں۔ اب اس الہام کو سمجھنے کے لئے ان کو ایسا آدمی تلاش کرنا پڑتا ہے جو انگریزی جانتا ہو اور اگر ایسا شخص ایک ماہ تک نہ ملے تو وہ ایک ماہ تک نہ اسلام کو سمجھ سکیں گے نہ اس پر عمل کر سکیں گے۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اجنبی زبان میں مرزاغلام احمد کو الہام تو کر دیا۔ لیکن یہ بھی نہیں بتایا کہ یہ زبان کون سی ہے۔ تاکہ اس زبان کے جاننے والے سے رجوع کر کے وہ اس کو سمجھ سکیں اور اس پر عمل کر سکیں۔ مثلاً ''ھو شعنا نعساً'' اب مرزاغلام احمد قادیانی نے اندازہ ہی لگایا کہ یہ عبرانی زبان ہے۔ ضروری نہیں کہ اندازہ درست بھی ہو۔ اب اس زبان کا جاننے والا مرزاغلام احمد قادیانی کو کوئی شخص بھی زندگی میں نہیں مل سکا۔ لہٰذا نہ وہ الہام کو سمجھ سکے اور نہ اس پر عمل کر سکے۔ اب ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی سراسر مرزاغلام احمد قادیانی کے ساتھ زیادتی۔ کیونکہ اس سے قبل جس قدر بھی انبیاء گزرے ہیں ان کو تو اللہ تعالیٰ صرف اسی زبان میں وحی کرتا رہا ہے جو ان کی مادری زبان ہوتی تھی۔ لیکن مرزاغلام احمد قادیانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سوتیلوں والا سلوک کیا کہ ایسی زبان میں الہام کر دیئے جو وہ جانتے ہی نہیں تھے اور جس زبان کو وہ جانتے تھے مثلاً عربی۔ اس میں بھی اگر الہام کیا تو اس کا مفہوم نہیں سمجھایا بلکہ اسے مرزاغلام احمد قادیانی کے فہم پر چھوڑ دیا کہ وہ اس کا مفہوم خود متعین کرتے رہیں۔ مثلاً اوپر دیئے گئے۔ عربی الہام کے الفاظ ''انی متوفیک و رافعک الیّ'' کا مفہوم اللہ تعالیٰ نے مرزاغلام احمد قادیانی کو نہیں سمجھایا۔ چنانچہ مرزاغلام احمد قادیانی نے خود مفہوم تو متعین کر لیا لیکن اسے یقین نہیں تھا کہ کون سا مفہوم صحیح ہے۔ چنانچہ ''انی متوفیک'' کے انہوں نے دو مفہوم لکھے ہیں:

۱...... اے عیسیٰ میں تجھے کامل اجر بخشوں گا۔

۲...... وفات دوں گا۔

اس سے اگلا لفظ ''رافعک'' ہے۔اس کا مفہوم بھی مرزاغلام احمد قادیانی کو اللہ تعالیٰ نے نہیں سمجھایا۔اب اس نے ازخود جو مفہوم متعین کئے، وہ اس طرح ہیں:

۱...... اپنی طرف اٹھاؤں گا۔

۲...... رفع درجات کروں گا۔

۳...... دنیا سے اپنی طرف اٹھاؤں گا۔

بہرحال مرزاغلام احمد قادیانی نے اللہ تعالیٰ سے کبھی شکوہ نہیں کیا تھا۔وہ کیوں اس کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جو اس نے انبیاء ماقبل میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں کیا۔

اسی الہام کو اپنی کتاب (سراج منیر ص۲۰، خزائن ج۱۲ ص۲۳) پر مرزاغلام احمد قادیانی نے اس طرح درج کیا ہے: چنانچہ (براہین احمدیہ ص۵۵۶، خزائن ج۱ ص۶۶۴) میں یہ الہام موجود ہے (عربی عبارت کے بعد...... راقم) ''اے عیسیٰ میں تجھے طبعی وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔''

چونکہ اللہ تعالیٰ نے تو مفہوم بتایا نہیں تھا اس لئے مرزاغلام احمد قادیانی نے سراج منیر جو ۱۸۹۷ء میں چھپی ہے تحریف کر کے لکھ دیا اور اس میں لفظ ''طبعی'' کا اضافہ کر دیا۔

اپنے ہی کلام کو پرانی کتب سے نئی کتب میں نقل کرتے ہوئے اس میں تحریف کرنا ایک ایسا کارنامہ ہے جو علمی تاریخ میں کسی صاحب علم سے نہ ہوسکا۔لیکن مرزاغلام احمد قادیانی یہ کارنامہ بھی کر گزرے۔اپنی اپنی قسمت ہے، جسے اللہ تعالیٰ جو توفیق دے۔

قادیان کو اجاڑنا

مرزاغلام احمد قادیانی کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ مرزا قادیانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قادیان کو اجاڑ دیا۔لیکن اس کی تفصیل بیان کرنے سے قبل قادیان کے بارے میں مرزاغلام احمد قادیانی کے کشوف ملاحظہ فرمالیں: ''حضرت اقدس (مرزاغلام احمد قادیانی) ایک روز فرماتے تھے ہم نے کشف میں دیکھا کہ قادیان ایک بڑا عظیم الشان شہر بن گیا ہے۔انتہائی نظر سے بھی پرے اونچے اونچے چبوتروں والی دکانیں عمدہ عمارت کی بنی ہوئی ہیں اور موٹے موٹے سیٹھ بڑے بڑے پیٹ والے جن سے بازار کو رونق ہوتی ہے، بیٹھے ہیں اور ان کے آگے جواہرات اور لعل اور موتیوں اور ہیروں، روپوں اور اشرفیوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں اور قسما قسم کی دکانیں خوبصورت اسباب سے جگمگا رہی ہیں۔ یکے، بگھیاں، ٹمٹم، فٹن، پالکیاں، گھوڑے، لشکریں، پیدل اور اس قدر بازار میں آتے جاتے ہیں کہ مونڈھے سے مونڈھا بھڑ کر چلتا ہے اور راستہ بمشکل ملتا ہے۔'' (تذکرہ ص۴۱۹،۴۲۰)

مرزاغلام احمد قادیانی کی قادیان کے بارے میں ایک اور کشف ملاحظہ فرمائیں:
’’حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں: مجھے یاد ہے اسی میدان سے جاتے ہوئے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) نے اپنا ایک رویا سنایا تھا کہ قادیاں بیاس تک پھیلا ہوا ہے اور مشرق کی طرف بھی بہت دور تک اس کی آبادی چلی گئی ہے۔‘‘ (تذکرہ ص۷۸۲)

مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے اپنے اجلاس لاہور میں ایک قرارداد کے ذریعہ تقسیم ہند کا مطالبہ کر دیا۔ اس کے بعد ۱۹۴۷ء تک مسلم لیگ کی جدوجہد کا مرکز ومحور تقسیم ہند ہی رہا۔ مسلم لیگ کا مطالبہ تھا کہ صوبہ سرحد، پنجاب، بلوچستان اور سندھ کو ہندوستان سے علیحدہ کر کے مسلم اکثریتی صوبوں پر مشتمل الگ ملک بنا دیا جائے۔ اس تجویز میں پنجاب کی تقسیم شامل نہیں تھی۔ ۱۹۴۷ء سے قبل ایک موقع ایسا بھی آیا کہ مسلم لیگ تقسیم سے کم تر ایک تجویز پر رضامند ہوگئی۔ چوہدری محمد علی (سابق وزیراعظم پاکستان) نے اس کو بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: ’’۱۶؍مئی کو کابینہ مشن اور وائسرائے نے ایک بیان شائع کیا جس میں انہوں نے اپنی طرف سے آئینی مسئلہ کا حل پیش کیا۔ ان کے منصوبہ کا مرکز ومحور ایک ہی مملکت کو برقرار رکھنا تھا جسے انگریزوں نے بڑی محنت سے تعمیر کیا تھا۔ انہوں نے انتظامی، اقتصادی اور فوجی اسباب کی بناء پر دو آزاد اور خودمختار مملکتوں کی تجویز مسترد کر دی۔ کابینہ مشن کی نگاہ میں اس امر کا کوئی جواز نہیں تھا کہ پاکستان میں پنجاب، بنگال اور آسام کے وہ اضلاع شامل کئے جائیں جن کی بیشتر آبادی غیرمسلم تھی۔ اس کے برعکس ایک ایسے پاکستان کو جو فقط مسلم اکثریتی علاقوں تک محدود ہو مسلم لیگ ناقابل عمل قرار دیتی تھی۔ تاہم مشن نے مسلمانوں کے ان خدشات کے وزن کو محسوس کیا کہ ہندوؤں کے زیرغلبہ ایک ہی وحدانی ہند میں مسلمانوں کی تہذیب وثقافت اور ان کی سیاسی ومعاشرتی زندگی دب کر رہ جائے گی۔ ان وجوہ کے پیش نظر انہوں نے تین درجات کے آئینی منصوبہ کی ترتیب ضروری سمجھی۔

اوّل...... ایک اتحادیہ ہند (یونین آف انڈیا) ہونی چاہئے جو برطانوی ہند اور ریاستوں دونوں پر مشتمل ہو۔ اس کی تحویل میں امور خارجہ، دفاع اور مواصلات کے محکمے ہونے چاہئیں اور اس کے پاس بقدر ضرورت مالیہ وصول کرنے کے اختیارات بھی ہونے چاہئیں۔ اہم فرقہ وارانہ مسائل کو طے کرنے کے لئے دونوں بڑے فرقوں کے نمائندوں کی اکثریت درکار ہوگی اور رائے شماری میں حصہ لینے والے کل حاضر ارکان کی اکثریت بھی ضروری ہوگی۔

دوم...... صوبوں کے تین گروپ ہونے چاہئیں۔ حصہ الف ہندو اکثریت کے چھ صوبوں پر مشتمل ہوگا۔ حصہ ب شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ہوگا اور حصہ ج بنگال اور آسام پر۔

سوم...... صوبے اور ریاستیں بنیادی اکائیاں ہوں گی۔ مرکزی امور کے سوا باقی تمام امور اور باقی ماندہ اختیارات صوبوں کی تحویل میں دیئے جائیں گے۔ ریاستیں اپنے تمام امور اور اختیارات اپنے پاس رکھیں گی۔ ماسوا ان کے جو مرکزی حکومت کے سپرد کئے جائیں۔

آئین ساز اسمبلی کے تین حصوں میں سے ہر ایک حصہ (الف، ب اور ج) اپنے گروپ میں شامل صوبوں کے لئے آئین بنائے گا اور ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی کرے گا کہ آیا بحیثیت مجموعی گروپ کے لئے آئین بننا چاہئے۔ لیکن نئے آئین کے تحت پہلے عام انتخابات کے بعد کسی بھی صوبہ کی نئی مجلس قانون ساز کو گروپ سے باہر نکل آنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

مشن کے بیان کہا گیا تھا کہ وہ ''ایک عبوری حکومت کے فوری قیام کو انتہائی اہمیت دیتے ہیں جس میں سب محکمے بشمول امور جنگ، ہند کے ایسے لیڈروں کے ہاتھ میں ہوں گے جنہیں عوام کا مکمل اعتماد حاصل ہے۔'' یعنی کابینہ مشن کے بیان میں دستور سازی کے طویل المیعاد منصوبہ کے ساتھ ہی ساتھ ایک عبوری مرکزی حکومت کا مختصر المیعاد منصوبہ بھی شامل تھا۔ اس بیان کی مزید تشریح لارڈ پیتھک لارنس اور وائسرائے نے اپنی نشری تقریروں اور سرسٹیفورڈ کرپس نے ایک بیان میں کی۔ ۱۷؍مئی کو مشن نے ایک پریس کانفرنس بھی منعقد کی۔

گاندھی نے کابینہ مشن کے ۱۶؍مئی کے بیان کے بارے میں ''اپنے قانونی دماغ کو بروئے کار لاکر'' اس کی دھجیاں اڑادیں۔ اس کا مؤقف یہ تھا کہ کابینہ مشن پلان محض ''ایک اپیل اور مشورہ'' ہے، چونکہ آئین ساز اسمبلی خود مختار ہوگی۔ اس لئے وہ اس منصوبہ کو تبدیل کرنے کی مجاز ہوگی۔ مثلاً وہ مرکزی حکومت کے دائرہ اختیار میں توسیع کر سکے گی یا مسلمانوں اور غیر مسلموں میں امتیاز کو کالعدم قرار دے سکے گی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اسی طرح صوبوں کو آغاز کار میں ہی گروپ میں شامل ہونے یا نہ ہونے کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ گروپ سے نکل آنے کی آزادی تو ایک مزید تحفظ ہے۔ گاندھی کے نزدیک ان ''تعبیروں کے ساتھ موجودہ حالات میں یہ بہترین دستاویز ہے جو برطانوی حکومت پیش کر سکتی تھی۔'' حالانکہ ان تعبیروں نے ساری سکیم کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ لارڈ پیتھک لارنس کا رویہ گاندھی کے بارے میں ایسا تھا کہ جیسے روحانیت پرور مشرق کے ایک گرو کے سامنے مادیت زدہ مغرب کے کسی چیلے کا ہو۔ انہوں نے کہیں لکھا تو نہیں کہ گاندھیانہ سوفسطائیت کے اس شاہکار پر ان کا کیا تأثر تھا۔ لیکن اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ گاندھی کے ''تلاش حق کے تجربات'' اب کچھ کچھ ان کی سمجھ میں آرہے تھے۔ اسی زمانہ میں جب گاندھی نے ریاستوں کے بارے میں کرپس کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر کچھ اور معنی پہنائے تو

لارڈ پیتھک لارنس بھی یہ دھیما احتجاج کئے بغیر نہ رہ سکا۔ ’’سر سٹیفورڈ نے جو کچھ کہا ہے، آپ اس کی غلط تاویل کررہے ہیں۔‘‘

گاندھی نے جس راستہ کی نشاندہ کی ۲۴/مئی کو کانگریس ورکنگ کمیٹی بڑی اطاعت شعاری سے اس پر گامزن ہوگئی اور مجلس قانون ساز کو اقتدار منتقل کرنے کا مطالبہ کردیا جس میں ہندوؤں کو غلبہ تھا۔ اس نے بھی آئین ساز اسمبلی کے اختیارات پر جس میں ہندوؤں کی مستقل اکثریت ناگیز تھی، کسی حد اور قید کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ اس کے نزدیک آئین ساز اسمبلی کابینہ مشن پلان میں جو چاہے، تبدیلی کرنے کی مجاز ہوگی۔ اس پلان میں مسلم نقطۂ نظر کی رعایت ملحوظ تھی تو فقط محدود اختیارات کی مرکزی حکومت اور صوبوں کی گروپ بندی سے۔ لیکن کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اپنی تعبیر سے انہیں سارا اڑادیا۔

لارڈ پیتھک لارنس کے نام ایک خط میں صدر کانگریس نے اس اندیشے کا اظہار کیا کہ حصہ ب میں چونکہ پنجاب کو اور حصہ ج میں بنگال کو غالب حیثیت حاصل ہوگی۔ اس لئے ممکن ہے کہ وہ ایسا صوبائی آئین وضع کردیں جو شمال مغربی سرحدی صوبہ اور آسام کی خواہشات کے بالکل خلاف ہو اور شاید وہ ایسے قواعد وضوابط بھی مرتب کر ڈالیں جن کے تحت کسی گروپ سے ایک صوبے کے نکل آنے کی گنجائش باقی نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ کانگریس کا صدر پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں کے آئندہ طرز عمل سے خائف تھا۔ حالانکہ وہ اپنے اپنے حصہ میں اقلیت میں تھے۔ کابینہ مشن کے بیان کے مطابق حصہ ب میں مسلمانوں کی کل نمائندگی صرف ۶۲٫۰۷ فیصد تھی اور حصہ ج میں ۶۹ء ۵۱ فیصد۔ ایسی تھوڑی اکثریت کے ساتھ اگر مسلمان چاہتے تو بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور منظّم ومربوط غیرمسلموں کے حقوق زبردستی پامال نہیں کرسکتے تھے۔ سچ پوچھئے تو کانگریس کہیں بھی مسلمانوں کو سیاسی اقتدار سونپنے پر آمادہ نہیں تھی۔ لیکن مسلمانوں سے یہ توقع کرتی تھی کہ جس آئین ساز اسمبلی میں ہندوؤں کو غلبہ حاصل ہوگا اس پر آنکھیں بند کر کے پوری طرح اعتبار کرلیں۔

۲۲/مئی ۱۹۴۶ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے کابینہ مشن پلان کے بارے میں اپنا بیان جاری کیا جس میں انہوں نے اس بات پر سخت افسوس ظاہر کیا کہ ’’مشن نے مکمل اور خودمختار پاکستان کے قیام کے بارے میں مسلمانوں کے مطالبہ کی نفی کردی ہے۔‘‘ اس بیان میں انہوں نے اس منصوبہ کے مختلف پہلوؤں پر نکتہ چینی کی۔ لیکن یہ واضح کردیا کہ وہ مسلم لیگ کونسل کے فیصلے کے بارے میں پیش ازوقت کوئی بات نہیں کہنا چاہتے۔ جس کا اجلاس عنقریب دہلی میں ہوگا اور جو ۱۶/مئی کے بیان کا پورا اور بے لاگ جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کرے گی۔‘‘

کابینہ مشن نے ۲۵؍مئی کو ایک مزید بیان جاری کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ اس میں مشن نے اپنے منصوبہ کے معنی ومقصد کو بہت واضح اور قطعی الفاظ میں یوں بیان کیا: ’’چونکہ ہند کے لیڈر طویل گفت وشنید کے بعد کوئی باہمی سمجھوتہ کرنے سے قاصر رہے تھے جو دونوں بڑی پارٹیوں کے نقطہ ہائے نظر میں زیادہ سے زیادہ مصالحت کی آئینہ دار ہیں۔ یہ سکیم اپنے تمام اجزاء سمیت ایک وحدت ہے اور صرف اسی صورت میں کامیاب ہوسکتی ہے کہ اسے تعاون کے جذبہ سے قبول کر کے بروئے کار لایا جائے۔ آئین ساز اسمبلی کے اختیارات اور فرائض منصبی اور اس کے طریق کار کو کابینہ مشن کے بیان میں پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے...... کانگریس کی قرارداد میں مشن کے بیان کے پیرا نمبر:۱۵ کی جو تعبیر کی گئی ہے کہ آغاز کار میں ہی صوبے یہ فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں گے کہ وہ جس گروپ میں رکھے گئے ہیں آیا اس میں شامل ہوں یا نہ ہوں، یہ تعبیر مشن کے مقصد وغایت سے مطابقت نہیں رکھتی...... صوبوں کی گروپ بندی...... سکیم کا ایک لازمی حصہ ہے اور فریقین کی باہمی رضامندی سے ہی اس میں ترمیم کی جاسکتی ہے۔ آئین سازی کی تکمیل کے بعد گروپوں سے نکل آنے کا حق عوام خود بروئے کار لاسکیں گے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نئے صوبائی آئین کے تحت جو پہلے عام انتخابات ہوں گے، ان میں گروپ سے باہر نکل آنے کے مسئلہ کو بہت اہمیت حاصل ہوگی اور رائے دہی کے نئے نظام کے تحت جو لوگ ووٹ دینے کے مجاز ہوں گے وہ پوری طرح حقیقی جمہوری فیصلہ میں شریک ہوسکیں گے۔‘‘

بیان میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ ’’موجودہ آئین کو عبوری دور میں جاری رہنا ہوگا۔ اس لئے عبوری حکومت کو قانونی طور پر مرکزی مجلس قانون ساز کے سامنے جوابدہ نہیں بنایا جاسکتا۔‘‘

مسلم لیگ کونسل کا اجلاس اوائل جون میں منعقد ہوا اور اس میں بحث وغور کا سلسلہ تین دن جاری رہا۔ یہ بات تو بالکل واضح تھی کہ برطانوی حکومت نے دو آزاد وخودمختار مملکتوں کو قبول نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر رکھا ہے۔ سالہا سال سے مسلمانوں نے اپنی قسمت کو پاکستان سے وابستہ کر رکھا تھا۔ لیکن اب یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ ان کے نصیب میں نہیں۔ اجلاس میں کئی لوگ تو ازحد مایوس تھے اور بعض امید کی اس کرن سے اپنے آپ کو تسلی دے رہے تھے کہ یہ سکیم بالآخر ایک آزاد وخودمختار پاکستان کے قیام پر منتج ہوگی۔ برصغیر کی ایک واحد مملکت کے ڈھانچہ کے اندر کابینہ مشن کی سکیم اپنی سب پیشرو سکیموں سے بہتر تھی۔ اس میں پاکستان کو تسلیم تو نہیں کیا گیا تھا تاہم اس کے تحت مسلمانوں کو اپنے اکثریتی علاقوں میں اپنے سیاسی، ثقافتی، معاشرتی اور معاشی مفادات پر

معقول اختیار حاصل ہوگا۔ لیکن کیا یہ منصوبہ بھی، جو مسلم مطالبہ سے بہت فروتر تھا، کانگریس کے حملوں کی تاب لا سکے گا؟ اس سوال کا کوئی یقینی جواب نہیں دیا جا سکتا تھا۔

گاندھی اب تک اس بات کا دعویدار تھا کہ کابینہ مشن کے بیان کا وہی معنی ہوگا، جو اسے پسند ہو۔ خواہ اس بیان کے مصنف، اس کا مطلب کچھ اور ہی کیوں نہ بتائیں۔ وہ آسام کو حصہ ج سے باہر رہنے کے لئے اکسا رہا تھا۔ اس طرح شمال مغربی سرحدی صوبہ میں کانگریسی وزارتیں تھیں۔ سکھ بپھرے ہوئے تھے۔ ایک طرف ہندوان کے ساتھ پینگیں بڑھا رہے تھے اور دوسری طرف انگریز ان کی فوجی خدمات کے پیش نظر ان کی ناز برداری کر رہے تھے۔ کانگریس کا آخری فیصلہ ابھی معلوم نہیں ہوا تھا لیکن جونکہ ان کا ایک ہی واحد مملکت کا بنیادی مطالبہ مان لیا گیا تھا۔ اس لئے غالب گمان یہی تھا کہ وہ اس منصوبہ کو مسترد نہیں کرے گی۔ اپنی سابقہ پالیسی کے مطابق کہ مسلمانوں کو سیاسی اقتدار میں کوئی حصہ نہ ملے...... کانگریس نے انگریزوں پر دباؤ ڈالنے کے حربے بھی شروع کر دیئے تھے اور ساتھ ہی ساتھ لیبر پارٹی کے مدبرین سے جذباتی نوعیت کی اپیلیں بھی کر رہی تھی۔

اتنی بات ضرور تھی کہ کانگریس نے ۱۶/مئی کے بیان کی جو بالکل نامعقول تاویل کی تھی وہ کابینہ مشن سے اسے منوا نہیں سکتی تھی۔ اس ضمن میں جو خدشات اور شکوک وشبہات تھے، وہ کابینہ مشن کے ۲۵/مئی والے بیان نے دور کر دیئے تھے۔ ۴/جون کو وائسرائے نے قائداعظم کو ایک خط میں برطانوی حکومت کی طرف سے اس سے بھی زیادہ باوثوق ضمانت دی کہ وہ میزان عدل کو مستقیم رکھنے کا عزم صمیم رکھتی ہے۔ وئسرائے نے لکھا: ’’آپ نے مجھ سے کل کہا تھا کہ میں حتمی طور پر آپ کو بتاؤں کہ اگر کابینہ مشن کے ۱۶/مئی والے بیان کو ایک فریق نے قبول کر لیا اور دوسرے نے مسترد کر دیا تو پھر کیا کیا جائے گا؟ کابینہ مشن کی طرف سے اور ذاتی طور پر میں خود بھی آپ کو پورا یقین دلاتا ہوں کہ ہر دو فریق کے ساتھ سلوک میں ہم کوئی امتیاز روا نہیں رکھیں گے۔ اگر کسی ایک فریق نے منصوبہ قبول کر لیا تو جہاں تک حالات نے اجازت دی ہم منصوبہ پر عملدرآمد کریں گے۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ دونوں فریق اسے قبول کر لیں گے۔‘‘

کابینہ مشن اور وائسرائے کی اس یقین دہانی نے مسلم لیگی لیڈروں کے آخری مؤقف کو متعین کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

مسلم لیگ کونسل نے تمام پہلوؤں کا اچھی طرح موازنہ کرنے کے بعد ۶/جون کو کابینہ مشن پلان کو منظور کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ اس فیصلہ کا اطلاق طویل المیعاد منصوبہ اور مختصر المیعاد منصوبہ

دونوں پر ہوتا تھا۔ کونسل نے یہ توثیق بھی کر دی کہ مسلم لیگ آئین ساز اسمبلی میں شامل ہوگی۔ مجوزہ عبوری حکومت کے متعلق کونسل نے اپنے صدر کو وائسرائے کے ساتھ گفت وشنید کے اختیارات دے دیئے کہ وہ جو موزوں اور مناسب سمجھیں، فیصلے اور اقدامات کریں۔ کونسل نے یہ حق محفوظ رکھا کہ حالات کی رفتار کا تقاضا ہوا، تو وہ اپنی اس پالیسی پر نظر ثانی کر سکے گی۔

قائداعظم محمد علی جناح پر کانگریسی لیڈر اکثر یہ الزام دھرتے تھے کہ وہ کبھی قطعی طور پر اپنے آپ کو کسی چیز کا پابند نہیں کرتے۔ کہا جاتا تھا کہ وہ دوسروں کو پہل کرنے دیتے ہیں۔ جو ملے اسے قابو کر لیتے ہیں اور پھر اس سے بھی بڑا مطالبہ پیش کر دیتے ہیں۔ اس تاریخی مرحلے میں مسلم لیگ نے ان کی قیادت میں کابینہ مشن پلان کو منظور کرنے کا بہت ہی جرأت مندانہ اور دوررس فیصلہ اس وقت کیا جب کہ کانگریس اس بارے میں ابھی حیلہ حوالہ کر رہی تھی۔ بدرجہ آخر یہ یقین وایمان کا معاملہ تھا۔ یقین وایمان اس بات پر کہ شاید آزادی کا منظر ہندو لیڈروں کے دلوں کو قدرے وسعت اور فراخی عطاء کر دے اور کلی اقتدار کی ہوس چھوڑ کر وہ مسلمانوں کے ساتھ شراکت سے رہنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ یقین وایمان انگریزوں کی آبرومندی اور عدل وانصاف کے احساس پر...... اور سب سے بڑھ کر یقین وایمان اس بات پر کہ مسلمانوں کو اجتماعی زندگی میں معقول مساوات کا موقع ملا تو وہ ترقی کر کے اپنی روایات اور تہذیب وتمدن کے شایان شان عظمت اور قوت حاصل کر لیں گے۔ قائداعظم خاص طور پر محسوس کرتے تھے کہ زندگی بھر وہ ضمیر کی آزادی اور ہندو مسلم تعلقات میں منصفانہ مفاہمت کے لئے جو جدوجہد کرتے رہے تھے وہ کامیابی سے ہمکنار ہونے والی ہے۔ برطانوی پریس نے بھی مسلم لیگ کے اس فیصلہ کو ’’دانش مندانہ اور مدبرانہ‘‘ قرار دیا۔ اس پر ملک بھر میں اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ بالآخر ہندو مسلم اختلافات سلجھ گئے ہیں اور آزادی کی منزل سامنے نظر آنے لگی ہے۔‘‘ (ظہور پاکستان ص۷۶ تا۸۲)

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمالیا کہ مسلم لیگ نے کابینہ مشن پلان کو منظور کر لیا تھا۔ جس کے مطابق ہندوستان کی مرکزی حکومت کے ماتحت تین ذیلی وفاق قائم ہونا تھے اور دس سال بعد مشرقی اور مغربی ذیلی وفاق نے ریفرنڈم کے ذریعہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ مرکزی وفاق میں شامل رہنا چاہتے ہیں یا الگ ہونا چاہتے ہیں۔ اس تجویز کے مطابق مرکزی وفاق کے پاس صرف دفاع، امور خارجہ اور مواصلات کے محکمے ہی ہونا تھے اور باقی جملہ اختیارات ذیلی وفاق ہائے کے پاس ہونا تھے۔ ایک بات واضح ہے کہ مرکزی وفاق (جس کے ماتحت فوج کو بھی ہونا تھا) میں عددی اکثریت میں بہرحال ہندو ہی ہوتے۔ مرکزی وفاق میں وہی فیصلہ ہوتا جو ہندو پسند کرتے۔ اس

صورت میں اس بات کی کوئی ضمانت نہ تھی کہ وہ دس سال یا اس سے قبل کسی ذیلی وفاق میں ریفرنڈم ہونے دیتے۔ ہندوستان نے تو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ کشمیر میں ریفرنڈم کروائے گا لیکن اس نے اس وعدہ کو آج تک پورا نہیں کیا تو کسی نے اس کا کیا بگاڑ لیا اور آئندہ بھی اس بات کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ ہندوستان کبھی کشمیر میں ریفرنڈم کروائے۔ انجام کار مرکزی اور ذیلی وفاق والی تجویز کامیاب نہ ہوسکی۔

اس مسئلہ کے بارے میں جسٹس محمد منیر (سابق چیف جسٹس آف پاکستان) نے بھی اپنے خیالات سے آگاہ کیا ہے۔ مناسب ہوگا کہ اسے بھی دیکھ لیا جائے۔

جسٹس محمد منیر لکھتے ہیں:

During the World War:2, from March 26, 1946 to June 29, 1946, a special Mission composed of three members of the British Cabinet namely, Lord Pethwick Larrence, Secretary of State for India, Sir stafford Cripps, President of the Board of Trade and Alexander, the first Lord of tha Admiralty, had visited India to find a compromise formula between the Congress and the Muslim League. Finding an agreement between the two impossible, the Mission had put forward its own scheme.

The Cabinet Mission Plan of 16th May 1946 was a comlicated affair but its main feature was obvious to a constitional lawyer like Mr. Jinnah, It had rejected Pakistan as an unreality and proposed a federation for India with three sub-federations, often referred to as groups. According to that plan, the provision of opting

out of the sub-federation had placed Pakistan away 10 years after the elections were held under the constitution. For the federation itt had reserved the subjects of defence, foreign affairs and communications; all other subjects had tto be shared between the sub-federations and their constituent units. The federal constitution was to be framed by a Constiuent Assembly which was composed of three sections. Sections A was to consist of members, elected on a population basis, from the non-Muslim majority areas, section B of members, similarly elected, from Muslim majority areas and section C of members elected from Bengal and Assam. The Constitution for each sub- federation was to be made by the corresponding section of the Constituent Assembly. Ten years after the first general elections were held under the Constitution so made, any member of the sub- federation could vote to opt out. An interim government with Congress and Muslim members was to be set up at the Centre immediately.

The Plan was accepted by the Muslim League first, because it gave to the units of the sub- federation the option to opt out, and by the Congress a month later. The meeting of the

Congress Committee which accepted the Plan was presided over by Mr. Nehru who was then the Congress President. Only three days later, Mr. Nehru was asked by a press representative whether the Congress had accepted the Plan in its entirety and the reply was that the Congress was entering the Constituent Assembly completely unfettered by any agreement and would consider itself free to meet any situation that might arise. "Does this mean" further asked the questtioner, "that the Congress will be at liberty to modify the Plan including the grouping part of it." and the answer was "Yes." With these replies vanished the Cabinet Plan and the last chance of a united India. Startled by this interpretaion, the Muslim league withdrew its acceptance of the Plan. Subsequent efforts by Lord Wavel, who was then the Governor-General, to obtain from Gandhi and Nehru the assurance that the Congress was accepting the Plan according to its plain terms and not as the Congress would interpret it, ended with a letter to him from Mr. Nehru that being a soldier he did not understand these legal subtleties and needed a lawyer to make him understand them. But Lord Wavel stuck to his guns and would not budge.

Deadlock followed deadlock until by their influence on the Labour Government the Congress leaders succeeded in having Lord Wavel recalled. Long after this episode I had summed up the position in one of my article in the following words:

"Possibly and unthought, more probably a disingenuous reply by Nehru to a pressman's question and a subsequent legal quibble to support it, and inchoate vision of Pakistan appeared to float on the horizon. Within less than fourteen months it had settled in a tangible from on the world- map, the largest Muslim State and the fifth largest country in the world."

’’دوسری عالمی جنت کے بعد برطانوی کابینہ کے تین ارکان پر مشتمل ایک خصوصی مشن نے ۱۶/ مارچ ۱۹۴۶ء تا ۲۹/ جون ۱۹۴۶ء ہندوستان کا دورہ کیا جن کے نام (۱) لارڈ پیتھک لارنس وزیر ہند۔ (۲) سر سٹیفورڈ کرپس صدر بورڈ آف ٹریڈ اور (۳) الیگزنڈر وزیر بحریہ تھے۔ اس مشن کی آمد کا مقصد کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان کسی مصالحتی فارمولا کی تلاش تھا۔ دونوں فریقین کے درمیان کسی مصالحت کو ناممکن دیکھتے ہوئے مشن نے اپنی سکیم پیش کی۔

کابینہ مشن کا ۱۶/ مئی ۱۹۴۶ء کا منصوبہ ایک پیچیدہ معاملہ تھا لیکن اس کے اہم نکات مسٹر جناح جیسے آئینی وکیل پر واضح تھے۔ اس سکیم نے پاکستان کی تجویز کو غیر حقیقی تصور کرتے ہوئے رد کر دیا تھا اور ایک فیڈریشن کی تجویز پیش کی جس میں تین ذیلی وفاق ہوں جنہیں گروپ کا نام دیا گیا تھا۔ اس منصوبہ نے کسی ذیلی وفاق کو فیڈریشن سے باہر نکلنے کے معاملہ کو آئین کے تحت پہلے الیکشن کے بعد دس سال کے لئے مؤخر کر دیا تھا۔ اس منصوبہ نے فیڈریشن کے پاس دفاع، مواصلات اور امور خارجہ کے باقی تمام امور کو ذیلی وفاق ہائے کے پاس رہنا تجویز کیا تھا۔ فیڈریشن کا آئین ایسی آئین ساز اسمبلی نے بنانا تھا جس کے تین سیکشن ہونا تھے۔ سیکشن اے ان

ممبران پر مشتمل ہونا تھا جنہوں نے آبادی کی بنیاد پر ان علاقوں سے منتخب ہونا تھا۔ جہاں غیر مسلموں کی اکثریت تھی۔ سیکشن بی اسی طرح ان ممبران پر مشتمل ہونا تھا جنہوں نے ان علاقوں سے منتخب ہونا تھا۔ جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ سیکشن سی ان ممبران پر مشتمل ہونا تھا جو بنگال اور آسام سے منتخب ہونا تھے۔ ہر ذیلی وفاق کا آئین متعلقہ سیکشن کے ممبران پر مشتمل آئین ساز اسمبلی نے تیار کرنا تھا۔ آئین کے تحت پہلے الیکشن کے دس سال بعد ذیلی وفاق میں سے کوئی بھی وفاق سے باہر نکل سکتا تھا۔ ایک عبوری حکومت کانگریس اور مسلم لیگ کے ممبران پر مشتمل مرکز میں فوراً ہی قائم ہونا تھی۔''

''مسلم لیگ نے اس منصوبہ کو پہلے ہی قبول کر لیا کیونکہ یہ ذیلی وفاق کو فیڈریشن سے باہر نکلنے کا حق دیتا تھا۔ کانگریس نے ایک ماہ بعد اس منصوبہ کو منظور کر لیا۔ کانگریس کمیٹی کی وہ میٹنگ جس نے اس کو منظور کیا۔ اس کی صدارت نہرو نے کی جو اس وقت کانگریس کے صدر تھے۔ صرف تین دن بعد ایک اخباری نمائندے نے نہرو سے سوال کیا کہ: ''کیا کانگریس نے اس منصوبہ کو مکمل طور پر قبول کر لیا ہے؟'' جس کا جواب یہ تھا کہ'' کانگریس اسمبلی میں داخل ہونے کے بعد ہر قسم کے معاہدے سے مکمل طور پر آزاد ہے اور جیسا بھی کوئی مسئلہ ہوگا آزادی سے فیصلہ کرے گی۔'' اگلا سوال یہ تھا کہ'' کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ کانگریس اس منصوبہ میں جس میں گروپ بندی کا معاملہ بھی شامل ہے، میں ہر قسم کی تبدیلی کرنے میں آزاد ہوگی؟'' نہرو کا جواب تھا'' ہاں'' اس جواب کے ساتھ کابینہ مشن منصوبہ ملیا میٹ ہوگیا اور ساتھ ہی ہندوستان کے متحدہ رہنے کا آخری موقع بھی۔ منصوبہ کی اس تعبیر سے پریشان ہوکر مسلم لیگ نے اپنی منظوری واپس لے لی۔ بعد میں لارڈ ویول جو گورنر جنرل تھے کی کوشش کہ وہ گاندھی اور نہرو سے کوئی ایسی یقین دہانی حاصل کر سکیں کہ کانگریس اس منصوبہ کو جیسا کہ وہ ہے قبول کر رہی ہے نہ کہ اس طرح کہ جس طرح کانگریس اس کی تعبیر کر رہی ہے۔ اس طرح انجام کو پہنچی کہ نہرو نے اسے خط لکھ دیا کہ وہ (لارڈ ویول) سپاہی ہونے کی وجہ ان قانونی نزاکتوں کو نہیں سمجھتا اور یہ کہ اسے ایک قانون دان کی مدد کی ضرورت ہے جو اسے ایسی باتیں سمجھا سکے لیکن لارڈ ویول اپنے مؤقف پر قائم رہا اور اس نے کمزوری نہ دکھائی۔ ڈیڈلاک جاری رہا یہاں تک کہ کانگریس نے برٹش لیبر گورنمنٹ میں اپنے اثر ورسوخ کی بناء پر لارڈ ویول کو واپس بھجوا دیا۔ اس قصے کے کافی عرصہ بعد میں نے صورت حال کا خلاصہ اپنے ایک مضمون میں درج ذیل الفاظ میں تحریر کیا تھا:

ممکن ہے بے خیال میں بلکہ زیادہ امکان یہ ہے کہ دوغلا پن کے زیر اثر نہرو کی طرف

سے اخباری نمائندہ کے سوال کے جواب میں دیئے گئے بیان اور بعد اس کی اس جواب کی تائید میں کی گئی سخن سازی کے نتیجہ میں پاکستان کا خاکہ افق پر تیرنا شروع ہوگیا تھا جو چودہ ماہ کے عرصہ کے اندر ایک حقیقت کے طور پر دنیا کے نقشہ پر سب سے بڑی اسلامی مملکت اور دنیا کا پانچواں بڑا ملک بن کر نمودار ہوگیا۔'' (From Jinnah to Zia, p:7 to 9)

جسٹس محمد منیر کے مندرجہ بالا اقتباس سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگرچہ مسلم لیگ نے کابینہ مشن کا منصوبہ قبول کرلیا تھا۔ لیکن جب جواہر لال نہرو (جو اس وقت کانگریس کے صدر بن چکے تھے) نے اس کی من مانی تفسیر کی اور اس پر اصرار کیا تو مسلم لیگ نے بھی اپنی منظوری واپس لے لی۔

میں نے یہ طویل اقتباسات صرف یہ بتانے کے لئے نقل کئے ہیں کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان مشیت ایزدی تھا اور اس بات کا بہت کم امکان تھا کہ ہندوستان کی مرکزی حکومت کسی بھی ذیلی وفاق کو علیحدہ ہونے کی اجازت دیتی۔ اگر ہندوستان متحدہ حالت میں آزاد ہو جاتا تو اس امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا تھا کہ مرزاغلام احمد کے کشف اور رؤیا کے مطابق قادیان ایک بارونق قصبہ بن ہی جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا کہ وہ مرزاغلام احمد کی کسی بھی بات کو سچا ہونے دے۔ چنانچہ ہندوستان تقسیم ہوگیا۔ تقسیم کی صورت میں بھی اگر ضلع گورداسپور (جس میں قادیان واقع ہے) پاکستان میں شامل ہو جاتا۔ (ابتداء میں یہی اعلان ہوا تھا کہ گرداسپور پاکستان میں شامل ہوگا) تو بھی یہ امکان تھا کہ قادیان ایک بارونق شہر بن جاتا۔ جیسا کہ مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنے کشف میں بیان کیا تھا۔ لیکن یہ بھی اللہ کو منظور نہیں تھا اور گورداسپور کو ہندوستان میں شامل کرنے کی خدمت قادیانی امت کی ایک اہم شخصیت نے خود ہی انجام دی۔

ہوا یہ کہ باؤنڈری کمیشن میں اپنی نمائندگی کے لئے مسلم لیگ نے چوہدری ظفراللہ کی بطور وکیل خدمات حاصل کرلیں۔ غالباً چوہدری ظفراللہ بطور وکیل کے اچھی شہرت کے حامل ہوں گے۔ لیکن باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کی وکالت کرتے ہوئے انہوں نے ایک پیشہ وارانہ بدیانتی کی اور قادیانی امت کی طرف سے ایک درخواست دے دی کہ ''قادیان'' کو ایک الگ **Status** دے دیا جائے۔ جس طرح کا اٹلی میں پاپائے روم کے شہر ویٹی کن کو حاصل ہے۔ وجہ اس کی یہ بیان کی کہ قادیانی مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔ قادیانی امت کی اس درخواست نے گورداسپور ضلع میں مسلمانوں کی آبادی کو اکیاون فیصد سے کم کر کے انچاس فیصد کر دیا اور انگریزوں کو بہانہ مل گیا جس سے انہوں نے گورداسپور کو ہندوستان میں شامل کر کے

ہندوستان کو کشمیر کے لئے راستہ دے دیا۔اس مسئلہ پر قادیانی امت کے سربراہ مرزا ناصر احمد سے قومی اسمبلی میں اس موقع پر سوال کیا گیا جب وہ ۱۹۷۴ء میں اسمبلی کے سامنے قادیانی امت کا مؤقف بیان کر رہے تھے۔

قومی اسمبلی میں قادیانی امت کے دوسرے سربراہ مرزا محمود احمد کا ۱۳/نومبر ۱۹۴۶ء کا ایک بیان مرزا ناصر احمد کو پڑھ کر سنایا گیا جو اس طرح ہے: ’’ایک سال قبل (پاکستان کی آزادی سے ایک سال قبل) میں نے اپنے ایک نمائندے کے ذریعہ ایک انتہائی ذمہ دار انگریز افسر کو کہلوا بھیجا کہ پارسی اور عیسائیوں کی طرح ہمارے بھی حقوق تسلیم کئے جائیں جس پر اس افسر نے کہا کہ وہ تو اقلیتی مذہبی فرقے ہیں۔اس پر میں نے کہا کہ پارسی، عیسائی مذہبی فرقے ہیں جس طرح ان کے حقوق کو علیحدہ تسلیم کیا گیا ہے۔اسی طرح ہمارے بھی کئے جائیں۔تم ایک پارسی پیش کرتے جاؤ میں اس کے مقابلے میں دو احمدی پیش کرتا جاؤں گا۔‘‘

(ماخوذ از قومی اسمبلی میں قادیانی مقدمہ، تیرہ دن کی کارروائی ص۸۰،۸۱)

جسٹس محمد منیر مرحوم (جو پاکستان کے چیف جسٹس بنائے گئے) باؤنڈری کمیشن کے ممبر تھے اور ریڈ کلف چیئرمین تھے۔انہوں نے ایک مضمون لکھا جو پاکستان ٹائمز میں ۲۱/جون ۱۹۶۴ء کو شائع ہوا۔اس مضمون میں وہ لکھتے ہیں: ’’معاملہ کے اس حصہ کے متعلق میں ایک ناخوشگوار واقعہ کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے یہ بات کبھی سمجھ نہیں آئی کہ احمدیوں (قادیانیوں ......از راقم) نے الگ عرض داشت کیوں دی تھی۔اس قسم کی عرضداشت تبھی ہوسکتی تھی جب احمدی (قادیانی......از راقم) مسلم لیگ کے نقطۂ نظر سے متفق نہ ہوتے جو کہ بذات خود افسوس ناک صورت حال ہوتی۔ہوسکتا ہے کہ احمدی (قادیانی......از راقم) مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کی تائید کرنا چاہتے ہوں۔(ہرگز نہیں......از راقم) مگر ایسا کرتے ہوئے انہوں نے گڑھ شنکر کے مختلف حصوں کے بارے میں اعداد وشمار دیئے جن سے یہ بات نمایاں ہوئی کہ بین دریا اور بسنتر دریا کے مابین کا علاقہ غیر مسلم اکثریت کا علاقہ ہے اور یہ بات اس تنازعہ کی دلیل بنتی تھی کہ اگر اج دریا اور بین دریا کا درمیانی علاقہ ہندوستان کو مل جائے تو بین دریا اور بسنتر دریا کا درمیانی علاقہ خود بخود ہندوستان کو چلا جاتا ہے۔جیسا کہ ہوا۔احمدیوں (قادیانیوں ......از راقم) نے جو رویہ اختیار کیا تھا وہ ہمارے لئے گورداسپور کے بارے میں خاصا پریشان کن ثابت ہوا۔

مسلمان ۵۱/فیصد تھے، ہندو ۴۹/فیصد، قادیانی ۲/فیصد۔جب یہ مسلمانوں سے علیحدہ ہوگئے تو اس سے گورداسپور جاتا رہا اور کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوگیا۔‘‘ (ماخوذ از قومی اسمبلی میں قادیانی مقدمہ)

باؤنڈری کمیشن نے گورداسپور کو ہندوستان میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا تو پوری قادیانی امت مع اپنے خلیفہ کے وہاں سے بھاگ کر پاکستان آ گئی۔ لیکن پاکستان سے جو ہندو اور سکھ آبادی منتقل ہو کر مشرقی پنجاب گئی ان میں سے کسی نے بھی قادیان جا کر آباد ہونے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کیونکہ قادیان کی واحد دلکشی تو مرزاغلام احمد قادیانی کی قبر ہے اور مرزاغلام احمد قادیانی کی قبر سے کسی ہندو یا سکھ کو کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ قادیان نہ تو تجارتی مرکز تھا اور نہ ہی وہاں کوئی صنعت تھی کہ خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے کوئی وہاں جا کر آباد ہوتا تھا۔ قادیان کی واحد صنعت تو کشف ورؤیا تھے اور یہ صنعت پاکستان آ گئی تھی۔ چنانچہ جو مکانات قادیانی امت خالی کر کے آئی تھی وہ ابھی تک خالی پڑے ہیں۔

قادیان کو اجاڑنا بھی مرزاغلام احمد قادیانی کا ایک کارنامہ ہے۔ بشرطیکہ کوئی عبرت پکڑنے کی ضرورت محسوس کرے۔ اگر مرزاغلام احمد قادیانی نے قادیان کے بارے میں وہ کشف نہ دیکھا ہوتا جو میں نے اس مضمون کے شروع میں بیان کیا ہے تو قادیان نہ اجڑتا۔ یہ اہل بصیرت کے لئے غور کا مقام ہے اور قادیانی امت کے لئے حجت۔

قتل کی ترغیب

’’بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل کیا عمل کرے گا۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب باتوں کا جاننے والا باخبر ہے۔‘‘

(سورۂ لقمان:۳۴، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

’’اور کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں بدون حکم اللہ تعالیٰ کے۔ اس طور سے کہ اس کی میعاد معین لکھی ہوئی رکھی ہے اور جو شخص دنیاوی ثواب چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا کا حصہ دے دیتے ہیں اور جو شخص اخروی ثواب کا طالب ہے تو ہم اس کو آخرت کا حصہ دیں گے اور ہم حق شناس لوگوں کو بہت جلد عوض دیں گے۔‘‘ (آل عمران:۱۴۵، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

مندرجہ بالا آیات مبارکہ سے ایک بات دوٹوک انداز میں واضح ہو جاتی ہے کہ اس دنیا میں جو شخص آیا ہے اس کی موت کا وقت پہلے سے مقرر ہے۔ جب وہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو ایک لمحہ کی بھی مزید مہلت نہیں ملتی اور کوئی دوا، دعا یا حفاظتی تدبیر کام نہیں دیتی۔ امریکہ کے صدر کی حفاظت اس قدر کی جاتی ہے کہ دنیا میں کسی بھی دوسرے سربراہ مملکت کی حفاظت اس حد تک نہیں

کی جاتی۔ اس کے باوجود دنیا نے ٹیلی ویژن پر جان ایف کینیڈی کو گولی لگتے دیکھا جس سے وہ جانبر نہ ہوسکا۔ وہ شخص میرے نزدیک احمق ہے بلکہ احمقوں کا لیڈر ہے جو یہ پیش گوئی کرتا ہے کہ فلاں شخص اتنے عرصے میں مرجائے گا۔

مزید تفصیل سے قبل ایک گفتگو کا حال سن لیں۔ چند سال قبل ایک قادیانی دوست (جو اتفاق سے میرے ہم پیشہ تھے) نے ایک اور ایڈووکیٹ سے تعارف کروایا کہ یہ بائبل کے مبشر ہیں اور وکالت کے ساتھ ساتھ جزوقتی طور پر عیسائیت کی تبلیغ بھی کرتے رہتے ہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ مجھے بھی بائبل کی بشارت دے دیجئے۔ ملاقات طے ہوگئی اور میں ان کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ محمد (ﷺ) کو ان کے دعویٰ نبوت اور رسالت میں سچا نہیں سمجھتے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میں بات کو سمجھنے اور سمجھانے کی غرض سے وقتی طور پر اس مسئلہ میں آپ سے اتفاق کر لیتا ہوں۔ اب مجھے یہ بتائیے کہ آج آپ کے پاس ایک نوجوان لڑکی آتی ہے اور بیان دیتی ہے کہ میں کنواری ہوں۔ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔ لیکن میرے پیٹ میں بچہ ہے اور وہ خدا کا بیٹا ہے تو کیا آپ اس کی بات کا اعتبار کر لیں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں، ہرگز نہیں۔ میں نے اس پر عرض کیا کہ یہی بات آج سے دو ہزار سال قبل ایک یہودی لڑکی نے یروشلم میں کہی ہے تو اس کا اعتبار آپ کس دلیل کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بائبل کی سند پر۔ انہوں نے فوراً بائبل نکال لی۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں بائبل میں دس منٹ کے اندر دس تضادات (Contradictions) نکال کر دکھا سکتا ہوں اور اگر آپ کو میرا یہ دعویٰ تسلیم ہے جیسا کہ ہے تو اس صورت میں آپ کس طرح بائبل کا کوئی بیان درست تسلیم کروا سکتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں تو مسلمانوں کا عقیدہ بھی وہی ہے جو عیسائیوں کا ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی کے بارے میں کوئی اختلاف ہے ہی نہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میرے پاس حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی کے بارے میں ایک گواہی ہے۔ میں نے ان کی بات کا انگریزی میں جواب دیا کہ:

I believe that Jesus s/o Mary (peace be upon him) was born miraculously because I have got the evidence of a person and the only person in the history of human race who, in his own

lifetime, was recognized, ackhowledged, accepted and then followed as the most truthful person of his time and of his nation but what evidence have you got to believed the same?

میں نے کہا کہ میرے پاس ایک ایسے شخص کی گواہی ہے جو انسانی تاریخ کا واحد شخص ہے جسے اس کی قوم نے اس کی زندگی میں ہی سچا جانا، سچا تسلیم کیا، سچا قبول کیا اور اس کی بلا چون وچرا پیروی کی۔ آپ کے پاس کس کی گواہی ہے؟ اس پر وہ صاحب زچ ہوگئے اور کہنے لگے کہ کیا مطلب ہے آپ کا؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ میں نے اثبات میں جواب دیا تو کہنے لگے کہ بتاؤ کیا خوبی ہے مسلمانوں میں کہ میں ان میں شامل ہو جاؤں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ اسلام کی حقانیت اپنی جگہ اور ہم مسلمانوں کی بداعمالیوں سے بھی اسلام کی صداقت پر حرف نہیں آسکتا۔ اس پر مجلس برخاست ہوگئی۔

میں نے مذکورہ بالا گفتگو اس لئے درج کی ہے کہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے کہ کسی بھی مبلغ عیسائیت کو دومنٹ میں جی ہاں صرف دومنٹ میں خاموش کیا جاسکتا ہے اور اگر مقصد ڈرامہ کرنا ہو تو آپ بے شک پندرہ دن تھیٹر لگائے رکھیں۔

اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔ قتل کی ترغیب دینے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو سیدھا طریقہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو کہے کہ جاؤ اور فلاں شخص کو قتل کر آؤ۔ اس کے علاوہ ایک **Indirect** طریقہ بھی قتل کی ترغیب دینے کا ہے۔ مثلاً کوئی باپ اپنے جوان بیٹوں کے سامنے یہ کہہ دے کہ ”بڑے شرم کی بات ہے کہ ہم سب بھی زندہ ہیں اور ہمارا دشمن بھی زندہ ہے۔“ یہ صاف صاف قتل کی ترغیب ہے جو ایک باپ نے اپنے بیٹوں کو دی اور اگر بیٹوں میں حمیت ہو تو عین ممکن ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کر دیں۔

ایک دوسری مثال:

اگر کوئی مذہبی رہنما اپنے متبعین کے سامنے تقریر کر کے کہہ دے کہ فلاں شخص واجب القتل ہے تو یہ بالکل ممکن ہے کہ اس تقریر سے متاثر ہو کر کوئی سامع اس شخص کو قتل کر دے جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اس کی عملی مثال یہ ہے کہ کسی عالم دین کی تقریر سے متاثر ہو کر ہی غازی علم دین شہید نے راج پال کو قتل کر دیا تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دوبارا اپنے متبعین کو قتل کی ترغیب

دی۔لیکن براہ راست نہیں کہ جاؤ اسے قتل کر آؤ۔ بلکہ موت کی پیش گوئی کر دی۔

ہوا یہ کہ گزشتہ صدی یعنی انیسویں صدی میں امرتسر میں ایک عیسائی پادری عبداللہ آتھم رہتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو الوہیت مسیح کے مسئلہ پر چیلنج دے دیا کہ وہ ان سے مباحثہ/مناظرہ کریں۔ مسلمانوں نے عبداللہ آتھم پادری کی اس دعوت کو قبول کر لیا۔لیکن ان کی بدقسمتی کہ انہوں نے اپنی طرف سے مناظرہ کے لئے جس شخص کا انتخاب کیا وہ مرزاغلام احمد قادیانی تھے جنہوں نے پروپیگنڈا کے زور پر خود کو مناظر اسلام تسلیم کروایا ہوا تھا۔ حالانکہ یہ حقیقت سے بعید تھا۔ بہرحال جون ۱۸۹۳ء کو یہ مناظرہ ہوا اور پندرہ دن تک جاری رہا۔ مرزاغلام احمد قادیانی پندرہ دنوں میں بھی عبداللہ آتھم کو شکست نہ دے سکے۔ حالانکہ یہ بہت آسان مسئلہ تھا اور آج بھی آسان ہے۔ وہ اس طرح کہ دعویٰ کا ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتا ہے۔ مرزاغلام احمد قادیانی اگر عبداللہ آتھم سے کہتے کہ وہ الوہیت مسیح کا مدعی ہے وہ ثابت کر دے کہ بائبل میں کسی جگہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان سے یہ کہا ہو کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔ کیونکہ بائبل میں کسی جگہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ادا شدہ یہ الفاظ مذکور نہیں ہیں۔ جہاں بھی یہ ذکر ہے تو کسی دوسرے کی زبان سے ہی ہے۔ اگر مرزاغلام احمد قادیانی نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اظہار الحق'' جو ۱۸۵۷ء سے قبل ہی فارسی زبان میں شائع ہو چکی تھی، مطالعہ کی ہوتی تو وہ پہلے دن ہی فارغ ہو جاتے۔ جب پندرہ دنوں میں بھی مرزاغلام احمد اپنے مخالف کو شکست نہ دے سکے تو مرزا قادیانی نے ایک ڈرامہ کیا اور کہہ دیا کہ اس مناظرے کا فیصلہ اس طرح ہوگا کہ جو فریق بھی انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ فی دن ایک مہینہ کے حساب سے پندرہ مہینوں میں مر جائے گا اور اس طرح مرزاغلام احمد قادیانی یہ مناظرہ جیت جائیں گے۔ مرزاغلام احمد قادیانی نے جن الفاظ میں مناظرہ کو ختم کیا وہ درج ذیل ہیں: ''پیش گوئی کے الفاظ یہ تھے کہ دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی۔'' (مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۲۴)

اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا ثبوت یہ ہوگا کہ: ''اور اس وقت جب پیش گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے، سوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔'' (مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۲۴)

مرزا غلام احمد قادیانی نے سوچا ہوگا کہ پندرہ ماہ کافی مدت ہے۔ میرا کوئی مرید میری صداقت ثابت کرنے کے لئے اس شخص کو قتل کردے گا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی پیش گوئی بیان کر کے بالواسطہ (**Indirectly**) طور پر عبداللہ آتھم کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا تھا۔ مرزا قادیانی اس کے قتل ہونے کا انتظار ہی کرتے رہے اور پندرہ ماہ پورے ہوگئے۔ پندرہ ماہ پورے ہونے میں ایک دن رہ گیا تو قادیان میں کیا ہو رہا تھا؟ اس کو بھی سن لیجئے: ’’بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوری نے کہ جب آتھم کی میعاد میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تو حضرت مسیح موعود نے مجھ سے اور میاں حامد علی مرحوم سے فرمایا کہ اتنے چنے (مجھے تعداد یاد نہیں رہی کہ کتنے چنے آپ نے بتائے تھے) لے لو اور ان پر فلاں سورۃ کا وظیفہ اتنی تعداد میں پڑھو۔ (مجھے وظیفہ کی تعداد بھی یاد نہیں رہی) میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے وہ سورۃ یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ وہ کوئی چھوٹی سورۃ تھی جیسے ’’الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل‘‘ ہے اور ہم نے یہ وظیفہ قریباً ساری رات صرف کر کے ختم کیا۔ وظیفہ ختم کرنے پر ہم وہ دانے حضرت صاحب کے پاس لے گئے۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وظیفہ ختم ہونے پر یہ دانے میرے پاس لے آنا۔ اس کے بعد ہم دونوں قادیان سے باہر غالباً شمال کی طرف گئے اور فرمایا یہ دانے کسی غیرآباد کنوئیں میں ڈالے جائیں گے اور فرمایا کہ جب میں دانے کنوئیں میں پھینک دوں تو ہم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہئے اور مڑ کر نہیں دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے ایک غیرآباد کنوئیں میں ان دانوں کو پھینک دیا اور پھر جلدی سے منہ پھیر کر سرعت کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ جلدی جلدی واپس چلے آئے اور کسی نے منہ پھیر کر پیچھے کی طرف نہیں دیکھا۔‘‘ (سیرت المہدی حصہ اوّل ص۱۷۸، از مرزا بشیر احمد)

افسوس کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی فرمائش پر کیا گیا رات بھر کا وظیفہ بھی بے اثر ثابت ہوا اور عبداللہ آتھم پادری کو نہ کسی نے قتل کیا نہ ہی پندرہ ماہ میں وہ طبعی موت مرا۔ اب میرا قادیانی امت سے یہ سوال ہے کہ کیا مرزا غلام احمد قادیانی کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اگر ان پندرہ ماہ میں اس کی موت کا وقت مقرر نہیں ہے تو وہ نہیں مرے گا؟ نہیں یہ بات نہیں، مرزا قادیانی کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں کیا فرمایا ہے۔ لیکن ان کو بھروسہ تھا کہ ان پر ایمان لانے والوں میں سے ضرور کسی نہ کسی کو غیرت آئے گی تو وہ اسے قتل کردے گا اور اس طرح میری ظلی نبوت کو ثابت کردے گا۔ لیکن اے قادیانی امت! نادر شاہ نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی کہ:

''غیرت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے''

مرزا غلام احمد قادیانی اگر مخلص ہوتے تو مناظرہ سے معذرت کر لیتے اور اگر ان کو اس موضوع پر عبور تھا تو صرف پانچ منٹ کے اندر اپنے مخالف کو خاموش کرا دیتے۔ لیکن ان کا مقصد تو ڈرامہ بازی کے ذریعہ شہرت حاصل کرنا تھا۔ یہ مناظرہ امرتسر میں ۲۲/مئی سے شروع ہوا اور ۵/جون تک چلتا رہا اور آخری دن مرزا قادیانی نے یہ پیش گوئی جڑ دی کہ ان کا حریف پندرہ ماہ میں بہ سزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا اور درج ذیل اقرار لکھ کر دے دیا: ''میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیش گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بہ سزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جائے، روسیاہ کیا جائے۔ میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جائے، مجھ کو پھانسی دیا جائے، ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں...... اگر میں جھوٹا ہوں تو میرے لئے سولی تیار رکھو اور تمام شیطانوں اور بدکاروں اور لعنتیوں سے زیادہ مجھے لعنتی قرار دو۔''

(مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل ص۴۳۵)

مرزا قادیانی کی الہامی پیش گوئی کے مطابق عبداللہ آتھم کو ۵/ستمبر ۱۸۹۴ء تک مر جانا چاہئے تھا۔ مرزا قادیانی کی پیش گوئی کے جھوٹا ثابت ہونے پر امرتسر میں عیسائیوں نے عبداللہ آتھم کو کندھوں پر اٹھا کر جلوس نکالا اور مرزا قادیانی کے مرید اسماعیل ساکن جنڈیالہ (جس نے مرزا قادیانی کو مناظرہ کے لئے منتخب کیا تھا) اور یوسف خاں سرحدی اور مرزا قادیانی کی بیگم کا خالہ زاد بھائی محمد سعید سب عیسائی ہوگئے۔

میں قادیانی امت کو ایک مثال کے ذریعہ دعوت فکر دیتا ہوں۔ فرض کر لیں ایک شخص کا نام زاہد ہے۔ اسے میں کہتا ہوں کہ میرے مرید ہو جاؤ اور مجھے پیر مان لو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو اگلے سال کا سورج نہیں دیکھ سکو گے اور ساتھ ہی میں یہ دعویٰ کر دیتا ہوں کہ میں یہ پیش گوئی خدا سے اطلاع پا کر کر رہا ہوں۔

اب زاہد کو یقین ہے کہ میرا خدا سے کوئی تعلق نہیں۔ میں ایک نوسر باز شخص ہوں اور ڈرامہ بازی کر رہا ہوں۔ اب اگر زاہد میں کچھ عقل ہے تو میری پیش گوئی کو قتل کی دھمکی سمجھے گا اور کچھ احتیاطی تدابیر کرے گا۔ مثلاً وہ اپنی نقل وحرکت کو خفیہ رکھے گا۔ کوشش کرے گا کہ وہ کسی وقت تنہا نہ ہو۔ وہ کسی ایسی جگہ جانے سے بھی گریز کرے گا جہاں اس پر قاتلانہ حملہ ہوسکتا ہو۔ میں اپنی جگہ مطمئن ہوں کہ میرا کوئی نہ کوئی مرید میری بزرگی کو ثابت کرنے کے لئے زاہد کو ضرور قتل کر دے

گا۔ لیکن میری آرزو پوری نہیں ہوتی اور اگلے سال کا سورج طلوع ہوجاتا ہے۔ میں اپنے مریدوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ اعلان کردیتا ہوں کہ زاہد نے دل میں مجھے پیر مان لیا تھا۔ کیونکہ اس دوران میں وہ ڈرتا رہا۔ اس نے اپنی نقل وحرکت کو خفیہ رکھا اور کسی جگہ بھی اکیلا نہیں گیا۔ اگر زاہد نے دل سے مجھے پیر تسلیم نہیں کیا تھا تو وہ قسم کھائے۔ تو اے قادیانی امت! کیا میرے اس مطالبہ کا کوئی جواز ہے کہ زاہد قسم کھائے؟

عبداللہ آتھم کو بھی یقین کامل تھا کہ مرزاغلام احمد قادیانی کا خدا سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مرزاقادیانی ایک مجمع باز شخص ہیں۔ لہٰذا اسے یہ تو یقین تھا کہ اس کی موت کے بارے میں مرزاقادیانی کی پیش گوئی خدا کی طرف سے نہیں لیکن ایک سمجھدار شخص کی طرح اس نے مرزاقادیانی کی پیش گوئی کو قتل کی دھمکی خیال کیا۔ کیونکہ اس کے نزدیک یہ بالکل ممکن تھا کہ مرزاقادیانی کو سچا ثابت کرنے کے لئے ان کا کوئی مرید عبداللہ آتھم کو قتل کردیتا۔ لہٰذا اس نے وہ تمام ممکن احتیاطی تدابیر اختیار کیں جو اس کے امکان میں تھیں۔ اس نے اپنی نقل وحرکت کو پوشیدہ رکھا۔ اپنے لئے پہرے کا انتظام کیا۔ اس کی ان احتیاطی تدابیر کے باوجود اسے اس بات کا ڈر رہا کہ مرزاغلام احمد قادیانی کا کوئی مرید اسے قتل نہ کردے۔

مرزاغلام احمد قادیانی کے لئے بھی یہ مسئلہ پیدا ہوگیا کہ احمقوں کے جس گروہ کو مرزاقادیانی نے اپنے گرد جمع کیا ہوا ہے اسے کس طرح مطمئن کیا جائے۔ اب اور کوئی تاویل ہو نہیں سکتی تھی۔ آتھم نے جو احتیاطی تدابیر اختیار کی تھیں انہی کے بارے میں مرزاقادیانی نے اعلان کردیا کہ عبداللہ آتھم دل میں ڈر گیا تھا۔ چنانچہ مرزاغلام احمد قادیانی نے اعلان کردیا کہ: ’’عبداللہ آتھم کے بارے میں یعنی سزائے ہاویہ کے بارے میں الہامی شرط تھی وہ درحقیقت اسی سنت اللہ کے مطابق ہے۔ کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ لیکن عبداللہ آتھم نے اپنی مضطربانہ حرکات سے ثابت کردیا کہ اس نے پیش گوئی کو تعظیم کی نظر سے دیکھا جو الہامی طور پر اسلامی صداقت کی بنیاد پر کی گئی تھی اور خداتعالیٰ کے الہام نے بھی مجھ کو یہی خبردی۔ (کب؟ پندرہ ماہ پورے ہونے سے پہلے کہ بعد...... از راقم) کہ ہم نے اس کے ہم اور غم پر اطلاع پائی۔ یعنی وہ الہامی پیش گوئی سے خوفناک حالت میں پڑا اور اس پر رعب غالب ہوا۔ اس نے اپنے افعال سے دکھادیا کہ اسلامی پیش گوئی کا کیسا ہولناک اثر اس کے دل پر ہوا اور کیسی اس پر گھبراہٹ اور دیوانہ پن اور دل کی حیرت غالب آ گئی اور کیسے الہامی پیش گوئی کے رعب نے اس کے دل کو ایک کچلا ہوا دل بنادیا۔ یہاں تک کہ وہ سخت بے تاب ہوا اور شہر بشہر اور ہر ایک جگہ

ہراساں اور ترساں پھرتا رہا اور اس مصنوعی خدا پر اس کا توکل نہ رہا...... اور عجیب طور پر اپنی بے چینی اور بے آرامی جابجا ظاہر کرتا رہا اور خداتعالیٰ نے ایک حیرت ناک خوف اور اندیشہ اس کے دل میں ڈال دیا کہ ایک پات کا کھڑکا بھی اس کے دل کو صدمہ پہنچاتا رہا۔ ڈرانے والے خیال رات دن اس پر غالب رہے اور اس کے دل کے تصوروں نے عظمت اسلامی کو رد نہ کیا بلکہ قبول کیا۔ اس لئے وہ خدا جو رحیم وکریم اور سزا دینے میں دھیما ہے اور انسان کے دل کے خیالات کو جانتا اور اس کے تصورات کے موافق اس سے عمل کرتا ہے اس نے اس کو اس صورت نہ پایا، جس صورت میں فی الفور کامل ہاویہ کی سزا یعنی موت بلاتوقف اس پر نازل ہوتی اور ضرور تھا کہ وہ کامل عذاب اس وقت تک تھما رہے جب تک کہ وہ بے باکی اور شوخی سے اپنے ہاتھ سے اپنے لئے ہلاکت کے اسباب پیدا کرلے...... کیا یہ بات جھوٹ ہے کہ اس نے پیش گوئی کے رعب ناک مضمون کو پورے طور پر اپنے پر ڈال لیا اور جس قدر انسان ایک سچی اور واقعی بلا سے ڈر سکتا ہے۔ اس قدر وہ اس پیش گوئی سے ڈرا اور اس کا دل ظاہری حفاظتوں سے مطمئن نہ ہوسکا اور حق کے رعب نے اس کو دیوانہ سا بنادیا۔ سو خداتعالیٰ نے نہ چاہا کہ اس کو ایسی حالت میں ہلاک کرے۔ کیونکہ یہ اس کے قانون قدیم اور سنت قدیمہ کے مخالف ہے۔ نیز یہ الہامی شرط سے مغائر اور برعکس ہے۔“ (حجۃ اللہ حاشیہ ص۱۹تا۲۲)

قارئین نے ملاحظہ فرمالیا کہ مرزاقادیانی نے عبداللہ آتھم کے پندرہ ماہ کے اندر نہ مرنے پر کیسی کہانی گھڑی ہے۔ عبداللہ آتھم نے جو احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ انہی تدابیر کے بارے میں مرزاقادیانی نے فیصلہ دے دیا کہ یہ پیش گوئی کی سچائی کی دلیل ہے۔ اگر عبداللہ آتھم پیش گوئی سے نہیں ڈرا تو وہ قسم کھائے۔

”ناظرین یاد رکھیں کہ آخری پیغام جو آتھم کو قسم کھانے کے لئے پہنچایا گیا وہ اشتہار ۳۰؍دسمبر ۱۸۹۵ء کا تھا۔“ (انجام آتھم ص۴، خزائن ج۱۱ص۴)

اس کے جواب میں عبداللہ آتھم نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگرچہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی اپنے عقائد کے بارے میں متردد نہیں ہوا لیکن اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا۔ کیونکہ بائبل میں قسم کھانے کی ممانعت ہے: ”تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ جھوٹی قسم نہ کھانا بلکہ اپنی قسمیں خداوند کے لئے پوری کرنا۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ بالکل قسم نہ کھانا۔“

(متی باب:۵، فقرہ:۲۳،۲۴)

بہرحال عبداللہ آتھم کو بھی ایک دن مرنا تھا۔ وہ پیش گوئی کی میعاد گزرنے کے تیرہ ماہ

بعد تک زندہ رہا۔لیکن عبداللہ آتھم کے مرنے کے بعد بھی مرزا قادیانی کے جو مرید عیسائی ہو گئے تھے وہ مسلمان نہ ہوئے۔البتہ مرزا قادیانی کے گرد احمقوں کا جو ٹولہ جمع تھا وہ خوش ہو گیا کہ عبداللہ آتھم قسم نہ کھانے کی وجہ سے مر گیا۔ گویا اگر وہ قسم کھالیتا تو کبھی نہ مرتا۔ مرزا قادیانی نے تو اپنے مریدوں کو بہت جوش دلایا تھا کہ پندرہ ماہ کے اندر عبداللہ آتھم کی موت کا سامان کریں۔لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔

میں قادیانی امت کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ عبداللہ آتھم کے بارے میں مرزا غلام احمد قادیانی کی پیش گوئی کو ایک دفعہ پھر پڑھ لیں:''جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔''

عبداللہ آتھم کے ہاویہ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔وہ یہ کہ پندرہ ماہ کے اندر وہ حق کی طرف رجوع کر لیتا۔اب حق کیا تھا اور کیا ہے؟ حق یہ تھا اور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور بنی اسرائیل کی طرف مبعوث رسول تھے۔کیا ایک لمحے کے لئے بھی عبداللہ آتھم نے یہ اقرار کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم خدا کے بیٹے نہیں بلکہ اس کے بندے اور رسول ہیں۔یقیناً نہیں۔اگر عبداللہ آتھم پندرہ ماہ میں نہیں مرا اور نہ ہی اسے کوئی ذلت پہنچی بلکہ اس کے برعکس پندرہ ماہ پورے ہونے پر لوگوں نے اسے کندھوں پر بٹھا کر اس کا جلوس نکالا،اس کی عزت افزائی کی۔مرزا قادیانی کے کچھ مرید عیسائی ہو گئے تو کیوں نہ اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ مرزا قادیانی کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ہی آتھم کے بارے میں پیش گوئی مرزا قادیانی نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر کی تھی۔بلکہ حقیقت میں یہ پیش گوئی کر کے مرزا قادیانی نے قادیانی امت کو یہ ترغیب دی تھی کہ قادیانی امت کا کوئی فرد اس عرصہ میں آتھم کو قتل کر دے۔ حیرت ہے کہ اس سب کچھ کے باوجود قادیانی یہ کہتے ہیں کہ آتھم کے بارے میں پیش گوئی پوری ہو گئی۔پیش گوئی کے پورا ہونے کا ثبوت تو یہ ہونا تھا کہ:''اس وقت جب پیش گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جائیں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔''
(مجموعہ اشتہارات ج۲ص۴۴)

کیا قادیانی امت یہ بتا سکتی ہے کہ عبداللہ آتھم کے بارے میں پیش گوئی کے ظہور میں آنے پر کون سا اندھا بینا ہوا؟ کون سا لنگڑا چلنے لگا اور کون سا بہرا سننے لگا؟ مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک اور موقع پر بھی اپنی امت کو قتل کی ترغیب دی اور یہ ترغیب بھی بالواسطہ (**Indirect**)

طریقہ سے دی تھی۔ لیکن پہلے کچھ پس منظر بیان کرنا ضروری ہے۔

مرزاغلام احمد قادیانی ایک جاگیردار خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی پیری مریدی کا کاروبار بھی چل نکلا تھا۔ صلیب پرست انگریز حکومت کے لئے جاسوسی کے فرائض ادا کرنے کے صلہ میں بھی ہزاروں روپے کے منی آرڈر آتے تھے، جن پر بھیجنے والے کا نام نہیں ہوتا تھا۔ پنجاب کے جاگیردار طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ الّا ماشاء اللہ وہ شادیاں ایک سے زیادہ کرتے ہیں۔ مرزاغلام احمد قادیانی کی پہلی شادی ابتدائے جوانی (سولہ سترہ سال کی عمر) میں ہوگئی تھی۔ اس شادی سے ان کے دو صاحبزادے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد ہوئے۔ جب مرزا قادیانی پچاس کی عمر کو پہنچ گئے، جاگیر کی آمدنی بھی تھی، احمقوں کی کچھ تعداد بھی اردگرد جمع ہوگئی تھی جو ان کی نبوت پر ایمان لے آئی تھی۔ اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے تین صد دلائل شائع کرنے کے نام پر بھی کافی مال بٹورا ہوا تھا۔ جب کافی مال جمع ہوگیا تو ان کو دوسری شادی کی ضرورت محسوس ہوئی اور بالآخر میر ناصر نواب جو محکمہ نہر میں نقشہ نویس (گریڈ پانچ کے جونیئر کلرک) تھے، اپنی صاحبزادی دینے کے لئے تیار ہوگئے۔ چنانچہ مرزاغلام احمد نے دوسری شادی کر لی۔ جب مرزا قادیانی کو پندرہ سال کی دلہن مل گئی تو پہلی بیوی جو اس وقت کم وبیش پچاس سال عمر کی تھی، دل سے اتر گئی۔ چنانچہ ان کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد بیان کرتے ہیں: ''بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو اوائل سے ہی مرزا فضل احمد کی والدہ سے جن کو لوگ عام طور پر ''پھجے دی ماں'' کہا کرتے تھے، بے تعلقی سی تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی اور ان کا ان کی طرف میلان تھا اور وہ اسی رنگ میں رنگین تھیں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود نے ان سے مباشرت ترک کر دی تھی (اپنی زوجیت میں رکھنے کے باوجود مرزا قادیانی حق زوجیت ادا نہیں کرتے تھے۔ یہ تھی شان مسیحیت......راقم) ہاں آپ اخراجات وغیرہ باقاعدہ دیا کرتے تھے۔ (اس لئے کہ روپے کی کمی نہ تھی۔ کاروبار نبوت چل رہا تھا......راقم) والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میری شادی کے بعد حضرت صاحب نے انہیں کہلا بھیجا کہ آج تک تو جس طرح ہوتا رہا، ہوتا رہا، اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اس لئے اب اگر دونوں بیویوں میں برابر نہیں رکھوں گا تو گنہگار ہوں گا۔ (گویا پہلی بیوی سے جو لاتعلقی رکھی ہوئی تھی وہ گناہ نہیں تھا......راقم) اس لئے اب دو باتیں ہیں۔ یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو۔ میں تم کو خرچ دیئے جاؤں گا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ اب میں بڑھاپے میں کیا طلاق

لوں گی۔ بس مجھے خرچ ملتا رہے، میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں۔‘‘

(سیرت المہدی حصہ اوّل ص۳۳،۳۴)

قارئین کرام! اس عبارت کو ایک دفعہ پھر پڑھ لیں۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ مرزاغلام احمد قادیانی اپنی پہلی بیوی کے حقوق زوجیت کافی عرصہ سے ادانہیں کررہے تھے اور مرزاغلام احمد قادیانی کا یہ اعتراف کہ وہ بیک وقت دو بیویوں کو رکھنے کی اہلیت سے محروم تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی کو تو معلوم تھا کہ وہ دو بیویوں کے درمیان برابری نہیں رکھ سکتے۔ کیا خداتعالیٰ کو بھی یہ معلوم تھا یانہیں کہ مرزاغلام احمد قادیانی دو بیویوں کے درمیان برابری رکھنے کی اہلیت سے محروم ہیں؟ واقعات یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ خبر نہیں تھی کہ مرزاغلام احمد قادیانی دو بیویوں کے درمیان برابر رکھنے کی صلاحیت سے محروم تھے۔ کیونکہ چند سال بعد ہی اللہ تعالیٰ نے مرزاغلام احمد قادیانی کا نکاح بایں الفاظ محمدی بیگم سے کردیا: ’’اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ یہ بات سچ ہے کہہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ یہ سچ ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے خود اس سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔ میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا اور نشان دیکھ کر منہ پھیرلیں گے اور قبول نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ یہ کوئی پکا فریب یا پکا جادو ہے۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل ص۳۰۱)

محمدی بیگم کون تھی؟ محمدی بیگم مرزا قادیانی کے عزیزوں میں سے تھی۔ اس کا والد ایک گاؤں ’’پٹی‘‘ کا رہنے والا تھا اور پولیس میں ملازم تھا۔ اسے سال بعد ایک ماہ کی رخصت ملتی تھی تو وہ اپنی بیوی (والدہ محمدی بیگم) کو گھر لے جاتا تھا۔ سال کے گیارہ ماہ محمدی بیگم کی والدہ قادیان میں ہی مرزاغلام احمد کے پڑوس میں ہی رہتی تھی۔ محمدی بیگم قادیان میں ہی پیدا ہوئی اور پلی بڑھی اور جب جوان ہوئی تو مرزا قادیانی کی اس پر نظر پڑی تو مرزا قادیانی کا اس پر دل آ گیا۔ قارئین پہلے محمدی بیگم سے متعارف ہو جائیں۔

’’محمدی بیگم حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی چچازاد بہن عمرالنساء بیگم کی لڑکی ہے۔ یعنی مرزانظام دین ومرزاامام دین وغیرہ کی حقیقی بھانجی ہے۔ ہماری تائی یعنی بیوہ مرزاغلام قادر صاحب محمدی بیگم کی سگی خالہ ہیں۔ گویا مرزااحمد بیگ ہوشیارپوری جو محمدی بیگم کا والد تھا مرزاامام دین وغیرہ کا بہنوئی تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی خاندانی رشتہ داریاں تھیں۔ مثلاً حضرت مسیح موعود کی اپنی حقیقی ہمشیرہ مرزااحمد بیگ کے بڑے بھائی مرزامحمد بیگ کے ساتھ بیاہی ہوئی تھی۔‘‘

(سیرت المہدی حصہ اوّل ص۳۰)

جب مرزاغلام احمد قادیانی کا محمدی بیگم پر دل آ گیا تو وہ اسے حاصل کرنے کی تدبیر میں لگ گئے۔ اس کا موقع بھی جلد ہی آ گیا۔ محمدی بیگم کا نانا کافی عرصہ سے مفقود الخبر تھا۔ محمدی بیگم کی والدہ اپنے باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ محمدی بیگم کی نانی نے چاہا کہ اس کے خاوند کی جو بھی جائیداد ہے، وہ اپنی زندگی میں ہی اپنی بیٹی (محمدی بیگم کی والدہ) کے نام کر دے۔ اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے مرزاغلام احمد وارثان بازگشت میں شامل تھے۔ چنانچہ محمدی بیگم کے والد نے خواہش کی کہ مرزاغلام احمد اپنے حصہ سے دستبردار ہو جائیں تو وہ جائیداد اس کی بیوی (والدہ محمدی بیگم) کے نام منتقل ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے اس نے مرزاغلام احمد سے رابطہ کیا۔ اب مرزاغلام احمد قادیانی کی اپنی زبانی سنئے: ''خداتعالیٰ نے یہ تقریب قائم کی والد اس دختر کا ایک ضروری کام کے لئے ہماری طرف ملتجی ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نامبردہ کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچازاد بھائی غلام حسین نام کو بیاہی گئی تھی۔ غلام حسین عرصہ پچیس سال سے کہیں چلا گیا ہے اور مفقود الخبر ہے۔ س کی زمین کی ملکیت جس کا ہمیں حق پہنچتا ہے، نام بردہ کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کرادی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں جو ضلع گورداسپور میں جاری ہے۔ نامبردہ یعنی ہمارے خط کے مکتوب الیہ نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین جو چار ہزار یا پانچ ہزار روپیہ کی قیمت کی ہے، اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرادیں۔ چنانچہ ان کی ہمیشیرہ کی طرف سے یہ ہبہ نامہ لکھا گیا چونکہ وہ ہبہ نامہ بجز ہماری رضامندی کے بے کار تھا اس لئے مکتوب الیہ نے بتمام عجز وانکسار ہماری طرف رجوع کیا تا ہم اس ہبہ پر راضی ہوکر اس ہبہ نامہ پر دستخط کر دیں اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے۔ لیکن یہ خیال آیا کہ جیسا کہ ایک مدت سے بڑے بڑے کاموں میں ہماری عادت ہے۔ جناب الٰہی میں استخارہ کر لینا چاہئے۔ (چار پانچ ہزار کی جائیداد میں سے اپنا حصہ چھوڑ دینا واقعی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا ایک ظلی نبی کے لئے...... راقم) سو یہی جواب مکتوب الیہ کو دیا گیا۔ پھر مکتوب الیہ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔ وہ استخارہ کیا تھا، گویا آسمانی نشان کی درخواست کا وقت آ پہنچا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر کر دیا۔ اس خدائے قادر حکیم مطلق نے مجھ سے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک اور مروت تم سے اس شرط سے کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار ۲۰رفروری ۱۸۸۸ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے

گی وہ روز نکاح اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہوجائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لئے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔ پھر ان دنوں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کے لئے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خداتعالیٰ نے یہ مقرر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی، ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لائے گا۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۲۷۹،۲۸۰، خزائن ج۵ ص۲۷۹،۲۸۰)

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ کس طرح مرزاغلام احمد قادیانی نے ایک ضرورت مند کو بلیک میل کیا اور اس مقصد کے لئے الہام گھڑ لیا۔ ایک شخص جو مرزاقادیانی کا قریبی عزیز بھی ہے ایک ضرورت کے لئے مرزاقادیانی کے پاس آتا ہے۔ وہ جائیداد جو بقول مرزاقادیانی چار ہزار روپے کی ہے۔ جس میں مرزاقادیانی کا حصہ بھی سوا پچاس روپے بنتا ہوگا۔ مرزاقادیانی نے اس جائیداد میں سے اپنے حصہ سے دستبردار ہونا ہے۔ اب مرزاقادیانی میں اس قدر حوصلہ کہاں کہ وہ اپنے حصہ سے بغیر کچھ وصول کئے دستبردار ہوجائیں۔ اس شخص کی بیٹی پر پہلے ہی نظر ہے۔ مرزاقادیانی نے سوا پچاس روپے کی جائیداد کے بدلہ میں اس شخص کی بیٹی ہتھیانے کا فیصلہ کرلیا اور اسے یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ یہ معاملہ بہت بڑا ہے۔ لہٰذا میں اس مقصد کے لئے استخارہ کروں گا۔ واقعی ایک مدعی نبوت کے لئے چار ہزار روپے کی جائیداد میں سے اپنا حصہ چھوڑ دینا بہت بڑا معاملہ ہے۔ اب مرزاقادیانی نے اس شخص کو یہ کہہ تو دیا کہ میں استخارہ کروں گا لیکن استخارہ کرتے نہیں۔ فرماتے ہیں: ’’پھر مکتوب الیہ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔‘‘

سوال یہ ہے کہ استخارہ کے لئے اصرار کیوں کروایا گیا۔ مرزاقادیانی اندازہ کر رہے تھے کہ یہ شخص اس جائیداد کو حاصل کرنے میں کس حد تک جاسکتا ہے اور اگر وہ اس سے اس جائیداد کے بدلہ میں اس کی بیٹی کا رشتہ مانگیں گے تو کیا وہ دے دے گا؟ اس کے مسلسل اصرار سے مرزاقادیانی نے اندازہ لگایا کہ وہ جائیداد حاصل کرنے کے لئے مرزاقادیانی کی منہ مانگی قیمت ادا کردے گا۔ اب یہاں مرزاقادیانی سے اندازے کی غلطی ہوگئی۔ اس شخص نے نہ صرف مرزاقادیانی کی مانگی ہوئی قیمت دینے سے انکار کر دیا۔ بلکہ مرزاقادیانی کی شخصیت کا پول کھولنے کا فیصلہ کرلیا اور مرزاقادیانی کا خط کسی رسالہ میں اشاعت کے لئے دے دیا۔ مرزاقادیانی کا نکاح اس لڑکی سے اللہ تعالیٰ نے کر دیا تھا۔ ایک مخالف رسالہ میں اپنا پول کھلنے کے بعد مرزاغلام احمد قادیانی کیا کہتے ہیں۔ مولانا محمد حسین بٹالوی کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ’’میں نے جو ایک

پیش گوئی کی جس پر آپ نے میرے صادق اور کاذب ہونے کا حصر کر دیا ہے آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ یہی میرے صدق اور کذب کی شناخت کے لئے کافی شہادت ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ خداتعالیٰ کذاب اور مفتری کی مدد کرے۔ لیکن اس کے ساتھ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس پیش گوئی کے متعلق دو پیش گوئی اور ہیں جن کو میں اشتہار ۱۰؍جولائی ۱۸۸۸ء میں شائع کر چکا ہوں جن کا مضمون یہی ہے کہ خداتعالیٰ اس عورت کو بیوہ کر کے میری طرف رد کرے گا۔ اب انصاف سے دیکھیں کہ نہ کوئی انسان اپنی حیات پر اعتماد کر سکتا ہے کہ وہ فلاں وقت تک زندہ رہے گا یا فلاں وقت تک مر جائے گا مگر میری اس پیش گوئی میں نہ ایک بلکہ چھ دعویٰ ہیں:

اوّل...... نکاح کے وقت تک میرا زندہ رہنا۔

دوم...... نکاح کے وقت تک اس لڑکی کے باپ کا زندہ رہنا۔

سوم...... پھر نکاح کے بعد اس لڑکی کے باپ کا جلدی سے مرنا جو تین برس تک نہیں پہنچے گا۔

چہارم...... اس کے خاوند کا اڑھائی برس کے عرصہ تک مر جانا۔

پنجم...... اس وقت تک کہ میں اس سے نکاح کروں اس لڑکی کا زندہ رہنا۔

ششم...... پھر آخر یہ کہ بیوہ ہونے کی تمام رسموں کو توڑ کر باوجود سخت مخالفت اس کے اقارب کے میرے نکاح میں آجانا۔

اب آپ ایماناً کہیں کہ کیا یہ باتیں انسان کے اختیار میں ہیں اور ذرا اپنے دل کو تھام کر سوچ لیں کہ کیا ایسی پیش گوئی سچے ہونے کی حالت میں انسان کا فعل ہو سکتی ہے۔“

(آئینہ کمالات اسلام ص۳۱۱،۳۱۲، خزائن ج۵ ص۳۱۱،۳۱۲)

مرزا قادیانی محمدی بیگم کے نکاح کے بعد اس کے بیوہ ہونے کی پیش گوئی وقتاً فوقتاً اس امید پر کرتے رہے کہ قادیانی امت کا کوئی فرد اس اشارہ کو سمجھ کر محمدی بیگم کے خاوند کو قتل کر دے گا اور مرزا قادیانی کی ظلی نبوت کو ثابت کر دے گا۔ واقعی ایں کار از تو آئید و انبیاء چنیں کنند۔

مرزا قادیانی نے دوسری دفعہ اپنی امت کو قتل کی ترغیب دی۔ لیکن افسوس کہ ان کے اشارے کو کسی نے یا سمجھا نہیں یا کسی نے یہ جرأت نہ کی۔ البتہ قادیانی امت حساب کر لے کہ مذکورہ چھ پیش گوئیوں میں کتنی پوری ہو گئیں؟

قادیانی امت یہ بھی کسی سے دریافت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو محمدی بیگم کا نکاح مرزا غلام احمد قادیانی سے کر دیا تھا۔ لیکن وہ کون سی ہستی ہے جو اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ بااختیار ہے جس نے اس نکاح کے بعد مرزا قادیانی کی دلہن کی رخصتی کسی دوسرے سے کر دی؟ کیا قادیانی

امت میں کوئی ہے جو اس سے عبرت پکڑے اور ہدایت قبول کرے؟ کاش! قادیانی امت کو معلوم ہوتا کہ: ’’پس اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا نہ سمجھنا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا زبردست پورا بدلہ لینے والا ہے۔‘‘ (سورۂ ابراہیم:۴۷)

کافر سازی

بحکم خداوندی ختم نبوت کے بعد وحی جلی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔ البتہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو الہام سے نوازتا رہتا ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی قید بھی نہیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو شہد بنانا سکھایا تو اس کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے وحی کے الفاظ استعمال کئے ہیں: ’’اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں گھر بنالے اور درختوں میں بھی اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں۔ پھر ہر قسم کے پھلوں سے رس چوستی پھر، اور پھر اپنے رب کے رستوں میں چل جو آسان ہیں۔ اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے اس میں بھی ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو سوچتے ہیں۔‘‘ (نحل:۶۸،۶۹، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جتنی بھی ایجادات ہوئی ہیں یہ الہام کا ہی نتیجہ ہے۔ یہ الہام ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کے دل میں ڈال دیا کہ وہ میگنٹ رینج کے اندر کسی دھات کی شافٹ کو گھمائے تو اس کے اندر بجلی کا کرنٹ پیدا ہو جائے گا اور اس کرنٹ میں وہی طاقت ہوگی جو شافٹ کے گھمانے پر خرچ ہو رہی ہوگی۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کلام میرے نزدیک تقریباً سارے کا سارا الہامی ہے۔ جس نے بھی اس کا مطالعہ کیا ہے، وہ اس کی لذت سے آگاہ ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفہ میں پی۔ایچ۔ڈی کیا تھا۔ وہ سائنس کے طالب علم کبھی نہیں تھے۔ ان کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہوا۔ ۱۹۴۵ء تک سکول میں جو سائنس پڑھائی جاتی تھی، جس کا میں بھی طالب علم تھا، اس میں یہ تھا کہ مادہ فنا نہیں ہوتا۔ صرف اپنی حالت تبدیل کر لیتا ہے اور مادہ تین حالتوں ’’ٹھوس، مائع اور گیس‘‘ میں سے کسی ایک حالت میں رہتا ہے۔ یعنی لکڑی جل جائے گی تو راکھ اور دھوئیں کی شکل اختیار کر لے گی، ضائع نہیں ہوگی۔ پانی جو مائع ہے، وہ ٹھنڈا ہوگا تو ٹھوس برف بن جائے گا اور گرم ہوگا تو گیس یعنی بھاپ کی شکل اختیار کر لے گا۔ ۱۹۴۵ء میں جب ایٹم کو پھاڑا گیا تو سائنس کا ایک نیا دور شروع ہوگیا کہ مادہ فنا ہوسکتا ہے بلکہ مادہ کا وجود ہی کوئی نہیں۔ مادہ تو اصل میں الیکٹرون، نیوٹران اور

پروٹون کا مجموعہ ہے۔ اگر مادہ کے ایٹم کو پھاڑا جائے تو اس میں سے بے پناہ حرارت خارج ہوگی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حقیقت ۱۹۳۸ء سے بہت پہلے ان الفاظ میں بیان کردی تھی ؎

حقیقت ایک ہے ہر شئے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے ذرے کا جو دل چیریں

اب میں اسے الہام تسلیم نہ کروں تو کیا کروں کہ وہ حقیقت جو شاید اس وقت آئن سٹائن کے دماغ میں ہو تو ہو دنیا میں کسی کو معلوم نہیں تھی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں کسی خوبصورتی سے بیان کردی۔

جہاں یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو الہام کرتا رہتا ہے وہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی بھی شخص کا الہام حجت نہیں۔ خود صاحب الہام کے لئے بھی حجت نہیں۔ کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کا پابند نہیں کہ کسی مدعی الہام کے دعویٰ الہام کو قبول کرے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں کئی صوفیائے کرام نے الہام کے دعوے کئے۔ لیکن کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ جو شخص انہیں صاحب الہام تسلیم نہ کرے وہ کافر ہو جائے گا یا اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ کیونکہ جو شخص بھی یہ دعویٰ کرے گا وہ خود اسلام سے نکل جائے گا۔

یہ کارنامہ مرزا غلام احمد قادیانی نے صلیب پرست انگریزوں کی سرپرستی میں کیا کہ جو شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو صاحب الہام تسلیم نہ کرے اور اس کے الہامات کو وہی مقام نہ دے جو دیگر کتب سماوی کا ہے تو وہ کافر ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے خود نبی اکرم ﷺ کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ کیا بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ جو اسے مسیح موعود تسلیم نہ کرے وہ اسی طرح کا کافر ہے جس طرح کا کافر نبی اکرم ﷺ کا انکار کرنے والا ہوتا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں: ’’کفر دو قسم کے ہیں: (اوّل) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے...... اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۱۷۹، خزائن ج۲۲ ص۱۸۵)

اگر مرزا غلام احمد قادیانی یہ دعویٰ نہ کرتے کہ جو شخص انہیں مسیح موعود تسلیم نہ کرے وہ کافر ہے تو بالکل ممکن ہے کہ مسلمان ان کے انٹ شنٹ الہامات کو بھی اسی طرح نظرانداز کر دیتے جس طرح ماضی میں کرتے رہے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات تمام کے تمام

انٹ شنٹ ہیں نمونہ حاضر خدمت ہے جو میں نے مرزاغلام احمد قادیانی کے مجموعہ الہامات بنام تذکرہ سے حاصل کیا ہے۔

۱...... موتا موتی لگ رہی ہے۔(ص۵۲۷)

۲...... میں اس عورت کو سزا دوں گا۔(ص۵۵۰)

۳...... خاکسار پیپرمنٹ۔(ص۵۲۷)

۴...... تائی آئی تار آئی۔(ص۷۸۱)

۵...... میں ان کو سزا دوں گا۔(ص۵۵۰)

۶...... پریشن،عمر،براطوس یا پلاطوس۔(ص۱۱۵)

۷...... افسوس صد افسوس۔(ص۴۱۹)

۸...... اے عمارت مفت میں تو تھک گئی۔(ص۵۵۹)

۹...... بیمار بہت چیخیں مارتا ہے۔(ص۷۵۳)

۱۰...... کوئی کہتا ہے ہماری قسمت اتوار۔(ص۵۲۰)

میں نے نمونہ کے طور پر مرزا قادیانی کے دس الہامات پیش کر دیئے ہیں کسی کو زیادہ کا شوق ہو تو وہ تذکرہ کا مطالعہ کرے۔

مرزاغلام احمد قادیانی اور ان کے خلفاء نے جملہ مسلمانوں کی تکفیر کر کے قادیانیوں کا مسلمانوں سے ہر قسم کا مقاطعہ کر لیا اور اس پر قادیانی امت سے سختی کے ساتھ عمل کروایا۔مرزاغلام احمد قادیانی کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں:''حضرت مسیح موعود نے غیر احمدیوں کے ساتھ وہ سلوک جائز رکھا جو نبی اکرم ﷺ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں۔ان کو لڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ان کا جنازہ پڑھنے سے روکا گیا۔اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ایک دینی دوسرے دنیوی۔دینی تعلقات کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے۔دنیاوی تعلق رشتہ ناتہ ہے۔سو یہ دونوں ہمارے لئے حرام قرار دیئے گئے۔'' (کلمۃ الفصل ص۱۶۹،۱۷۰)

مرزاغلام احمد قادیانی کا انتقال ۱۹۰۸ء میں ہوا ہے۔اس وقت تک قادیانیوں کی کل تعداد انیس ہزار تھی۔اب قادیانی مذہب کے مطابق یہ انیس ہزار تو مسلمان تھے اور مسلمان جو اس وقت بھی کروڑوں میں تھے۔صرف ہندوستان ہی میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً دس کروڑ تھی۔کافر ہو گئے تھے کیونکہ یہ سب مرزا قادیانی کے انٹ شنٹ الہامات کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرنے سے

انکار کرتے تھے۔ مرزاغلام احمد قادیانی کا یہ ہے وہ کارنامہ جو اس سے قبل مسلمانوں کی تاریخ میں کسی مدعی الہام سے نہ ہوسکا۔

این کار از تو آئید و غلامان انگریز چنیں کنند

اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ قادیانی امت اپنے آقا ومولا صلیب وتثلیث پرست انگریز سے مطالبہ کرتی کہ اسے ایک علیحدہ کمیونٹی تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں سے الگ ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو یہ مطالبہ کرنا پڑا کہ قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ اقلیت قرار دیا جائے۔ لیکن مسلمانوں کے اس مطالبہ کی تائید کرنے کی بجائے قادیانی امت نے اس کی مخالفت کی۔ انگریزوں نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کو ہندوؤں سے علیحدہ کمیونٹی تسلیم کرالیا تھا۔ حالانکہ سکھوں نے اس کا مطالبہ بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے معاملہ میں انگریزوں نے قادیانی امت کی بات کو تسلیم کیا اور مسلمانوں کے مطالبہ کو نظرانداز کردیا تھا۔ قادیانی امت مسلمانوں کو کافر سمجھنے کے باوجود سیاسی طور پر اس لئے مسلمانوں میں شامل رہنے پر مصر تھی کہ اس وقت سرکاری ملازمتوں میں تعداد کے اعتبار سے حصہ دیا جاتا تھا۔ اگر ان کو علیحدہ اقلیت قرار دے دیا جاتا تو سرکاری ملازمت میں شاید قادیانی ایک کلرک بھی بھرتی نہ کرواسکتے۔ لیکن مسلمانوں میں شمار ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے حصہ کی ملازمتوں میں سے اپنی تعداد کے لحاظ سے کہیں زیادہ سرکاری ملازمتیں حاصل کرلیتے تھے۔ چوہدری ظفراللہ وائسرائے کی کونسل میں ریلوے کے ممبر تھے تو ان کو یہ عہدہ مسلمانوں کے حصہ میں سے ہی ملا ہوا تھا۔ حالانکہ مسلمانوں کو وہ کافر سمجھتے تھے۔ صلیب پرست انگریز کے پٹھو اس قبضہ گروپ نے انگریز حکومت کی تائید سے مسلمانوں سے جدا اور علیحدہ ہونے کے باوجود اپنا ایک الگ مذہب اور ایک علیحدہ نبی رکھتے ہوئے مسلمانوں کے مذہب کے نام، مسلمانوں کے طریق عبادت اور مسلمانوں کی دینی اصطلاحات پر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ وہ اپنے مذہب کے لئے نیا نام، نیا طریق عبادت اور نئی دینی اصطلاحات وضع کرلیں۔

قادیانی امت کے طرز عمل سے مسلمانوں میں شدید ردعمل پیدا ہوا اور ایسا ہونا فطری تھا۔ جب تک حکومت انگریزوں کے پاس تھی مسلمانوں کے مطالبہ کی شنوائی نہ ہوئی۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد مسلمانوں کو بجا طور پر توقع تھی کہ اب قادیانیوں کو غیرمسلم ڈکلیئر کردیا جائے گا۔ بدقسمتی سے پاکستان بننے کے فوراً بعد جو لوگ برسراقتدار آئے وہ اس معاملہ میں انگریزوں سے بھی بڑھ کر قادیانی نواز ثابت ہوئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس مطالبہ میں شدت پیدا ہوتی گئی تاآنکہ ۱۹۵۳ء میں اس مطالبہ کی تائید میں ایجی ٹیشن شروع ہوگیا۔ حکومت

نے اس ایجی ٹیشن کو بزورِ قوت کچلنے کا فیصلہ کرلیا جس کے نتیجہ میں جان اور املاک کا بہت سا نقصان ہوا۔ جب کسی طرح بھی اس تحریک پر قابو نہ پایا جاسکا تو لاہور میں مارشل لاء لگا کر اہل لاہور کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ فوج نے پوری قوت سے اس تحریک کو کچل دیا۔

حکومت نے حالات معمول پر آنے کے بعد ہائی کورٹ کے دو جج صاحبان جسٹس منیر اور جسٹس کیانی پر مشتمل ایک ٹریبونل بنایا جس نے اس تحریک کے بارے میں تحقیقات کی۔ جس طرح اس وقت کے سیاسی حکمران انگریزوں سے بڑھ کر انگریز تھے، اسی طرح کا جج صاحبان کا حال بھی تھا۔ جسٹس منیر (جو بعد میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کے چیف جسٹس کے عہدۂ جلیلہ تک پہنچے) کا حال تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بھی ذہنی تحفظات رکھتے تھے۔ جناب الطاف گوہر صاحب (جنہوں نے ایوب خان کے دور حکومت میں بطور سیکرٹری اطلاعات بہت شہرت پائی) نے جسٹس منیر صاحب سے ان کی موت سے چندروز قبل ملاقات کی۔ وہ جج صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں: ’’مجھے خبر ملی کہ جسٹس منیر بیمار ہیں اور ان کے صحت یاب ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ میں عیادت کے لئے ان کے گھر گیا۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھالیا۔ باتیں کرتے کرتے انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ الطاف گوہر تمہیں معلوم ہے کہ خدا کے وجود کے بارے میں میرے دل میں کئی سوال ہیں۔ موت کے بعد اگر میرا اللہ تعالیٰ سے سامنا ہوا تو میں کیا کروں گا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ عمر بھر توہین عدالت کے مقدمات سنتے رہے ہیں، توہین عدالت کے مقدمہ کی سماعت اس وقت تک شروع نہیں ہوتی جب تک ملزم اپنے جرم کا اعتراف نہ کرے اور اپنے آپ کو عدالت کے رحم وکرم پر نہ چھوڑے۔ آپ بھی یہی کیجئے۔ خداوند کریم کے سامنے پیش ہوتے ہی اپنے جرم کا اعتراف کر لیجئے اور اپنے آپ کو خالق دو جہاں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیجئے۔ وہ بڑا تواب الرحیم ہے۔ منیر صاحب کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ آپ نے میرا کندھا تھپتھپایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ چندروز بعد آپ وفات پاگئے۔‘‘ (گوہر گزشت از نوائے وقت، مورخہ ۲۹/ اگست ۱۹۹۹ء)

جسٹس کیانی کے بارے میں معلوم نہیں کہ ان کا کیا حال تھا۔ لیکن پاکستان کو مرزاغلام احمد قادیانی کے آقا ومولا صلیب پرست انگریز سے جو بیوروکریسی ورثہ میں ملی، ان کی اکثریت کا یہی حالت تھا جو جسٹس منیر کا تھا۔ الا ماشاء اللہ! اب اس کمیشن نے جس کے سربراہ جسٹس منیر تھے، تحقیقات کے دوران جو غیر جانبداری برتی تھی اس کا حال پوری دنیا کو معلوم ہے۔ اس کمیشن کی ہمدردیاں سو فیصدی قادیانی امت کے ساتھ تھیں۔ ’’اسلام **Versus** گمراہی‘‘ کے مقدمہ میں

ہر گمراہ شخص کی ہمدردی ہمیشہ ''گمراہی'' کے ساتھ ہوتی ہے اور اس میں کوئی حیرت کی بات بھی نہیں۔ یہی مقدمہ اکیس سال بعد ایک بار پھر پاکستان کی قومی اسمبلی میں پیش ہوا تو نتیجہ مختلف تھا۔ کیونکہ اس وقت تک انگریزوں کی تربیت یافتہ بیوروکریسی کے بیشتر ارکان رخصت ہو چکے تھے۔ بہرحال یہ ایک الگ موضوع ہے۔

اس کمیشن نے مسلمان علماء کو اپنے سامنے طلب کیا۔ اس کے بیانات لئے اور ان سے ایک متعین سوال بھی کر دیا کہ ''مسلمان کی تعریف کیا ہے؟'' ہر عالم دین نے اپنے اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق اس سوال کے جواب کے لئے الفاظ کا انتخاب کیا۔ یہ کوئی سائنس کا فارمولا تو نہیں تھا کہ سب لوگ جواب میں ایک ہی جیسے الفاظ کا انتخاب کرتے۔ سائنس میں تو یہ ممکن ہے کہ اگر امتحانی پرچے میں یہ سوال آ جائے کہ پانی کے اجزاء کیا ہیں تو ہر طالب علم کا جواب ہوگا H^2O۔ لیکن عمرانیات کے مسائل میں اس طرح کے جواب کی توقع رکھنا حماقت ہے۔ اس اختلاف کو کمیشن نے بھی ایکسپلائٹ کیا اور قادیانی امت کو بھی ایک ایسا نکتہ ہاتھ آ گیا جس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا اور مسلم علماء کرام کو مطعون بھی کیا اور قادیانی عوام کو مطمئن بھی۔ بعد میں کسی وقت قادیانی امت نے ایک پمفلٹ بعنوان ''مسلمان کی تعریف کے متعلق مختلف آراء پر ایک نظر'' وسیع پیمانے پر تقسیم کیا۔ یہ قادیانی امت کے خلیفہ مرزا طاہر احمد کی ایک تقریر تھی اور اس میں بھی ۱۹۵۳ء میں ''منیر انکوائری کمیشن'' کے سامنے مسلمان علماء نے مسلمان کی تعریف کے بارے میں جو جواب دیئے تھے ان کو تنقید اور تضحیک کا نشانہ بنایا ہے۔ میں ان سطور میں حسب توفیق واستعداد اس پمفلٹ کے مندرجات کا جائزہ لے رہا ہوں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ بعض حقائق ایسے ہوتے ہیں جن سے ہر باشعور شخص واقف تو ہوتا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک حقیقت کی ''تعریف'' کرنے کے لئے چند اہل علم سے رجوع کیا جائے تو ہر عالم کی ''تعریف'' کے الفاظ مختلف ہوں گے۔ مثلاً ایک حقیقت ہے ''سچائی'' اب ہر باشعور شخص جانتا ہے کہ ''سچائی'' کسے کہتے ہیں۔ لیکن اگر آپ چند اہل علم سے یہ سوال کریں کہ وہ ''سچائی'' کی ''تعریف'' بیان کر دیں تو ہر عالم کی ''تعریف'' کے الفاظ مختلف ہوں گے۔ اسی طرح ہر شخص جانتا ہے کہ ''بہار'' کیا ہے۔ لیکن جب آپ چند لوگوں سے ''بہار'' کی ''تعریف'' بیان کرنے کے لئے کہیں تو امکان یہی ہے کہ ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق ''بہار'' کی ''تعریف'' کے لئے الفاظ کا انتخاب کرے گا اور ہر ایک کا جواب مختلف ہوگا۔ اگر کسی کو شک ہو تو تجربہ کر لے۔

برصغیر میں کسی زمانے میں یہ بحث چھڑ گئی تھی کہ ''ہندو'' کی ''تعریف'' کیا ہے۔ کیونکہ

گائے کی پوجا کرنے والا بھی ’’ہندو‘‘ اور گائے کا گوشت کھانے والا بھی ’’ہندو‘‘ لیکن جب ہندو اہل علم کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تو انہوں نے یہ فیصلہ کر دیا کہ جو شخص بھی خود کو ہندو کہتا ہے وہ ہندو ہے۔ لیکن مسلمان کی تعریف کے بارے میں یہ صورت نہیں ہے۔ مسلمان کی بہرحال ایک تعریف ہے جو ہر ایک کو معلوم ہے اور مسلمان کی مختلف علماء کی طرف سے کی گئی۔ تعریف میں الفاظ کے اختلاف کے باوجود کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ پیشتر اس کے کہ میں منیر کمیشن کے سامنے بیان کی گئی مسلمان علماء کی مختلف تعریفوں پر گفتگو کروں میں خود اپنے علم اور ذوق کے مطابق مسلمان کی تعریف کرتا ہوں۔

میرے نزدیک مسلمان وہ ہے جو نبی کریم رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے اور اپنے اس ایمان کا اقرار اور اعلان کلمہ ’’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ پڑھ کر کرتا ہے۔ میرے نزدیک یہ ایک جامع تعریف ہے اور میں اس میں کسی اضافہ کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اب جو شخص نبی اکرم ﷺ کی صداقت کی گواہی دے گا وہ خدا کو بھی ایک (واحد) تسلیم کرے گا۔ وہ کتب سماوی پر ایمان رکھے گا۔ وہ حشر پر بھی ایمان رکھے گا۔ وہ جزا اور سزا پر بھی ایمان رکھے گا۔ وہ ملائکہ پر بھی ایمان رکھے گا لیکن اگر ایک شخص یہ اعلان کرے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے، کلمہ بھی پڑھتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ خدا کے تین حصے ہیں یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس اور تینوں مل کر ایک خدا بنتے ہیں تو ایسا شخص باوجود کلمہ پڑھنے کے مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی صداقت پر ایمان کا اعلان بھی کرتا ہے اور اس کا اظہار کلمہ پڑھ کر کرتا ہے۔ خدا کو واحد بھی تسلیم کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ خدا انسانوں کی ہدایت کے لئے مختلف اوقات میں انسانی شکل میں ظہور کرتا رہا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی اللہ کے مجسم ظہور تھے تو ایسا شخص کلمہ پڑھنے کے باوجود مسلمان نہیں ہوسکتا۔ ایک اور شخص کلمہ بھی پڑھتا ہے، نبی کریم ﷺ کی صداقت کا اعلان بھی کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ریٹائر ہوگیا ہے اور اب کائنات کا انتظام اللہ تعالیٰ نے داتا گنج بخش یا شاہ عبداللطیف بھٹائی یا کسی اور بزرگ کے سپرد کر دیا ہے تو ایسا شخص باوجود کلمہ پڑھنے کے مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار بھی کرتا ہے، نبی کریم ﷺ کی صداقت کا اعلان بھی کرتا ہے، کلمہ بھی پڑھتا ہے لیکن وہ اس عقیدہ کا اظہار بھی کرتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس اس وقت جو قرآن ہے، یہ قرآن وہ نہیں ہے جسے حضرت جبرائیل علیہ السلام لائے تھے۔ وہ قرآن تو کسی وجہ سے ضائع ہوگیا تو اس عقیدہ کا اظہار کرنے والا مسلمان نہیں

ہے۔اسی طرح اگر ایک شخص کلمہ بھی پڑھتا ہے، خدا کے واحد ہونے کا اقرار بھی کرتا ہے، نبی کریم ﷺ کی صداقت کا اعلان بھی کرتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ مسلمان جس طرح نماز پڑھتے ہیں اس طرح نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ نماز تو ایک ڈرل تھی اور نبی اکرم ﷺ نے اس لئے سکھائی تھی کہ مسلمانوں کی صحت ٹھیک رہے۔ اگر باغ جناح میں جا کر شام کو جوگنگ کر لی جائے تو نماز ادا ہو جائے گی تو ایسے عقیدہ کا اعلان کرنے والا مسلمان شمار نہیں کیا جا سکتا۔اسی طرح ایک شخص کلمہ بھی پڑھتا ہے، نبی اکرم ﷺ کی صداقت کا اقرار بھی کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا کام صرف اس قدر تھا کہ قرآن اللہ تعالیٰ سے وصول کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیں جس طرح ایک پوسٹ مین ڈاک خانہ سے خط وصول کر کے مکتوب الیہ کے حوالے کر دیتا ہے تو ایسے شخص کو باوجود اس کے کلمہ پڑھنے کے مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔اسی طرح ایک شخص کلمہ بھی پڑھتا ہے، نبی اکرم ﷺ کی صداقت کا اقرار بھی کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ قرآن کا صحیح مطلب نبی اکرم ﷺ کو سمجھ نہیں آیا تھا۔ قرآن کا صحیح مفہوم مرزا غلام احمد قادیانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا گیا ہے۔ تو ایسا شخص بھی بالیقین مسلمان نہیں ہے۔ خواہ وہ کلمہ پڑھتا ہو۔ خدا کے واحد ہونے کا اقرار کرتا ہو اور نبی اکرم ﷺ کی صداقت کا اعلان بھی کرتا ہو جس طرح کہ قادیانی امت کر رہی ہے کہ کلمہ بھی پڑھتی ہے، نبی اکرم ﷺ کی صداقت کا اعلان بھی کرتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ اعلان بھی کرتی ہے کہ سورۂ احزاب میں خاتم النّبیین کا مطلب اگرچہ محمد رسول اللہ ﷺ نے ازروئے حدیث مبارکہ: ''انا خاتم النبیین لا نبی بعدی'' (میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں) بتایا تھا۔ لیکن وہ اس آیہ مبارکہ کا صحیح مطلب نہیں سمجھ سکے تھے۔ اس آیہ مبارکہ کا صحیح مفہوم مرزا غلام احمد قادیانی کو وحی کیا گیا ہے اور خاتم النّبیین کا مطلب نبیوں کی مہر ہے اور مہر کا مطلب بھی (**Seal**) نہیں بلکہ اطاعت ہے۔ یعنی آئندہ نبوت، محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے ملا کرے گی تو ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو کس طرح مسلمانوں میں شمار کیا جائے؟

ہر عقیدہ کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ جس طرح کسی عقیدہ پر ایمان ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح اس عقیدہ کے منطقی تقاضوں پر بھی ایمان ضروری ہوتا ہے۔ کسی عقیدہ کا اقرار اور اس اقرار کے منطقی تقاضوں سے انکار درحقیقت عقیدہ کا انکار ہی ہوتا ہے۔ اب ایک شخص اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا اقرار بھی کرتا ہے، نبی اکرم ﷺ کی صداقت کا اقرار بھی کرتا ہے، قرآن کے اللہ تعالیٰ کے کلام ہونے کا اقرار بھی کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ انسانی نسل کی

ابتداء ایک مرد اور ایک عورت سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے نہیں ہوئی۔ بلکہ بندر ارتقائی عمل سے انسان بن گیا اور مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر کئی بندر انسان بن گئے تو ایسے شخص کو باوجود کلمہ پڑھنے کے مسلمانوں میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

اب میں منیر کمیشن کے سامنے مختلف علماء کی طرف سے کی گئی۔ ''مسلمان'' کی ''تعریف'' درج کر کے یہ ثابت کروں گا کہ ان میں اختلاف الفاظ کے باوجود کوئی جوہری فرق نہیں۔ میں یہ ''تعریف'' مرزا طاہر احمد کے پمفلٹ سے ہی لے رہا ہوں۔ کیونکہ کمیشن کی رپورٹ میرے پاس نہیں۔

مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان کی جو تعریف کی ہے، وہ یہ ہے:
(۱) توحید پر ایمان۔ (۲) آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان۔ (۳) آنحضرت ﷺ کو آخری نبی تسلیم کرنا۔ (۴) قرآن پر ایمان کہ یہ خدا کا کلام ہے جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا۔ (۵) رسول اللہ ﷺ کے احکامات کو واجب التسلیم یقین کرنا۔ (۶) قیامت پر ایمان۔

اس تعریف پر مرزا طاہر احمد نے تبصرہ اس طرح کیا ہے: ''اس تعریف کی کوئی بنیاد انہوں نے بیان نہیں کی۔ قرآن وسنت کی رو سے کس بات پر انہوں نے بنیاد رکھی ہے جس کی رو سے یہ تعریف بنائی ہے اور اس تعریف اور اس تعریف میں جو بالعموم مسلمانوں میں رائج چلی آتی تھی۔ یعنی تفصیلی تعریف۔ اس میں بعض بنیادی فرق ہیں۔ مثلاً قرآن کریم پر ایمان کا ذکر ہے۔ مگر دیگر کتب سماوی پر ایمان کا ذکر نہیں۔ ملائکہ پر ایمان کا ذکر نہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان کا ذکر ہے۔ مگر کل انبیاء کی رسالت پر ایمان کا ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک علماء کے نزدیک مسلمان کی کوئی واضح تعریف ہی نہیں تھی اور جس شخص کے منہ میں جو بات آئی اس نے موقعہ پر کردی۔''

میں مرزا طاہر احمد اور قادیانی امت سے دریافت کرتا ہوں کہ جو شخص بھی نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے گا تو کیا وہ ان انبیاء پر بھی لازم ایمان نہیں لائے گا جن کی نبی اکرم ﷺ نے تصدیق کی؟ کیونکہ مسلمان آنحضرت ﷺ سے قبل کے انبیاء پر ایمان آنحضرت ﷺ کی سند پر ہی رکھتے ہیں۔ جو شخص بھی قرآن کے اللہ کا کلام ہونے پر ایمان لائے گا وہ ملائکہ پر بھی لازم ایمان رکھے گا۔ اسی طرح قرآن پر ایمان میں سابقہ کتب سماوی کے من جانب اللہ ہونے کا ایمان بھی شامل ہے۔ مولانا ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ''مسلمان کی تعریف'' کوئی غلط نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان میں قرآن پر ایمان، کتب سماوی پر ایمان، سابقہ انبیاء علیہم السلام پر

ایمان، قیامت پر ایمان شامل ہیں۔

مرزا طاہر احمد نے اس کے بعد مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کی ہوئی تعریف اس طرح درج کی ہے: ''اگر کوئی قرآن پر ایمان لاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر ایمان لاتا ہے تو اسے مسلمان کہلانے کا حق حاصل ہے۔''

اس پر مرزا طاہر احمد نے جو تبصرہ کیا ہے، وہ درج ذیل ہے: ''قطع نظر اس کے کہ وہ کسی اور چیز پر ایمان لاتا ہے یا نہیں لاتا۔ اس لئے باقی ارکان اسلام جو تھے ان کا صفایا انہوں نے کر دیا اور منجملہ یہ کہنا کافی سمجھا۔ اگر صفایا نہیں کیا کہ چونکہ قرآن کریم پر ایمان لے آیا۔ ساری باتیں اس میں شامل ہوگئیں۔ اس لحاظ سے ایک جامع تعریف تو بنتی ہے۔''

مرزا طاہر احمد کے تبصرہ پر میرا تبصرہ یہ ہے کہ مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مسلمان کی تعریف کے مطابق اللہ اور اس کے رسول پر ایمان مسلمان کہلانے کے لئے کافی ہے اور یہ اس لئے کافی ہے کہ اللہ پر ایمان میں اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات حسنہ پر ایمان شامل ہے اور رسول پر ایمان میں ماقبل انبیاء پر ایمان، جملہ کتب سماویہ پر ایمان، حشر پر ایمان، فرشتوں پر ایمان شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ شرک فی التوحید نہ کیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان کا تقاضا ہے کہ شرک فی النبوت نہ کیا جائے جس کا ارتکاب قادیانی امت نے مرزا غلام احمد کی نبوت پر ایمان لا کر کیا ہے۔ اس لحاظ سے مولانا ابوالحسنات کی بیان کی گئی۔ تعریف اور مولانا احمد علی کی بیان کی گئی۔ تعریف میں اختلاف لفظی کے سوا کوئی فرق نہ رہا۔

اس کے بعد مرزا طاہر احمد قادیانی نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ (جسے انہوں نے مولوی مودودی کہا ہے) کی بیان کردہ مسلمان کی تعریف درج کی ہے جو اس طرح ہے: ''جو شخص توحید پر ایمان لاتا ہو، انبیاء پر منجملہ ایمان لاتا ہو، تمام الٰہی کتب پر ایمان لاتا ہو، ملائکہ پر ایمان، یوم آخر پر ایمان لاتا ہو وہ مسلمان ہے۔''

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مذکورہ بالا ''مسلمان'' کی تعریف پر مرزا طاہر احمد کا تبصرہ اس طرح ہے: ''چونکہ اس میں ختم نبوت کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور کوئی ایسی شق وہ زائد نہیں کر سکے کیونکہ قرآن وسنت اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ جس کی رو سے احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے سکتے۔ اس لئے تعجب سے عدالت نے ان سے یہ معین سوال کیا کہ کیا ان باتوں پر ایمان لانا مسلمان کہلانے کے لئے کافی ہے اور کسی اور چیز کی ضرورت نہیں اور وہ اسلامی سلطنت میں مسلمان کہلائے گا؟ تو جواب تھا۔ ہاں! پھر سوال ہوا کہ اگر کوئی ان پانچوں باتوں پر ایمان لاتا

ہوتو کیا کسی کو حق ہے کہ اس کے ایمان کے وجود پر اعتراض کر سکے؟ تو جواب تھا کہ جو پانچ ضروریات میں نے بیان کی ہیں یہ بنیادی ہیں۔ اگر کوئی ان میں تبدیلی کرے تو وہ دائرہ اسلام سے نکل جائے گا۔''

مرزا طاہر احمد قادیانی اپنے تبصرہ کو جاری رکھتے ہوئے مزید بیان کرتے ہیں: ''گویا اس سے پہلے علماء کے جواب میں جہاں جہاں ان پانچ باتوں سے انحراف کیا گیا ہے اور تعریف میں تبدیلی کی گئی ہے یا بعد میں آنے والے علماء نے ان پانچ باتوں کے علاوہ کچھ اور بیان کیں یا ان میں کوئی تبدیلی کی تو وہ بھی مولانا صاحب (مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ......راقم) کی اس تعریف سے دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے۔ لیکن جیسا کہ آخر پر ظاہر ہوگا احمدی خارج نہیں ہوئے۔''

مرزا طاہر احمد صاحب کو کس طرح علم ہوا کہ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مسلمان کی تعریف کی رو سے احمدی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوئے؟ انبیاء پر ایمان میں نبی اکرم ﷺ پر ایمان شامل ہے اور نبی اکرم ﷺ پر ایمان میں حضور ﷺ کی خاتم النّبیین کی حیثیت (Status) پر ایمان شامل ہے۔ مولانا مودودی نے اسے الگ سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی ہوگی۔ چونکہ قادیانی امت نبی اکرم ﷺ کی خاتم النّبیین کی حیثیت (Status) پر ایمان نہیں رکھتی۔ اس لئے دائرہ اسلام سے خارج ہوگئی۔

اس کے بعد مرزا طاہر احمد نے غازی سراج الدین صاحب کی بیان کردہ تعریف درج کی ہے جو اس طرح ہے: ''جو شخص ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا اقرار کرتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتا ہے وہ مسلمان ہے۔''

غازی سراج الدین کے بیان پر مرزا طاہر قادیانی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس کے بعد مرزا طاہر احمد قادیانی نے مفتی محمد ادریس صاحب جامعہ اشرفیہ کی بیان کردہ مسلمان کی تعریف درج کی ہے۔ مرزا طاہر قادیانی بیان کرتے ہیں: ''مفتی محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اشرفیہ نے ایک لمبی تعریف کی اور ساتھ ہی یہ بھی اقرار کیا کہ میرے لئے ان تمام امور کا ذکر تقریباً ناممکن ہے جو مسلمان بنانے کے لئے ضروری ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بناء رکھی ضروریات دین پر کہ جو ضروریات دین پر ایمان لاتا ہو وہ مسلمان ہے۔ جب عدالت نے سوال کیا کہ ضروریات دین کیا ہیں؟ تو انہوں نے اقرار کیا کہ یہ اتنی لمبی فہرست ہے کہ میرے لئے ناممکن ہے۔ لفظ استعمال کئے ہیں تقریباً ناممکن ہے کہ ان تمام ضروریات دین کو بیان کرسکوں۔ گویا جواب مبہم رہا۔''

مرزا طاہر احمد کے مذکورہ بالا تبصرہ کے بارے میں میری طرف سے تبصرہ یہ ہے کہ

جناب مرزا صاحب! مفتی محمد ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب مبہم نہیں ہے۔ ہر وہ بات جسے تسلیم نہ کرنے کی زد بنیادی عقیدہ پر پڑتی ہو اس کا تسلیم کرنا بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح بنیادی عقیدہ کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ مثلاً قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرنا مسلمان ہونے کی بنیادی شرط ہے۔ لیکن ضرورت دین یہ ہے کہ یہ بھی اقرار کیا جائے کہ اس وقت مسلمانوں کے ہاتھ میں جو قرآن ہے یہ بالکل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وصول کیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام سے نبی اکرم ﷺ نے وصول کیا اور نبی اکرم ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وصول کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نسلاً بعد نسلٍ آج کے مسلمانوں تک پہنچا۔ اگر ایک شخص قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرنے کا اعلان تو کرے لیکن ساتھ یہ اعلان بھی کرے کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس جو قرآن ہے یہ قرآن وہ نہیں ہے جو جبرائیل علیہ السلام لائے تھے تو ایسے شخص کا قرآن پر ایمان ہرگز نہیں ہے۔ اگرچہ وہ لاؤڈ سپیکر پر ہر وقت یہ اعلان کرتا رہے کہ وہ قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم کرتا ہے۔

اس کے بعد مرزا طاہر احمد نے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ مسلمان کی تعریف کا ذکر کیا ہے جو اس طرح ہے: ''مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک سیاسی مسلمان اور ایک حقیقی مسلمان۔ سیاسی مسلمان کی دس شرطیں گنوائیں۔ وہ یہ ہیں: (۱) توحید۔ (۲) نبوت۔ (۳) تقدیر خیر وشر۔ (۴) ایمان بالآخرت۔ (۵) قرآن آخری کتاب۔ (دیگر کتب پر ایمان ضروری نہیں) (۶) حج۔ (۷) زکوٰۃ۔ (۸) مسلمانوں کی طرح نماز کی ادائیگی۔ (۹) تمام ظاہری قوانین جو اسلامی معاشرہ پر لاگو ہوتے ہیں ان سب پر عمل پیرا ہونا۔ (ملائکہ پر ایمان بیچ میں سے کھا گئے یا اس کی ضرورت نہیں سمجھی) (۱۰) روزہ۔ فرماتے ہیں کہ یہ دس باتیں کرنے کے باوجود وہ صرف سیاسی مسلمان بنے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ان پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔ ان پر عمل کرنا سیاسی مسلمان کے لئے ضروری نہیں۔''

مولانا امین احسن اصلاحی نے بے عمل مسلمان اور حقیقی مسلمان میں فرق کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ بعض مسلمان صرف اس لئے مسلمان ہوتے ہیں کہ اتفاق سے ایک مسلمان کے گھر پیدا ہو گئے اور ان کا اسلام سے اتنا ہی تعلق ہوتا ہے کہ ان کا نام مسلمانوں جیسا ہوتا ہے۔ ورنہ مولانا اصلاحی کی بیان کردہ تعریف، مولانا ابوالحسنات کی بیان کردہ تعریف، مولانا مودودی کی بیان کردہ تعریف، مفتی محمد ادریس صاحب کی بیان کردہ تعریف، غازی سراج الدین کی بیان کردہ

تعریف میں اختلاف الفاظ کے علاوہ کوئی جوہری فرق نہیں۔

اس کے بعد مرزا طاہر احمد قادیانی نے صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے منیر کمیشن کے سامنے بیان کردہ مسلمان کی تعریف بیان کی ہے جو اس طرح ہے: ''جو رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ہو اور کلمہ طیبہ پر ایمان لاتا ہو۔''

سوال یہ ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی امت میں کس طرح شامل ہوگا؟ صدر انجمن احمدیہ نے یہ نہیں بتایا۔ کلمہ طیبہ پر ایمان کا کیا مطلب ہے؟ کلمہ طیبہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کا زبان سے اقرار اور اظہار ہے۔ میں اس مرحلہ پر یہ فرض کرتا ہوں کہ مشرق سے مغرب تک کروڑوں مسلمان مرزا طاہر احمد اور صدر انجمن احمدیہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ہیں اور کلمہ طیبہ بھی پڑھتے ہیں۔ صدر انجمن احمدیہ کی بیان کردہ تعریف کے مطابق مسلمان ہیں۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کے دعویٰ نبوت ومسیحیت ومہدویت میں جھوٹا یقین کرتے ہیں۔ وہ دائرہ اسلام کے اندر ہیں یا باہر؟ صدر انجمن احمدیہ کی مذکورہ بالا تعریف کے مطابق تو وہ مسلمان ہیں۔ کیونکہ صدر انجمن احمدیہ نے مسلمان ہونے کے لئے صرف دو شرائط مقرر کی ہیں جو یہ ہیں:

۱...... رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ہونا۔

۲...... کلمہ طیبہ پر ایمان رکھنا۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ہیں اور اپنے ایمان کا اظہار واقرار کلمہ طیبہ پڑھ کر کرتے ہیں۔ صدر انجمن احمدیہ کے نزدیک بھی کلمہ طیبہ پر ایمان کا مطلب رسول اللہ ﷺ پر ایمان کا اظہار، کلمہ طیبہ پڑھ کر کرنا ہی ہوگا۔ لیکن یہ تمام مسلمان جو صدر انجمن احمدیہ کی بیان کردہ مسلمان کی تعریف کے مطابق مسلمان ہیں لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کو اس کے دعویٰ میں کاذب جانتے ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود ولد مرزا غلام احمد قادیانی (جو قادیانی امت کے دوسرے خلیفہ ہیں) کے نزدیک مسلمان نہیں ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''آئینہ صداقت'' میں لکھتے ہیں: ''کل مسلمان جو مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے مسیح موعود کا نام نہ سنا ہو وہ بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔''

اب یا تو صدر انجمن احمدیہ نے مسلمان کی غلط تعریف کر کے منیر کمیشن کو گمراہ کیا تھا یا مرزا بشیر الدین محمود احمد نے آئینہ صداقت میں غلط لکھا ہے۔ میرے نزدیک صدر انجمن احمدیہ نے کمیشن کو گمراہ کیا اور یہی قادیانی امت کا وتیرہ ہے۔

مسلمان کی کیا تعریف ہے؟ اس بارے میں امت مسلمہ میں کبھی کوئی الجھن نہیں رہی اور نہ کبھی اس کی ضرورت پیش آئی کہ مسلمان کی تعریف پر تمام علماء کو جمع کیا جائے۔ جس طرح ہر مسلمان گزشتہ چودہ سو سال میں جانتا رہا ہے کہ اسلام کیا ہے؟ نبوت کیا ہے؟ اور اس طرح وہ یہ بھی جانتا رہا ہے کہ مسلمان کسے کہتے ہیں؟ امت مسلمہ میں پہلی دفعہ یہ الجھن قادیانی امت نے جملہ مسلمانوں کی تکفیر کر کے پیدا کی ہے۔

ختم نبوت پر مسلمانوں کا عقیدہ اس قدر پختہ رہا ہے کہ مسلمانوں نے تاریخ میں نہ کبھی کسی مدعی نبوت سے اس کے دعویٰ کی دلیل طلب کی اور نہ یہ دریافت کیا کہ اس کی نبوت ظلی ہے، بروزی ہے، حقیقی یا مجازی ہے۔ اگر مرزا غلام احمد قادیانی بھی بہاء اللہ ایرانی کی طرح اپنی امت کے لئے اور اپنے مذہب کے لئے مسلمان اور اسلام کے علاوہ کوئی اور نام تجویز کر لیتے تو کوئی الجھن پیدا نہ ہوتی۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ کیا کہ جملہ مسلمانوں کی تکفیر کر کے ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا اور اپنے مذہب کا نام اسلام اور اپنی امت کو مسلمان قرار دیا اور بالواسطہ طور پر مسلمانوں سے کہہ دیا کہ مسلمان اپنے مذہب کے لئے اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا نام تلاش کریں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جب نئی نبوت کا دعویٰ کیا تو اپنے مذہب کے لئے نام بھی کوئی اسلام کے علاوہ تجویز کرتا جس طرح بہاء اللہ ایرانی نے کیا۔ لیکن اس طرح وہ فریب نہیں چل سکتا تھا جو گزشتہ سو سال سے قادیانی امت چلا رہی ہے اور جسے ۱۹۸۴ء میں ایک آرڈیننس کے ذریعہ روکنے کی کوشش کی گئی ہے اور جس کی وجہ سے صلیب پرست انگریز کے اس خود کاشتہ پودا کو انگریز ہی کے سایہ صلیب میں جا کر پناہ لینی پڑی۔

مرزا طاہر احمد قادیانی نے اپنی اس تحریر میں ہم مسلمانوں سے اظہار ہمدردی بھی کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ پاکستان میں مذہبی انتہاء پسند زور پکڑتے جارہے ہیں اور اس کے ردعمل میں ہندوستان میں ہندو مذہبی انتہاء پسند زور پکڑ رہے ہیں جس سے ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی مشکلات کا شکار ہو جائے گی۔ مرزا طاہر احمد قادیانی فرماتے ہیں: ”پس ہندوستان کے افق پر جو خطرات ابھر رہے ہیں ہر چند وہ ان ظالموں کے کردار کی ایک تصویر ہے جو وہ پاکستان پہ بنا رہے ہیں۔ اس کے باوجود ان ابھرتے ہوئے خطرات کے نتیجے میں اگر عالم اسلام کو کوئی نقصان پہنچا تو سب سے زیادہ دکھ احمدی کو ہونا چاہئے۔“

یہ کھلی کھلی منافقت ہے۔ مسلمانوں کی ہر مصیبت پر قادیانی امت خوش ہوتی ہے اور اس کا اظہار بھی کرتی ہے۔ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی جنگ میں جب سلطنت عثمانیہ کو شکست ہوئی تو قادیان میں

باقاعدہ جشن منایا گیا اور راتوں کو چراغاں کیا گیا۔ خدانخواستہ اب بھی اگر مسلمانوں پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے کوئی مصیبت آئی تو قادیانی امت اسی طرح خوش ہوگی جس طرح ۱۹۱۸ء میں سلطنت عثمانیہ کی شکست پر خوش ہوئی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اب پاکستان میں وہ اپنی خوشی کا اظہار اس طرح نہ کرسکے جس طرح ۱۹۱۸ء میں انگریزوں کے سایہ صلیب میں کیا تھا۔ لیکن پاکستان سے باہر قادیانی امت اسی طرح خوشی کا اظہار بھی کرے گی۔ چراغاں بھی کرے گی اور جشن بھی منائے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادیانی امت کو پھر کبھی یہ خوشی نصیب نہ کرے۔ آمین!

بلندی اور پستی کا اجتماع

(مرزاغلام احمد قادیانی کا تعارف بقلم خود)

مرزاقادیانی ذاتی تعارف کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: ''میرا نام غلام احمد، میرے والد کا نام غلام مرتضٰی اور دادا کا نام عطا محمد اور میرے پردادا کا نام گل محمد تھا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ہماری قوم مغل برلاس ہے اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جواب تک محفوظ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔'' (کتاب البریہ ص۱۴۲، خزائن ج۱۳ ص۱۷۲)

''میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی ہے اور میں ۱۸۵۷ء میں سولہ برس یا سترہ برس میں تھا۔'' (کتاب البریہ ص۱۴۶، خزائن ج۱۳ ص۱۷۷)

''بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا (مرزاقادیانی کے نزدیک استاد کی حیثیت صرف نوکر کی تھی...... راقم) جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں۔ ان بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر تقریباً دس برس کی ہوئی تو اک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا...... اور بعد اس کے جب میں سترہ اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا (مرزاقادیانی کے تمام استاد نوکر ہی تھے...... راقم) ان مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا، حاصل کیا۔'' (کتاب البریہ ص۱۴۹، خزائن ج۱۳ ص۱۸۰)

''بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے۔'' (کتاب البریہ)

مرزا قادیانی نے قرآن کریم کی کچھ تعلیم تو اپنے استاد مولوی فضل الٰہی سے حاصل کی اور کچھ تعلیم اللہ تعالیٰ سے حاصل کی۔ مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ’’مجھے خدا تعالیٰ نے اس الہام سے مشرف فرمایا ہے کہ: ’’الرحمن وعلم القرآن‘‘ کہ خدا نے تجھے قرآن سکھلایا۔‘‘

(مجموعہ اشتہارات حصہ سوم ص۳۶۸)

اب مرزا غلام احمد قادیانی کے مقامات بلند ملاحظہ فرمائیے۔ مرزا قادیانی میں کئی انبیاء جمع ہیں۔ ’’میں آدم علیہ السلام ہوں، میں نوح ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ابن مریم ہوں اور میں محمد ﷺ کا مظہر اتم ہوں۔‘‘ (تتمہ حقیقت الوحی ص۸۵، خزائن ج۲۲ ص۵۲۱)

مرزا قادیانی مقام نبوت میں کسی دوسرے نبی سے کم تر نہیں ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے ۔۔۔ من بعرفان نہ کمترم از کسے

آنچہ داد است ہر نبی را جام ۔۔۔ داد آں جام را مرا بتمام

(نزول مسیح ص۹۹، خزائن ج۱۸ ص۴۷۷)

ایک اور جگہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے بلند مرتبہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں: ’’اس (نبی کریم ﷺ) کے لئے چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کرے گا۔‘‘ (اعجاز احمدی ص۷۱، خزائن ج۱۹ ص۱۸۳)

ابھی مرزا قادیانی کی تسلی نہیں، مزید بلندی درجات مطلوب ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں بعینہٖ محمد رسول اللہ ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں: ’’اور خدا نے مجھ پر اس رسول کریم ﷺ کا فیض نازل فرمایا اور اس کو کامل بنایا اور اس نبی کریم کے لطف اور جود کو میری طرف کھینچا۔ یہاں تک کہ میرا وجود اس کا وجود ہو گیا۔‘‘ (خطبہ الہامیہ ص۱۷۱، خزائن ج۱۶ ص۲۵۸)

مرزا غلام احمد قادیانی یہاں تک تو پہنچ گئے کہ خود کو نبی اکرم ﷺ کے برابر کر لیا۔ اس پر بھی مرزا قادیانی کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ ان کی کوشش تھی کہ خود کو نبی اکرم ﷺ سے بھی افضل ثابت کریں۔ اگر وہ یہی بات سیدھے طریقے سے کہتے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے افضل ہیں تو لوگ پیچھے پڑ جاتے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ لہٰذا اس کے لئے انہوں نے اسی بات کو گھما کر کہہ دیا۔ وہ اس طرح کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ نظریہ پیش کیا کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا بیان دنیا کی عمر کے بارے میں: ’’اسی طرح احادیث صحیحہ میں جو بعض ان کی صحیح بخاری میں پائی جاتی ہے آنحضرت ﷺ کے زمانہ کو عصر سے تشبیہ دی ہے۔ پس اس سے ماننا پڑتا ہے کہ ہمارا زمانہ قیامت کے قریب کا زمانہ ہے اور پھر دوسری حدیثوں سے

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عمر دنیا کی سات ہزار سال ہے۔‘‘

(تتمہ حقیقت الوحی ص۲۵، خزائن ج۲۲ ص۴۵۷)

مرزاغلام احمد قادیانی نے دنیا کی عمر سات ہزار سال مقرر کرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ کی بعثت کو پانچویں ہزار میں پیش کیا اور خود اپنی بعثت کو چھٹے ہزار سال میں طے کیا۔ اس کے بعد مرزاقادیانی نے جو کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود محمد رسول اللہ ہیں (نقل کفر کفر نہ باشد) پانچویں ہزار سال میں بھی مرزاقادیانی محمد رسول اللہ ﷺ کی شکل میں خود ہی مبعوث ہوئے تھے اور چھٹے ہزار سال میں بھی خود ہی مبعوث ہوئے۔ لیکن چھٹے ہزار سال میں ان کی روحانیت پانچویں ہزار سال کی روحانیت کی نسبت بہتر حالت میں ہے۔ اس طرح سے انہوں نے خود کو نبی اکرم ﷺ سے افضل ثابت کر دیا۔ ملاحظہ فرمایئے: ’’ہمارے نبی کریم ﷺ کی روحانیت نے پانچویں ہزار میں اجمالی صفات کے ساتھ ظہور فرمایا اور وہ زمانہ اس روحانیت کی ترقیات کی انتہاء نہ تھا۔ بلکہ اس کے کمالات کے معراج کے لئے پہلا قدم تھا۔ پھر اس روحانیت نے چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی اس وقت پوری طرح تجلی فرمائی۔‘‘

(خطبہ الہامیہ ص۱۷۷، خزائن ج۱۶ ص۲۶۶)

اسی کتاب میں آگے چل کر مرزاقادیانی بیان کرتے ہیں: ’’ہمارے نبی کریم ﷺ جیسا کہ پانچویں ہزار سال میں مبعوث ہوئے ایسا ہی مسیح موعود کی بروزی صورت اختیار کر کے چھٹے ہزار کے آخر میں مبعوث ہوئے۔‘‘ (خطبہ الہامیہ ص۱۸۰، خزائن ج۱۶ ص۲۷۰)

اسی کتاب میں مرزاغلام احمد قادیانی خود کو نبی کریم ﷺ سے افضل بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے: ’’اور جس نے اس بات سے انکار کیا کہ نبی علیہ السلام کی بعثت چھٹے ہزار سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسا کہ پانچویں ہزار سے تعلق رکھتی تھی۔ پس اس نے حق کا اور نص قرآن کا انکار کیا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روحانیت چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی ان دنوں میں بہ نسبت ان سالوں کے اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے۔ بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔‘‘

(خطبہ الہامیہ ص۱۸۲، خزائن ج۱۶ ص۲۷۲)

اس طرح مرزاغلام احمد قادیانی نے خود کو روحانی طور پر نبی اکرم ﷺ سے افضل بنا کر پیش کر دیا اور یہ ایسا مقام ہے کہ اس سے بلند کوئی مقام ہے ہی نہیں۔ اب افضل البشر نبی اکرم ﷺ نہیں ہیں بلکہ مرزاغلام احمد ہے۔ اب سید ولد آدم نبی اکرم ﷺ نہیں ہیں بلکہ مرزاغلام احمد ہے۔

آپ نے مرزاغلام احمد قادیانی کے درجات بلند ملاحظہ فرمالئے۔ اب پستی درجات بھی ملاحظہ کیجئے اور وہ بھی بزبان خود مرزاغلام احمد قادیانی اور بقلم خود مرزا: ’’میں کون ہوں؟ سو مختصر عرض یہ ہے کہ میں اس نواح کے ایک رئیس اور سرکار انگریزی کے سچے خیرخواہ کا بیٹا ہوں جن کا نام مرزاغلام مرتضیٰ تھا۔ جن کا ذکر رئیسان پنجاب مسٹر گریفن میں موجود ہے۔ وہ گورنمنٹ کے وفادار خیرخواہ تھے۔ جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں پچاس گھوڑوں سے معہ سواروں کے سرکار انگریزی کو مدددی اور وہ اس ضلع میں ہر ایک موقعہ مدد کے وقت سرکار انگریزی کے کام آتے رہے ہیں اور ہر یک مدد کے کام میں اپنی حیثیت کے موافق اس ضلع میں ان کا قدم سبقت رکھتا تھا اور حکام وقت ان کو بڑے لطف اور مہربانی کی نظر سے دیکھتے تھے اور گورنر جنرل کے دربار میں ان کو کرسی ملتی تھی اور ۱۸۵۷ء کی خیرخواہی کے عوض سرکار انگریزی نے ان کو انعام بھی دیا تھا۔ تموں کے گزر پر جو گورداسپور کے قریب واقع ہے، جب باغیوں کا عبور ہوا تو ان مفسدوں کے مقابلہ میں جن لوگوں نے سپاہیانہ بہادری دکھلائی تھی ان میں میرا حقیقی بھائی مرزاغلام قادر مرحوم تھا جس کو اس شجاعت پر خوشنودی مزاج کی حکام کی طرف سے چٹھیاں ملی تھیں اور میں بذات خود سترہ برس سے سرکار انگریزی کی ایک ایسی خدمت میں مشغول ہوں کہ درحقیقت وہ ایک ایسی خیرخواہی گورنمنٹ عالیہ کی مجھ سے ظہور میں آئی ہے کہ میرے بزرگوں سے زیادہ ہے اور وہ یہ کہ میں بیسیوں کتابیں عربی اور فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ چنانچہ میں نے یہ کتابیں بصرف زرکثیر چھاپ کر بلاد اسلام میں پہنچائی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ان کتابوں کا بہت اثر اس ملک پر بھی پڑا ہے اور جو لوگ میرے ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے ہیں وہ ایک ایسی جماعت تیار ہوتی جاتی ہے کہ جن کے دل اس گورنمنٹ کی سچی خیرخواہی سے لبالب ہیں۔ ان کی اخلاقی حالت اعلیٰ درجہ پر ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ تمام اس ملک کے لئے بڑی برکت ہیں اور گورنمنٹ کے لئے دلی جان نثار۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات حصہ دوم ص۳۶۶،۳۶۷)

’’اے نادانو! گورنمنٹ انگریزی کی تعریف تمہاری طرح میری قلم سے منافقانہ نہیں نکلتی بلکہ میں اپنے اعتقاد اور یقین سے جانتا ہوں کہ درحقیقت خداتعالیٰ کے فضل سے اس گورنمنٹ کی پناہ ہمارے واسطے خداتعالیٰ کی پناہ ہے۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات حصہ دوم ص۴۴۰)

’’اب اس تمام تقریر سے جس کے ساتھ میں نے اپنی سترہ سالہ مسلسل تقریروں سے ثبوت پیش کئے ہیں صاف ظاہر ہے کہ سرکار انگریزی کا بدل وجان خیرخواہ ہوں...... اور اطاعت

گورنمنٹ (انگریزی) اور ہمدردی بندگان خدا کی میرا اصول ہے اور یہ وہی اصول ہے جو میرے مریدوں کی شرائط بیعت میں داخل ہے۔'' (مجموعہ اشتہارات حصہ دوم ص۴۶۵)

ایک تعارف مرزاغلام احمد قادیانی کا بزبان خود و بقلم خود یہ بھی ہے:

کرم خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۷، خزائن ج۲۱ ص۱۲۷)

قادیانی امت سے کئی دفعہ پوچھا ہے کہ یہ ''بشر کی جائے نفرت'' کیا شئے ہے تو جواب نہیں ملا؟ کیا قادیانی امت میں سے کسی کو توفیق ہوگی کہ مرزاغلام احمد قادیانی جو بقول خود ''خدا کا رسول جو تمام نبیوں کے لباس میں ظاہر ہوا۔'' (سیرت المہدی حصہ سوم ص۳۰۸)

ہے وہ ''بشر کی جائے نفرت'' بھی ہے تو کیا کون سا مقام بلند ہے؟

امید ہے اس مضمون کے ذریعہ قارئین کرام مرزاغلام احمد قادیانی سے اچھی طرح متعارف ہوگئے ہیں۔ یہ بھی مرزاغلام احمد قادیانی کے کمالات میں سے ایک کارنامہ ہے کہ انہوں نے ایسی بلندی (خود افضل البشر ہونے کا دعویٰ کر دیا) اور ایسی پستی (صلیب پرست مشرک انگریزوں کی چاپلوسی میں حد سے بڑھ گئے) کو اپنی ذات میں جمع کرلیا۔ یہ ایسا کارنامہ ہے جو کوئی بھی دوسرا شخص انجام نہیں دے سکتا تھا۔

مال بٹورنا

بعض لوگ اس قدر ہوشیار اور موقع شناس ہوتے ہیں کہ جیسے ہی موقع پیدا ہوتا ہے وہ اس سے فائدہ اٹھالیتے ہیں جب کہ عام لوگ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ اس موقع سے مال بنایا جاسکتا تھا۔ میں اپنی بات کی وضاحت ایک مثال سے کروں گا جس سے میں ذاتی طور پر واقف ہوں۔

۱۹۴۰ء میں تقسیم ہند کی قرارداد آل انڈیا مسلم لیگ لاہور کے اجلاس میں پاس ہوئی اور ۱۹۴۷ء میں برصغیر جنوبی ایشیاء (ہندوستان) تقسیم ہوگیا۔ سات سال کا درمیانی عرصہ ایسا ہے کہ جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں منافرت مسلسل بڑھتی گئی۔ لاکھوں نہیں تو ہزاروں ہندو مسلم فسادات ہوئے، شاید ہی کوئی ہفتہ خالی جاتا ہوگا جس میں ہندوستان کے کسی نہ کسی شہر میں ہندو مسلم فساد نہ ہوتا ہو یا کسی نہ کسی جگہ آگ نہ لگائی جاتی ہو۔ لیکن اس ہندو مسلم منافرت سے تجارتی فائدہ اٹھانے کا خیال مسلمانوں میں سے صرف ایک ہی شخص کو آیا۔ میں اس کا نام ظاہر نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں اس کے ادارے میں کام کر چکا ہوں۔ اس نے یہ کیا کہ اخبارات میں اشتہار دیا کہ

مسلمان تجارت میں بہت پیچھے ہیں۔ لہٰذا وہ ایک ایسی کمپنی قائم کر رہا ہے۔ جس کے حصص صرف مسلمانوں کو دیئے جائیں گے۔ کسی غیر مسلم کو اس کا کوئی حصہ نہیں دیا جائے گا۔ پنجاب مسلم لیگ کی ایک شخصیت کو بھی اس نے کمپنی کے ڈائریکٹروں میں شامل کر لیا۔ چنانچہ برصغیر سے سولہ صد مسلمانوں نے حصص خریدے اور سات لاکھ سے بھی زیادہ روپیہ جمع ہوگیا جو آج کے حساب سے تقریباً نو کروڑ بنتا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوگیا اور سولہ سو حصہ داران میں سے بارہ سو تو ہندوستان ہی رہ گئے۔ چار سو میں سے بھی زیادہ تعداد نے ابتدائی سالوں میں اپنے حصص صرف **Face Value** پر ہی منافع نہ ملنے کی وجہ سے اسی کے پاس فروخت کر دیئے۔ اس طرح دوسروں کے سرمایہ سے اس نے ایک بہت بڑا ذاتی کاروبار قائم کر لیا۔

۱۸۵۷ء میں مسلمانان ہند نے انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کی اور مغل بادشاہ کا اقتدار بحال کرنے کی جدوجہد کی۔ اس موقع پر مرزا غلام احمد قادیانی کے والد نے مغل ہونے کے باوجود صلیب پرستوں کی مدد کی اور مسلمانوں سے غداری کی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو اس غداری پر عمر بھر فخر رہا۔ کیونکہ اس غداری کے صلے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے والد کو صلیب پرست انگریز گورنر کے دربار میں کرسی ملتی تھی۔ اس بارے میں مرزا قادیانی کا اعتراف ان الفاظ میں ہے:

''میں ایک ایسے خاندان سے ہوں کہ جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد مرزا غلام مرتضٰی گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ آدمی تھا۔ جس کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی۔''

(مجموعہ اشتہارات حصہ دوم ص۴۵۹)

۱۸۵۷ء کی ناکام جدوجہد آزادی کی قیادت علماء کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ علماء کرام کی بہت بڑی تعداد کو پھانسی یا عمر قید کی سزائیں دی گئیں اور کچھ تعداد فرار ہو کر ملک سے باہر چلی گئی۔ مسلمان اس بناء پر علماء کی قیادت سے محروم ہوگئے اور ہندو اور عیسائی مبلغین نے اسلام پر جارحانہ حملے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں کی طرف سے ان کا جواب دینے کے لئے کوئی نمایاں شخصیت نہ ہونے کی وجہ سے مسلم عوام میں شدید مایوسی کی کیفیت تھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مال بنانے کا فیصلہ کیا اور ایک ایسی کتاب لکھنے اور شائع کرنے کا بذریعہ اشتہار اعلان کر دیا۔ جس کی پچاس جلدیں ہوں گی اور اس میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے تین صد دلائل ہوں گے۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی بوجہ نادار اور مفلس ہونے کے اس کی اشاعت کے لئے سرمایہ نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ کتاب کو پیشگی خرید لیں اور اس کی قیمت پیشگی ادا کر دیں۔ تاکہ اس سرمایہ سے وہ کتاب شائع کر سکیں۔ کتاب کی قیمت

ابتداء میں مرزا قادیانی نے پانچ روپے (آج کے نو ہزار چھ سو روپے) رکھی، چنانچہ ایک اشتہار میں مرزا قادیانی اعلان کرتے ہیں: ''ہم نے صدہا طرح کا فتور اور فساد دیکھ کر کتاب براہین احمدیہ کو تالیف کیا تھا اور کتاب موصوف میں تین سو مضبوط اور محکم عقلی دلیل سے صداقت اسلام کو فی الحقیقت آفتاب سے بھی زیادہ روشن تر دکھلایا گیا۔ چونکہ یہ مخالفین پر فتح عظیم اور مومنین کے دل وجان کی مراد تھی۔ اس لئے امراء اسلام کی عالی ہمتی پر بڑا بھروسہ تھا کہ وہ ایسی کتاب لاجواب کی بڑی قدر کریں گے اور جو مشکلات اس کی طبع میں پیش آ رہی ہیں، ان کے دور کرنے میں بہ دل جان متوجہ ہو جائیں گے۔ مگر کیا کہیں اور کیا لکھیں اور کیا تحریر میں لاویں۔'' **اللّٰہ المستعان واللّٰہ خیر وابقی** ''بعض صاحبوں نے قطع نظر اعانت کے ہم کو سخت تفکر وتردد میں ڈال دیا ہے۔ ہم نے پہلا حصہ جو چھپ چکا تھا (پہلا حصہ صرف اشتہار تھا...... راقم) اس میں سے قریب ایک سو پچاس جلد کے بڑے بڑے امیروں اور دولت مندوں اور رئیسوں کی خدمت میں بھیجی تھیں اور یہ امید کی گئی تھی کہ جو امراء عالی قدر خریداری کتاب کی منظور فرما کر قیمت کتاب جو ایک ادنیٰ رقم ہے بطور پیشگی بھیج دیں گے اور ان کی اس طور کی اعانت سے دینی کام بہ آسانی پورا ہو جائے گا اور ہزارہا بندگان خدا کو فائدہ پہنچے گا۔ اسی امید پر ہم نے قریب ڈیڑھ سو کے خطوط اور عرائض بھی لکھے اور بہ انکسار تمام حقیقت حال سے مطلع کیا مگر باستثناء دو تین عالی ہمتوں کے سب کی طرف سے خاموشی رہی۔ (کیونکہ اس کے مطالعہ نے کتاب کی قدر و قیمت ان پر واضح کردی ہوگی...... راقم) نہ خطوط کا جواب آیا، نہ کتابیں واپس آئیں۔ مصارف ڈاک تو سب ضائع ہو گئے۔ لیکن اگر خدانخواستہ کتابیں بھی واپس نہ ملیں تو سخت دقت پیش آئے گی اور بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔''

(مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل ص ۳۸)

اس اشتہار میں مرزا غلام احمد قادیانی اس طرح کا اعلان کرتے ہیں گویا وہ تین صد دلائل پر مشتمل کتاب تالیف کر چکے ہیں۔ حالانکہ اس وقت تک انہوں نے چند صفحات کا اشتہار ہی لکھ کر کتاب کی قیمت پیشگی وصول کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے اسی اشتہار میں اعلان کرتے ہیں: ''بعض صاحبوں کی سمجھ پر رونا آتا ہے کہ وہ بروقت درخواست اعانت کے یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم کتاب کو بعد تیاری کے خرید لیں گے، پہلے نہیں۔ ان کو سمجھنا چاہئے کہ یہ کچھ تجارت کا معاملہ نہیں اور مؤلف کو بجز تائید دین کے کسی کے مال سے کچھ غرض نہیں۔ (لیکن خود کو باوجود رئیس قادیان لکھنے کے اپنے پاس سے ایک پھوٹی کوڑی بھی خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں...... راقم) اعانت کا وقت تو یہی ہے کہ جب طبع کتاب میں مشکلات پیش آ رہی ہیں ورنہ بعد چھپ چکنے کے

اعانت کرنا ایسا ہے کہ جیسے بعد تندرستی کے دوا دینا۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل ص۴۵)

غرض مرزا قادیانی ہر ممکن طریقہ سے ترغیب دیتے رہے کہ لوگ ان کی کتاب کو طبع ہونے سے قبل ہی زیادہ سے زیادہ خرید لیں۔ کیونکہ اس بات کا امکان تھا کہ طبع ہونے کے بعد لوگوں پر کتاب کی قدر و قیمت واضح ہو جائے گی تو وہ کتاب کو مطالعہ کے قابل ہی نہ سمجھیں گے۔ مرزا قادیانی کی محنت ضائع بھی نہیں گئی۔ بہت سے لوگوں نے کتاب کو پیشگی خرید لیا۔ بعض صاحب حیثیت لوگوں نے ایک سے زیادہ نسخے بھی خریدے، چنانچہ اپنے ایک اعلان میں مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ’’بعالی خدمت تمام معزز اور بزرگ خریداران کتاب براہین احمدیہ کے گزارش کی جاتی ہے کہ کتاب ہذا بڑی مبسوط کتاب ہے، یہاں تک کہ جس کی ضخامت سو جزو سے کچھ زیادہ ہوگی اور تا اختتام طبع وقتاً فوقتاً حواشی لکھنے سے اور بھی بڑھ جائے گی اور ایسی عمدگی کاغذ اور پاکیزگی خط اور دیگر لوازم حسن اور لطافت اور موزونیت سے چھپ رہی ہے کہ جس کے مصارف کا حساب جو لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ اصل قیمت اس کی یعنی جو اپنا خرچ آتا ہے فی جلد پچیس روپے (آج کے تقریباً اڑتالیس ہزار روپے......راقم) ہے مگر ابتداء میں پانچ روپیہ قیمت اس غرض سے مقرر ہوئی تھی اور یہ تجویز اٹھائی گئی تھی جو کسی طرح سے مسلمانوں میں یہ کتاب عام طور پر پھیل جائے اور اس کا خریدنا کسی مسلمان پر گراں نہ ہو اور یہ امید کی گئی تھی کہ امراء اسلام جو ذی ہمت اور اولی العزم ہیں، ایسی ضروری کتاب کی اعانت میں دلی ارادت سے مدد کریں گے تب جبر اس نقصان کا ہو جائے گا، پر اتفاق سے اب تک وہ امید پوری نہیں ہوئی بلکہ بجز عالی جناب حضرت خلیفہ سید محمد حسن خاں صاحب بہادر وزیر اعظم و دستور معظم ریاست پٹیالہ پنجاب کہ جنہوں نے مسکین طالب علموں کو تقسیم کرنے کے لئے پچاس جلدیں اس کتاب کی خریدیں اور جو قیمت بذریعہ اشتہار شائع ہو چکی تھی وہ سب بھیج دی اور نیز فراہمی خریداروں میں بڑی مدد فرمائی۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ اوّل ص۲، خزائن ج۱ ص۲،۳)

کتاب کے اگلے صفحہ پر گیارہ رؤساء کے نام لکھے ہوئے ہیں جن میں پہلا نام نواب شاہ جہاں بیگم والی ریاست بھوپال کا ہے جنہوں نے باوجود اس کے کہ تین صد دلائل میں سے ابھی ایک بھی دلیل طبع نہیں ہوئی تھی مرزا قادیانی کی دل کھول کر مدد فرمائی۔ یہ ہوتا ہے پراپیگنڈہ کا کمال کہ صرف اشتہار بازی کے زور پر مرزا قادیانی نے وزیر اعظم ریاست پٹیالہ سے پچاس جلدوں کی قیمت پیشگی وصول کر لی جو آج کے تقریباً چار لاکھ اسّی ہزار روپے بنتے ہیں۔

ایک اور جگہ مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ’’آج تک سب سے زیادہ حضرت خلیفہ سید محمد

حسن خاں صاحب بہادر وزیراعظم ودستور معظم ریاست پٹیالہ سے اعانت ظہور میں آئی۔ یعنی حضرت ممدوح نے اپنی عالی ہمتی اور کمال محبت دینی سے مبلغ دوسو پچاس روپیہ (آج کے چار لاکھ اسّی ہزار روپے...... راقم) اپنی جیب خاص سے پچھتّر روپیہ (آج کے ایک لاکھ چوالیس ہزار روپے...... راقم) اپنے دوستوں سے فراہم کر کے تین سو پچیس روپیہ (آج کے چھ لاکھ چوبیس ہزار روپے...... راقم) بوجہ خریداری کتابوں کے عطاء فرمایا۔''

(براہین احمدیہ حصہ اوّل دیباچہ ص الف، خزائن ج۱ ص۶)

ایک اور جگہ مرزاغلام احمد قادیانی کس طرح سے لوگوں کو قبل از طباعت کتاب خریدنے پر آمادہ کرتے ہیں، وہ بھی ملاحظہ فرمائیے: ''ازاں جا کہ ایسی بڑی کتاب کا چھپ کر شائع ہونا بجز معاونت مسلمان بھائیوں کے بڑا مشکل امر ہے اور ایسے اہم کام میں اعانت کرنے میں جس قدر ثواب ہے، وہ ادنیٰ اہل اسلام پر بھی مخفی نہیں۔ لہٰذا اخوان مومنین سے درخواست ہے کہ اس کار خیر میں شریک ہوں اور اس کے مصارف طبع میں معاونت کریں۔ اغنیاء لوگ اگر اپنے مطبخ کے ایک دن کا خرچ بھی عنایت فرمائیں گے تو یہ کتاب بہ سہولت چھپ جائے گی۔ ورنہ یہ مہر درخشاں چھپا رہے گا یا یوں کریں کہ ہر ایک اہل وسعت بہ نیت خریداری کتاب پانچ پانچ روپیہ مع اپنی درخواستوں کے راقم کے پاس بھیج دیں۔ جیسی جیسی کتاب چھپتی جائے گی، ان کی خدمت میں ارسال ہوتی رہے گی۔'' (مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل ص۱۲)

امید ہے قارئین کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اپنی کتاب کی قبل از اشاعت فروخت کے لئے مرزاقادیانی نے کس قدر اشتہار بازی کی اور کس کس طرح سے لوگوں کو کتاب خریدنے کی ترغیب دی۔ باوجود اس کے کہ بہت سے حضرات نے کتب کو پیشگی خرید بھی لیا۔ بلکہ بعض حضرات نے بطور اعانت کے بھی مرزاقادیانی کو کافی رقم مہیا کی۔ لیکن مرزاقادیانی کی تسلی نہیں ہورہی تھی، چنانچہ مرزاقادیانی نے کتاب کی قیمت کو دگنا کر دیا۔ یعنی پہلے قیمت پانچ روپے (آج کے نوہزار چھ صد روپے...... راقم) تھی۔ اب اس کی قیمت دس روپے (آج کے انیس ہزار دوصد روپے...... راقم) کر دی۔ جس کا اعلان مرزاقادیانی نے ایک اشتہار کے ذریعہ جو اخبار ''سفیر ہند'' میں ۲۰؍دسمبر ۱۸۷۹ء کو شائع ہوا، کر دیا۔ اس اشتہار میں مرزاقادیانی نے ابتداء میں چند رؤسا کے نام دیئے ہیں جنہوں نے مرزاقادیانی کی مالی اعانت کی اور اس کے بعد اس بات کا رونا رو کر کہ کتاب کی اشاعت کے لئے جس قدر رقم کی ضرورت تھی وہ پوری نہیں ہوئی، کتاب کی قیمت بڑھانے کا اعلان درج ذیل الفاظ میں کر دیا: ''لیکن بباعث اس کے قیمت کتاب کی نہایت ہی کم تھی اور جب

نقصان اس کے بہت سی اعانتوں پر موقوف تھا جو محض فی سبیل اللہ ہر طرف سے کی جاتیں۔ طبع کتاب میں بڑی توقف ظہور میں آئی مگر اب کہاں تک توقف کی جائے۔ ناچار بصد اضطرار یہ تجویز سوچی گئی جو قیمت کتاب کی جو بنظر حیثیت کتاب کے بغایت درجہ قلیل اور ناچیز ہے دو چند کی جائے، لہٰذا بذریعہ اعلان ہذا کے ظاہر کیا جاتا ہے جو من بعد جملہ صاحبین باستثناء ان صاحبوں کے جو قیمت ادا کر چکے ہیں، یا ادا کرنے کا وعدہ ہو چکا ہے، قیمت اس کتاب کی بجائے پانچ روپیہ کے دس روپیہ تصور فرماویں۔“ (مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل ص۱۴)

قارئین نے ملاحظہ فرمالیا کہ مرزا قادیانی نے اس کتاب کی قیمت (جس کو ابھی انہوں نے لکھنا اور شائع کرنا ہے) دس روپے مقرر کر دی اور اس دور میں جب گوشت روپیہ کا سولہ سیر تھا (سیرت المہدی حصہ اوّل ص۱۸۲) اور آج ایک سوبیس روپے کلو ہے، اس لحاظ سے اس وقت کے دس روپے آج کے انیس ہزار دوصد روپے بنتے ہیں۔

قارئین کرام سوچ رہے ہوں گے، مرزا غلام احمد اس وقت کا کوئی بہت ہی غریب اور کنگال شخص تھا۔ اس کے دل میں خدمت دین کا بہت درد تھا اور اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ کتاب جس میں حقانیت اسلام کے تین صد دلائل ہیں، کسی نہ کسی طرح شائع ہو جائے، چونکہ خود تہی دست تھا، اس لئے اشتہارات کے ذریعہ بار بار کتاب کی قبل از اشاعت خریداری کی اپیلیں کر رہا تھا۔ نہیں جناب! مرزا غلام احمد اپنے وقت کا کوئی مفلوک الحال شخص نہیں تھا، اس کتاب کی دوسری جلد کے پہلے صفحہ پر مرزا قادیانی کا جو تعارف شائع کیا گیا تھا، وہ اس طرح ہے:

”براہین احمدیہ ملقب بہ

البراہین احمدیہ علیٰ حقیت کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ، جس کو فخر اسلام پنجاب جناب مرزا غلام احمد صاحب رئیس اعظم قادیاں ضلع گورداسپور پنجاب دام اقبالہم نے کمال تحقیق اور تدقیق سے تالیف کر کے منکرین اسلام پر حجت اسلام پوری کرنے کے لئے بوعدۂ انعام دس ہزار روپیہ شائع کیا۔“ (براہین احمدیہ حصہ اوّل ص۱۸، خزائن ج۱ ص۲۴)

آپ نے ملاحظہ فرمالیا مرزا غلام احمد قادیانی کے جاگیردار تھے اور ہمیشہ خود کو رئیس اعظم لکھتے تھے، لیکن خدمت دین کے لئے اپنی جیب خاص سے کچھ خرچ کرنا مرزا قادیانی کے مسلک میں حرام تھا کیونکہ خدمت دین تو ان کا مقصد ہی نہیں تھا۔ دسمبر ۱۸۷۹ء تک کتاب کا ایک لفظ شائع کئے بغیر مرزا قادیانی نے لوگوں سے ہزاروں روپے اینٹھ لئے، لیکن اس کے بعد مرزا غلام احمد نے جو کمال دکھایا وہ نہ اس سے قبل کسی سے ہو سکا اور نہ بعد میں کبھی ہو سکے گا۔ ہماری

تاریخ میں ایک سے بڑھ کر ایک علمی شخصیت موجود ہے۔ غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ جیسے کئی روشن ستارے ہیں جن پر تاریخ فخر کرتی ہے اور جن کا کیا ہوا کام کبھی باسی نہ ہوا اور نہ ہوگا۔ مرزاغلام احمد شاید ابھی گلی ڈنڈا کھیل رہے ہوں گے کہ برصغیر میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اظہار الحق'' کے نام سے فارسی میں وہ معرکۃ الآراء کتاب لکھی کہ عیسائیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ مولانا مکرم رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد میں حصہ لیا تھا اور اس وجہ سے ان کو ہندوستان سے ہجرت کرنا پڑی۔ ''اظہار الحق'' کا اردو ترجمہ مولانا تقی عثمانی صاحب نے قیام پاکستان کے بعد ''بائبل سے قرآن تک'' کے نام سے تین جلدوں میں کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیت کے رد میں اس سے بہتر کتاب آج تک نہیں لکھی گئی اور نہ آئندہ کسی کو لکھنے کی ضرورت پیش آئے گی لیکن یہ تو وہ لوگ تھے جو اپنی اپنی جگہ علم کا پہاڑ تھے۔ ان بزرگوں نے جو کچھ بھی لکھا، خدمت دین کے جذبہ سے لکھا اور لکھنے سے قبل مرزا قادیانی کی طرح بڑھکیں نہیں لگائیں، لیکن مرزاغلام احمد قادیانی کا مقصد خدمت دین تو تھا ہی نہیں، مرزا قادیانی کا پروگرام تو لوگوں کے جذبات کو اپیل کر کے بغیر کوئی علمی کام کئے زیادہ سے زیادہ پیسہ وصول کرنا تھا، اس لئے وہ کتاب کی تعریف میں اشتہار پہ اشتہار شائع کرتے رہے تاکہ اشاعت سے قبل ہی زیادہ سے زیادہ رقم وصول کرلیں۔ کیونکہ اشاعت کے بعد جو حشر ہونا تھا، ان کو معلوم ہی تھا۔

اب ۱۸۸۰ء میں سفیر ہند پریس سے کتاب کی پہلی جلد شائع ہوتی ہے جس میں مرزاغلام احمد قادیانی نے وہ کام دکھایا ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے، پہلی جلد کل ۵۲ صفحات پر مشتمل تھی اور ان صفحات میں جو کچھ بھی ہے، مزے کا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

۱...... پہلے چار صفحات میں وہ اعلان ہے جس میں مرزا قادیانی نے کتاب کی خریداری کے لئے ترغیب دی ہے اور گیارہ رؤسا کے نام ہیں جنہوں نے دل کھول کر مرزا قادیانی کی مالی اعانت کی۔ ساتھ ہی اس بات کا رونا بھی ہے کہ ان کو حسب توقع وصولی نہیں ہوئی۔

۲...... صفحہ ۵ سے لے کر صفحہ ۱۱ تک ''التماس ضروری از مؤلف کتاب'' کے عنوان سے پھر کتاب کی تعریف ہے یا اپنی تعریف ہے کہ انہوں نے وہ کام کیا ہے جو اس دور میں کسی اور سے نہ ہوسکا اور آخر میں ۳۴ نام ان حضرات کے لکھ دیئے ہیں، جنہوں نے مرزا قادیانی کی مالی اعانت کی۔

۳...... صفحہ ۱۳ سے صفحہ ۲۴ تک مرزا قادیانی نے اپنا فارسی کلام شائع کیا ہے اور آخر میں چند اردو سطور میں یہ بیان کیا ہے کہ اس کتاب کی تالیف سے ان کا مقصد ''یہ ہے جو دین اسلام کی سچائی

کے دلائل اور قرآن مجید کی حقیت کے براہین اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی صدق رسالت کے وجوہات سب لوگوں پر بوضاحت تمام ظاہر کئے جائیں۔‘‘

۴...... صفحہ ۲۴ کے نصف سے لے کر صفحہ ۵۲ تک وہ خاصے کی چیز ہے جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ یہ ایک اشتہار ہے جو موٹی قلم سے لکھا گیا ہے، جس قلم سے ہمارے بچپن میں بچے تختی لکھا کرتے تھے اور ایک صفحہ میں صرف سات سطریں ہیں۔ (پہلی اشاعت میں ایک صفحہ پر صرف تین سطریں تھیں اور اس اشتہار کو پینسٹھ (۶۵) صفحات پر پھیلا دیا گیا تھا) اس اشتہار میں مرزا قادیانی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں اس کتاب میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے تین صد دلائل شائع کروں گا، اگر کوئی غیر مسلم اپنی الہامی کتاب کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے اتنی ہی تعداد میں یا اس سے نصف یا ثلث یا ربع یا خمس دلائل شائع کردے تو اسے دس ہزار روپیہ (آج کے ایک کروڑ بانوے لاکھ روپے) انعام دیں گے۔ یہ اشتہار پڑھنے کے لائق ہے۔ لہٰذا میں اسے مضمون کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر شائع کر رہا ہوں۔ (پینسٹھ صفحات کا اشتہار اس کتاب کے سوا چار صفحات میں آ گیا ہے)

اس اشتہار کے شائع ہونے سے ہر طرف شور مچ گیا کہ کیا چیلنج ہے جو پوری دنیا کے غیر مسلموں کو دے دیا گیا ہے۔ اب کوئی ہے جو اسے قبول کرے اور مقابلہ میں آئے۔ دلیل ابھی ایک بھی شائع نہیں کی لیکن انعام کا اشتہار دے کر لوگوں کی توجہ حاصل کر لی گئی جو دلائل مرزا قادیانی نے بعد میں شائع کئے ہیں، ان کا ذکر آگے چل کر کروں گا، فی الحال تو اس بات پر غور فرمائیے کہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے کے لئے مرزا قادیانی نے کیا انوکھا طریقہ نکالا۔ نہ ہینگ لگی نہ پھٹکری اور رنگ بھی چوکھا آ گیا۔ دس ہزار روپیہ کے انعام کے اعلان سے ہر طرف شور مچ گیا۔ اس سے قبل علمی حلقوں میں شاید ہی مرزا قادیانی کو کوئی جانتا ہو، اب ہر طرف شہرت ہوگئی، چنانچہ ان کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد یہ اعتراف بایں الفاظ کرتے ہیں: ’’خاکسار عرض کرتا ہے کہ گو براہین احمدیہ کی تالیف اور اس کے متعلق مواد جمع کرنے کا کام پہلے سے ہو رہا تھا مگر براہین احمدیہ کی اصل تصنیف اور اس کی اشاعت کی تجویز ۱۸۷۹ء سے شروع ہوئی اور اس کا آخری حصہ یعنی حصہ چہارم ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔ براہین کی تصنیف سے پہلے حضرت مسیح موعود ایک گمنامی کی زندگی بسر کرتے تھے اور گوشہ نشینی میں درویشانہ حالت تھی۔ گو براہین سے قبل بعض اخباروں میں مضامین شائع کرنے کا سلسلہ آپ نے شروع فرما دیا تھا اور اس قسم کے اشتہارات سے آپ کا نام ایک گونہ پبلک میں بھی آ گیا تھا، مگر بہت کم...... مگر دراصل مستقل طور پر براہین احمدیہ کے اشتہار نے ہی

سب سے پہلے آپ کو ملک کے سامنے کھڑا کیا اور اس طرح علم دوست اور مذہبی امور سے لگاؤ رکھنے والے طبقہ میں آپ کا انٹروڈکشن ہوا۔ لوگوں کی نظریں اس دیہات کے رہنے والے گمنام شخص کی طرف حیرت سے اٹھنی شروع ہوئیں، جس نے اس تحدی اور اتنے بڑے انعام کے وعدہ کے ساتھ اسلام کی حقانیت کے متعلق ایک عظیم الشان کتاب لکھنے کا اعلان کیا۔‘‘

(سیرت المہدی حصہ اوّل ص۱۰۳،۱۰۴)

بغیر کوئی علمی کام کئے شہرت حاصل کرنے کی کیا خوب ترکیب مرزاغلام احمد کے ذہن میں آئی جو اس سے قبل کسی کو نہیں سوجھی تھی۔

یہ کام ایسا ہے جو کوئی بہروپیہ یا مجمع اکٹھا کرنے والا ہی کرسکتا ہے، اہل علم اس طرح نہیں کیا کرتے۔ نہ وہ اشاعت سے قبل اپنی کتاب کی تعریف میں اشتہار بازی کرتے ہیں اور نہ ہی وہ اشاعت سے قبل اپنی کتاب کی فروخت کے لئے پروپیگنڈہ مہم چلاتے ہیں۔ اہل علم اپنا کام پیش کر دیتے ہیں اور اس کی قدر و قیمت کا فیصلہ ہمیشہ پڑھنے والے کرتے ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کتاب کی جلد اوّل میں اشتہار اور چندہ کی اپیل کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اب ہم کتاب کی دوسری جلد دیکھتے ہیں کہ اس میں کیا ہے۔

کتاب کی پہلی جلد میں مرزاقادیانی کا اشتہار تھا کہ ہے کوئی مائی کا لال جوان کے تین صد دلائل کے جواب میں اپنی الہامی کتاب کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے دلائل تحریر کرے یا مرزاقادیانی کے دلائل کا توڑ کرے۔ اس کے جواب میں کچھ غیر مسلم حضرات نے بھی اشتہار شائع کئے ہوں گے کہ مرزاقادیانی دلائل پیش تو کریں، ہم ان کا چیلنج قبول کرتے ہیں اور غالباً یہ بھی کہا ہوگا کہ دلیل ایک بھی شائع نہیں کی اور چیلنج ساری دنیا کو دے دیا، چنانچہ دوسری جلد کے پہلے باب میں ’’براہین احمدیہ کے مخالفوں کی جلدی‘‘ کے عنوان سے مخالفین کو لتاڑا ہے کہ وہ جلدی نہ کریں بلکہ انتظار کریں، چنانچہ مرزاقادیانی پنجابی فلم کے ہیرو کی زبان میں لکھتے ہیں: ’’کئی ایک پادری صاحبوں اور ہندو صاحبوں نے جوش میں آکر اخبار سفیر ہند اور نور افشاں اور رسالہ ودیا پرکاشک میں ہمارے نام طرح طرح کے اعلان چھپوائے ہیں جن میں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ضرور ہم رد اس کتاب کی لکھیں گے اور بعض حضرات ڈوموں کی طرح ایسے ایسے صریح ہجو آمیز الفاظ استعمال میں لائے ہیں کہ جن سے ان کی طبیعت کی پاکی خوب ظاہر ہوتی ہے، گویا وہ اپنی اوباشانہ تقریروں سے ہمیں ڈراتے ہیں اور دھمکاتے ہیں، مگر انہیں معلوم نہیں کہ ہم تو ان کی تہہ سے واقف ہیں اور ان کے جھوٹے اور ذلیل اور پست خیال ہم پر پوشیدہ نہیں۔ سو ان سے ہم کیا ڈریں گے وہ کیا ڈراویں

گے...... بہرحال ہم ان کی خدمت میں التماس کرتے ہیں کہ ذرا صبر کریں اور جب کوئی حصہ کتاب کی فصلوں میں سے چھپ چکتا ہے تب جتنا چاہیں زور لگالیں۔''

(براہین احمدیہ ج۲ص۵۵، خزائن ج۱ص۵۵)

پہلے مضمون (جس میں مخالفین کو لتاڑا گیا ہے اور صبر کی تلقین کی گئی ہے) کے بعد ایک مضمون بعنوان ''عرض ضروری بحالت مجبوری'' ہے۔ اس مضمون میں پھر کتاب کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں اور کتاب کی قبل از اشاعت فروخت کے لئے ایک بار پھر اپیل کی گئی ہے: ''اس کتاب کی اعانت طبع کے لئے جس قدر ہم نے لکھا ہے وہ محض مسلمانوں کی ہمدردی سے لکھا گیا ہے۔ کیونکہ ایسی کتاب کے مصارف جو ہزارہا روپیہ کا معاملہ ہے، اور جس کی قیمت بھی بہ نیت عام فائدہ مسلمانوں کے نصف سے بھی کم کردی گئی ہے یعنی پچیس روپیہ میں سے صرف دس روپیہ رکھے گئے ہیں۔ کیونکر بغیر اعانت عالی ہمت مسلمانوں کے انجام پذیر ہو۔''

(براہین احمدیہ ج۲ص د، خزائن ج۱ص۶۹)

''عرض ضروری بحالت مجبوری'' بھی صرف یہ ہے کہ مال نکالو۔ تمہارے ساتھ پہلے ہی بہت رعایت کی گئی ہے کہ کتاب کی قیمت پچیس روپے کے بجائے دس روپے رکھی گئی ہے۔

''عرض ضروری'' کے بعد ایک مضمون بعنوان

''مقدمہ اور اس میں کئی مقصد واجب الاظہار ہیں جو ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں۔''

شائع کیا گیا ہے اور اس پر کتاب کا حصہ دوم ختم ہے۔ دوسرے لفظوں میں تہتر صفحات پر مشتمل دو مضامین یعنی (۱) ''عرض ضروری'' اور (۲) ''مقدمہ'' کتاب کی جلد دوم میں شامل ہیں، اصل کتاب کو اس کے بعد شروع ہونا ہے۔ ''مقدمہ'' میں مرزا قادیانی نے اپنی کتاب کا مقدمہ ہی پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کتاب کو لکھ کر مرزا قادیانی نے کیا تیر مارا ہے اور کیا توپ چلائی ہے۔ مثلاً مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس کتاب کی تالیف سے پہلے ایک بڑی تحقیقات کی گئی اور ہر ایک مذہب کی کتاب دیانت اور امانت اور خوض اور تدبر سے دیکھی گئی اور فرقان مجید اور ان کتابوں کا باہم مقابلہ بھی کیا گیا اور زبانی مباحثات بھی اکثر قوموں کے بزرگ علماء سے ہوتے رہے۔ غرض جہاں تک طاقت بشری ہے، ہریک طور کی کوشش اور جانفشانی اظہار حق کے لئے کی گئی۔''

(براہین احمدیہ حصہ دوم ص۹۰،۹۱، خزائن ج۱ص۷۹،۸۰)

اسی ''مقدمہ'' میں آگے چل کر اپنی ذات اور اپنی کتاب کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں: ''اب ہمارے بھائیو! خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میں نے ایسے ایسے باطل عقائد

میں لوگوں کو مبتلا دیکھا اور اس درجہ کی گمراہی میں پایا کہ جس کو دیکھ کر جی پگھل آیا اور دل اور بدن کانپ اٹھا تو میں نے ان کی رہنمائی کے لئے اس کتاب کا تالیف کرنا اپنے نفس پر ایک حق واجب اور دین لازم دیکھا جو بجز ادا کرنے کے ساقط نہ ہوگا، چنانچہ مسودہ اس کتاب کا خدا کے فضل وکرم سے تھوڑے ہی دنوں میں ایک قلیل بلکہ اقل مدت میں جو عادت سے باہر تھی، تیار ہوگیا اور حقیقت میں یہ کتاب طالبان حق کو ایک بشارت اور منکران دین اسلام پر ایک حجت الٰہی ہے کہ جس کا جواب قیامت تک ان سے میسر نہیں آسکتا اور اسی وجہ سے اس کے ساتھ ایک اشتہار بھی انعامی دس ہزار روپیہ شامل کیا گیا تاکہ ہر یک منکر اور معاند پر جو اسلام کی حقیت سے انکاری ہے، اتمام حجت ہو اور اپنے باطل خیال اور جھوٹے اعتقاد پر مغرور اور فریفتہ نہ رہے۔''

(براہین احمدیہ حصہ دوم ص۹۳، خزائن ج۱ص۸۳)

میں قارئین کرام سے گزارش کروں گا کہ وہ بھول جائیں اس بات کو کہ زبان کا معیار کیا ہے جس میں الفاظ ''تھوڑے ہی دنوں میں ایک قلیل بلکہ اقل مدت'' ایک ہی جگہ جمع کردیئے گئے ہیں اور اس بات کو بھی نظر انداز کردیں کہ کتاب قبل از اشاعت فروخت شرعاً جائز ہے یا ناجائز (اس کا ذکر میں کسی دوسرے مضمون میں کروں گا) وہ مرزاغلام احمد قادیانی کے دعویٰ پر غور فرمائیں جو انہوں نے اپنی کتاب کے بارے میں کیا ہے۔ اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے بارے میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ: ''اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ اگر تم سچے ہو۔''

اس کے بعد مرزاقادیانی نے اپنی کتاب (جس کا انہوں نے ابھی تک ایک لفظ بھی شائع نہیں کیا تھا) کے بارے میں یہ دعویٰ کردیا کہ: ''ذالک الکتاب''

''جس کا جواب قیامت تک ان سے میسر نہیں آسکتا۔''

مرزاقادیانی بھی کسی سے کم تو نہیں تھے، آخر کو سلطان القلم تو تھے ہی لیکن خدائی صفات بھی رکھتے تھے، چنانچہ ''تذکرہ'' میں ان کا ایک کشف بایں الفاظ درج ہے: ''خداتعالیٰ میرے وجود میں داخل ہوگیا اور میرا غضب اور حلم اور تلخی اور شیرینی اور حرکت اور سکون سب اسی کا ہوگیا اور اس حالت میں، میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب اور تفریق کی اور میں دیکھتا ہوں کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں، پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا۔'' (تذکرہ ص۱۹۳)

اسی مضمون کے آخر میں ایک دفعہ پھر مخالفین سے خطاب ہے، مطالعہ کیجئے: ''اسی جگہ ہم

اس بات کو بھی کھول کر بیان کر دیتے ہیں کہ جو صاحب بعد اشاعت اس کتاب کے راست بازوں کی طرح اس کے دلائل کے توڑنے کی طرف متوجہ نہ ہوں اور یونہی اپنے رسالوں اور اخباروں اور تقریروں اور تحریروں میں عوام کو دھوکا دینے کے لئے اسلام کے چشمہ پاک کا کدورت ناک ہونا بیان کریں یا اپنے گھر میں ہی تعلیم فرقانی کو قابل اعتراض ٹھہرادیں تو ایسے صاحب خواہ عیسائی ہوں خواہ ہندو خواہ برہمو سماج والے یا کوئی اور ہوں۔ بہرحال یہ فعل ان کا دیانت اور پاک طینتی کے برخلاف سمجھا جائے گا۔'' (براہین احمدیہ حصہ دوم ص۱۲۹، خزائن ج۱ص۱۲۲،۱۲۳)

قارئین کرام نے ملاحظہ فرمالیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے براہین احمدیہ، حصہ دوم میں اپنی کتاب (جس کو ابھی شائع ہونا ہے) کا مقدمہ کس کامیابی سے لڑا ہے، داد دینا پڑتی ہے کہ جس کتاب کی اشاعت کے لئے مرزا قادیانی نے دوسال سے مال بٹورنا شروع کیا ہوا تھا، ۱۸۸۰ء میں اس کی دوسری جلد شائع بھی ہوئی تو وہ بھی صرف ''عرض ضروری بحالت مجبوری'' اور ''مقدمہ'' ہی تھا۔ کتاب کا وہ حصہ جس میں حقیقت اسلام کے تین صد دلائل شامل ہونا تھے، ابھی تک پردہ غیب میں تھا۔ مرزا قادیانی نے خریداروں سے دس روپیہ (آج کے تقریباً اٹھارہ ہزار روپے) لے کر کتاب کے پانچ حصے دینے تھے، جس میں سے دو حصوں کا حال تو آپ دیکھ چکے ہیں، گویا مرزا قادیانی نے گاہکوں سے ان دو حصوں کے چار چار روپے وصول کئے جو آج کے حساب سے سات ہزار دوصد روپے بنتے ہیں، اتنی رقم ادا کرنے کے بعد خریداروں کو کیا ملا؟ پہلا حصہ بڑھکوں پر مشتمل اشتہار اور دوسرے حصہ میں ''عرض ضروری بحالت مجبوری'' اور ''مقدمہ''

میں نے روپے کی قدر (**Value**) کے لئے گوشت کی قیمت کو معیار بنایا ہے جو اس زمانہ میں روپیہ کا سولہ سیر تھا (سیر میں نوصد تیس گرام ہوتے ہیں) اور آج ۲۰۰۰ء کے پہلے نصف حصہ میں ایک صد بیس روپے کلو ہے۔ میں نے گوشت کی قیمت کو معیار اس لئے بنایا ہے کہ مجھے قادیانی امت کی کتب سے اس زمانے میں گوشت کی قیمت ہی معلوم ہوسکی۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب یہ خیال فرمائیں کہ میں نے اس دور کے روپے کی قدر (**Value**) کو اونچی طرف (**Higher Side**) رکھا ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ یہ خیال درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ کم (**Lower Side**) تو ہوسکتا ہے، زیادہ نہیں۔ میں اس کی تائید میں سیرت المہدی سے ہی ایک واقعہ پیش کرتا ہوں وہ واقعہ تو کتاب کے تقریباً چار صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اس لئے میں اس کا خلاصہ بیان کرتا ہوں، جو صاحب تصدیق کرنا چاہیں، وہ کتاب دیکھ لیں۔

ہوا اس طرح کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک مرید دوسری شادی کرنا چاہتے تھے۔

پہلی بیوی اور بچے بھی موجود تھے۔ جس جگہ وہ دوسری شادی کرنا چاہتے تھے، وہ لوگ عذر کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک دوست کے ذریعہ مرزا قادیانی کی سفارش چاہی۔ اس دوست نے کہا کہ تمہیں دوسری شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے، تمہاری بیوی بھی ہے اور بچے بھی ہیں تو انہوں نے جواب دیا: ''میری تنخواہ ساڑھے چار روپے ماہوار ہے۔'' (سیرت المہدی حصہ اوّل ص۸۷)

روپے کی قدر (Value) اتنی زیادہ تھی کہ ساڑھے چار روپے تنخواہ وصول کرنے والا شخص دوسری شادی کا ارادہ کر لیتا ہے گویا اس زمانہ میں اس رقم سے دو گھروں کا خرچ چلایا جا سکتا تھا۔ کیا آج بیس ہزار روپیہ تنخواہ لینے والا دوسری شادی کا سوچ بھی سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! اس لئے میں نے اس دور کے روپے کی جو قدر (Value) رکھی ہے وہ کم تو ہو سکتی ہے، زیادہ ہرگز نہیں۔

روپے کی اس دور میں کیا قدر (Value) تھی۔ اس کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ بقول والد صاحب مرحوم میرے دادا نے اس صدی کے پہلے عشرے میں (۱۹۱۰ء کے لگ بھگ) گھر کے کاموں کے لئے جو ملازم رکھا ہوا تھا، اس کی تنخواہ ایک آنہ (روپے کے موجودہ چھ پیسے) ماہوار تھی۔ وہ چوبیس گھنٹوں کا ملازم تھا اور اس کے فرائض میں ڈنگروں کو سنبھالنا بھی شامل تھا۔ آج ہمارے گھر میں جو خاتون دو گھنٹے کے لئے آتی ہے، اسے ہم پندرہ صد روپیہ ماہوار ادا کرتے ہیں۔ مرزا قادیانی نے اس سے بھی تیس سال قبل لوگوں سے دس روپیہ فی کتاب بٹور لئے تھے۔ قارئین کرام اور قادیانی دوست اگر یہ خیال فرمائیں گے کہ میں نے ۱۸۸۰ء میں روپے کی جو قدر (Value) لکھی ہے وہ زیادہ ہے تو ان کا یہ خیال درست نہیں ہوگا۔ قادیانی احباب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ثابت کر دیں کہ میں نے روپے کی جو قدر (Value) اس مضمون میں لکھی ہے وہ زیادہ ہے ؎

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

مرزا قادیانی نے کتاب کا حصہ سوم (تیسری جلد) ۱۸۸۲ء میں شائع کیا اور حصہ چہارم (چوتھی جلد) ۱۸۸۴ء میں شائع کیا۔ یہی دو حصص ہیں جن میں حقیت اسلام کے تین صد دلائل شائع ہونا تھے۔ کیونکہ کتاب کا پانچواں حصہ ۲۳ سال بعد (مرزا قادیانی کے انتقال کے بعد) شائع ہوا اور اس وقت تک احمقوں کی ایک معقول تعداد سے مرزا قادیانی خود کو مسیح موعود تسلیم کروا چکے تھے۔ کتاب کی جلد سوم اور جلد چہارم میں حقیت اسلام کو ثابت کرنے کے لئے جو دلائل دیئے گئے ہیں ان کی تعداد کیا ہے؟ اس کے بارے میں تو بعد میں عرض کروں گا لیکن ایک کتاب کی دو جلدیں بنانے کا جو فارمولا مرزا قادیانی نے اختیار کیا وہ کمال کی چیز ہے۔ کیونکہ ایسا فارمولانہ

اس سے قبل کسی نے استعمال کیا اور نہ آئندہ کوئی کرے گا۔ میں عرض کرتا ہوں امید ہے آپ لطف اندوز ہوں گے۔

کتاب کے حصہ سوم کے آخری ص ۳۱۰ ہے۔ اس کے تین حصے ہیں: پہلا حصہ کتاب کا متن ہے، دوسرا حصہ حاشیہ ہے اور تیسرا حصہ حاشیہ درحاشیہ ہے۔ آپ مطالعہ کرتے ہوئے کتاب کے آخری صفحہ تک پہنچیں تو ہر حصے میں اس کا آخری فقرہ ادھورارہ جاتا ہے جو میں نقل کر رہا ہوں:

''اور سب سے زیادہ حمق یہ ہے کہ حضرت باری کے خواص، صفات اور افعال سے انکار کیا جائے۔ کیونکہ دوسری چیزوں کا خاصہ کہ جوان کے غیر میں نہیں پایا جاتا، محض تجربہ سے ثابت ہوتا ہے اور کوئی عقلی دلیل اس کی ضرورت پر قائم نہیں ہوتی۔ مگر جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں، خدا کے خواص کا ضروری ہونا۔'' (کتاب کی تیسری جلد ختم ہوگئی)

حاشیہ پر آخری فقرہ اس طرح ہے: ''لیکن جب راہ مقصود کا رفیق میسر آجائے تو بلاریب وہ اس کو مرتبہ کامل یقین تک پہنچادیتا ہے۔ ایسا کہ پھر۔'' (کتاب ختم)

حاشیہ درحاشیہ کا آخری فقرہ اس طرح ہے: ''اتنا بڑا جھوٹ آپ نے مدت العمر بولا نہیں ہوگا کہ جواب عیسائیوں کے خوش کرنے کے لئے بول اٹھے۔ بہرحال یہ مقولہ۔''

(کتاب کی تیسری جلد ختم)

آپ نے کتاب کے آخری صفحہ کے تینوں حصص دیکھ لئے کہ کسی جگہ بھی فقرہ مکمل نہیں۔ آپ گمان کریں گے کہ کتاب کے آخری صفحات پھٹ گئے ہوں گے اور کتاب نامکمل ہے۔ میں نے ایسا ہی سمجھا تھا، نہیں جناب! ایسا نہیں ہے۔ کتاب کے یہ تینوں فقرات جلد چہارم کے پہلے صفحہ پر ختم ہوتے ہیں۔ کتاب کی جلد سوم اور جلد چہارم اس طرح بنائی گئی ہے کہ جس طرح آپ کسی کتاب کو میز سے اٹھائیں اور درمیان سے پھاڑ کر دو الگ حصص کر دیں۔ اس طرح تو کتاب کے دس حصص بھی بنائے جاسکتے ہیں۔ لیکن کیا واقعی وہ دو حصص یا دس حصص بن جائیں گے۔ نہیں جناب! ایسا نہیں ہوگا۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو لوگ آپ کو دھوکہ باز ہی سمجھیں گے۔ ایسا ہی مرزا قادیانی کو بھی خیال کیا گیا۔ اگرچہ مرزا قادیانی کے عقیدت مندوں میں زیادہ تعداد عقل کے اندھوں کی تھی (میں نے عقل کے اندھے ان کو اس لئے کہا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے شخص سے علمی کام کی توقع وابستہ کی جس کا کوئی علمی پس منظر نہیں تھا۔ جو کسی درسگاہ سے ایک دن کے لئے بھی وابستہ نہ ہوا۔ نہ بحیثیت طالب علم کے نہ بحیثیت استاد کے۔ اس کا کسی علمی خاندان سے بھی تعلق نہ تھا۔ وہ تو ایک جاگیردار خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ جس کا دین ومذہب، طاقت کو سلام تھا۔ مغلوں کا عہد تھا تو ان

کے ساتھ تھے، سکھ آگئے تو ان کے ساتھ ہوگئے۔ صلیب پرست انگریزوں کا عروج دیکھا تو ان کی چاپلوسی شروع کردی) لیکن ان میں کچھ گانٹھ کے پورے بھی تھے جو اس واردات پر خاموش نہ رہ سکے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کو اعتراف کرنا پڑا کہ لوگوں نے انہیں دھوکے باز سمجھا۔ مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ''جیسا کہ براہین احمدیہ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ اس میں تین سونشان لکھے جائیں گے سو خدا نے چاہا کہ وہ باتیں پوری ہوں، اگرچہ مخالف لوگ اپنی جہالت سے شور ڈالتے رہے اور میرے پر یہ افتراء کیا کہ گویا میں نے بدنیتی سے لوگوں کا روپیہ ہضم کرنے کے لئے براہین احمدیہ کا چھپنا آئندہ ہمیشہ کے لئے بند کردیا۔'' (حقیقت الوحی ص۳۴۴، خزائن ج۲۲ ص۳۵۷)

مرزا قادیانی کی ہنرمندی کی داد دیجئے کہ حقیت اسلام کو ثابت کرنے والے تین صد دلائل اب تین صد نشان بن گئے اور نشان اس طرح کے ہوتے تھے کہ مرزا قادیانی کے کسی مخالف کو چھینک بھی آگئی تو وہ مرزا قادیانی کی صداقت کا نشان بن گیا اور مرزا قادیانی کی صداقت اسلام کی صداقت چہ خوب!

یہ تو درمیان میں بات آگئی، میں ذکر کررہا تھا کہ مرزا قادیانی کے تمام عقیدت مند اندھے تو تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو گانٹھ کے پورے تھے، وہ خاموش نہ رہ سکے اور انہوں نے برملا مرزا قادیانی کی اس دھوکہ بازی پر گرفت کی تو مرزا قادیانی جس طرح تلملائے ہیں وہ بھی ملاحظہ کیجئے: ''لیکن مجھے ان مسلمانوں کی حالت پر نہایت افسوس ہے جو اپنے پانچ یا دس روپیہ (آج کے تقریباً اٹھارہ ہزار روپے...... راقم) کے مقابل پر ۳۶ جزو کی ایسی کتاب پاکر جو معارف اسلام سے بھری ہوئی ہے، ایسے شرمناک طور پر بدگوئی اور بدزبانی پر مستعد ہوگئے ہیں کہ گویا ان کا روپیہ کسی چور نے چھین لیا (واقعی چور نے چھین لیا...... راقم) یا ان پر کوئی قزاق پڑا اور گویا وہ ایسی بے رحمی سے لوٹے گئے کہ اس کے عوض کچھ بھی ان کو نہیں دیا گیا اور ان لوگوں نے زبان درازی اور بدظنی سے اس قدر اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کیا کہ کوئی دقیقہ، سخت گوئی کا باقی نہ رکھا۔ اس عاجز کو چور قرار دیا، مکار ٹھہرایا، مال مردم خور کر کے مشہور کیا، حرام خور نام لیا، دغاباز نام رکھا۔'' (کوئی غلط بھی نہیں کیا تھا...... راقم) (مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل ص۴۰۵)

آج کے اٹھارہ ہزار روپے لے کر مرزا قادیانی نے معارف اسلام سے بھری ہوئی جو کتاب دی وہ ایسی ہے کہ آج اس کو قادیانی بھی نہیں پڑھتے۔ قارئین کرام! آپ نے کتاب کے چار حصص کا حال ملاحظہ کرلیا ہے، اس میں حقیت اسلام کو ثابت کرنے والے تین صد دلائل کا ذکر میں کچھ دیر بعد کروں گا، اب ہم کتاب کے پانچویں حصہ کو دیکھ لیتے ہیں۔ پانچویں حصہ میں حقیت

اسلام کے دلائل کا ذکر نہیں، پانچوں حصہ کے مقصد تالیف کو مرزا قادیانی اس طرح بیان کرتے ہیں: ’’بالآخر یہ بھی یاد رہے کہ جو براہین احمدیہ کے بقیہ حصہ کے چھاپنے میں ۲۳ برس تک التوا رہا، وہ التوا بے معنی اور فضول نہ تھا بلکہ اس میں حکمت یہ تھی کہ تا اس وقت تک پنجم حصہ دنیا میں شائع نہ ہو جب تک وہ تمام امور ظاہر ہو جائیں جن کی نسبت براہین احمدیہ کے پہلے حصوں میں پیش گوئیاں ہیں کیونکہ براہین احمدیہ کے وہ حصے عظیم الشان پیش گوئیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۷، خزائن ج۲۱ ص۸)

جس کتاب میں حقیت اسلام ثابت کرنے کے لئے تین صد دلائل ہونا تھے، اس میں صرف پیش گوئیاں رہ گئیں اور حصہ پنجم کی تالیف کا مقصد ان پیش گوئیوں کا پورا ہونا ثابت کرنا تھا اور جس کتاب کے پچاس حصہ لکھنے کا وعدہ کیا گیا تھا، اس وعدہ کو کس طرح پورا کیا گیا، وہ بھی سن لیجئے: ’’پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا، مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے، اس لئے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہوگیا۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۷، خزائن ج۲۱ ص۸)

بعض قادیانی دوست اس کی توجیہہ اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بھی تو نبی اکرم ﷺ کو کہہ دیا تھا کہ میں پانچ نمازوں کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر دوں گا۔ لیکن قادیانی دوست بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ کے بدلے پچاس کا ثواب دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن مرزا قادیانی نے پچاس جلدوں کی جگہ پانچ دیں۔ اگر پانچ جلدوں کی قیمت لے کر پچاس جلدیں دی ہوتیں تو بات بھی تھی۔ یہاں تو ’’رام رام جپنا، پرایا مال اپنا‘‘ والی بات ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ جس کتاب میں حقیت اسلام ثابت کرنے کے لئے تین صد دلائل ہونا تھے، اس میں درحقیقت ہے کیا؟ اس کے بارے میں مرزا قادیانی کے صاحبزادے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد کی شہادت درج ذیل ہے: ’’اس میں آپ نے اسلام کی صداقت میں تین سو ایسے زبردست دلائل تحریر کئے تھے کہ جن کے متعلق آپ کا دعویٰ تھا کہ ان سے صداقت اسلام آفتاب کی طرح ظاہر ہو جائے گی اور آپ کا ارادہ تھا کہ جب اس کے شائع ہونے کا انتظام ہو تو کتاب کو ساتھ ساتھ اور زیادہ مکمل فرماتے جائیں اور اس کے شروع میں ایک مقدمہ لگائیں اور بعض اور تمہیدی باتیں لکھیں اور ساتھ ساتھ ضروری حواشی بھی زائد کرتے جاویں۔ چنانچہ اب جو براہین احمدیہ کی چار جلدیں شائع شدہ موجود ہیں ان کا مقدمہ اور حواشی وغیرہ سب دوران اشاعت کے زمانہ کے ہیں اور اس میں اصل ابتدائی تصنیف کا حصہ بہت ہی تھوڑا آیا ہے، یعنی صرف چند صفحات

سے زیادہ نہیں اور اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تین سو دلائل جو آپ نے لکھے تھے، ان میں سے مطبوعہ براہین احمدیہ میں صرف ایک ہی دلیل بیان ہوئی ہے، اور وہ بھی نامکمل طور پر۔ ان چار حصوں کے طبع ہونے کے بعد اگلے حصص کی اشاعت خدائی تصرف کے ماتحت رک گئی۔''

(سیرت المہدی حصہ اوّل ص ۱۱۱،۱۱۲)

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ جس کتاب میں حقیت اسلام کو ثابت کرنے کے لئے تین صد دلائل ہونا تھے اس میں صرف ایک ہی دلیل بیان ہوئی اور وہ بھی ادھوری۔ باقی دلائل کی اشاعت کو اللہ تعالیٰ نے روک دیا تو مرزا قادیانی کیا کریں، لہٰذا جن حضرات نے تین صد دلائل کے مطالعہ کے لئے آج کے تقریباً اٹھارہ ہزار روپے دیئے تھے، وہ مرزا قادیانی کو دھوکہ باز اور قزاق سمجھنے کی بجائے صبر کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر نہ تو مرزا قادیانی کا زور تھا اور نہ خریداروں کا۔ باقی رہا مال تو ہر زمانے میں احمق لٹتے رہے ہیں اور ہند مند نوسر باز لوٹتے رہے ہیں۔ مرزا قادیانی نے بھی کچھ لوگوں کو لوٹ لیا تو کیا ہوا۔ بہر حال مرزا قادیانی نے مال بٹورنا تھا سو بٹور لیا۔ قارئین کرام! یہ بات ذہن میں رکھیں کہ کتاب کا ایک لفظ شائع کئے بغیر مرزا قادیانی نے کس طرح لوگوں سے کتاب کی قیمت پیشگی وصول کر لی۔ کیونکہ میں اس کا حوالہ کسی اور جگہ ایک دوسرے مضمون میں دوں گا۔

اس جگہ قاری کے ذہن میں بجاطور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مرزا قادیانی کے پاس اسلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے تین صد دلائل تھے تو وہ شائع کیوں نہ کئے گئے یا ان کے پاس اتنی تعداد میں دلائل موجود نہیں تھے۔ اس سوال کا جواب واضح ہے۔ مرزا قادیانی جب یہ اشتہار دے رہے تھے کہ: ''ہم نے صدہا طرح کا فتور اور فساد دیکھ کر کتاب براہین احمدیہ کو تالیف کیا تھا اور کتاب موصوف میں تین سو مضبوط اور محکم عقلی دلیل سے صداقت اسلام کو فی الحقیقت آفتاب سے بھی زیادہ روشن تر دکھلایا گیا۔'' (براہین احمدیہ حصہ دوم دیباچہ ص ب، خزائن ج۱ ص۶۲)

تو وہ جھوٹ بول رہے تھے۔ مرزا قادیانی کے پاس، اسلام کی صداقت ثابت کرنے والے تین صد دلائل کبھی تھے ہی نہیں۔ جب وہ تین صد دلائل لکھے جانے کی تشہیر کر رہے تھے تو وہ مولا جٹ کی طرح بڑھکیں لگا رہے تھے۔ اسلام کی صداقت ثابت کرنا ان کا مقصد تھا ہی نہیں۔ انہوں نے ایک موقع شناس شخص کی طرح اس دور کے مسلمانوں کی نفسیاتی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر مال اکٹھا کرنا تھا، وہ کر لیا اور شہرت بھی حاصل کر لی۔ شہرت سے انہوں نے احمقوں کی ایک تعداد کو اپنا مرید بنالیا اور اس طرح خوب مال اکٹھا کر کے ایک دنیادار شخص کی طرح ہوس زر کو پورا کیا۔

مرزا قادیانی میرا احباب سے سوال ہے کہ:

۱...... کیا یہ ممکن ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے تین صد دلائل تالیف کر لئے ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو صرف ایک ہی دلیل (وہ بھی نامکمل) شائع کرنے کی اجازت دی ہو اور بقیہ ایک کم تین صد دلائل کی اشاعت سے روک دیا ہو۔

۲...... اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کو تو ایک طرف رکھئے، کیا مرزا غلام احمد قادیانی کے اس طرز عمل کو کاروباری اخلاقیات کے معیار پر بھی جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہی کام کوئی دوسرا کرے تو وہ بنارسی ٹھگ اور مرزا غلام احمد قادیانی کرے تو وہ تمام انبیاء علیہم السلام سے آگے اور نبی اکرم ﷺ کے مظہر اتم، کس قدر عجیب بات ہے۔

۳...... تین صد دلائل شائع نہ کرنے کا مرزا قادیانی کی طرف سے جو عذر پیش کیا گیا ہے۔ یہ تو وہی عذر ہے جو تخلیق آدم کے وقت ابلیس نے پیش کیا تھا جسے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا ہے۔ ابلیس نے کہا ؎

حرف استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا ہاں! مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود

اللہ تعالیٰ جواباً سوال کرتے ہیں کہ:

کب کھلا تجھ پہ یہ راز انکار سے پہلے کہ بعد

میرا بھی قادیانی امت سے یہ سوال ہے کہ مرزا قادیانی پر کب آشکارا ہوا کہ اسلام کی حقانیت ثابت کرنے والے تین صد دلائل لکھنا اور شائع کرنا ان کی قسمت میں ہی نہیں۔

مال بٹورنے سے پہلے کہ بعد؟ کیا قادیانی امت میں سے کسی کو توفیق ہوگی کہ ان تین سوالات میں سے کسی کا جواب دے؟

ضمیمہ

(اشتہار مرزا غلام احمد قادیانی)

''اشتہار انعامی دس ہزار روپیہ ان سب لوگوں کے لئے جو مشارکت اپنی کتاب کی فرقان مجید سے ان دلائل اور براہین حقانیہ میں جو فرقان مجید سے ہم نے لکھیں ہیں، ثابت کر دکھائیں یا اگر کتاب الہامی ان کی ان دلائل کے پیش کرنے سے قطعاً عاجز ہو تو اس کے عاجز ہونے کا اپنی کتاب میں اقرار کر کے ہماری ہی دلائل کو نمبروار توڑ دیں۔ میں جو مصنف اس کتاب براہین احمدیہ کا ہوں، یہ اشتہار اپنی طرف سے بوعدہ انعام دس ہزار روپیہ بمقابلہ جمیع

ارباب مذہب اور ملت کے جو حقانیت فرقان مجید اور نبوت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے منکر ہیں، اتماماً للحجہ ذائع کر کے اقرار صحیح قانونی اور عہد جائز شرعی کرتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب منکرین میں سے مشارکت اپنی کتاب کی فرقان مجید سے ان سب براہین اور دلائل میں جو ہم نے دربار حقیت فرقان مجید اور صدق رسالت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ اسی کتاب مقدس سے اخذ کر کے تحریر کیں، اپنی الہامی کتاب میں سے ثابت کر کے دکھلا دے یا اگر تعداد میں ان کے برابر پیش نہ کر سکے تو نصف ان سے یا ثلث ان سے یا ربع ان سے یا خمس ان سے نکال کر پیش کرے یا اگر بکلی پیش کرنے سے عاجز ہو تو ہمارے ہی دلائل کو نمبروار توڑ دے تو ان سب صورتوں میں بشرطیکہ تین منصف مقبولہ فریقین بالاتفاق یہ رائے ظاہر کر دیں کہ ایفاء شرط جیسا کہ چاہئے تھا ظہور میں آ گیا۔ میں مشتہر ایسے مجیب کو بلا عذرے وحیلتے اپنی جائیداد قیمتی دس ہزار روپیہ پر قبض ودخل دے دوں گا۔ مگر واضح رہے کہ اگر اپنی کتاب کے دلائل معقولہ پیش کرنے سے عاجز اور قاصر رہیں یا برطبق شرط اشتہار یک خمس تک پیش کریں تو اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ جو ہم نے خمس دلائل تک پیش کرنے کی اجازت اور رخصت دی ہے، اس سے ہماری یہ مراد ہیں ہے جو اس تمام مجموعہ دلائل کا بغیر کسی تفریق اور امتیاز کے نصف یا ثلث یا ربع یا خمس پیش کر دیا جائے۔ بلکہ یہ شرط ہر ایک صنف کی دلائل سے متعلق ہے اور ہر صنف کے براہین میں سے نصف یا ثلث یا ربع یا خمس پیش کرنا ہوگا۔ شاید کسی صاحب کا فہم اس بات کے سمجھنے سے قاصر رہے جو عبارت مذکورہ میں صنف دلائل سے کیا مراد ہے۔ پس بغرض تشریح اس فقرہ کے لکھا جاتا ہے جو دلائل اور براہین فرقان مجید کی کہ جن سے حقیت اس کلام پاک کی اور صدق رسالت آنحضرت ﷺ کا ثابت ہوتا ہے، دو قسم پر ہیں: اوّل وہ دلائل جو اس پاک کتاب اور آنحضرت ﷺ کی صداقت پر اندرونی اور ذاتی شہادتیں ہیں یعنی ایسے دلائل جو اسی مقدس کتاب کے کمالات ذاتیہ اور خود آنحضرت ﷺ کی ہی خصائص قدسیہ اور اخلاق مرضیہ اور صفات کاملہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ دوسری وہ دلائل جو بیرونی طور پر قرآن شریف اور آنحضرت ﷺ کی سچائی پر شواہد قاطعہ ہیں، یعنی ایسے دلائل جو خارجی واقعات اور حادثات متواترہ مثبتہ سے لی گئی ہیں اور پھر ہر یک ان دونوں قسموں کے دلائل سے دو قسم پر ہے: دلیل بسیط اور دلیل مرکب۔ دلیل بسیط وہ دلیل ہے جو اثبات حقیت قرآن شریف اور صدق رسالت آنحضرت ﷺ کے لئے کسی اور امر کے الحاق اور انضمام کی محتاج نہیں اور دلیل مرکب وہ دلیل ہے جو اس کے تحقق دلالت کے لئے ایک ایسے کل مجموعے کی ضرورت ہے کہ اگر من حیث الاجتماع اس پر نظر ڈالی جائے یعنی نظر یکجائی سے اس کے

تمام افراد کو دیکھا جائے تو وہ کل مجموعی ایک ایسی عالی حالت میں ہو جو تحقیق اس حالت تحقق حقیت فرقان مجید اور صدق رسالت آنحضرت ﷺ کو مستلزم ہو اور جب اجزاء اس کی الگ الگ دیکھی جائیں تو یہ مرتبہ برہانیت کا جیسا کہ ان کو چاہئے، حاصل نہ ہو اور وجہ اس تفاوت کی یہ ہے جو کل مجموعی اور کل واحد ہمیشہ متخالف فی الحاکم ہوتے ہیں۔ جیسے ایک بوجھ کو دس آدمی اکٹھے ہو کر اٹھا سکتے ہیں اور اگر وہی دس آدمی ایک ایک ہو کر اٹھانا چاہیں تو یہ امر محال ہو جاتا ہے اور ہر واحد ان دونوں قسم کی دلائل بسیط اور مرکب سے جب اپنے خاص خاص صورتوں اور ہیئتوں اور وضعوں کے لحاظ سے تصور کئے جائیں تو ان کا نام اس کتاب میں اصناف دلائل ہے اور یہ وہی اصناف ہیں کہ جن کے التزام کے لئے ہم نے صدر اشتہار ہذا میں یہ قید لگادی ہے جو ہر صنف کے براہین میں سے شخص متعدی مقابلہ فرقان مجید کا نصف یا ثلث یا ربع یا خمس پیش کرے۔ یعنی اس صورت میں کہ جب ان کل دلائل کے پیش کرنے سے عاجز ہو جو ایک صنف کے تحت میں داخل ہیں اور نیز اس جگہ یہ امر زیادہ قابل انکشاف ہے کہ جو صاحب کسی دلیل مرکب کا کہ جس کی تعریف ابھی ہم بیان کر چکے ہیں، اپنی کتاب میں سے نمونہ دکھلانا چاہیں تو ان پر واجب ہوگا کہ اگر وہ دلیل مرکب ایسی مجموعہ اجزاء سے مرکب ہو جو ہر ایک جز اس کا بجائے خود کسی امر پر دلیل ہو تو ان سب جزوی دلائل کا بھی کم سے کم ایک ایک نمونہ پیش کرنا ہوگا۔

چونکہ سمجھنا اس شرط کا محتاج تمثیل ہے۔ اس لئے ہم بطور تمثیل کے اس جگہ اسی قسم کی ایک دلیل دلائل مرکبہ مثبتہ حقیت فرقان مجید سے تحریر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جو تعلیم اصولی فرقان مجید کی دلائل حکمیہ پر مبنی اور مشتمل ہے یعنی فرقان مجید ہر یک اصول اعتقادی کو جو مدار نجات کا ہے، محققانہ طور سے ثابت کرتا ہے اور قوی اور مضبوط فلسفی دلیلوں سے بپایہ صداقت پہنچاتا ہے جیسے وجود صانع عالم کا ثابت کرنا توحید کو بپایہ ثبوت پہنچانا ضرورت الہام پر دلائل قاطعہ کا لکھنا اور کسی احقاق حق اور ابطال باطل سے قاصر نہ رہنا۔ پس یہ امر فرقان مجید کے منجانب اللہ ہونے پر بڑی بزرگ دلیل ہے۔ جس سے حقیقت اور افضلیت اس کی بوجہ کمال ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ دنیا کے تمام عقائد فاسدہ کو ہر یک نوع اور ہر صنف کی غلطیوں سے بدلائل واضحہ پاک کرنا اور ہر قسم کے شکوک اور شبہات کو جو لوگوں کے دلوں میں دخل کر گئے ہوں، براہین قاطعہ سے مٹا دینا اور ایسا مجموعہ اصول مدلل محقق مثبتہ کا اپنی کتاب میں درج کرنا کہ نہ پہلے اس سے وہ مجموعہ کسی الہامی کتاب میں درج ہو اور نہ کسی ایسے حکیم اور فیلسوف کا پتہ مل سکتا ہو کہ جو کبھی کسی زمانہ میں اپنی نظر اور فکر اور عقل اور قیاس اور فہم اور ادراک کے زور سے اس مجموعہ کی حقیقی سچائی کا دریافت کرنے والا

ہو چکا ہو اور نہ کبھی کسی بھلے مانس نے ایک ذرہ اس بات کا ثبوت دیا ہو جو آنحضرت ﷺ کبھی کوئی ایک آدھ دن کسی مدرسہ یا مکتب میں پڑھنے بیٹھے تھے یا کسی سے کچھ علم معقول یا منقول سیکھا تھا یا کبھی کسی فلسفی اور منطقی اس کی صحبت اور مخالطت رہی تھی کہ جس کے اثر سے انہوں نے ہر یک اصول حقہ پر دلائل فلسفہ قائم کر کے تمام عقائد مدار نجات کی حقیقی سچائی کو ایسا کھول دیا کہ جس کی نظیر صفحہ روزگار میں کہیں نہیں پائی جاتی۔ یہ ایسا کام ہے کہ بجز تائید الٰہی اور الہام ربانی کے ہرگز کسی سے انجام پذیر نہیں ہوسکتا۔ پس ناچار عقل اس بات پر قطع واجب کرتی ہے جو قرآن شریف اس خدائے واحدہ لاشریک کی کلام ہے کہ جس کے علم کے ساتھ کسی انسان کا علم برابر نہیں۔ یہ دلیل ہے جو ہم نے بطور نمونہ کے ان دلائل مرکبہ میں سے لکھی ہے کہ جن کا مجموعہ اجزاء تمام ایسی جزؤں سے مرکب ہے کہ وہ سب جزیں دلائل ہی ہیں، چنانچہ اس دلیل کے اجزاء سب کے سب وہ دلائل میں جو عقائد حقہ پر قائم کی گئی ہیں اور چونکہ یہ دلیل بھی اصناف دلائل میں سے ایک صنف ہے اس لئے جیسا کہ مخاصم پر تمام اصناف دلائل کا پیش کرنا فرض ہے اس لئے اس دلیل کا بھی پیش کرنا فرض ہے۔ مگر اس دلیل کو دکھلانے کے لئے ان تمام دلائل کا دکھلانا بھی ضروری ہے کہ جن سے اس دلیل کی تالیف اور ترکیب ہے اور جن کی ہیئت اجتماعی سے اس کا وجود تیار ہوتا ہے۔ جیسی دلیل اثبات وجود صانع دلیل اثبات توحید دلیل اثبات خالقیت باری تعالیٰ وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ یہی دلائل کی اجزاء ہیں اور وجود کل کا بغیر وجود اجزاء کے ممکن نہیں اور نہ تحصل کسی ماہیئت کا بدون اس کی جڑوں کے ہوسکتا ہے۔ پس مخاصم پر لازم ہے جو ان تمام جزوی دلائل کو بھی پیش کرے۔ ہاں! یہ اختیار ہے کہ جہاں ہم نے مثلاً کسی اصول کے اثبات پر پانچ دلیلیں لکھی ہوں۔ مخاصم صاحب اس کے اثبات پر یا اس کے ابطال پر یعنی جیسا کہ رائے اور اعتقاد ہو، صرف ایک ہی دلیل بپابندی انہیں شرائط اور انہیں حدود کے جو اشتہار ہذا میں ہم ذکر کر چکے ہیں، اپنی الہامی کتاب سے نکال کر دکھلاویں۔"

المشتہر: خاکسار، مرزا غلام احمد، مقام قادیان ضلع گورداسپور، پنجاب

(براہین احمدیہ حصہ اوّل ص۱۷تا۸۲، خزائن ج۱ ص۲۴تا۵۲)

طریق حصول نبوت کی دریافت

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے صرف حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ خلیفہ جانشین کو بھی کہتے ہیں اور نائب (**Deputy**) کو بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ انسان کن معانی میں اللہ تعالیٰ کا (**Deputy**) خلیفہ ہے۔

میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ جملہ صفات حسنہ کا مالک اللہ تعالیٰ بذات خود ہے۔ ان صفات میں ''علم'' اور ''اختیار'' بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دوصفات کا کچھ حصہ اور بہت ہی معمولی سا حصہ حضرت انسان کو بھی عنایت کردیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ صفت ''علم'' کا ہی نتیجہ ہے کہ انسان آج ہزاروں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوا میں اڑا پھرتا ہے، سمندر کی تہہ میں جھانک رہا ہے، اعضاء کی پیوندکاری کر رہا ہے۔ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے کرہ ارض کے دوسری طرف دیکھ رہا ہے اور وہاں کے لوگوں سے باتیں کررہا ہے۔

دوسری صفت اختیار ہی کی بدولت انسان اپنی جبلت کا پابند نہیں ہے۔ اس کے لئے بالکل ممکن ہے کہ اسے سخت بھوک لگی ہو۔ اس کے سامنے اشتہا انگیز کھانا بھی رکھا ہو اور وہ اسے کھانے سے انکار کردے اور چاہے تو ''زہر'' بھی کھالے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسے کھاتے ہی وہ موت سے ہم کنار ہوجائے گا۔

یہ دوصفات ''علم اور اختیار'' عطاء کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو شتر بے مہار نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس بات کا پورا پورا بندوبست کیا کہ ''علم'' کے ذریعہ انسان یہ معلوم کر سکے کہ اس کے خالق کی رضا کیا ہے اور اس کے بعد اپنی آزاد مرضی سے اس کی رضا کے مطابق زندگی بسر کرے اور یہی اس کی کامیابی ہے۔

انسان سے اس کے خالق کا مطالبہ کیا ہے اور اس کی رضا کس طرز عمل کو اختیار کرنے میں ہے؟ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ انسانوں کی طرف انبیاء کرام علیہم السلام کو جو اس کے نمائندے ہوتے تھے۔ وقتاً فوقتاً بھیجتا رہا ہے۔ چنانچہ پہلا انسان سب سے پہلا نبی بھی تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے یہ بتا کر زمین پر اتارا تھا کہ اس کی رضا کیا ہے۔ لیکن انبیاء کی بعثت اللہ تعالیٰ کا خالص اپنا استحقاق (***Prerogative***) تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ہی انتخاب ہوتا تھا۔ کسی کے طلب کرنے سے یہ منصب نہیں مل سکتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آخری رسول ﷺ کو مبعوث کر کے اس کے ذریعہ اپنے دین کو مکمل کر کے اپنی آخری کتاب کو اپنے رسول ﷺ کی امت کے ذریعہ محفوظ کر کے اور نسل انسانی اور اپنی حجت پوری کر کے سلسلہ نبوت کو محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم کردیا۔ نبوت کبھی بھی کوشش اور جدوجہد سے کسی کو نہیں ملی تھی اور نہ مل سکتی تھی۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عطاء تھی اور اس کا احسان ہی ہوتا تھا۔

''ان کے رسولوں نے کہا کہ ہم بھی تمہارے جیسے انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرما دے۔ (یعنی اسے رسول مقرر کردے)‘‘

(سورۂ ابراہیم:۱۱، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

’’پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا سوان لوگوں نے بالکل حق ادا نہ کیا۔ سو دیکھئے ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔‘‘

(سورۂ الاعراف:۱۰۳، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

’’اور ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول مبعوث کرتے رہے ہیں کہ تم (خاص) اللہ کی عبادت کرو اور شیطان کے راستہ سے بچتے رہو۔‘‘ (سورۂ نحل:۳۶، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

’’اور اگر چاہتے ہم البتہ بھیجتے ہم بیچ ہر ایک بستی کے ڈرانے والا (نبی)‘‘

(سورۂ فرقان، ترجمہ: شاہ رفیع الدین)

اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کہ نبوت صرف اور صرف موہبت الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا تھا، نبوت عطاء کر دیتا تھا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نمائندہ بن کر اس کے بندوں کو بتاسکیں کہ ان کے خالق کی رضا کیا ہے اور کن امور میں ان کے لئے خسران اور بربادی ہے۔ یہ اس لئے ضروری تھا اور ضروری ہے کہ حشر کے روز کوئی شخص یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ اسے کسی نے بتایا ہی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کن امور کو اختیار کرنے اور کن امور کو ترک کرنے میں تھی۔

اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی قوم یا بستی کی طرف اپنے بندوں میں سے کسی کو منصب نبوت پر فائز کیا تو پروانہ تقرری (**Appointment Letter**) کے طور پر اسے کوئی نہ کوئی معجزہ عطاء کیا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن کی صورت میں معنوی معجزہ عطاء کیا چونکہ آپ ﷺ پر نبوت کو ختم کرنا تھا لیکن کار نبوت کو امت مسلمہ کے ذریعہ جاری رہنا تھا اس لئے یہ معنوی معجزہ بھی امت مسلمہ کے سپرد کر دیا گیا تاکہ جس طرح قرآن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے امت مسلمہ پر حجت پوری کی ہے اسی طرح اس معنوی معجزہ کے ذریعہ امت مسلمہ بھی نسل انسانی پر حجت پوری کرتی رہے۔

مرزاغلام احمد قادیانی نے حصول نبوت کے لئے ایک نیا طریقہ دریافت کر لیا۔ اس طریقہ کے مطابق نبوت اب موہبت الٰہی نہ رہی بلکہ اس کا حاصل کرنا انسان کی اپنی کوشش اور جدوجہد پر منحصر ہوگیا بلکہ ایک طرح سے یہ کوشش اور جدوجہد کرنے والے کا استحقاق بن گیا۔ مرزاقادیانی نے یہ فلسفہ پیش کیا کہ پہلے نبوت بلاواسطہ (**Directly**) ملا کرتی تھی۔ اب بالواسطہ (**Indirectly**) نبوت مل جاتی ہے۔ پہلے نبوت عطاء کرنے کا کام اللہ تعالیٰ نے

اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا تھا۔اب یہ کام اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے سپرد کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ خاتم النّبیین ہیں۔یعنی نبیوں کی مہر ہیں (خاتم بہ معنی آخری نہیں بلکہ بہ معنی مہر) اور جس پر وہ مہر لگا دیں گے وہ نبی بن جائے گا اور مہر کا مطلب بھی (Seal) نہیں بلکہ اطاعت ہے۔یعنی جو شخص بھی نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ نبوت حاصل کر لے گا۔مرزا قادیانی نے یہ فلسفہ پیش کیا کہ نبوت اب انعام نہیں ہے بلکہ استحقاق ہے۔مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی اتنی (لفظ ''اتنی'' کی ''ی'' کو اتنا لمبا کھینچ کر پڑھئے جس قدر آپ کی سانس اجازت دے) اطاعت کی، اتنی اطاعت کی کہ اس کے نتیجہ میں اسے نبوت مل گئی۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں: ''سو میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی اور میرے لئے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد ﷺ کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔سو میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا اور میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی ﷺ کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے۔'' (حقیقت الوحی ص۶۲، خزائن ج۲۲ ص۶۴،۶۵)

''غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔''

(حقیقت الوحی ص۳۹۱، خزائن ج۲۲ ص۴۰۶)

مرزا غلام احمد قادیانی نے دونوں ہی باتیں کہہ دی ہیں۔ان کو نہ ہی ان کی امت کو اس میں جو تضاد ہے وہ نظر آتا ہے۔مرزا قادیانی نے پہلے کہہ دیا کہ: ''میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی نبوت اسی طرح ملی جس طرح اس سے قبل انبیاء کو ملتی رہی۔یعنی نبوت صرف موہبت الٰہی ہے۔اس کے بعد لکھ دیا کہ: ''میرے لئے اس نعمت کو پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔''

اس طرح یہ مرزا غلام احمد قادیانی کا استحقاق بن گیا۔ چونکہ اس نے فخر الانبیاء ﷺ کی پیروی کی اس لئے اسے نبوت مل گئی۔اگر وہ پیروی نہ کرتے تو نبوت بھی حاصل نہ کر سکتے۔

غور کا مقام ہے کہ اگر نبوت کا حصول فخر الانبیاء ﷺ کی پیروی پر منحصر ہے تو پھر یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ پیروی کی وہ مقدار کیا ہے جس سے نبوت کا حصول ممکن ہو جاتا ہے اور اگر نبوت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے تو اس کا حصول پیروی فخر الانبیاء ﷺ سے مشروط نہیں ہوسکتا۔

ایک اور جگہ مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ''سو آخری وصیت یہی ہے کہ ہر ایک روشنی ہم نے رسول نبی امی کی پیروی سے پائی ہے اور جو شخص پیروی کرے گا وہ بھی پائے گا۔''

(سراج منیر ص۸۲، خزائن ج۱۲ ص۸۲)

مرزا غلام احمد قادیانی کے اس فلسفہ کے مطابق نبوت کا حصول ہر شخص کے لئے ممکن ہے۔ صرف کوشش شرط ہے۔ اسی فلسفہ کی تائید میں مرزا غلام احمد قادیانی کے صاحبزادے اور قادیانی امت کے دوسرے خلیفہ لکھتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ کے فیض سے نبوت کا مل جانا ہی تو ایک کمال ہے جو آپ کو دوسرے انبیاء سے افضل ثابت کرتا ہے۔ ورنہ محدث تو پہلے انبیاء کی امتوں میں بھی ہوتے تھے۔ پس اگر آنحضرت ﷺ کی امت میں بھی محدث ہی آسکتے ہیں تو آپ کو دوسرے انبیاء پر کیا فضیلت ہوئی؟ ہمارا نبی خاتم النّبیین ﷺ ہے وہ کل کمالات کا جمع کرنے والا ہے۔ کل خوبیاں اس پر ختم ہوگئیں۔ وہ خاتم النّبیین ہی نہیں وہ خاتم المؤمنین بھی ہے۔ دنیا کے پردہ پر کسی جگہ کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس سے فیض نہ پائے۔ لیکن اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ خاتم النّبیین ہے یعنی نہ صرف نبی ہے بلکہ نبی گر ہے۔''

(حقیقت النبوۃ ص۲۵۵)

صاحبزادہ محمود احمد خلیفہ ثانی امت قادیانی ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ کے بعد بعثت انبیاء کو بالکل مسدود قرار دینے کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دنیا کو فیض نبوت سے روک دیا اور آپ کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو بند کر دیا۔ اب بتاؤ اس عقیدہ سے آنحضرت ﷺ رحمت اللعالمین ثابت ہوئے یا اس کے خلاف۔''

(حقیقت نبوت ص۱۸۳)

اس فلسفہ کی رو سے نبی اکرم ﷺ اس وجہ سے امام الانبیاء نہیں ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کیا۔ اپنی آخری کتاب کو نازل کیا اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو تاقیام قیامت تمام انسانوں کے لئے واجب الاتباع قرار دے کر نسل انسانی پر اپنی حجت پوری کر دی۔ بلکہ آپ ﷺ کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ آپ ﷺ نے نبی بنانے کی مشین لگا رکھی ہے۔ جو بھی ان کو جا کر بتائے کہ میں نے آپ کی مکمل

اطاعت کر لی ہے وہ فوراً مہر نکالتے ہیں اور مدعی پر ٹھک سے لگا کر نبی بنا دیتے ہیں۔ اس سے ہرگز نہیں دریافت کرتے کہ میری مکمل اطاعت کرنے کا ثبوت کیا ہے۔ کیونکہ اس حد تک علم غیب انہیں حاصل ہے۔

صاحبزادہ محمود احمد ایک اور جگہ اپنے مذہب کی تشریح اس طرح کرتے ہیں: ’’ہمارا (مرزاغلام احمد کا......راقم) مذہب تو یہ ہے کہ جس دین میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو (نبوت جاری نہ ہو......راقم) وہ مردہ دین ہے۔‘‘

(بیان مرزاغلام احمد اخبار بدر قادیان، مورخہ ۵/مارچ ۱۹۰۸ء، منقول از حقیقت نبوت ص۲۷۲)

دوسرے لفظوں میں ہم مسلمان اس قدر احمق ہیں کہ جب بھی کسی شخص نے دعویٰ نبوت کر کے اسلام کو زندہ دین ثابت کرنے کی کوشش کی خواہ وہ مسیلمہ کذاب ہو، اسود عنسی ہو یا کوئی اور، ہم اس کے پیچھے پڑ گئے اور اس کی جان لے کر صبر کیا۔ خواہ اس مہم میں ہزاروں جانوں کا نذرانہ ہی پیش کرنا پڑا۔ ہمیں تو مرزاغلام احمد کا شکر گزار ہونا چاہئے تھا کہ اس نے صلیب پرست انگریز کی حکومت کے سایہ میں دعویٰ نبوت کر کے گزشتہ چودہ صدیوں میں پہلی دفعہ اسلام کو زندہ دین ثابت کر دیا اور امت مسلمہ کی زندگی میں پہلی دفعہ یہ طریقہ دریافت کیا کہ: ’’جو شخص بھی نبی اکرم ﷺ کی پیروی کرے گا وہ نبوت حاصل کر لے گا۔‘‘ (سراج منیر ص۸۳، خزائن ج۱۲ ص۸۲)

اگر مرزاغلام احمد قادیانی سے قبل کسی نے نبی اکرم ﷺ کی اس قدر پیروی کی ہوتی تو وہ بھی نبوت کا حقدار ہو جاتا۔ اس معاملہ میں تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین (جن سے اللہ راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) بھی پھسڈی رہ گئے۔ وہ بھی اس قدر نبی اکرم ﷺ کی اطاعت نہ کر سکے کہ نبوت حاصل کر سکتے۔ وہ بھی نبی اکرم ﷺ کی اس طرح شاگردی نہ کر سکے۔ جس طرح مرزاغلام احمد قادیانی نے کی۔ چنانچہ صاحبزادہ محمود احمد اپنے باپ کا ایک الہام نقل کر کے لکھتے ہیں: ’’سب کی سب برکات آنحضرت ﷺ سے ہیں۔ پس بابرکت ہے استاد بھی اور شاگرد بھی اس الہام میں اپنے اصل مضمون کی طرف اشارہ کے علاوہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کو جو کچھ ملا آنحضرت ﷺ کی شاگردی سے ملا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بلاواسطہ نبوت پانے والے نہ تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آنحضرت ﷺ کا شاگرد قرار دیا ہے۔‘‘ (حقیقت نبوت ص۴۰)

اب ہم مطالعہ کرتے ہیں کہ مرزاغلام احمد قادیانی نے نبی اکرم ﷺ کی کیا اور کس طرح کی شاگردی کی ہے اور کیا کیا سبق پڑھے ہیں:

(۱) نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ ترمذی میں اس طرح رپورٹ ہوئی ہے: ’’حضرت حکیم بن حزام ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایسی چیز بیچنے سے منع فرمایا ہے جو میرے پاس موجود نہیں۔‘‘

ترمذی کی ایک اور روایت جو ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے، اس طرح ہے: ’’حکیم بن حزام ؓ نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) ایک شخص مجھ سے کچھ خریدنے کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ میرے پاس موجود نہیں ہوتی تو میں اسے بازار سے خرید کر دے دیتا ہوں۔ فرمایا جو چیز تیرے پاس نہیں اس کا سودا مت کر۔‘‘

ایک اور جگہ اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: ’’حکیم بن حزام ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے پاس ایک آدمی آتا ہے اور مجھ سے وہ چیز مانگتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی۔ کیا میں اس کے واسطے بازار سے خریدوں اور پھر اس کے ہاتھ بیچ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں اسے نہ فروخت کرو۔‘‘

یہ احادیث ابواب البیوع میں درج ہیں اور متفق علیہ ہیں۔ امت مسلمہ کا ان احادیث میں دیئے گئے احکامات پر عمل بھی رہا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے ہمیشہ پیشگی سودا کاری (Forward Dealing) کو حرام سمجھا ہے۔ لیکن مرزاغلام احمد قادیانی نے کیا سبق سیکھا۔ مرزاقادیانی نے اشتہار بازی کے زور پر اپنی ایک کتاب کا ایک لفظ لکھے بغیر اس کی ہزاروں جلدیں فروخت کر دیں اور ہزاروں روپے وصول کر لئے جو آج کے حساب سے لاکھوں بنتے ہیں۔ اس طرح مرزاقادیانی نے ایک واردات ڈالی (اس پر میں ایک دوسرے مضمون میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں) اور شاگرد ہونے کا حق ادا کر دیا کہ اپنی عملی زندگی کا آغاز ہی نبی اکرم ﷺ کے ایک واضح حکم کی خلاف ورزی سے کیا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آپس میں اختلاط نہ کریں۔ مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ باہر نکلیں تو پردہ کر کے باہر نکلیں۔ خوشبو لگا کر باہر نہ نکلیں۔ ایسا زیور پہن کر باہر نہ نکلیں جو آواز دیتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ’’اے نبی کی بیبیو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم نامحرم مرد سے بولنے میں (جب کہ ضرورت سے بولنا پڑے) نزاکت مت کرو۔ (اس سے) ایسے شخص کو (طبعاً) خیال فاسد پیدا ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ (عفت) کے موافق بات کہو اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ

دیا کرو۔ اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو! تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو ہر طرح ظاہراً اور باطناً پاک صاف رکھے۔'' (الاحزاب:۳۳-۳۲)

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے: ''اے نبی! اپنی بیویوں و اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔''

(سورۂ احزاب:۵۹، ترجمہ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ)

اسلام عورتوں اور مردوں کے اختلاط کی سختی سے حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ عورتوں کے مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کی بھی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ عورتوں کا گھر کی چار دیواری کے اندر نماز پڑھنا افضل سمجھا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ امام احمد نے ام حمید سعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے: ''انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے معلوم ہے مگر تیرا ایک گوشے میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے تو اپنے حجرے میں نماز پڑھے اور تیرا حجرے میں نماز پڑھنا بہتر ہے کہ تو اپنے گھر کے دالان میں نماز پڑھے اور تیرا دالان میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھے اور تیرا اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا بہتر ہے کہ جامع مسجد میں نماز پڑھے۔''

اسی مضمون کی ایک اور حدیث جسے ابوداؤد نے رپورٹ کیا ہے، اس طرح ہے: ''عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے کمرے میں نماز پڑھے اور اس کا اپنے کوٹھڑی در کوٹھڑی میں نماز پرھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھے۔''

ان ہدایات کے ہوتے ہوئے کوئی مسلمان بقائمی ہوش حواس اور بقائمی ایمان اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ کوئی جوان لڑکی اس کی خدمت کرے یا وہ کسی غیر عورت سے پاؤں دبوائے۔ نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ جو موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں اس طرح ہے: ''ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ سے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت ہونے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔'' (موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، باب ماجاء فی البیت)

حدیث کی مشہور زمانہ کتاب صحیح بخاری میں نبی اکرم ﷺ کی ایک اور حدیث مبارکہ اس طرح بیان ہوئی ہے: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اللہ کی قسم آنحضرت ﷺ کا ہاتھ بیعت کرتے وقت کسی عورت کے ہاتھ سے نہیں چھوا۔ آپ عورتوں کو صرف زبانی بیعت فرماتے تھے۔''

مسلمان مردوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ غیر محرم عورتوں کو نہ دیکھیں اور حتی الامکان نگاہیں نیچی رکھیں۔ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ہمیں معلوم ہے کہ انہوں نے کبھی بھی

کسی غیر محرم عورت کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ بیعت کے موقعہ پر وہ مردوں سے تو ہاتھ ملا لیا کرتے تھے۔ لیکن عورتوں سے انہوں نے کبھی بھی ہاتھ نہیں ملایا تھا اور نہ حضور ﷺ کے گھر میں کبھی کسی غیر محرم خادمہ نے کام کیا۔

مرزا قادیانی نے اس سے کیا سبق حاصل کیا؟ مرزا غلام احمد قادیانی کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں: ''ڈاکٹر میر محمد اسماعیل نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت ام المؤمنین نے ایک دن سنایا کہ حضرت صاحب کے ہاں ایک بوڑھی ملازمہ مسماۃ بھانو تھی۔ وہ ایک رات جب کہ خوب سردی پڑ رہی تھی حضور کو دبانے بیٹھ گئی۔ چونکہ وہ لحاف کے اوپر سے دباتی تھی اس لئے اسے پتہ نہ لگا کہ جس چیز کو میں دبا رہی ہوں وہ حضور کی ٹانگیں نہیں ہیں بلکہ پلنگ کی پٹی ہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت صاحب نے فرمایا: بھانو آج بڑی سردی ہے۔ بھانو کہنے لگی: ہاں جی تدے تہاڈی لتاں لکڑی وانگر ہویاں ہویاں ایں۔'' (سیرت المہدی حصہ سوم ص۲۱۰)

ڈاکٹر محمد اسماعیل نے مجھ سے بیان کیا کہ: ''ڈاکٹر نور محمد صاحب لاہوری کی ایک بیوی ڈاکٹرنی کے نام سے مشہور تھی۔ وہ مدتوں قادیان آ کر حضور کے مکان میں رہی اور حضور کی خدمت کرتی تھی۔'' (سیرت المہدی حصہ سوم نمبر۱۲۶)

''بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوری صاحب نے کہ میاں ظفر احمد کپورتھلوی کی پہلی بیوی فوت ہوگئی اور ان کو دوسری بیوی کی تلاش ہوئی تو ایک دفعہ حضرت صاحب نے ان سے کہا کہ ہمارے گھر میں دو لڑکیاں رہتی ہیں۔ ان کو میں لاتا ہوں۔ آپ ان کو دیکھ لیں پھر ان میں سے جو آپ کو پسند ہو اس سے آپ کی شدی کر دی جائے۔'' (سیرت المہدی حصہ اوّل نمبر۲۵۹)

''مائی رسول بی بی صاحبہ بیوہ حافظ حامد علی صاحب مرحوم نے بواسطہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ مولوی فاضل مجھ سے بیان کیا کہ ایک زمانہ میں حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے وقت میں میں اور اہلیہ بابو شاہ دین رات کو پہرہ دیتی تھیں اور حضرت صاحب نے فرمایا ہوا تھا کہ اگر میں سوتے میں کوئی بات کیا کروں تو مجھے جگا دینا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں نے آپ کی زبان پر کوئی الفاظ جاری ہوتے سنے اور آپ کو جگا دیا۔ اس وقت رات کے بارہ بجے تھے۔ ان ایام میں عام طور پر مائی فجو، منشیانی اہلیہ منشی محمد دین گوجرانوالہ اور اہلیہ بابو شاہ دین ہوتی تھیں۔''

(سیرت المہدی حصہ سوم نمبر۲۱۳)

ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا: ''مجھ سے میری لڑکی زینب نے بیان کیا کہ میں تین ماہ کے قریب حضرت اقدس (مرزا قادیانی) کی خدمت میں رہی

ہوں۔ گرمیوں میں پنکھا وغیرہ اور اسی طرح کی خدمت کرتی تھی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ نصف رات یا اس سے زیادہ مجھ کو پنکھا ہلاتے گزر جاتی تھی۔‘‘ (سیرت المہدی حصہ سوم ص۲۷۳)

قادیانی امت کو مبارک ہو کہ ان کے حضرت صاحب نے کیا خوب سبق یاد کیا۔

(۳) فقہ کا ایک مسلمہ مسئلہ کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے پاس کوئی چیز رہن رکھ کر کچھ رقم ادھار لے تو رہن نامہ میں مدت کا تعین ہرگز نہ ہو۔ یعنی رہن رکھنے والا (مالک جائیداد) اس شرط کا پابند نہ ہو کہ ایک مدت مقررہ سے قبل وہ اپنی جائیداد کو واگزار نہیں کرواسکے گا۔ دوسرے لفظوں میں اسے اس بات کی آزادی حاصل ہو کہ وہ جب چاہے قرضہ واپس کر کے اپنی جائیداد واگزار کروالے۔ لیکن مرزاقادیانی نے کیا سبق پڑھا: ’’خاکسار عرض کرتا ہے کہ وہ رہن نامہ جس کی رو سے حضرت مسیح موعود (مرزاقادیانی) نے اپنا باغ حضرت والدہ صاحبہ کے پاس رہن رکھا تھا۔ میں نے دیکھا ہے وہ باقاعدہ رجسٹری شدہ ہے اور اس کی تاریخ ۲۵؍جون ۱۸۹۸ء ہے۔ زر رہن پانچ ہزار روپیہ ہے۔ جس میں سے ایک ہزار نقد درج ہے اور باقی بصورت زیورات ہے۔ اس رہن میں حضرت صاحب کی طرف سے درج ذیل الفاظ درج ہیں:

اقرار یہ ہے کہ عرصہ تیس سال تک فک الرہن مرہونہ نہیں کراؤں گا۔ بعد تیس سال مذکور کے ایک سال میں جب چاہوں زر رہن دوں تب فک الرہن کرالوں ورنہ بعد انفصال میعاد بالا یعنی اکتیس سال کے بتیسویں سال میں مرہونہ بالا ان ہی روپوں میں بیع بالوفا ہو جائے گا اور مجھے دعویٰ ملکیت نہیں رہے گا۔ قبضہ اس کا آج سے کرا دیا ہے اور داخل خارج کرادوں گا اور منافع مرہونہ بالا کی قائمی رہن تک مرتہنہ مستحق ہے اور معاملہ سرکاری فصل خریف ۱۹۵۵ بکرمی سے مرتہنہ دے گی اور پیداوار لے گی۔‘‘ (سیرت المہدی حصہ دوم ص۵۲،۵۳)

مرزاقادیانی نے رہن نامہ میں تیس سال رہن کی مدت رکھ کر شریعت کی خلاف ورزی کی جس کا اعتراف ان کے صاحبزادے نے اس طرح بیان کیا ہے: ’’خاکسار عرض کرتا ہے کہ رہن کے متعلق میعاد کو عموماً فقہ والے جائز قرار نہیں دیتے۔‘‘ (سیرت المہدی حصہ اوّل ص۲۸۱)

سوال یہ ہے کہ انہوں نے پانچ ہزار میں اپنی جائیداد اپنی بیوی کے پاس رہن کیوں رکھی؟ ان کی بیوی کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ مرزاقادیانی کا دیا ہوا ہی تھا۔ مرزاقادیانی کی تو یہ حیثیت تھی کہ پچاس سال کی عمر میں بیس سال کی دلہن کو اس قدر رقم دے دیں۔ محترمہ نصرت جہاں کے والد میر ناصر نواب تو صرف نام کے نواب تھے وہ محکمہ نہر میں نقشہ نویس تھے جو آج کل پانچویں گریڈ کی پوسٹ ہے۔ ان کی ماہوار تنخواہ ایک روپیہ یا زیادہ سے زیادہ دو روپے ہوگی۔ مرزاقادیانی

ایک موروثی جاگیردار تو تھے ہی، انہوں نے حقیت اسلام ثابت کرنے کے نام پر بھی لوگوں کو احمق بنا کر کافی مال بٹورا ہوا تھا۔ پھر ان کو کیا ضرورت پیش آئی کہ بیوی سے اپنا ہی دیا ہوا مال لینے کے لئے خلاف شریعت اپنی جائیداد کو اس شرط پر بیوی کے پاس رہن رکھ دیں کہ وہ تیس سال سے قبل فک الرہن نہیں کروائیں گے۔ ۱۸۹۸ء میں مرزا قادیانی نے بیوی کے پاس جائیداد کو رہن کیا اور ۱۹۰۸ء میں بغیر جائیداد واگزار کروائے آنجہانی ہوگئے۔ مرزا قادیانی نے آخر خلاف شریعت یہ ڈرامہ کیوں کیا۔ غالباً اس لئے کہ اپنی پہلی بیوی سے جو اولاد ہے اس کو اس قیمتی جائیداد سے محروم کر سکیں اور تو کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ وجہ جو بھی ہو مرزا قادیانی نے بہر حال سبق بہت خوب یاد کیا۔

(۴) حج اسلام کے ارکان میں سے ہے۔ حج صاحب استطاعت پر اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز روزہ فرض ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو استطاعت کے باوجود حج نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ حج اور عمرہ کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید کے ذریعہ مسلمانوں کو دیا ہے جو استطاعت کے باوجود حج نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ حج اور عمرہ کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید کے ذریعہ مسلمانوں کو دیا ہے جو استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا۔ اس کے دل میں ایمان ہی نہیں۔ ہر صاحب ایمان کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ وہ حج پہ جائے اور وہیں اس کا وقت پورا ہو جائے۔

نبی اکرم ﷺ کا عمر بھر معمول رہا کہ آپ نے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا۔ اپنی زندگی کے آخری رمضان میں آپ نے بیس دن اعتکاف کیا۔

زکوٰۃ بھی ارکان دین میں شامل ہے۔ وہ شخص صاحب ایمان ہی نہیں جو صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے تو مال کو کبھی ایک دن کے لئے بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ انہوں نے فقر از خود اختیار کیا ہوا تھا۔ لیکن زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے ان لوگوں سے قتال کیا جنہوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اب آپ معلوم کرنا چاہیں گے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے استاد سے کیا سبق پڑھا۔ ان کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد بیان کرتے ہیں: ’’ڈاکٹر میر محمد اسماعیل نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود نے حج نہیں کیا۔ اعتکاف نہیں کیا زکوٰۃ نہیں دی، تسبیح نہیں رکھی۔‘‘

(سیرت المہدی حصہ سوم ص ۱۱۹)

یہ تھے مرزا غلام احمد قادیانی رئیس اعظم قادیان ضلع گورداسپور جن کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے شاگرد ہیں، اور یہ ہے وہ سبق جو انہوں نے خوب یاد کیا۔

(۵) نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل حکم خداوندی کے مطابق نسل انسانی کے لئے تاقیام قیامت ایک نمونہ ہے اور مسلمانوں کے لئے حجت ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا قول وفعل ہی اسلام ہے۔ ہم مسلمان قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام تسلیم کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ کسی ملاقات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتادیا تھا کہ قرآن مجید اس کا کلام ہے۔ نہ ہی ہماری حضرت جبرائیل علیہ السلام سے میٹنگ ہوئی جس میں اس نے ہمیں یہ اطلاع دی ہو کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ کہ وہی اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے محمد رسول اللہ ﷺ تک لاتے رہے ہیں۔ ہم مسلمان قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام جناب خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی گواہی پر تسلیم کرتے ہیں۔ اگر ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کو واحد اور احد مانتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ کسی میٹنگ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتادیا ہے کہ وہ واحد بھی ہے اور احد بھی ہے۔ بلکہ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں بتایا ہے کہ خدا ایک ہے اور ایک بھی ایسا کہ جس کا نصف یا چوتھائی نہیں ہوتا بلکہ وہ احد ہے۔

یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ہماری روحوں کو پیدا کیا تو ہم سے سوال کیا تھا: ”کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔“ اس کے جواب میں ہم نے کہا: ”ہاں کیوں نہیں۔“

(الاعراف:۱۷۲)

لیکن زندگی میں اس عہد الست کا ہمیں واضح شعور نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس عہد کے بارے میں اطلاع بھی تو ہمیں جناب خاتم الانبیاء ﷺ ہی سے ملی ہے۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ اپنی خصوصی حیثیت کی وجہ سے اخلاق کے انتہائی اعلیٰ معیار پر ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کی گواہی اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں دی ہے: ”بے شک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ معیار پر ہیں۔“ (سورۂ قلم:۴، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

کسی روایت میں ہمیں نہیں ملتا کہ انہوں نے کبھی اپنے دشمنوں میں سے کسی کو گالی دی ہو۔ ان کے حسن اخلاق کی ایک بہت بڑی شہادت یہ ملتی ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بہت کم عمری میں کسی نے اغوا کر کے بطور غلام کے بیچ دیا۔ بکتے بکتے وہ سیدہ طاہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے اسے سید ولد آدم ﷺ کی خدمت میں بطور خدمت گار کے پیش کر دیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا ڈھونڈتے ڈھونڈتے حضور نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور عرض کیا کہ آپ نے جو قیمت ادا کی ہے وہ ہم سے لے لیں اور ہمارا بچہ ہمیں واپس کر دیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیمت کا کوئی مسئلہ نہیں۔ بچے کو بلا کر پوچھ لیتے ہیں اگر وہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو لے جائیں۔ چنانچہ زید رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا تو انہوں نے اپنے حقیقی

باپ کے ساتھ جانے سے انکار کردیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس رہنے کو ترجیح دی۔

ایک حدیث مبارکہ نے جسے ابوداؤد نے رپورٹ کیا، نبی اکرم ﷺ کے اخلاق فاضلہ کی اس طرح نشاندہی کی ہے: ''ایک صحابی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کچھ خرید وفروخت کی۔ ابھی تک آپ نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ کچھ قیمت باقی رہ گئی۔ میں نے کہا آپ اس جگہ ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔ میں اپنا وعدہ بھول گیا۔ تین دن بعد یاد آیا، کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ اپنی وعدہ کی جگہ پر ہی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا آپ نے مجھے بڑی مشقت میں ڈالا ہے۔ میں تین دنوں سے آپ کا انتظار کررہا ہوں۔''

آپ اندازہ کیجئے اس بردباری کا کہ حضور ﷺ تین دن سے اس کا انتظار کررہے ہیں اور جب وہ واپس آیا ہے تو اسے کہا ہے تو کیا کہا؟ آپ ﷺ کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اسے جو کچھ سناتا اس کا ہم آسانی سے تصور کرسکتے ہیں۔ یہ دونوں واقعات جو میں نے اوپر نقل کئے ہیں، زمانہ قبل از بعثت کے ہیں۔ بعد از بعثت تو نبی اکرم ﷺ انسانیت کی معراج ہیں۔ وہ معیار مطلوب ہیں کہ جس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے انسان کوشش تو کرسکتا ہے اور تاقیام قیامت کرتا رہے گا۔ لیکن وہاں تک کبھی پہنچ نہیں سکے گا۔ میں اپنی بات کی تائید میں ایک غیرمسلم کی گواہی پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ عظمت وہی ہے جس کا اعتراف دشمن کرے۔ تھامس کارلائل اپنے لیکچر **And The Heroic in History** میں نبی اکرم ﷺ کو درج ذیل الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

"Mahomed Himself, after all that cah be said about him, was not a sensual man. We shall err widely if we consider this man as a common voluptuary, intent mainly on base enjoyments, --nay on enjoyments of any kind. His household was of the frugalest; his common diet barley bread and water: sometimes for months there was not a fire once lighted on his hearth. They record with justt pride that he would mend his own shoes, patch his own cloak, A poor,

hardtoiling, ill-provided man; careless of what vulgar men toil for. Not a bad man, I should say; something better in him than hunger of any sort, -- or these wild Arab men, fighting and jostling three- and- twenty years at his hand, in close contact with him always, would not have reverenced him so. They were wild men, bursting ever and anon into quarrel, into all kinds of fierce sincerety; without right worth and manhood, no man could have commanded them. They called him Prophet, you say? Why, he stood there face to face with them; bare, not enshrined in any mystery; visibly clouting his own cloak, cobbling his own shoes; fighting, counselling, ordering in the midst of them; they must have seen waht kind of a man he was, let him be called what you like: No emperor with this tiaras was obeyed as this man in a cloak of his own clouting. During ghree- and- twenty years of rough actual trial, I find something of a veritable hero necessary for that of itself."

’’حضرت محمد (ﷺ) کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جائے، وہ اپنی ذات میں تلذذ پسند شخص ہرگز نہیں تھے۔ ہم اگر ان کے بارے میں یہ کہیں کہ وہ گھٹیا اور حیوانی لذات اور عیش وتنعم میں مگن شخص تھے، تو ہم بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوں گے۔ واقعہ اس کے برعکس یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی عیش وعشرت سے منہ موڑے ہوئے تھے۔ ان کے اہل خانہ نے انتہائی عسرت اور بے سروسامانی کی زندگی بسر کی۔ آپ ﷺ کی خوراک بالعموم جو کی روٹی اور پانی ہوتی تھی اور آپ ﷺ کے گھر میں

بعض اوقات مہینوں چولہا روشن نہ ہوتا تھا۔ آپ کے صحابہ اور سوانح نگار فخر سے اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ بنفس نفیس اپنے جوتوں کی مرمت اور اپنے کرتے پر پیوند لگاتے تھے۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ دنیاوی اعتبار سے مفلوک الحال لیکن سخت کوش تھے اور آپ ﷺ کو ان اہداف میں قطعاً دلچسپی نہ تھی۔ جن کے لئے دنیادار اور حیوانی لذات رکھنے والے لوگ جدوجہد کرتے ہیں۔ آپ ﷺ یقیناً اخلاقی اعتبار سے برے نہیں تھے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ آپ ﷺ میں مادی اور دنیاوی چاہت کی بجائے کوئی اعلیٰ وارفع مقصدیت ہی تھی جس کے باعث تئیس سال نظم وضبط سے عاری عرب آپ کے شانہ بشانہ لڑے اور آپ ﷺ کی ازحد عزت وتکریم کی۔ عرب انتہائی جھگڑالو اور بات بات پر جنگ کرنے والے لوگ تھے۔ انسانی عظمت اور اعلیٰ اخلاق اقدار کا حامل کوئی شخص ہی ان پر حکمرانی کرسکتا تھا۔ آپ کا کیا خیال ہے، کیا وہ انہیں صرف رسول سمجھتے تھے؟ نہیں، وہ ہر معرکے میں ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کی حیثیت (لیڈر کے طور پر) بالکل عیاں تھی اور آپ ﷺ کی ذات کے گرد کسی پراسراریت کا ہالہ نہ تھا۔ وہ علی الاعلان اپنے کرتے پر پیوند لگاتے، اپنے جوتے مرمت کرتے اور ساتھیوں کے جلو میں جنگ کرتے، مشورہ کرتے اور انہیں احکامات دیتے تھے۔ انہوں نے یقیناً شخصی اعتبار سے ان کی حقیقت اور عظمت جان لی ہوگی۔ آپ انہیں جو چاہیں کہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کی بھی اتنی قدرومنزلت اور اطاعت نہیں کی گئی جتنی آپ ﷺ کی پیوند لگے لباس کے ساتھ، جو آپ ﷺ نے خود لگائے، کی گئی۔ تئیس سالہ انتہائی سخت ابتلا وآزمائش کے پس منظر میں مجھے آپ ﷺ ایک حقیقی اور واقعی ہیرو نظر آتے ہیں جو ہیرو کی جملہ ضروری صفات سے متصف ہو۔''

اب ہم دیکھتے ہیں کہ مرزاغلام احمد قادیانی نے، جو نبی کریم ﷺ کے شاگرد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس سے کیا سبق حاصل کیا۔

مرزاغلام احمد خود اپنی کتاب (ست بچن ص۲۱، خزائن ج۱۰ ص۱۳۳) پر لکھتے ہیں: ''ناحق گالیاں دینا سفلوں اور کمینوں کا کام ہے۔''

اب دیکھنا یہ ہے کہ خود مرزاقادیانی نے کیا طرز عمل اختیار کیا۔ اگر ہم مرزاقادیانی کی کتب کا مطالعہ کریں تو ثابت ہوجائے گا کہ ان میں صرف اور صرف تین نکات ہیں:

۱...... حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کو ثابت کرنے کے دلائل۔

۲...... اپنی نبوت اور مسیحیت کو ثابت کرنے کے دلائل۔

۳...... محکمہ موسمیات کی طرز کی پیش گوئیاں جن میں شاید کبھی کوئی صحیح بھی ثابت ہوگئی ہو۔

مرزاغلام احمد قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی موت کو ثابت کرنا اپنی زندگی کا مشن بنایا ہوا تھا۔ لیکن یہ بھی دوسروں کو چبایا ہوا لقمہ تھا۔ ابھی مرزا قادیانی قادیان کی گلیوں میں گلی ڈنڈا ہی کھیل رہے ہوں گے۔ جب سرسید احمد خان نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ اس میں سورۂ آل عمران کی آیات کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مسلمان مفسروں کی عادت ہے کہ پرانے قصوں میں بغیر تحقیقات اصلیت کے اور بلاغور کرنے مقصد قرآن مجید پر جہاں تک ہوسکتا ہے یہودیوں اور عیسائیوں کی روایتوں کو لے لیتے ہیں۔ انہوں نے پچھلی روایات کو زیادہ مودب سمجھا اور ظاہری الفاظ قرآن مجید کو اس کے مناسب پایا۔ اس لئے انہوں نے پچھلی روایت کو اختیار کیا اور قرآن مجید کے ایک لفظ کی بناء پر جس کو ہم ابھی بیان کریں گے یہ قرار دیا کہ شمعون یا یہوداہ کی صورت بدل کر بعینہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی صورت ہوگئی تھی اور یہودیوں نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جان کر صلیب پر چڑھا دیا تھا اور وہ خود زندہ آسمان پر چلے گئے تھے۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے اعتقاد میں چنداں تفاوت نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو دونوں مذہبوں میں نہایت مختلف ہے۔ عیسائی مذہب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر چڑھائے جانے اور صلیب پر ہی جان دینے کا اعتقاد رکن اعظم ایمان ہے۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں انسانوں کی نجات صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فدیہ ہونے یعنی صلیب پر جان دینے میں منحصر ہے اور جو کوئی اس امر کا اعتقاد نہ کرے وہ موجودہ عیسائی مذہب کے مطابق عیسائی نہیں ہے اور نہ نجات کا مستحق ہے۔ پس مسلمانوں کا یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰ بغیر صلیب پر چڑھائے زندہ آسمان پر چلے گئے، موجودہ عیسائیوں کے بالکل خلاف ہے۔ جب اس تمام واقعہ پر مؤرخانہ نظر ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر مرے نہ تھے بلکہ ان پر ایسی حالت طاری ہوگئی تھی کہ لوگوں نے ان کو مردہ سمجھا تھا۔ اس امر کی نظیریں کہ صلیب سے لوگ زندہ اترے ہیں، تاریخ میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر کلارک نے متی کی انجیل کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایسی کئی ایک مثالیں ہیں کہ شخص مصلوب کئی دن تک زندہ رہا ہے۔ ہیروڈوٹس رومی مؤرخ نے لکھا ہے کہ دارا کے حکم سے ایک شخص کو صلیب پر چڑھایا گیا اور پھر اس کے حکم سے اتارا گیا اور وہ زندہ رہا اور رہا کر دیا گیا۔ یوسی بیس مؤرخ نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ طیطوس بادشاہ کے حکم سے بہت سے قیدی صلیب پر چڑھائے گئے۔ ان میں سے تین آدمی اس کے ملاقاتی تھے۔ اس نے بادشاہ سے ان کی

سفارش کی اور وہ صلیب پر سے اتارے گئے اور ان کا معالجہ کیا گیا۔ مگر ان میں سے دو آدمی مر گئے اور ایک شخص اچھا ہوگیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین چار گھنٹہ کے بعد صلیب سے اتار لئے گئے تھے اور ہر طرح پر یقین ہوسکتا ہے کہ وہ زندہ تھے۔ رات کو وہ لحد میں سے نکال لئے گئے اور وہ مخفی طور پر اپنے مریدوں کی حفاظت میں رہے۔ حواریوں نے ان کو دیکھا اور ملے اور پھر کسی وقت مر گئے۔'' (تفسیر القرآن ص۴۲۶،۴۲۷)

امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں یا زمین پر فوت ہوچکے ہیں۔ اس مسئلہ کا ہماری زندگیوں سے کیوں تعلق نہیں۔ حشر کے روز ہم سے اس مسئلہ کے بارے میں کوئی سوال نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان کی بعثت یہود (بنی اسرائیل) کی طرف ہے نہ کہ ہماری طرف۔ مرزاغلام احمد قادیانی نے اس مسئلہ کو اپنا مشن بنایا تو اس لئے وہ خود کو مسیح موعود تسلیم کرواسکیں۔ مرزاقادیانی کی کتب سے اگر ان تین موضوعات (جو میں نے اوپر درج کئے ہیں) کو خارج کردیا جائے تو باقی کچھ نہیں رہتا۔ اگر ان میں کوئی اہلیت ہوتی تو کوئی علمی کام کرتے اور آج ہم بھی اس سے استفادہ کر رہے ہوتے۔ جو بے خدا تہذیب اس وقت یورپ اور امریکہ پر مسلط ہے اور مسلم دنیا بھی ذرائع ابلاغ کی سرعت رفتاری کی وجہ سے اس سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ اس کا تمام فلسفہ اس صدی میں پیش کیا گیا جس میں مرزاقادیانی حیات وممات مسیح کے مسئلہ پر چاندماری کر رہے تھے۔ ڈارون، فرائیڈ اور کارل مارکس کی کتب چھپ چکی تھیں اور انہی کتب نے بے خدا تہذیب کو بنیاد فراہم کی۔ ڈارون نے انسان کو اشرف المخلوقات کی سطح سے گرا کر بندر کی ترقی یافتہ شکل بنادیا۔ فرائیڈ نے انسان کو شرم گاہ کا غلام بنادیا تو کارل مارکس نے اسے پیٹ کا غلام۔ لیکن حرام ہے کہ مرزاغلام احمد نے ان مفکرین کی کتب پر ایک فقرہ بھی لکھا ہو۔ کیونکہ اس کے لئے عمیق علم کی ضرورت تھی جو مرزاقادیانی کے ہاں مفقود تھا۔ انہوں نے اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے جو تین صد دلائل تالیف کئے تھے، ان میں سے بھی صرف ایک دلیل اور وہ بھی نامکمل شائع کی۔ بقیہ ایک کم تین صد دلائل کی اشاعت کو اللہ تعالیٰ نے روک دیا۔ سبحان اللہ! کیا بات ہے؟

امت مسلمہ کی زندگی میں مرزاغلام احمد قادیانی سے قبل ''حیات مسیح علیہ السلام'' کبھی کوئی مسئلہ نہیں رہا لیکن مرزاقادیانی نے برصغیر میں اسے سب سے بڑا مسئلہ بنادیا۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ مرزاقادیانی کے ہم عصر تھے۔ وسیع حلقہ ارادت رکھتے تھے اور عالم دین بھی تھے۔ انہوں نے ایک کتاب ''سیف چشتیائی'' کے نام سے تالیف کر کے ''حیات مسیح علیہ السلام'' کو ثابت کیا۔ وہ کتاب علماء کرام کے لئے لکھی گئی ہے۔ میں اس کا مطالعہ کرچکا ہوں۔ لیکن میں

نے اسے اپنی ذہنی سطح سے بلند پایا اور اپنے فہم سے بالاتر۔ پیر صاحب نے اس کتاب کا ایک نسخہ مرزا قادیانی کو بھی پیش کر دیا۔ اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مرزا قادیانی اس کا جواب لکھتے۔ کیونکہ علمی بات کا جواب علمی بات سے دیا جاتا ہے اور علم مرزا قادیانی کے ہاں ندارد تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اس پر جو تبصرہ کیا ہے اس کا مطالعہ کریں اور لطف اندوز ہوں: ''مجھے ایک کتاب کذاب (پیر مہر علی شاہ...... راقم) کی طرف سے پہنچی ہے۔ وہ خبیث کتاب اور بچھو کی طرح نیش زن۔ پس میں نے کہا کہ اے گولڑوہ کی زمین تجھ پر لعنت۔ تو ملعون کے سبب ملعون ہوگئی۔ پس تو قیامت کو ہلاکت میں پڑے گی۔'' (اعجاز احمدی ص۷۵، خزائن ج۱۹ص۱۸۸)

اپنے ایک اور ہم عصر عالم دین مولانا محمد حسین بٹالوی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''کذاب، متکبر، سربراہ گمراہاں، جاہل، شیخ احمقاں، عقل کا دشمن، بدبخت، منحوس، لاف زن، شیطان، گمراہ، شیخ مفتری۔'' (انجام آتھم ص۲۴۱،۲۴۲، خزائن ج۱۱ص۲۴۱)

مولانا سعد لدھیانوی کے بارے میں گوہر افشانی فرمائی: ''شیطان، ملعون، سفیہوں کا نطفہ، بدگو، خبیث، مفسد۔'' (تتمہ حقیقت الوحی ص۲۲، خزائن ج۲۲ص۴۵۴)

ہم مسلمانوں کے بارے میں لکھتا ہے: ''جو ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں۔''

(انوار الاسلام ص۳۰، خزائن ج۹ص۳۱)

ایک اور جگہ ہم مسلمانوں پر اس طرح کرم فرمائی کی ہے: ''میری ان کتابوں کو ہر مسلمان محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کے معارف سے فائدہ اٹھاتا ہے اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے اور اسے قبول کرتا ہے۔ مگر رنڈیوں کی اولاد نے میری تصدیق نہیں کی۔''

(آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۷،۵۴۸، خزائن ج۵ص۵۴۷،۵۴۸)

ہم مسلمانوں کو ایک اور جگہ اس طرح یاد فرمایا گیا ہے: ''دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں۔'' (نجم الہدیٰ ص۵۳)

مولانا رشید احمد گنگوہی کے بارے میں مرزا قادیانی کا ارشاد گرامی ملاحظہ کیجئے: ''اندھا شیطان، گمراہ، دیو، شقی، ملعون۔'' (انجام آتھم ص۲۵۲، خزائن ج۱۱ص۲۵۲)

مولانا علی حائری شیعہ راہنما کے متعلق لکھا: ''سب سے جاہل تر ہے۔''

(اعجاز احمدی ص۷۶، خزائن ج۱۹ص۱۷۹)

مولانا سعد اللہ کو ایک اور جگہ یاد فرمایا: ''اور لیموں میں سے ایک فاسق آدمی کو دیکھتا

ہوں کہ ایک شیطان ملعون ہے۔ سفیہوں کا نطفہ، بدگو ہے اور خبیث اور مفسد اور جھوٹ کو ملمع کر کے دکھانے والا منحوس ہے جس کا نام جاہلوں نے سعداللہ رکھا ہے۔‘‘

(تتمہ حقیقت الوحی ص۲۲، خزائن ج۲۲ ص۴۵۴)

امر واقعہ یہ ہے کہ بعض عبارتیں اس قدر غلیظ ہیں کہ میں ان کو یہاں درج کرنے کا حوصلہ نہیں کر سکا۔

یہ تھا پانچواں سبق جو نام نہاد مسیح موعود نے نبی اکرم ﷺ کے اخلاص فاضلہ سے حاصل کر کے شاگردی کا حق ادا کیا۔

(۶) معاشرت کے بارے میں اسلام نے جو احکامات دیئے ہیں ان کے مطابق خاوند کے حقوق بیوی کے ذمہ ہیں تو بیوی کے بھی حقوق ہیں جن کی ادائیگی خاوند کی ذمہ داری ہے۔ اسلام میں یک طرف ٹریفک نہیں ہے کہ فرائض تو بیوی کے ذمہ ہوں اور حقوق نہ ہوں۔ وہ شخص سخت گنہگار ہے جو بیوی کے حقوق زوجیت ادا نہیں کرتا اور اسے معلق چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی واضح ہدایات ہیں کہ بیوی کو معروف طریقے سے آباد رکھو اور حقوق زوجیت ادا کرو اور اگر کسی وجہ سے بیوی ناپسند ہے تو اسے طلاق دے کر فارغ کر دو۔ بیوی کو ہرگز معلق نہ رکھو۔ نبی اکرم ﷺ نے اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ نے جو احکامات بیان کئے ہیں، وہ ملاحظہ فرمائیں: ’’طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں۔ تین حیض تک اور ان عورتوں کو یہ بات بالکل حلال نہیں کہ خداتعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو اس کو پوشیدہ کریں۔ اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں۔ اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں۔ جو ان عورتوں پر ہیں۔ قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔ وہ طلاق دو مرتبہ (کی) ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدے کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ......‘‘

(البقرہ:۲۲۸، ۲۲۹، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

عائلی زندگی کے بارے میں یہ ہیں ہدایات جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو دی ہیں کہ بیوی کو معروف طریقے سے آباد رکھو یا معروف طریقے سے اسے رخصت کر دو۔ معلق ہرگز نہ رکھو۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے جو نبی اکرم ﷺ کے شاگرد ہونے کے مدعی ہیں اس سے کیا سبق حاصل کیا۔

مرزاغلام احمد قادیانی کی پہلی شادی خاندان میں ہی ہوئی تھی۔ شادی کے وقت بقول مرزا قادیانی ان کی عمر تقریباً پندرہ سولہ سال تھی۔ اس شادی سے مرزا قادیانی کے دو صاحبزادے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد ہوئے۔ جلد ہی مرزا قادیانی کا اس خاتون سے دل بھر گیا۔ غالباً معمولی شکل وصورت کی ہوگی اور مرزا قادیانی نے اسے معلق چھوڑ دیا نہ تو اس کے حقوق زوجیت ادا کئے اور نہ ہی اسے طلاق دے کر فارغ کیا۔ اس بے چاری نے اپنی جوانی کے تقریباً سولہ سال اسی حالت میں گزارے۔ ملاحظہ فرمائیں: ”حافظ نور محمد صاحب متوطن فیض اللہ چک نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کئی دفعہ فرمایا کرتے تھے کہ سلطان احمد (مرزا سلطان احمد صاحب) ہم سے سولہ سال چھوٹا ہے اور فضل احمد بیس برس اور اس کے بعد ہمارا اپنے گھر سے کوئی تعلق نہیں رہا۔“ (سیرت المہدی حصہ دوم ص۶۳، از مرزا بشیر احمد)

اپنے دوسرے صاحبزادے کی پیدائش کے بعد سے مرزا قادیانی نے اپنی بیوی سے لاتعلقی اختیار کر لی۔ نہ اسے طلاق دی اور نہ حقوق زوجیت ادا کئے اور اس نیکی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے مرزا قادیانی کو ظلی نبوت عطاء کر دی۔ سبحان اللہ! یہ بھی ایک سبق ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی نے نبی اکرم ﷺ کی شاگردی اختیار کر کے سیکھا۔

(۷) نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر حلال امور میں اللہ تعالیٰ کو کوئی امر ناپسند ہے تو وہ طلاق ہے۔ طلاق آج بھی جائز ہونے کے باوجود ناپسندیدہ فعل ہے۔ کیونکہ اس کے اثرات صرف زوجین تک محدود نہیں رہتے۔ اس سے دو خاندان متاثر ہوتے ہیں۔ بچے ہوں تو ماں باپ کے درمیان تفریق کی صورت میں بعض اوقات بچوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ ان کی شخصیت کی تعمیر کے ایک سے زیادہ پہلو نامکمل رہ جاتے ہیں۔ طلاق اسی صورت میں مناسب سمجھی جاتی ہے جب فریقین کے درمیان نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔

جب زوجین میں نباہ نہ ہو رہا ہو تو اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا ہے کہ ایک شخص عورت کی طرف سے اور ایک شخص مرد کی طرف سے فریقین کے معاملات میں مداخلت کریں اور دونوں کی شکایات سن کر اصلاح کی کوشش کریں۔ اگر ان کی کوشش کامیاب نہ ہو تو پھر فریقین طلاق کی صورت میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔

طلاق کے لئے جو پسندیدہ طریق کار ہے وہ یہ ہے کہ خاوند ایک ایک ماہ کے وقفہ سے تین دفعہ طلاق دے تاکہ ایک طلاق یا دوسری طلاق کے درمیان کوئی صورت نباہ کی نکل سکتی ہو تو

ان کے درمیان دائمی تفریق نہ ہو۔

طلاق بھی صرف اسی صورت میں مناسب ہے جب زوجین کے درمیان تعلقات خوشگوار نہ ہوں اوران کوایک دوسرے سے شکایت ہو۔ یہ صورت انتہائی ناپسندیدہ ہے کہ کوئی تیسرا شخص شوہر کوطلاق دینے پر مجبور کرے۔ مثلاً ساس یا خسر بیٹے کوطلاق دینے پر مجبور کرے۔

قادیانی حضرات اس معاملہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کوحکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کوطلاق دے دیں۔ یہ قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہزاروں کلومیٹر کا سفر طے کر کے بیٹے کو ملنے آئے۔ اتفاق سے وہ گھر پر نہیں تھے۔ بہو نے خسر کے آتے ہی اس کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت شروع کردی۔ وہ کچھ دیر کے بعد رخصت ہوگئے۔ لیکن بہو سے کہا کہ میرا بیٹا آئے تو اسے کہہ دینا کہ گھر کی چوکھٹ بدل دے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو اہلیہ نے بتایا کہ تمہارے والد آئے تھے۔ لیکن ٹھہرے نہیں۔ صرف یہ پیغام دے گئے ہیں کہ تم گھر کی چوکھٹ بدل دو۔ یہ سن کر حضرت اسماعیل نے کہا کہ وہ تو تمہیں طلاق دینے کا کہہ گئے ہیں۔ اس لئے تمہیں طلاق ہے۔ یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ خاتون اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کی اہلیہ ہونے کے لائق نہیں تھی۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کی اہلیہ کوصابر اور شاکر خاتون ہونا چاہئے نہ کہ اپنے خاوند سے شاکی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کوبھی اپنے والد کی رائے سے اتفاق ہی ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنی اہلیہ کی خصلت سے لاعلم تونہیں ہوسکتے تھے۔

مجھے اس روایت کے درست ہونے میں تردد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ہزاروں کلومیٹر کا سفر طے کر کے بیٹے سے ملنے جائیں، سفر بھی ہوائی جہاز، ریل یا ایئر کنڈیشنڈ کوچ کا نہ ہو بلکہ ایسا سفر جس میں ہزار صعوبتیں ہوں، ایسا سفر کر کے وہ بیٹے کے گھر پہنچیں اور بیٹے سے ملے بغیر صرف اس لئے واپس آجائیں کہ بہو نے بیٹے کی شکایت شروع کردی تھی۔ اگر یہ روایت درست بھی ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کوطلاق دینے کی ہدایت اس لئے نہیں کی تھی کہ بہو جہیز کم لائی تھی اور نہ ہی انہوں نے بہو کے والدین سے کار یا کوٹھی کا مطالبہ کیا تھا اور مطالبہ پورا نہ ہونے پر بیٹے کوہدایت کردی ہو کہ وہ بیوی کوطلاق دے دے۔

طلاق بالجبر تو انتہائی مکروہ ہے۔ یعنی کوئی شخص اپنے زیردست کو مجبور کرے کہ وہ بیوی کو طلاق دے دے۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جبر سے طلاق ہوتی ہی نہیں۔

وہ شخص انتہائی مکروہ اور قابل نفرت ہے جو اپنے بیٹے کو مجبور کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ صرف اس لئے کہ وہ اس کا کوئی ذاتی مطالبہ پورا نہیں کر سکی۔ لیکن مرزاغلام احمد یہ مکروہ فعل بھی کر گزرے۔ قصہ اس طرح ہے کہ جب مرزاقادیانی کی عمر تقریباً ساٹھ سال کی تھی تو ایک پندرہ سال کی دوشیزہ پر ان کا دل آ گیا۔ اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ معروف طریقے سے اس کے والدین کو رشتہ کے لئے پیغام دیتے اور پیغام قبول ہو جاتا تو اس سے نکاح کر لیتے نہ قبول ہوتا تو صبر کر لیتے۔ لیکن معروف طریقہ اختیار کرنے کی بجائے انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ اس دوشیزہ سے میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کر دیا ہے۔ مرزاقادیانی کا الہام اس طرح ہے: ’’اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ ہے کہہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم یہ سچ ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے خود اس سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔ میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل ص۳۰۱)

اب یہ ضروری ہو گیا کہ جو نکاح آسمان پر پڑھا گیا ہے وہ زمین پر بھی پڑھا جائے۔ اگر زمین پر یہ نکاح نہیں ہوتا تو ظلی نبوت خطرے میں۔ اتفاق سے وہ دوشیزہ جس پر مرزاقادیانی کا دل آیا ہوا تھا۔ مرزاقادیانی کی بہو کے ماموں کی بیٹی تھی۔ اب مرزاقادیانی نے بہو کو مجبور کیا کہ وہ انہیں اس دوشیزہ کا رشتہ دلوائے ورنہ وہ اسے طلاق دلوائیں گے۔ (میں نے اس واقعہ پر ایک علیحدہ مضمون تحریر کیا ہے) اب دوشیزہ کے والدین نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا بلکہ اس کی شادی کے لئے ایک دوسری جگہ بات بھی پکی کر لی۔ چنانچہ مرزاقادیانی نے بھی الٹی میٹم دے دیا کہ جس روز اس دوشیزہ کا کسی دوسرے سے نکاح ہو گیا۔ اسی روز وہ اپنے بیٹے فضل احمد کو مجبور کریں گے کہ وہ اپنی بیوی (جو اس دوشیزہ کی پھوپھی زاد بہن تھی) کو طلاق دے دے۔ اگر وہ طلاق نہیں دے گا تو مرزاقادیانی اسے عاق کر دیں گے اور اپنی میراث سے محروم کر دیں گے۔ مرزاغلام احمد قادیانی کے الٹی میٹم کے الفاظ یہ ہیں: ’’بذریعہ اشتہار ہذا ظاہر کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ اس ارادہ سے باز نہ آئے اور وہ تجویز جو اس لڑکی کے ناتہ اور نکاح کرنے کی اپنے ہاتھ سے یہ لوگ کر رہے ہیں اس کو موقوف نہ کر دیا اور جس شخص کو انہوں نے نکاح کے لئے تجویز کا ہے اس کو رد نہ کیا بلکہ اسی شخص کے ساتھ نکاح ہو گیا تو اس نکاح کے دن سے سلطان احمد (مرزاقادیانی کا بڑا صاحبزادہ...... راقم)

محروم الارث ہوگا اور اسی روز سے اس کی والدہ پر میری طرف سے طلاق ہے اور اگر اس کا بھائی فضل احمد (مرزا قادیانی کا چھوٹا صاحبزادہ......راقم) جس کے گھر میں مرزا احمد بیگ والد لڑکی کی بھانجی ہے اپنی بیوی کو اسی دن جو اس نکاح کی خبر ہو اور طلاق نہ دے تو پھر وہ بھی عاق اور محروم الارث ہوگا۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل ص۲۲۱)

مرزا قادیانی کے اس الٹی میٹم کے مطابق عاق ہونے سے بچنے کے لئے مرزا قادیانی کے صاحبزادے فضل احمد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ حالانکہ اس بیچاری کا نہ کوئی قصور تھا اور نہ ہی میاں بیوی کے درمیان کوئی ناچاقی تھی۔ اس کا اگر کوئی قصور تھا تو صرف یہ ہے کہ وہ اس دوشیزہ (جس سے مرزا قادیانی کا نکاح اللہ تعالیٰ نے خود آسمان پر پڑھا دیا تھا) کے ماموں کی بیٹی تھی۔ یہ سیدھی سیدھی بلیک میلنگ تھی جسے مرزا قادیانی نے اختیار کیا اور بیٹے کو جوان کے زیردست تھا، طلاق دینے پر مجبور کیا۔

یہ تھا وہ سبق جو نبی اکرم ﷺ کے اس شاگرد رشید نے حاصل کیا کہ حلال امور میں اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ امر طلاق ہے۔ اس کو بلاوجہ اختیار کیا۔ بیٹے کو بلیک میل کر کے بہو کو طلاق دلوائی۔ اپنی پہلی بیوی کو (وہ بھی غالباً اس لڑکی کی قریبی عزیزہ ہوگی) بلاوجہ طلاق دی۔ حالانکہ اس سے حقوق زوجیت پہلے ہی معاف کروائے ہوئے تھے۔ اپنے بڑے بیٹے مرزا سلطان احمد کو بذریعہ وصیت وراثت سے محروم کیا۔ بات صرف اتنی تھی کہ ساٹھ سال کی عمر میں ایک پندرہ سالہ دوشیزہ پر دل آ گیا تو ایک الہام گھڑ لیا کہ اس سے میرا نکاح آسمان پر اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے اور اس الہام کو سچا ثابت کرنے کے لئے تمام پاپڑ بیلے گئے۔ لیکن الہام پھر بھی سچا ثابت نہ کیا جاسکا۔

اس سارے قصے میں قادیانی امت کے لئے بھی ایک سبق ہے۔ قادیانی امت کو غور کرنا چاہئے کہ کیا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرزا غلام احمد قادیانی کا کسی دوشیزہ سے ’’عقد نکاح باندھ دیا ہو۔‘‘ اور اللہ تعالیٰ اس پر عمل درآمد نہ کروا سکے؟ اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہے، مالک ارض وسما ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ اپنا ارادہ پورا نہ کر سکے اور ایک بندہ لاچار (دوشیزہ کا باپ) اس میں رکاوٹ بن جائے؟ اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ: ’’(اللہ تعالیٰ) پیدا کرنے والے ہیں آسمانوں اور زمین کے جب کسی کام کو کرنا چاہتے ہیں تو اس کام کی نسبت (اتنا) فرما دیتے ہیں کہ ہو جا۔ پھر وہ ہو جاتا ہے۔‘‘ (بقرہ:۱۱۷، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

قادیانی امت یقین کرے یا نہ کرے (اس کی مرضی) لیکن یہ حقیقت ہے کہ جس خدا

نے مرزا قادیانی کو الہام کیا تھا کہ ''ہم نے اس سے تمہارا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔'' وہ رب العالمین اور احکم الحاکمین نہیں ہوسکتا یہ تو کوئی اور ہی ذات شریف ہے جو اس طرح کے فضول الہامات مرزا قادیانی کو کرتا رہا ہے۔ ممکن ہے یہ وہی ہو جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی سرتابی کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ ''میں اس سے بہتر ہوں'' اور اس بناء پر راندہ درگاہ ہوگیا تھا۔

(۸) اللہ تعالیٰ کا وراثت کے بارے میں ارشاد گرامی ہے: ''اور تم کو آدھا ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جائیں۔ اگر ان کے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے چوتھائی ملے گا۔ وصیت نکالنے کے بعد کہ وہ اس کی وصیت کر جائیں یا دین کے بعد (قرض کے بعد) اور ان بیبیوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہارے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو ان کو تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا وصیت نکالنے کے بعد کہ تم اس کی وصیت کر جاؤ یا قرض کے بعد، اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت۔ ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع ہوں اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ پھر اگر یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے وصیت نکالنے کے بعد جس کی وصیت کر دی جائے یا قرض کے بعد بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچائے۔ یہ حکم کیا گیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں حلیم ہیں۔'' (سورۂ نساء:۱۲)

اللہ تعالیٰ نے جو قانون وراثت اپنے دین (اسلام) کی پیروی کرنے والوں کے لئے وضع کیا ہے وہ انتہائی مکمل ہے کہ گزشتہ چودہ صدیوں سے ہر صورتحال میں ہر لحاظ سے درست ثابت ہوا ہے۔ اس قانون کے کچھ بنیادی اصول ہیں جو قانون وراثت کی ہر کتاب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ میں ان میں چند ایک کا ذکر کر رہا ہوں۔

اس قانون کا پہلا اصول یہ ہے کہ وراثت مردہ سے زندہ کو ملتی ہے۔ یعنی مورث کی موت کے وقت جو وارثان زندہ ہوں ان کو ہی وراثت ملتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مردہ شخص کو زندہ تصور کر کے وراثت نہیں دی جاتی۔

(۲) اس کا دوسرا اصول یہ ہے کہ مورث اپنی جائیداد کا تیسرا حصہ بذریعہ وصیت کسی کو بھی دے سکتا ہے۔ لیکن یہ وصیت کسی وارث کے حق میں نہیں ہوسکتی۔ اگر وصیت تیسرے حصہ سے زیادہ

کے لئے ہوگی تو تیسرے حصہ سے زیادہ کی حد تک کالعدم ہو جائے گی۔ اسی اصول کے مطابق جس شخص کے حق میں وصیت کی گئی ہے۔ وہ وصیت تحریر کئے جانے کے وقت تو وارث نہیں تھا لیکن وصیت کرنے والے کی موت کے وقت وارث بن گیا تو اس کے حق میں وصیت کالعدم ہو جائے گی۔ مثلاً باپ تو وارث ہوتا ہے۔ لیکن دادا وارث نہیں ہوتا۔ اب ایک شخص دادا کے حق میں وصیت کرتا ہے۔ لیکن اس شخص کی موت سے پہلے اس کا باپ فوت ہو جاتا ہے اور دادا زندہ ہوتا ہے تو ایسی صورت میں دادا وارث بن جائے گا اور دادا کے حق میں کی گئی وصیت کالعدم ہو جائے گی۔

(۳) اس قانون کا تیسرا اصول یہ ہے کہ قریب کا رشتہ دور کے رشتہ کو محروم کر دیتا ہے مثلاً باپ کی موجودگی میں دادا وارث نہیں ہوتا اور بیٹے کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں ہوتا۔

(۴) اس قانون کا چوتھا اصول یہ ہے کہ وصیت کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ سے زیادہ نہیں مل سکتا اور نہ ہی وصیت کے ذریعہ کسی وارث کو اس کے حصہ سے محروم کیا جا سکتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کے قانون وراثت اور قانون وصیت پر کس طرح عمل کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے صاحبزدے مرزا بشیر احمد بیان کرتے ہیں:

''والدہ صاحبہ فرماتی ہیں...... کہ محمدی بیگم کا سوال اٹھا اور آپ کے رشتہ داروں نے مخالفت کر کے محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کرا دیا اور فضل احمد کی والدہ نے ان سے قطع تعلق نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ رہیں۔ تب حضرت صاحب نے ان کو طلاق دے دی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کا یہ طلاق دینا آپ کے اس اشتہار کے مطابق تھا جو آپ نے ۲؍مئی ۱۸۹۱ء کو شائع کیا تھا اور جس کی سرخی تھی ''اشتہار نصرت دین وقطع تعلق از اقارب مخالف دین'' اس میں آپ نے بیان فرمایا تھا کہ اگر مرزا سلطان احمد اور ان کی والدہ اس امر میں مخالفانہ کوشش سے الگ نہ ہو گئے تو پھر مرزا سلطان احمد عاق اور محروم الارث ہوں گے اور ان کی والدہ کو آپ کی طرف سے طلاق ہوگی۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ فضل احمد نے اس وقت اپنے آپ کو عاق ہونے سے بچا لیا۔''

(سیرت المہدی حصہ اوّل ص ۳۴)

مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے تھے لیکن پہلی بیوی سے۔ مرزا فضل احمد نے اپنی بیوی (جو محمدی بیگم کی پھوپھی زاد بہن تھی) کو طلاق دے کر خود کو وراثت سے محروم ہونے سے بچا لیا۔ یہ الگ بات ہے کہ وراثت پھر بھی نہ ملی۔ کیونکہ وہ مرزا غلام احمد کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ لیکن مرزا سلطان احمد کو وصیت کے ذریعہ (اسلام کے قانون

وصیت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے) مرزاغلام احمد قادیانی نے وراثت سے محروم کردیا۔ یہ بھی ایک سبق تھا جو مرزاغلام احمد قادیانی نے نبی اکرم ﷺ کی شاگردی میں حاصل کیا؟ (معاذاللہ)

(۹) نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہم تک اس طرح بیان فرمایا: ’’اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بے شک وہ ان ہی میں سے ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سمجھ نہیں دیتا جو اپنا نقصان کررہے ہیں۔‘‘ (المائدہ:۶۹)

تاریخ کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی صداقت ثابت ہوجاتی ہے۔ مسلمان حکومتوں میں عیسائی اور یہود کو مکمل تحفظ حاصل رہا۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا امتیازی سلوک نہ کیا گیا۔ لیکن جب کبھی عیسائی حضرات کو بالادستی حاصل ہوئی انہوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سپین پر صدیوں مسلمانوں نے حکومت کی اور ملک کی غالب آبادی عیسائی ہی رہی۔ کسی کو بھی جبراً مسلمان نہ بنایا گیا۔ لیکن عیسائیوں نے سپین کو جب مسلمانوں سے چھینا تو مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ یا تو ملک چھوڑ جائیں یا عیسائی ہوجائیں۔

جناب منظور الٰہی صاحب ریٹائرڈ سی.ایس.پی (موصوف معین الدین قریشی کی نگران حکوت کے دور میں پنجاب کے گورنر بھی رہے ہیں) نے ’’دردل کشا‘‘ کے نام سے اپنا سفرنامہ یورپ لکھا ہے۔ عیسائی حضرات نے سپین میں مسلمانوں سے جو سلوک کیا اس کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں: ’’مسلمان کے آثار دیکھنے کے لئے ایک دوست کار سے ہسپانیہ پہنچے اور سرحد عبور کر کے دوسو کلومیٹر تک چلے گئے۔ مشروبات کے لئے رکے تو کیفے میں انہوں نے ایک اجنبی سے پوچھا: بھلا اب ہسپانیہ میں مسلمانوں کی کیا آبادی ہوگی؟ استعجاب اور بے یقینی کی پرچھائیاں ہسپانوی کے چہرے پر پھیل گئیں۔ اس وقت آپ کے سوا شاید کوئی اور نہ ہو! یہ بات سن کر وہ اتنے آزردہ ہوئے کہ آگے جانے کی ہمت نہ ہوئی، الٹے پاؤں لوٹ آئے۔‘‘ (دردل کشا ص۱۴۱)

وہ ملک جسے طارق بن زیاد نے کشتیاں جلا کر فتح کیا تھا اور جہاں سینکڑوں سال مسلمانوں نے حکومت کی مگر ملک کی بہت بڑی اکثریت عیسائیت پر قائم رہی۔ کسی ایک کو بھی جبر سے مذہب اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ کیا گیا۔ لیکن وقت نے جب کروٹ بدلی اور عیسائیوں نے سپین کو مسلمانوں سے چھین لیا تو ان سے کیا سلوک کیا؟ اس کے بارے میں موصوف اپنے اسی سفرنامہ میں لکھتے ہیں: ’’۱۴۹۲ء کے پہلے مہینے کی دوسری تاریخ تھی کہ نصرانی فوج غرناطہ میں داخل

ہوگئی، فاتحین نے عہدنامے کی خلاف ورزی کی۔ کارڈینل کی سرپرستی میں مسلمانوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا۔ مسلمانوں کی اکثریت ہسپانوی نژاد تھی۔ انہیں یاددلایا گیا کہ ان کے آباؤاجداد نصرانی تھے۔ عرصہ تک بچے کھچے مسلمان بظاہر عیسائیت کا دم بھرتے رہے، لیکن سولہویں صدی میں شاہی فرامین کے ذریعے انہیں مذہبی طور پر طریق تج دینے کا حکم دے دیا گیا۔ سترھویں صدی کے آغاز میں پانچ لاکھ مسلمان کشتیوں میں سوار کر کے افریقہ کے ساحل کی طرف دھکیل دیئے گئے، چونکہ ان میں بیشتر دست کار اور حرفت پیشہ تھے۔ ہسپانیہ مدتوں اقتصادی بدحالی کا شکار رہا۔ ایک اندازے کے مطابق سقوط غرناطہ سے جبری انخلاء تک تیس لاکھ مسلمان جلاوطن ہوئے یا تہ تیغ کئے گئے۔ یہ تھا ہسپانوی مسلمانوں کے مسئلے کا قطعی حل۔'' (دردل کشا ص۱۴۱،۴۲)

ہندوستان میں جب ۱۸۵۷ء میں انگریزی افواج نے دہلی فتح کیا تو مغل شہزادوں کے سرکاٹ کر ایک تھال میں رکھ کر بہادر شاہ ظفر کو پیش کئے گئے۔ مغل شہزادیاں جن کی جھلک بھی کسی غیر مرد نے نہیں دیکھی تھی، ان کے سر پر نہ دوپٹہ رہا نہ پاؤں میں جوتا اور نہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ رہی۔ یہ صرف اس لئے ہوا کہ مرزاغلام مرتضیٰ (والد مرزاغلام احمد) جیسے لوگوں نے مغل ہونے کے باوجود مغلوں سے غداری کی اور صلیب پرست مشرک انگریزوں کو دہلی پر قبضہ کروادیا۔

آج پوری عیسائی دنیا یہودیوں کی دوست ہے۔ امریکہ کا ہر نیا منتخب صدر سب سے پہلا اعلان ہی یہ کرتا ہے کہ وہ اسرائیل کی حفاظت کرے گا۔ حالانکہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الحرام اور ان کی والدہ ماجدہ کو بدکار یقین کرتے ہیں۔ (نقل کفر کفر نہ باشد) یہی وہ حقیقت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ (۶۹) میں بیان کیا ہے کہ: ''وہ (عیسائی اور یہودی) ایک دوسرے کے دوست ہیں۔'' اس کے بعد فرمایا ہے کہ: ''جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی رکھے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا۔'' اب جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ صلیب پرست مشرک انگریزوں کا اس سے بڑا خیرخواہ اور دوست ہی کوئی نہیں، حشر کے روز کیوں نہ وہ انہیں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

سپین میں جو کچھ مسلمانوں سے کیا گیا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عیسائیوں کی مسلمانوں سے نفرت کا عالم کیا ہے۔

مذکورہ بالا صورتحال میں کوئی عقل کا اندھا ہی نصاریٰ سے کسی خیر کی توقع رکھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پروردگار عالم نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ نصاریٰ سے دوستی نہ رکھیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مرزاغلام احمد قادیانی (جو نبی اکرم ﷺ کے شاگرد ہونے کے مدعی ہیں) نے اس سے کیا سبق حاصل کیا۔

مرزاغلام احمد قادیانی کا مقصد زندگی ہی یہ رہا کہ ہندوستان کے مسلمان صلیب پرست مشرک انگریزوں کی غلامی کو قیامت تک کے لئے قبول کرلیں۔ تثلیث پرست انگریزوں کی اطاعت مرزاغلام احمد قادیانی کے لئے دین وایمان کی حیثیت رکھتی تھی۔ مرزا قادیانی اپنے ایک اشتہار میں اعلان کرتے ہیں: ''گورنمنٹ خوب جانتی تھی کہ یہ عاجز عرصہ چودہ سال سے برخلاف ان تمام مولویوں کے باربار یہ مضمون شائع کررہا ہے کہ ہم لوگ جو گورنمنٹ برطانیہ کی رعیت ہیں، ہمارے لئے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے گورنمنٹ ہذا کے زیر اطاعت رہنا اپنا فرض ہے اور بغاوت کرنا حرام اور جو شخص بغاوت کا طریق اختیار کرے یا اس کے لئے کوئی مفسدانہ بنا ڈالے یا ایسے مجمع میں شریک ہو یا راز دار ہو تو وہ اللہ اور رسول کے حکم کی نافرمانی کررہا ہے۔'' (مجموعہ اشتہارات حصہ دوم ص۲۰)

سبحان اللہ! صلیب پرست انگریزوں کی اطاعت مرزاغلام احمد قادیانی کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت تھی (شرم تم کو مگر نہیں آتی)

ایک اور جگہ مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ''میں سولہ برس سے برابر اپنی تالیفات میں اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ مسلمانان ہند پر اطاعت گورنمنٹ برطانیہ فرض اور جہاد حرام ہے...... لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ جس قدر میں نے کارروائی گورنمنٹ (برطانیہ...... از راقم) کی خیرخواہی کے لئے کی اس کی نظیر نہیں ملے گی۔'' (مجموعہ اشتہارات حصہ دوم ص۱۲۸،۱۲۹)

اللہ اور اس کا رسول ﷺ تو حکم دیں کہ عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ اور مرزاغلام احمد قادیانی یہ دعویٰ کریں کہ صلیب پرست مشرک انگریز حکمرانوں کا مرزا قادیانی سے بڑھ کر خیرخواہ ہی کوئی نہیں۔ سبحان اللہ! کیا شاگردی کا حق ادا کیا ہے۔ مرزا قادیانی نے کہ اس کا جواب ہی نہیں۔

ایک اور جگہ مرزاغلام احمد بذریعہ اشتہار اعلان کرتے ہیں: ''اور ساتھ اس کے سولہ برس سے میں اپنی جماعت کو یہی سمجھا رہا ہوں کہ گورنمنٹ انگریزی کے سچے خیرخواہ بنے رہو اور دل سے اس کا شکر کرو۔'' (مجموعہ اشتہارات حصہ دوم ص۱۳۲)

یہ ہے وہ سبق جو مرزاغلام احمد قادیانی نے حاصل کیا اور شاگردی کا حق ادا کردیا۔

قارئین کرام! یہ ہیں وہ اسباق جو مرزاغلام احمد قادیانی نے نبی اکرم ﷺ سے حاصل کئے جس کے بدلہ میں مرزا قادیانی کو نبوت مل گئی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ ظلی نبوت تھی۔

''اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں......'' (الانعام:۹۳)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

قادیانی غیر مسلم کیوں؟

بجواب

اک حرف ناصحانہ

جناب نور محمد قریشی ایڈووکیٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجمالی فہرست

انتساب	۴۶۹
پیش لفظ (طبع اوّل)	۴۷۰
پیش لفظ (طبع ثانی)	۴۷۱
مسیح سے مسیح تک	۴۷۳
باعث تحریر آنکہ	۴۷۵
گزارش	۴۷۷
مسئلہ کیا ہے؟	۴۷۷
تیسرا گروہ	۴۸۰
قادیانی امت کے لئے لمحہ فکریہ	۴۸۳
خلاصہ کلام	۴۹۰
قادیانیت کی بنیاد	۴۹۱
مسئلہ زمان ومکان	۴۹۲
حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کون تھے؟	۴۹۴
یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سلوک	۴۹۸
رسول کون ہوتے ہیں؟	۵۰۱
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات	۵۰۴
یہود کو حضرت مسیح علیہ السلام کا انتظار	۵۰۷
قرآن کی گواہی	۵۱۱
ایک شبہ کا ازالہ	۵۱۶
خلاصہ کلام	۵۲۰
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیوں آئیں گے؟	۵۲۰
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصی مشن	۵۲۱
حضرت مسیح علیہ السلام کی نبی اکرم ﷺ سے تعلق کی نوعیت	۵۲۵
مسلمانوں کے لئے صحیح طرز عمل	۵۲۸
ضمیمہ	۵۲۸
کتابیات	۵۵۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

’’اب قادیانی حضرات غور فرماویں کہ جب وہ اس بات کے قائل ہو جاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم فوت ہوگئے ہیں اور ان کی جگہ کسی مثیل مسیح نے آنا ہے تو ان کے سامنے بیک وقت دو آدمی مسیح ہونے کا دعویٰ لے کر آ جاتے ہیں۔ ایک مرزا غلام احمد ہیں اور دوسرے بہاء اللہ ہیں۔ دونوں ہی مسیح ہونے کے دعویدار ہیں۔ دونوں ہم عصر ہیں۔ لیکن نہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب۔ کیا اب قادیانی حضرات کا فرض نہیں کہ وہ اس کا جائزہ لیں کہ دونوں مدعیان مسیحیت میں سے کون حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم سے زیادہ مماثلت رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرزا غلام احمد میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جس سے ان کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مماثلت ثابت ہوتی ہو۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ کہنا کہ ان کی دو بیماریاں (ایک نیچے کی یعنی کثرت پیشاب اور دوسری اوپر کی یعنی مراق) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مماثلت ثابت کرتی ہیں، انتہائی لغو ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم جسمانی طور پر بھی اور ذہنی طور پر بھی پوری طرح صحت مند تھے......‘‘

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

ایک رواج بن گیا ہے کہ لوگ اپنی کتاب کو کسی محترم شخصیت کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ میں نے جب اس خیال سے سوچا تو میرے ذہن میں جناب اظہار احمد قریشی (چیئرمین اظہار گروپ) کا نام آیا۔ کیونکہ میں نے ان سے زیادہ عظیم انسان اپنی زندگی میں ابھی تک نہیں دیکھا، آئندہ کا کہہ نہیں سکتا، اس لئے اس کاوش کو ان کے نام سے منسوب کرنے کی خواہش اس قدر قوی (***Irresistible***) ہے کہ میں رہ نہیں سکا۔

لہٰذا میں اس رسالہ کو جناب اظہار احمد قریشی کے نام سے منسوب کرتا ہوں۔

نور محمد قریشی (ایڈووکیٹ)

۲۴؍اپریل ۲۰۰۰ء

پیش لفظ

(طبع اوّل)

میں نے اس رسالہ کا مسودہ جناب مولانا محمد قاسم قاسمی صاحب ناظم جامعہ قاسم العلوم فقیر والی کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ اگر مولانا تاج محمد مرحوم زندہ ہوتے تو میں ان سے عرض کرتا کہ وہ اس رسالہ کا پیش لفظ لکھ دیں اور مولانا مرحوم شفقت فرماتے ہوئے ضرور اس کا پیش لفظ تحریر فرماتے۔ اب براہ کرم! آپ ہی زحمت فرمادیں۔ جناب مولانا قاسمی صاحب نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے جو چند سطور تحریر فرمائی ہیں وہ ذیل میں من وعن نذر قارئین ہیں۔

محترم ومکرم جناب نور محمد قریشی زید عنایہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج گرامی

امید ہے کہ گھر میں ہر طرح سے خیریت ہوگی۔ آپ کا مرسلہ مسودہ دربارہ نزول مسیح موصول ہوا۔ آپ نے مجھ جیسے ناکارہ آدمی کو پیش لفظ تحریر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ احقر ایک تو عدیم الفرصت ہے دوسرا یہ کہ احقر اس قابل نہیں کہ اس عظیم کتاب پر پیش لفظ لکھے۔ مگر جناب جیسے مخلص اور علم دوست کے آگے انکار کی بھی گنجائش نہیں اس لئے چند حروف تحریر خدمت ہیں۔

آپ کا ارسال کردہ مسودہ غور سے پڑھا، اور اس کے مطالعہ سے بہت زیادہ مسرت اور خوشی حاصل ہوئی۔ علوم عربیہ میں مہارت تامہ نہ رکھنے کے باوجود آپ کا اس موضوع کے تمام پہلوؤں اور تمام جلی وخفی گوشوں پر بہترین انداز میں روشنی ڈالنا اور عقلی ونقلی دلائل وبراہین سے اس مسئلہ کو پوری طرح منقح وواضح اور اجاگر کرنا جہاں آپ کی گہری ذہانت کا غماز ہے وہاں آپ کی وسعت علمی کا عکاس بھی ہے۔ ماشاءاللہ آپ کی یہ گرانقدر تصنیف دینی اور علمی لٹریچر میں ایک دقیع اور عمدہ اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں آپ کو اس بہترین اور اچھی کتاب لکھنے پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور بارگاہ رب العزت میں دعاگو ہوں کہ وہ ذات عالی صفات آپ کی اس تصنیف لطیف کو قبولیت عامہ نصیب فرماوے۔

والسلام!

محمد قاسم قاسمی

۲۱؍اکتوبر ۱۹۹۳ء

پیش لفظ

(طبع ثانی)

میری یہ کاوش پہلی بار اشاعت پذیر ہوئی تو میری توقع سے کہیں زیادہ احباب نے اسے پسند کیا اور موضوع زیر بحث پر میری تحریر کو ایک حقیقی اضافہ (Real Contribution) قرار دیا جو میرے لئے انتہائی حوصلہ افزائی کا باعث ہوا۔

اتفاق سے ایک دفعہ جہاز میں حکیم محمد سعید صاحب مرحوم (چیئرمین ہمدرد) سے ہم سفر ہونے کا موقع ملا تو میں نے اس کتاب کا ایک نسخہ ان کی خدمت میں بھی پیش کر دیا۔ مرحوم نے نہ صرف مطالعہ کیا بلکہ شدید عدیم الفرصت ہونے کے باوجود گرامی نامہ لکھ کر تحسین فرمائی۔ میں مرحوم کے اس خط کو بھی شامل اشاعت کر رہا ہوں۔

اس کتاب پر ایک قادیانی نے تبصرہ کیا جسے قادیانی امت کے لندن مرکز سے ’’سلطان نصیر‘‘ کے نام سے شائع کیا گیا۔ قادیانی دوست نے اشاعت سے قبل ہی مسودہ کی ایک نقل مجھے مہیا کر دی تو میں نے پہلی فرصت میں اس پر تبصرہ کر کے ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ میں نے ’’سلطان نصیر‘‘ پر اپنے تبصرہ کو ضمیمہ کے طور پر اس کتاب میں شامل کر دیا ہے، امید ہے احباب اسے بھی پسند کریں گے۔

مجھے اعتراف ہے کہ میں علم دین کے معاملہ میں مبتدی ہوں، یہ کسر نفسی نہیں حقیقت ہے۔ کوئی دوست کسی جگہ کوئی بات اصلاح طلب محسوس کرے اور اس سے آگاہ کرے تو میں ان کا شکر گزار ہوں گا۔ میں اس دعا کے ساتھ ان سطور کو ختم کرتا ہوں کہ اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت نصیب فرما اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطاء فرما، آمین!

نور محمد قریشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲/شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

۲۵/دسمبر ۱۹۹۵ء

''نزول مسیح'' آپ کی کتاب کا بہ امعان نظر مطالعہ کرتے ہوئے یہ سوال ذہن میں ابھرا ہے کہ جب مرزاغلام احمد اور بہاء اللہ ہم عصر رہے اور دونوں مدعی مسیحیت رہے تو ان دونوں نے ایک دوسرے کی تصدیق یا تکذیب سے گریز کیوں کیا؟ یہ خالص نفسیاتی مسئلہ ہے۔ اگر یہ دونوں باہم الجھ جاتے تو نفس نبوت معرض بحث میں آجاتی اور بحث کے لئے یہ دونوں تیار نہ تھے۔ اس بحث سے گریز ہی درحقیقت وہ نفسیاتی الجھن ہے جس میں یہ دونوں خوف تکذیب کی بناء پر خائف تھے۔ یعنی دونوں چاہتے تھے کہ بھرم قائم رہے۔ حال آں کہ خود ان کا ضمیر ان کو کوئی روشنی نہیں دے رہا تھا۔ عجیب تر بات یہ ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کی خبر نہ تھی، حال آں کہ دونوں مدعی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مرتبے پر فائز کیا ہے۔ کم از کم مرزاغلام احمد قادیانی کو تو واقعی بہاء اللہ مسیح کا علم نہ تھا اور خود ان کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''بجز اس عاجز کے کسی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔'' میری حتماً رائے ہے کہ ان دونوں حضرات کی تحریرات کا مطالعہ نفسیات کی روشنی میں کرنا چاہئے۔ اس سے بہت سے حقائق کا اظہار ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ نفسیاتی شواہد کی روشنی میں، جن کا اظہار تبدیلی افکار کی صورتوں میں بار بار ہوا ہے، یہ مسئلہ حتماً حل ہو جائے۔

آپ کی کتاب کا مطالعہ کرتے کرتے یہ ایک نکتہ میرے سامنے آیا ہے۔ ایسے دعاوی جیسے کہ مرزاغلام احمد قادیانی اور بہاء اللہ نے کئے۔ ان سے قبل بھی ہوتے رہے ہیں۔ بعض جانے گئے اور بہت سے انجانے رہے اور ممکن ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے۔ مگر میرا تاثر یہ ہے کہ یہ دعاوی اپنے پس پشت سیاسی محرکات ضرور رکھتے ہیں۔

آج کل ہم لندن میں سیاسی پناہوں کے مناظر دیکھ رہے ہیں۔ ان کا تعلق کراچی سے بھی ہے اور نارتھ پاکستان سے بھی ہیں۔ ان پشت پناہیوں نے پاکستان کے لئے نہایت سنگین حالات پیدا کئے ہیں۔ ایک بار پھر تقسیم وطن کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ مہاجر اب صاف صاف تقسیم کی حمایت پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ ادھر نارتھ میں خاموش انقلاب کے لئے برطانوی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو کل ایک صوبے کا تقاضا کریں گی۔

میں آپ کی علم کاوش کی داد ضرور دوں گا۔ آپ نے نہایت احتیاط سے اس میدان میں قدم رکھا ہے۔ اب دوسرا قدم نفسیاتی مطالعہ ہونا چاہئے۔ اس سے راز ہائے درون پردہ فاش ہوں گے اور امہ مسلمہ کے مسائل کا حل بھی ضرور سامنے آئے گا۔

بہ احترامات فراواں، آپ کا مخلص: حکیم محمد سعید

بگرامی خدمت جناب محترم نور محمد قریشی، ۳۰؍ایواز گارڈنز لاہور

مسیح سے مسیح تک

نور محمد قریشی صاحب مولوی ہیں، نہ مفتی، پیر ہیں نہ ''فقیر''...... انہوں نے کسی دینی مدرسے سے کوئی سند فضیلت بھی حاصل نہیں کی۔ کسی دارالعلوم سے فراغت تو دور کی بات ہے، اس میں ایک دن بھی نہیں گزارا...... وہ ایڈووکیٹ ہیں، اور ''فقہ وکٹوریہ'' کے ماہر...... لیکن ان کو دینی موضوعات کے مطالعے کا شوق ہے۔ غور وفکر کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے خوب عطاء کی ہے۔ مشکل مسائل کو آسان زبان میں بیان کرنے بلکہ لکھ ڈالنے کا فن جانتے ہیں۔ ان کی تحریر شگفتہ اور اثر کرنے والی ہے۔

''نزول مسیح'' کا مسئلہ ایسا ہے کہ جس پر سینکڑوں سال سے بحث جاری ہے، اور جب تک مسیح علیہ السلام نازل نہیں ہو جائیں گے، جاری رہے گی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل کے اقتدار کو گھن لگنا شروع ہوا اور بالآخر غلامی اور خواری نے ان کا گھر دیکھ لیا، تو انہوں نے کسی نجات دہندہ کی آمد کے خواب دیکھنا شروع کئے۔ ان کے انبیاء اور اولیاء انہیں نوید سناتے رہے کہ ''مسیح علیہ السلام'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے گا، جو ان کے مصائب ختم کرے گا۔ انہیں ذلت سے نجات دلائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے ان کو مسیح ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ آنے والے کے ایک ہاتھ میں تلوار ہوگی، دوسرے میں بنی اسرائیل کا جھنڈا ہوگا۔ اس کے پیچھے لشکروں کے لشکر ہوں گے۔ وہ ہر طرف چھا جائے گا، اور بنی اسرائیل کو ''سپر پاور'' بنا ڈالے گا۔ ان کا کھویا ہوا وقار بحال ہوگا، اور تمکنت پھر ان کے گھر کی لونڈی بن جائے گی۔

یہودی ابھی تک اس ''مسیح'' کی آمد کے منتظر ہیں، اور انہیں امید ہے کہ اس کے ہاتھوں ان کی ایسی ایمپائر قائم ہوگی کہ جس کا ڈنکا دور ونزدیک بجے گا۔

مخبر صادق حضرت محمد ﷺ نے خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو زندہ آسمانوں پر اٹھالئے گئے تھے، اس دنیا میں ایک بار پھر آئیں گے اور دجال کے فتنے کا سر کچلیں گے۔ وہ اپنی نبوت کی دعوت دینے نہیں بلکہ دنیا کو اسلام پر متحد کرنے آئیں گے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ انبیاء کے سلسلہ الذہب کی آخری کڑی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت وہی ہوگی جو محمد رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام کا عہد رسالت کیونکہ بیت چکا ہے۔ اس لئے وہ حضرت محمد ﷺ کی (معاذ اللہ) تکذیب نہیں تصدیق کریں گے اور ان کی نبوت پر ان کا ایمان علی الاعلان ہوگا۔ اس طرح وہ ایک ''مسلمان'' کے طور پر اپنا کردار ادا کریں گے اور ان کے ذریعے عیسائی اور یہودی دنیا بھی اسلام کے نور سے منور ہو جائے گی۔

برصغیر پاک و ہند میں قادیانی گروہ نے نزول مسیح علیہ السلام کے مسئلے کو اس طرح الجھایا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کو اس میں سے برآمد کر لیا۔ ایک تو یہ گروہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ اٹھالئے جانے کا قائل نہیں ہے، اس کے پیشوا نے تو کشمیر میں ان کی قبر بھی ''دریافت'' کر لی تھی، دوسرے اس گروہ کا کہنا ہے کہ مسیح موعود دوسری زندگی پاکر نازل ہو چکے ہیں اور وہ خود مرزا غلام احمد ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے جن تاویلات کا سہارا لیا ہے اور جس طرح احادیث کے الفاظ کو کھینچا تانا ہے، وہ اپنی جگہ دنیا کا بہت بڑا عجوبہ ہے۔ مرزا قادیانی نے اپنے عیسیٰ ابن مریم بننے کی تفصیل یہ بیان فرمائی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام مریم رکھا۔ پھر دو برس تک صفت مریمیت میں ان کی پرورش کی گئی، پھر استعارے کے رنگ میں حاملہ ٹھہرایا گیا۔ پھر انہیں مریم سے عیسیٰ بنایا گیا...... ''اس طرح میں عیسیٰ ہو گیا۔''

احادیث میں آیا ہے کہ مسیح علیہ السلام دمشق میں نازل ہوں گے۔ ان کی ''تشریح'' یہ کی گئی کہ قادیان ہی دمشق ہے۔ کیونکہ یہاں یزیدی الطبع اور پلید لوگ رہتے ہیں...... روایات کے مطابق مسیح کو دمشق کے مینارے پر اترنا تھا۔ اس کے لئے مرزا قادیانی نے ایک منارہ خود بنوالیا...... احادیث میں آتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم لد کے دروازے پر دجال کو قتل کریں گے۔ لد کو لدھیانہ کا نام دے کر کہا گیا کہ سب سے پہلے مرزا قادیانی کی بیعت کیونکہ یہیں ہوئی تھی، اس لئے یہ سمجھئے کہ دجال قتل ہو گیا۔

طرح طرح کی مضحکہ انگیز موشگافیوں اور شرمناک تاویلات کے ذریعے مرزا غلام احمد قادیانی نے ''مسیح موعود'' کا بہروپ بھرنے کی کوشش کی......

نزول مسیح علیہ السلام کے مسئلے پر اردو میں ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے اور اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کی ضیافت طبع کا سامان اس سے ہوسکتا ہے...... نور محمد قریشی نے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ ایک مضمون میں لے کر یوں سمجھئے کہ کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی یہ کاوش نہ صرف اہل علم کے لئے بلکہ عوام کے لئے بھی دلچسپی کا باعث ہوگی...... انہوں نے ایک ماہر وکیل کے طور پر نہ صرف اپنا مقدمہ ترتیب دیا ہے، بلکہ دانش اور دلیل کی میزان پر اسے جیت بھی لیا ہے۔

مجیب الرحمٰن شامی

۱۳؍مارچ ۱۹۹۳ء

باعث تحریر آنکہ

مجھے یہ رسالہ لکھنے کا خیال کیوں آیا۔ حالانکہ نہ تو میں ادیب ہوں کہ تحریر وتصنیف میرا پیشہ ہو اور نہ میں عالم دین ہوں، نہ استاد کہ علم دین پڑھنا میرا معمول ہو۔ میرا تعلق تو قانون کے پیشہ سے ہے اور اس پیشہ میں پڑھنا تا بہت پڑتا ہے لیکن قانون کی کتب اور نظائر، اس سے زیادہ اگر کوئی اطمینان سے اخبار بھی پڑھ لے تو غنیمت ہے۔

صورت احوال یوں ہے کہ سن ۱۹۸۱ء یا ۱۹۸۲ء (ٹھیک طرح سے سال یاد نہیں) ڈاک سے میرے پتہ پر ایک پیکٹ وصول ہوا۔ میں نے ایڈریس دیکھے بغیر اسے کھول لیا تو اس میں سے طبع شدہ مواد (**Printed Matter**) برآمد ہوا۔ پڑھ کر دیکھا تو وہ مرزا طاہر احمد (قادیانیوں کے موجودہ خلیفہ) کی تقریر تھی جو انہوں نے منصب خلافت سنبھالتے ہی قادیانی امت کے لئے کی تھی۔ تقریر کے پمفلٹ کے ساتھ مرزا طاہر قادیانی کا ایک سرکولر خط (**Circular Letter**) تھا جس میں قادیانی امت کے ہر فرد (مرد وزن) کو ہدایت کی گئی تھی بلکہ ہدف (**Target**) دیا گیا تھا کہ ہر قادیانی سال میں کم از کم ایک شخص کو ضرور قادیانی بنائے۔ اس بات کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ میرے ایک قادیانی شناسا جو حکومت پنجاب کے ایک محکمہ میں اعلیٰ عہدہ (**Gazetted Post**) پر اب بھی فائز ہیں بلکہ ترقی پاگئے ہیں۔ میرے پاس تشریف لائے (اس سے پہلے وہ کبھی تشریف نہیں لائے تھے) میرا اپنے پیشہ وارانہ فرائض کے سلسلہ میں ان سے واسطہ پڑتا رہتا تھا اور میں ان کا شکرگزار ہوں کہ وہ ہمیشہ میرا لحاظ کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں۔ لیکن مذہب کے مسئلہ پر نہ میں نے کبھی ان سے گفتگو کی اور نہ ہی انہوں نے کبھی یہ ذکر چھیڑا تھا۔ وہ کچھ دیر گپ شپ کے بعد تشریف لے گئے۔ اب انہوں نے

تیسرے چوتھے دن تشریف لانے کا معمول بنالیا۔ میرے ذہن میں چونکہ مرزا طاہر احمد کی ہدایت کے مندرجات موجود تھے۔ اس لئے میں ان کی تشریف آوری کا مطلب تو سمجھ گیا۔ لیکن میں نے مناسب یہ خیال کیا کہ وہ خود ہی حرف مدعا زبان پر لائیں تو بہتر ہوگا۔ غالباً چوتھی ملاقات پر یہ سوال ان کی زبان پر آ ہی گیا کہ: ''مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟'' اس کے بعد ان سے کوئی سال بھر وقفہ وقفہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت ومسیحیت کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ قادیانی دوست ہر دفعہ اپنی بات کی تان اسی مسئلہ پر توڑتے تھے کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے اور ان کی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مثیل نے آنا ہے اور وہ مثیل مرزا غلام احمد قادیانی ہے اس پر ایمان لانا نجات کے لئے ضروری ہے۔''

میں نے اس وقت تک اس مسئلہ پر سوچا بھی نہیں تھا کیونکہ میری رائے میں یہ ایسا مسئلہ نہیں تھا جس کے بارے میں حشر کے روز مجھ سے سوال ہوتا۔ اب بات یہیں پر آ کر رک گئی تھی کیونکہ قادیانیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ ایک ہی تصویر کے دورخ یا ایک ہی مسئلہ کی دو کڑیاں ہیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت یا زندگی ایک الگ مسئلہ ہے اور مرزا قادیانی کا اپنے دعویٰ میں صادق ہونا ایک الگ مسئلہ ہے۔ چنانچہ میرے لئے یہ لازم ہوگیا کہ میں اس مسئلہ پر تحقیق کر کے کوئی رائے قائم کروں اور اپنے قادیانی دوست کو جواب دوں۔

میں جو کچھ سمجھ سکا کہ وہ اس رسالہ کی صورت میں سامنے ہے، میری خواہش تھی کہ کوئی عالم دین اس مسئلہ پر قلم اٹھاتا تو اس کی تحریر زیادہ وقیع ہوتی۔ لیکن گزشتہ دس سال میں مجھے اس موضوع پر کسی عالم دین کی تحریر نہیں ملی بلکہ اس کے برعکس مولانا تمنا عمادی کی کتاب نظر سے گزری جس میں انہوں نے اس مسئلہ پر تمام احادیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ مجھے چونکہ اس مسئلہ پر شرح صدر حاصل ہوچکا ہے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اسے شائع کردوں جو پیش خدمت ہے۔ میں شاید اپنی پیشہ وارانہ اور گھریلو مصروفیات کی بناء پر مزید کافی عرصہ تک اس موضوع پر قلم نہ اٹھا سکتا اور فرصت کے انتظار میں ہی دنیا سے رخصت ہوجاتا لیکن خدا بھلا کرے میری اہلیہ کا کہ اس نے ہر قسم کے گھریلو فکر سے مجھے آزاد کردیا اور میرے لئے ممکن ہوسکا کہ اپنی پیشہ وارانہ مصروفیات سے جو وقت بچ جائے اسے اس رسالہ کے لکھنے میں صرف کرسکوں۔ اس تحریر کے حقوق محفوظ نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی صاحب اسے مفید خیال کریں اور افادہ عام کے لئے اس کے مزید نسخے شائع کرنا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ میری تحریر میں اگر کوئی سقم ہو تو

اسے معاف کردیا جائے، اور میرے لئے دعا کی جائے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو۔

’’اے ہمارے رب ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور اپنے پاس سے ہم پر رحمت فرما اور بلاشبہ تو (بے حساب) عطاء فرمانے والا ہے۔‘‘

(آل عمران:۸، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

احقر العباد: نور محمد قریشی

گزارش

میں اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے قلم اٹھا رہا ہوں اور اسی سے درخواست گزار ہوں کہ وہ مجھے اس موضوع کا حق ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ زیر بحث موضوع بہت اہم ہے اور میں علم دین کے لحاظ سے انتہائی بے مایہ شخص ہوں۔ یہ کسر نفسی نہیں بلکہ اظہار حقیقت ہے۔ البتہ تحدیث نعمت کے طور پر یہ ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس دین پر جو امام الانبیاء خاتم المرسلین سید ولد آدم محمد رسول اللہ ﷺ لائے ہیں ایمان لانے کی توفیق بخشی اور اہل علم کی قدردانی کی بدولت کوئی ایسا مسئلہ باقی نہیں رہا جس کے بارے میں ذہن میں کسی قسم کا کوئی شک یا تردد ہو اور اس وجہ سے میں اپنے خالق حقیقی کا جس قدر بھی شکرادا کروں کم ہے۔

’’جس کو دین کا فہم عطاء کردیا گیا اسے خیر کثیر عطاء کردیا گیا۔‘‘ (البقرہ:۲۶۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے شرح صدر عطاء فرمایا: ’’یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطاء کرتا ہے۔‘‘

(المائدہ:۵۴)

میں اسے فرض سمجھتے ہوئے افادۂ عام کے لئے شائع کررہا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبولیت بخشے اور میرے لئے نجات اور دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

آمین! **وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم!**

مسئلہ کیا ہے؟

کیا قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے یا نہیں؟

اس موضوع پر امت مسلمہ میں دو گروہ بن گئے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ قیامت

سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ ان کے دنیا میں دوبارہ آنے کا کوئی امکان نہیں۔

جس گروہ کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قبل از قیامت دنیا میں ایک بار پھر تشریف لائیں گے وہ نبی اکرم ﷺ کی ان احادیث پر انحصار کرتا ہے جن میں واضح الفاظ میں یہ خبر دی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ اس موضوع پر چند احادیث کا مطالعہ فرمادیں۔

۱...... ’’(حضرت) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ عنقریب ابن مریم تم میں اتریں گے حاکم عادل ہوکر پھر وہ صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کرادیں گے اور لڑائی کو موقوف کردیں گے۔ مال اس قدر فراواں ہوگا کہ کوئی شخص قبول نہ کرے گا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ ساری نعمتوں سے بہتر ہوگا۔ پھر ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ تم اس کی تصدیق چاہتے ہو تو پڑھ لو یہ آیت ہر ایک اہل کتاب اس کے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے) مرنے سے پہلے اس پر ایمان لائے گا اور دن قیامت کے وہ ان پر گواہ ہوگا۔‘‘ (صحیح بخاری باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

۲...... ’’حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں اور تحقیق وہی اترنے والے ہیں پس جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا کہ ان کا چہرہ سرخی سفیدی لئے ہوگا۔ دو رنگ دار چادروں کے درمیان ان کا سر (چمک سے) قطرے گراتا معلوم ہوگا۔ اگرچہ اسے پانی نہ ملا ہو پھر وہ اسلام کی حمایت میں قتال کریں گے لوگوں سے۔ پس صلیب کو پاش پاش کردیں گے اور خنزیر کو قتل کردیں گے۔ پھر چالیس سال تک زمین پر رہیں گے۔ پھر فوت ہوں گے اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے۔‘‘ (ابوداؤد ج۲ ص۲۸)

۳...... ’’عمروؓ بن عاص کے بیٹے عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم زمین پر اتریں گے۔ پس نکاح کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی اور پینتالیس سال تک رہیں گے۔ پھر فوت ہوں گے اور میرے پاس میرے مقبرے میں دفن ہوں گے اور پھر میں اور عیسیٰ ابن مریم ایک ہی مقبرے سے اٹھیں گے۔ ابوبکر اور عمر کے درمیان۔‘‘

(مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام ص۴۷۲)

میں نے صرف تین احادیث درج کی ہیں۔ لیکن کتب احادیث میں اس موضوع پر اور احادیث بھی ہیں جو صاحب مزید احادیث مطالعہ کرنا چاہیں وہ کتب احادیث سے رجوع کریں۔

جس گروہ کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں دوبارہ آنے کا کوئی امکان نہیں، ان کا استدلال یہ ہے کہ دین مکمل ہوچکا ہے۔ نبوت ختم ہوچکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق فریضہ شہادت حق امت کو منتقل ہوچکا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ’’تم ایک اچھی جماعت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ تم نیک کاموں کا بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔‘‘ (آل عمران:۱۱۰، ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

ایک اور جگہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی اس طرح بیان ہوا ہے: ’’اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو اور امتوں سے ممتاز فرمایا ہے اور اس نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔ تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر ہمیشہ قائم رہو (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے۔ نزول قرآن سے پہلے ہی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ تمہارے لئے قابل شہادت اور معتبر ہونے کے رسول ﷺ گواہ ہوں اور شہادت رسول ﷺ سے قبل تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو۔ پس تم لوگ خصوصیت کے ساتھ نماز کی پابندی رکھو۔ زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو۔ وہ تمہارا کارساز ہے۔ کسی کی مخالفت تم کو حقیقتاً ضرر نہ پہنچائے گی۔ پس اچھا دوست ہے اور اچھا مددگار۔‘‘

(الحج:۷۸، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

ان آیات میں واضح اعلان کے بعد فریضہ شہادت حق جو پہلے کار نبوت تھا۔ اب امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔ نبوت بھی ختم ہوچکی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر دنیا میں آکر کیا کریں گے۔ ان آیات سے جو نتیجہ اخذ (**Infer**) کیا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ کارجہاں میں اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں ہے۔

میں نے جو احادیث نقل کی ہیں ان کو ایک نظر دوبارہ دیکھ لیا جائے کہ ان سے واضح طور پر دو باتوں کی خبر حاصل ہوتی ہے۔

۱…… آنے والی شخصیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم ہیں جو نسل انسانی میں ایک ہی شخص ہیں۔

۲…… وہ اتریں گے یا نازل ہوں گے یعنی اب دوبارہ پیدا نہیں ہوں گے۔

ان احادیث سے جہاں ایک طرف جماعت کثیر نے یہ سمجھا کہ نازل ہونے والی شخصیت وہی ہیں جو نبی اکرم ﷺ سے تقریباً چھ سو سال قبل فلسطین میں بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ وہاں دوسری طرف علامہ تمنا عمادی اور چند دیگر علمائے کرام نے فن رجال کی روشنی میں ان احادیث کا کمزور ہونا ثابت کیا ہے۔

تیسرا گروہ

امت میں یہ خیال کہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ ابن مریم دنیا میں ایک بار پھر تشریف لائیں گے۔ اس قدر قوی تھا اور قوی ہے کہ اس سے حوصلہ پاکر برصغیر جنوبی ایشیاء میں مرزاغلام احمد قادیانی اور ایران میں ان کے ہم عصر بہاء اللہ نے یہ دعویٰ کر دیا کہ احادیث میں جس عیسیٰ ابن مریم کے دوبارہ آنے کی بشارت دی گئی ہے اس سے مراد عیسیٰ ابن مریم بنفس نفیس مراد نہیں ہیں بلکہ ان کا مثیل (یعنی ان جیسا) مراد ہے اور ان ہر دو حضرات نے اپنی اپنی جگہ مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

مرزاغلام احمد قادیانی نے البتہ مختلف اوقات میں مختلف مؤقف اختیار کئے۔ چنانچہ اپنی کتاب (براہین احمدیہ حاشیہ درحاشیہ نمبر۳ ص۳۶۱،۳۶۲، خزائن ج۱ ص۴۳۱،۴۳۲) پر لکھتے ہیں: ”اور مسیح کو معلوم تھا کہ خدا جلد تر اس عارضی تعلیم کو نیست ونابود کر کے اس کامل کتاب کو دنیا میں تعلیم کے لئے بھیجے گا جو حقیقی نیکی کی طرف دنیا کو بلائے گی اور بندگان خدا پر حق اور حکمت کا دروازہ کھول دے گی۔ اس لئے اس کو کہنا پڑا کہ ابھی بہت سی باتیں قابل تعلیم باقی ہیں جن کو تم ہنوز برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر میرے بعد ایک دوسرا آنے والا ہے وہ سب باتیں کھول دے گا اور علم دین کو بمرتبہ کمال پہنچائے گا۔ سو حضرت مسیح تو انجیل کو ناقص کی ناقص ہی چھوڑ کر آسمانوں پر جا بیٹھے۔“

اس کے علاوہ اسی کتاب کے (حاشیہ درحاشیہ نمبر۳ ص۴۹۹، خزائن ج۱ ص۵۹۳) پر قرآن کی ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا۔“

مندرجہ بالا عبارت مرزاغلام احمد قادیانی نے قرآن مجید کی ایک آیہ مبارکہ کی تفسیر

کرتے ہوئے تحریر کی ہے۔ مرزا قادیانی کی یہ کتاب ۱۸۸۴ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔ اس سے قبل مرزا قادیانی کو ۱۸۸۲ء میں یہ الہام ہوچکا تھا: ’’الرحمن علم القرآن ‘‘جس کا ترجمہ بھی انہیں کا کیا ہوا ہے۔ ’’خدا نے تجھے قرآن سکھلایا۔‘‘ یہ الہام مرزا غلام احمد قادیانی کے مجموعہ الہامات جو ’’تذکرہ‘‘ کے نام سے چھپا ہے کے ص۴۴ پر موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس الہام کے بعد مرزا قادیانی نے قرآن مجید کی کسی آیت کا جو بھی ترجمہ کیا یا جو بھی تشریح بیان کی وہ خدا کی سکھلائی ہوئی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء مرزا قادیانی اس بات کے قائل تھے کہ حضرت مسیح دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور اسلام کو دنیا کے کونے میں پھیلا دیں گے۔ ان کا یہ علم الہام کی بنیاد پر تھا۔

مرزا قادیانی چونکہ نبی بنائے نہیں گئے بلکہ اپنی قوت بازو سے بنے تھے۔ جس طرح کوئی خوانچہ فروش ترقی کرتا کرتا کسی کارخانہ کا مالک بن جاتا ہے یا کوئی تحصیلدار ترقی کرتا ہوا ملک کا صدر بن جاتا ہے۔ اس لئے مرزا قادیانی نے اپنی ہر بات کی خود ہی تردید کی ہوئی ہے۔ وقت گزرنے کے بعد مرزا قادیانی نے اپنے مؤقف میں تبدیلی پیدا کی اور عیسائیوں کے ہمنوا اس حد تک تو ہوگئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں۔ اس مسئلہ پر اپنے مؤقف میں تبدیلی کا پہلی دفعہ اظہار مرزا قادیانی نے اپنی کتاب (ازالہ اوہام ص۴۷۳، خزائن ج۳ ص۳۵۳) پر درج ذیل الفاظ میں کیا ہے: ’’یہ تو سچ ہے کہ مسیح اپنے وطن گلیل میں جاکر فوت ہوگیا۔ لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہوچکا تھا پھر زندہ ہوگیا۔‘‘

یہ الفاظ لکھتے ہوئے مرزا قادیانی بالکل بھول گئے کہ اس سے قبل قرآن مجید کی ایک آیت کی الہامی تفسیر کرتے ہوئے وہ یہ لکھ چکے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر جا بیٹھے اور دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اس کے بعد مرزا قادیانی نے اپنے مؤقف میں ایک نئی تبدیلی کی جو ان کے عقیدہ میں ایک تیسری تبدیلی تھی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ’’ہاں! خدا تعالیٰ کی اس قدیم سنت کے موافق کہ کوئی اولوالعزم نبی ایسا نہیں گزرا جس نے قوم کی ایذا کی وجہ سے ہجرت نہ کی ہو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی تین برس کی تبلیغ کے بعد صلیبی فتنہ سے نجات پاکر ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور یہودیوں کی دوسری قوموں کو جو بابل کے تفرقہ کے زمانہ سے ہندوستان اور کشمیر اور تبت میں آئے تھے خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر آخرکار کشمیر جنت نظیر میں انتقال فرمایا اور سری نگر خان یار کے محلہ میں باعزاز تمام دفن کئے گئے۔‘‘ (راز حقیقت ص۹، خزائن ج۱۴ ص۱۲۱)

مرزاغلام احمد قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ الہام پہلے فلسطین میں اور بعدازاں کشمیر کے شہر سری نگر کے محلہ خان یار میں دفن کرنے کے بعد اپنے مثیل مسیح ہونے کا اعلان ان الفاظ میں کر دیا: ''سو اس عاجز کو اور بزرگوں کی فطرتی مشابہت سے علاوہ جس کی تفصیل ''براہین احمدیہ'' میں بہ بسط تمام مندرج ہیں، حضرت مسیح کی فطرت سے ایک خاص مشابہت اور اسی فطری مشابہت کی وجہ سے مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا۔'' (فتح اسلام ص۱۷، خزائن ج۳ ص۱۱)

اس تیسرے گروہ میں (جو اس بات کا قائل ہے کہ حضرت مسیح بنفس نفیس دنیا میں دوبارہ تشریف نہیں لائیں گے بلکہ ان جیسا کوئی شخص آئے گا) ایران کے بہاء اللہ بھی شامل ہیں۔ بہاء اللہ نے بھی مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ (بہاء اللہ مرزاغلام احمد قادیانی کا ہم عصر تھا۔ بہاء اللہ نے ۱۸۹۸ء میں وفات پائی اور مرزاغلام احمد قادیانی نے ۱۹۰۸ء میں وفات پائی۔ پرلطف بات یہ ہے کہ دونوں نے نہ تو ایک دوسرے کی تصدیق کی نہ تکذیب)

بہائیوں کے صف اوّل کے عالم علامہ ابوالفضل گلپایگانی نے ۱۸۹۸ء میں بہاء اللہ کے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ''الفرائد'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس کا اردو ترجمہ پیش نظر ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب میں بہاء اللہ کا دعویٰ بیان کیا گیا ہے اور باقی کتاب اس دعویٰ کے اثبات کے لئے دلائل پر مشتمل ہے۔ چنانچہ پہلے باب کا عنوان ہے: ''اہل بہاء کا دعویٰ اور اس کے دلائل'' اس باب کے آخر میں بہاء اللہ کے دعویٰ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ اہل بہاء کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت باب اعظم نقطہ اولیٰ اور حضرت جمال اقدس ابھٰی ذکر ہما کا ظہور وہ ظہور ہے جس کی بشارت تمام انبیاء علیہم السلام نے دی ہے اور ان کے ظہور کی نشانیاں اور واقعات کو انتہائی وضاحت کے ساتھ آسمانی کتابوں میں ثبت فرمایا ہے اور چونکہ دنیا کی اصلاح اور اقوام کا اتحاد واتفاق ان ہی دو بزرگ ہستیوں کے ظہور پر موقوف تھا۔ اس لئے اس ظہور کے وقت اور مقام کو تاریخی طور پر کتابوں میں معین اور مقرر فرمایا ہے اور اہل اسلام کی اصطلاح کے مطابق کیونکہ اس وقت روئے سخن ان ہی کی طرف ہے۔ پہلا ظہور قائم آل محمد ﷺ کا ظہور کہلاتا ہے اور دوسرا ظہور شیعوں کی اصطلاح میں حسین رضی اللہ عنہ کا ظہور کہلاتا ہے اور سینوں کی اصطلاح میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مہدی کا ظہور کہلاتا ہے۔''

مندرجہ بالا حوالہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی کے ہم عصر بہاء اللہ ایرانی بھی اسی زمانہ میں مسیح ہونے کا دعویٰ کر چکے تھے۔ لیکن مرزاقادیانی کو اس کی اطلاع نہیں تھی۔ اگر مرزاقادیانی کا واقعی خدا سے بذریعہ الہام کوئی تعلق ہوتا تو ان کو اطلاع ہو

جاتی اور وہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتے۔ اس کے برعکس مرزا قادیانی کا دعویٰ تو یہ ہے کہ:
’’اس زمانہ میں بجز اس عاجز کے کسی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں (کیا)‘‘

(دیباچہ نشان آسمانی ص د، خزائن ج۴ ص۳۶۰)

یہ تو مرزا قادیانی کی بے خبری کا عالم تھا لیکن مرزا قادیانی کو حضرت مسیح سے کس طرح مشابہت ہے، اس کے لئے بھی انہوں نے کوئی ٹھوس دلیل نہیں دی اور اگر کوئی دلیل دی بھی ہے تو وہ انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

قادیانی امت کے لئے لمحہ فکریہ

میرا یہ رسالہ قادیانی حضرات کے مطالعہ کے لئے بھی ہے۔ میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس نکتہ پر کھلے ذہن کے ساتھ غور فرماویں۔ قادیانی حضرات پہلے اس بات کے قائل ہوئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم فوت ہوگئے تھے۔ (فلسطین میں پہلے فوت ہوئے اور بعد میں کشمیر میں فوت ہوئے) اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان کو اس بات کا قائل مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا یا کسی اور نے۔ لیکن پہلے انہوں نے یہ عقیدہ اختیار کیا اور بعد میں انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود تسلیم کرلیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی موت کے قائل نہ ہوتے تو مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود بھی تسلیم نہ کرتے۔ یعنی پہلے اس بات پر ایمان کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں اور بعد میں مرزا غلام احمد قادیانی کے مسیح موعود ہونے پر ایمان۔

اب قادیانی حضرات غور فرماویں کہ جب وہ اس بات کے قائل ہو جاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم فوت ہوگئے ہیں اور ان کی جگہ کسی مثیل مسیح نے آنا ہے تو ان کے سامنے بیک وقت دو آدمی مسیح ہونے کا دعویٰ لے کر آجاتے ہیں۔ ایک مرزا غلام احمد قادیانی ہیں اور دوسرے بہاء اللہ ہیں۔ دونوں ہی مسیح ہونے کے دعویدار ہیں۔ دونوں ہم عصر ہیں۔ لیکن نہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب۔ کیا ان قادیانی حضرات کا فرض نہیں کہ وہ اس کا جائزہ لیں کہ دونوں مدعیان مسیحیت میں سے کون حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم سے زیادہ مماثلت رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جس سے ان کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مماثلت ثابت ہوتی ہو۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ کہنا کہ ان کی دو

بیماریاں (ایک نیچے کی یعنی کثرت پیشاب اور دوسری اوپر کی یعنی مراق) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مماثلت ثابت کرتی ہیں، انتہائی لغو ہے۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم جسمانی طور پر بھی اور ذہنی طور پر بھی پوری طرح صحت مند تھے۔ البتہ بہاء اللہ ایرانی میں ایک سے زیادہ ایسی باتیں ہیں جس سے بہائی حضرات بہاء اللہ کی حضرت عیسیٰ ابن مریم سے مماثلت ثابت کرتے ہیں جنہیں میں اختصار کے ساتھ درج کرتا ہوں:

(۱) حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد کی بشارت دی۔ ''ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیاباں میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔''

(متی باب:۳،فقرہ:۱،۲)

بہاء اللہ کے دعویٰ سے پہلے علی محمد باب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور بہاء اللہ کی آمد کی اطلاع دی۔ ''۲۰؍اکتوبر ۱۸۱۹ء کو ایران کے شہر شیراز میں سادات کے ایک تاجر گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا اور اس کی پیدائش سے دو سال پہلے طہران میں شاہی نسل کے ایک گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہو چکا تھا۔ اوّل الذکر کا نام ''علی محمد'' تھا اور ثانی الذکر کا نام ''حسین علی'' تھا۔ شیراز میں پیدا ہونے والے بچہ نے جب اپنی عمر کے ۲۴ویں برس میں قدم رکھا تو اس نے بالکل غیر متوقع طور پر یہ اعلان کر دیا کہ شیعہ دنیا ایک ہزار سال سے جس قائم آل محمد کا انتظار کر رہی ہے وہ میرے سوا کوئی نہیں اور یہ عقیدہ کہ امام حسن عسکری کا ایک بیٹا زندہ موجود ہے اور وہ قائم آل محمد ہے بالکل غلط اور افتراء ہے۔ میری آمد کا پہلا اور آخری مقصد یہ ہے کہ میں لوگوں کو حسین یا مسیح کی دوبارہ آمد کی بشارت دوں جو میری شہادت کے نویں سال ظاہر ہوگا۔'' (الفرائد ص۷)

آپ نے دیکھ لیا کہ علی محمد باب نے شیعوں کے غائب امام کے عقیدہ کو باطل قرار دے کر خود قائم آل محمد ہونے کا دعویٰ کیا اور حسین یا مسیح کی دوبارہ آمد کی بشارت دی۔

(۲) حضرت مسیح نے اعلان نبوت سے قبل حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بیعت کی۔ ''اس وقت یسوع گلیل یردن کے کنارے یوحنا کے پاس بپتسمہ لینے آیا مگر یوحنا یہ کہہ کر اسے منع کرنے لگا کہ میں آپ تجھ سے بپتسمہ لینے کا محتاج ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا اب تو ہونے ہی دے۔ کیونکہ ہمیں اسی طرح راست بازی کو پوری کرنا مناسب ہے۔ اس پر اس نے ہونے دیا۔'' (متی باب:۳،فقرہ:۱۲تا۱۵)

''اور ان دنوں ایسا ہوا کہ یسوع نے گلیل کے ناصرہ سے آ کر یرون میں یوحنا سے بپتسمہ لیا۔'' (مرقس باب:۱، فقرہ:۹)

بہاء اللہ نے بھی اعلان نبوت سے قبل علی محمد باب سے بیعت کی۔ ''جس زمانہ میں حضرت علی محمد باب کی جماعت بابی شریعت کی تبلیغ کر رہی تھی حضرت حسین علی جو بعد میں بہاء اللہ کے آسمانی لقب سے مشہور ہوئے، حضرت باب پر اسی طرح ایمان لائے جس طرح کہ حضرت مسیح علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔'' (الفرائد ص۸)

یہ حضرت مسیح علیہ السلام اور بہاء اللہ کے درمیان دوسری مشابہت ہے۔

(۳) حضرت یحییٰ علیہ السلام گرفتار ہو کر حکومت وقت کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ''کیونکہ ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے یوحنا کو پکڑ کر باندھا اور قید خانہ میں ڈال دیا۔'' (متی باب:۱۶، فقرہ:۳،۴)

''محفل میں ناچ کر ہیرودیس کو خوش کیا۔ اس پر اس نے قسم کھا کر اس سے وعدہ کیا کہ جو کچھ تو مانگے گی تجھے دوں گا۔ اس نے اپنی ماں کے سکھانے سے کہا مجھے یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر تھال میں یہیں منگوا دے۔ بادشاہ غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب سے اس نے حکم دیا کہ دے دیا جائے اور آدمی بھیج کر قید خانہ میں یوحنا کا سر کٹوا دیا۔'' (متی باب:۱۴، فقرہ:۶ تا۹)

جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام قتل ہوئے اسی طرح علی محمد باب بھی حکومت کے حکم سے قتل کئے گئے۔

''نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی محمد باب کے تقریباً بیس ہزار مردوں، عورتوں، جوانوں، بوڑھوں اور بچوں کو تلوار کے گھاٹ اترنا پڑا۔ بہت سے نذر آتش کر دیئے گئے۔ اس خونریز ہنگامہ اور لامثال مظلومیت نے بابی جماعت کی تعداد کو لاکھوں تک پہنچا دیا۔ بالآخر حکومت ایران نے علی محمد باب کو گرفتار کر کے چھ سال تک مختلف قید خانوں میں محبوس رکھ کر ۹؍جولائی ۱۸۵۰ء کو تبریز کے میدان صاحب الزمان میں گولیوں سے شہید کر ڈالا۔'' (الفرائد ص۸)

یہ تیسری مشابہت ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام اور بہاء اللہ کے درمیان پائی جاتی ہے۔

(۴) مسلمان تو اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ اٹھا لئے گئے۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی اس کے قائل نہ رہے۔ لہٰذا اگر مرزا قادیانی کے بیان کو درست تصور کر لیا جائے تو حضرت مسیح علیہ السلام اور بہاء اللہ کے درمیان ایک چوتھی مشابہت بھی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ترک وطن کرنا پڑا اور

ان کا انتقال بھی پردیس میں ہوا۔ چنانچہ مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ’’کیونکہ تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیبی واقعہ سے نجات پاکر ضرور ہندوستان کا سفر کیا ہے اور نیپال سے ہوتے ہوئے اخر تبت تک پہنچے اور پھر کشمیر میں ایک مدت تک ٹھہرے...... اور آخر ایک سو بیس برس کی عمر میں سری نگر میں انتقال فرمایا۔‘‘ (راز حقیقت ص۹، خزائن ج۱۴ ص۱۶۱)

بہاء اللہ کو بھی وطن چھوڑنا پڑا اور اس کا انتقال بھی جلاوطنی میں ہوا۔ جس طرح بقول مرزا غلام احمد قادیانی کے حضرت مسیح کا انتقال جلاوطنی میں ہوا۔

’’بالآخر حکومت ایران نے ان کو (بہاء اللہ کو) ایران سے جلاوطن کر دیا۔ آپ ایران سے بغداد پہنچے۔ یہ ۱۸۵۳ء تھا جب کہ بغداد میں آپ نے اپنے مخصوص احباب کے سامنے سرأیہ دعویٰ کیا کہ اسلام میں جب حسین اور مسیح کی دوبارہ آمد کی خبر پائی جاتی ہے اور حضرت باب نے جس کی بشارت دی تھی وہ میں ہوں۔‘‘ (الفرائد ص۸)

مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ بالکل لغو ہے کہ ان میں اور حضرت مسیح علیہ السلام میں کوئی مشابہت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ میرے نزدیک مرزا غلام احمد قادیانی اور بہاء اللہ ایرانی دونوں ہی اپنے دعاوی میں جھوٹے ہیں۔ لیکن انہوں نے ایک دوسرے کی نہ تو تصدیق کی اور نہ ہی تکذیب کی۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک انسان کے لئے منصب نبوت سے بڑا کوئی منصب نہیں اور دعویٰ نبوت سے بڑا کوئی دعویٰ نہیں۔ چنانچہ جس قدر یہ دعویٰ عظیم ہے اسی لحاظ سے اس کا ثبوت بھی ایسا ہی درکار ہے جو ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہونا چاہئے۔ اگر دعویٰ کا ثبوت نہیں ہوگا یا ثبوت کمزور ہوگا تو اس کے انکار پر کوئی گرفت بھی نہ ہوسکے گی۔ اس مسئلہ میں نمایاں ترین مثال ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ کے معاملہ میں ملتی ہے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں عصا پیش کیا تو فرعون کے لئے بڑی پریشانی پیدا ہوگئی کہ بھرے ہوئے دربار میں اس کے لئے جواب نہیں بن پا رہا تھا۔ چنانچہ اس کے مقربین نے اسے مشورہ دیا کہ: ’’قوم فرعون میں جو سردار تھے اس سے کہا کہ یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے (ضرور) یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہاری (اس) سرزمین سے باہر کر دے سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو۔

انہوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی (ہارون) کو چندے مہلت دیجئے اور شہر میں چپراسیوں کو بھیج دیجئے کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لا حاضر کریں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آئے تو ہم کو

کوئی بڑا اصلہ ملے گا۔ فرعون نے کہا کہ ہاں (بڑا انعام ملے گا) اور (مزید برآں) تم مقربین میں سے ہوگے۔ ساحروں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ خواہ آپ ڈالئے اور یا ہم ہی ڈالیں۔ موسیٰ نے فرمایا کہ (پہلے) تم ہی ڈالو۔ پس جب انہوں نے اپنی (رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کردی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھلایا اور ہم نے موسیٰ کو (وحی کے ذریعہ) حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے۔ سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے (اژدھا بن کر) ان کے سارے بنے ہوئے کھیل کو نگلنا شروع کردیا۔ پس (اس وقت) حق (کا حق ہونا) ثابت ہوگیا اور جو کچھ انہوں نے کہا تھا وہ باطل ہوگیا۔'' (الاعراف:۱۰۹تا۱۱۸، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

جب جادوگروں پر (جو اس شعبہ کے ماہرین تھے) یہ واضح ہوگیا کہ جو کچھ ان کے سامنے پیش کیا گیا ہے وہ جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے تو وہ ایمان لے آئے۔

''جو ساحر تھے گر گئے سجدے میں (اور پکار پکار کر) کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔'' (الاعراف:۱۲۰تا۱۲۲، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

جب حضرت عیسیٰ ابن مریم نے اپنے دعویٰ کو پیش کیا تو انہوں نے بھی ثبوت کے طور پر معجزات پیش کئے: ''(حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نے کہا) کہ میں تم لوگوں کے پاس (اپنی نبوت پر) کافی دلیل لے کر آیا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے اور پھر اس کے اندر پھونک مارتا ہوں جس سے وہ جاندار پرندہ بن جاتا ہے خدا کے حکم سے۔ میں اچھا کردیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص (جذام) کے مریض کو اور زندہ کردیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھا کر آتے ہو اور جو رکھ آتے ہو۔ بے شک ان میں (میری نبوت کی) کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے اگر تم ایمان لانا چاہو۔'' (آل عمران:۴۵تا۴۹، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بنی اسرائیل کے سامنے علاوہ اپنی معجزانہ پیدائش کے درج ذیل باتیں پیش کیں:

۱...... مٹی سے پرندہ بنانا اور اسے پھونک مار کر اڑا دینا۔

۲...... مادرزاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست کردینا۔

۳...... مردے کو زندہ کردینا۔

۴...... ان کو بتا دینا کہ وہ کیا کھا کر آئے ہیں اور کیا گھر میں چھوڑ کر آئے ہیں۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنی

مماثلت ثابت کرنے کے لئے کوئی ٹھوس دلیل نہیں دی۔ ابتداءً مرزا قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کے معجزات کے قائل تھے۔ لیکن وہ ان معجزات کو اللہ تعالیٰ کے دوسرے افعال سے کم تر درجہ میں تصور کرتے تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ’’لیکن یہ بات اس جگہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اس قسم کے اقتداری خوارق گو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتے ہیں مگر پھر بھی خدا تعالیٰ کے ان خاص افعال سے بلاتوسط ارادہ غیری ظہور میں آتے ہیں۔ کسی طور سے برابر نہیں ہوسکتے اور نہ برابر ہونا ان کا مناسب ہے۔ اسی وجہ سے جب کوئی نبی یا ولی اقتداری طور پر بغیر توسط کسی دعا کے کوئی ایسا خرق عادت دکھلاوے جو انسان کو کسی حیلہ اور تدبیر اور علاج سے اس کی قوت نہیں دی گئی تو نبی کا وہ فعل خدا تعالیٰ کے ان افعال سے کم رتبہ پر رہے گا جو خدا تعالیٰ علانیہ اور بالجہر اپنی قوت کاملہ سے ظہور میں لاتا ہے۔ یعنی ایسا اقتداری معجزہ بہ نسبت دوسرے الٰہی کاموں کے جو بلاواسطہ اللہ جل شانہ سے ظہور میں آتے ہیں ضرور کچھ نقص اور کمزوری اپنے اندر موجود رکھتا ہوگا تا سرسری نگاہ والوں کی نظر میں تشابہ فی الخلق واقع نہ ہو۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا باوجود اس کے کہ کئی دفعہ سانپ بنا لیکن آخر عصا کا عصا ہی رہا اور حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے۔ مگر پھر بھی مٹی کی مٹی کے ہی تھے اور کہیں خدا تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ وہ زندہ بھی ہوگئیں۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۶۸، خزائن ج۵ ص۶۸)

مندرجہ بالا حوالہ سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ مرزا قادیانی ابتداء میں حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو تسلیم کرتے تھے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ (عصائے موسیٰ) کے بھی قائل تھے۔ لیکن جب مرزا قادیانی کو حضرت مسیح علیہ السلام سے اپنی مماثلت ثابت کرنا پڑی تو وہ چوکڑی بھول گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی معجزانہ پیدائش سے اپنی مماثلت اس طرح ثابت کرتے ہیں: ’’سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریم یہی ہے جس نے عیسیٰ ابن مریم کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شخص والد روحانی کو نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا تب خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور تربیت کی کنار میں لیا اور اس نے اپنے بندہ کا نام ابن مریم رکھا۔ کیونکہ اس نے مخلوق میں سے اپنی روحانی والدہ کا منہ تو دیکھا (کیا قادیانی امت بتاسکتی ہے کہ روحانی والدہ کا کیا نام ہے؟ راقم) جس کے ذریعہ اس نے قالب اسلام پایا...... پس مثالی صورت کے طور پر یہی عیسیٰ ابن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے؟ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسل اربعہ میں سے کسی سلسلہ میں یہ داخل

ہے۔ پھر اگر یہ ابن مریم نہیں تو کون ہے۔“ (ازالہ اوہام ص۴۸۶،۴۸۷، خزائن ج۳ ص۳۶۱،۳۶۲)

کیا خوب منطق ہے، چونکہ مرزاغلام احمد قادیانی سلاسل اربعہ میں سے کسی سلسلہ میں داخل نہیں تھے۔ اس لئے وہ ابن مریم ہوگئے۔ میں قادیانی دوستوں سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت بھی کروڑوں ایسے لوگ ہوں گے جن میں راقم بھی شامل ہے جو سلاسل اربعہ میں سے کسی میں داخل نہیں ہے۔ کیا وہ صرف اس وجہ سے ابن مریم بن گئے؟ رہ گئے حضرت عیسیٰ ابن مریم کے معجزات، جن کا قرآن کریم میں ذکر ہے اور جنہیں مرزاقادیانی خود بھی ابتداءً تسلیم کرتے تھے، بعد میں ان کے بارے میں مرزاقادیانی بالکل ہی انکاری ہوگئے۔

”سو یقینی طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اگر ایک شخص اس فن میں کامل مشق رکھنے والا مٹی کا ایک پرندہ بنا کر اس کو پرواز کرتا ہوا دکھا دے تو کچھ بعید نہیں۔ کیونکہ اندازہ نہیں کیا گیا کہ اس فن کے کمال کی انتہاء کہاں تک ہے اور جب کہ ہم بچشم خود دیکھتے ہیں کہ اس فن کے ذریعہ سے ایک جماد میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ جانداروں کی طرح چلنے لگتا ہے...... اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی بپایہ ثبوت نہیں پہنچتا۔“ (ازالہ اوہام ص۳۱۱،۳۱۲، خزائن ج۳ ص۲۵۹)

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ مرزاقادیانی اس بات سے انکاری ہوگئے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن سے ثابت ہے۔ حالانکہ اس سے قبل آئینہ کمالات اسلام میں لکھ چکے تھے کہ ”معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے۔“ اور اگر حضرت مسیح نے کچھ پرندے بنا کر اڑائے بھی تھے تو یہ کام انہوں نے اپنے باپ یوسف سے جو ایک ماہر بڑھئی تھے، سیکھا تھا۔

”کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے اور جیسے انسان کے قویٰ موجود ہوں انہیں کے موافق اعجاز کے طور پر بھی مدد ملتی ہے۔“

(ازالہ اوہام ص۳۰۳، خزائن ج۳ ص۲۵۴،۲۵۵)

چلئے چھٹی ہوئی، اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے کوئی اس طرح کا معجزہ دکھایا بھی تھا تو وہ انہوں نے اپنے باپ سے سیکھا تھا کیونکہ اس فن میں وہ ان کا بھی استاد تھا۔ بلکہ اس قسم کے معجزات دکھانے میں حضرت عیسیٰ ابن مریم کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں تھی کیونکہ یہ کام تو ہر شخص کرسکتا ہے۔

”اور قرآن شریف کی آیات بھی باآواز بلند یہی پکار رہی ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے

ایسے عجائب کاموں میں اس کو طاقت بخشی گئی تھی اور خدا تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ وہ ایک فطری طاقت تھی جو ہر ایک فرد بشر کی فطرت میں مودع ہے۔ مسیح سے اس کی کچھ خصوصیت نہیں۔‘‘

(ازالہ اوہام ص۳۱۴، خزائن ج۳ ص۲۶۰)

اب یہ قادیانی دوستوں کا اپنا کام ہے کہ وہ دیکھیں مرزاغلام احمد قادیانی کو حضرت مسیح سے واقعی مماثلت ہے یا نہیں اور اگر کوئی مماثلت مرزاقادیانی نے بتائی ہے تو وہ کس قدر مضحکہ خیز ہے؟

اب اگر قادیانی حضرات اس بات کے قائل ہو ہی گئے ہیں کہ حضرت مسیح اپنی طبعی عمر پوری کر کے فوت ہوگئے تھے اور احادیث میں جس ابن مریم یا عیسیٰ ابن مریم کی آمد کی خبر دی گئی ہے اس سے مراد ان کا مثیل ہے تو ان کے لئے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ بہاء اللہ کو مسیح موعود تسلیم کرلیں کیونکہ مرزاغلام احمد یا بہاء اللہ میں سے اگر واقعتاً کسی کو حضرت عیسیٰ ابن مریم سے مماثلت ہے تو وہ بہاء اللہ کو ہے۔ مرزاغلام احمد قادیانی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مماثلت والی کوئی ایک بات بھی نہیں ہے۔

خلاصہ کلام

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں تین گروہ ہیں۔ پہلے دوگروہ متضاد نقطہ نظر رکھنے کے باوجود مسلمان ہیں۔ البتہ تیسرا گروہ خواہ مرزاغلام احمد قادیانی کو مسیح مانتا ہو یا بہاء اللہ ایرانی کو مسیح مانتا ہو، دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ بہائیوں نے تو اس منطقی حقیقت کو، کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک نئے شخص کو مامور من اللہ تسلیم کر کے وہ دائرہ اسلام کے اندر نہیں رہ سکتے۔ قبول کرلیا ہے۔ اب وہ نہ تو خود کو مسلمان کہتے ہیں اور نہ اسلام سے کوئی تعلق ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن قادیانیوں کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ انہوں نے خود کو دائرہ اسلام سے باہر نکالنے کی بجائے تمام مسلمانوں ہی کو اسلام سے خارج کردیا ہے۔

مختصر الفاظ میں تینوں گروہوں کا نقطہ نظر اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو بنفس نفیس اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور نہ ہی ان کا کوئی مثیل۔

۲...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود (نہ کہ ان کا کوئی مثیل) دوبارہ قیامت سے قبل دنیا میں تشریف لائیں گے۔

۳...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے تھے۔ اس لئے خود تو دنیا میں دوبارہ تشریف نہیں لائیں گے لیکن ان کا مثیل دنیا میں آچکا ہے۔

قادیانیت کی بنیاد

میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مرزاغلام احمد قادیانی کے تین موقف ہیں اور تینوں ہی الہامی ہیں۔ ہم ان کا اعادہ کر لیتے ہیں۔

۱...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے اور قیامت سے قبل دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔

۲...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے تھے اور اپنے وطن گلیل میں دفن ہوئے۔

۳...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیبی فتنہ سے نجات پاکر ہجرت کی اور کشمیر کے شہر سری نگر کے محلّہ خان یار میں دفن ہیں۔

یہ تینوں موقف جو ایک دوسرے سے متضاد ہیں مرزاغلام احمد قادیانی کی تصانیف میں موجود ہیں۔ لیکن قادیانی حضرات مرزاغلام احمد قادیانی کی کتب کا مطالعہ نہیں کرتے (مجھے اپنی زندگی میں ایک قادیانی بھی ایسا نہیں ملا جس نے مرزاغلام احمد قادیانی کی کسی کتاب کو مکمل پڑھا ہو) وہ صرف ''الفضل'' پڑھتے ہیں یا ان کے اجتماعات میں مرزاقادیانی کی کسی کتاب کا کوئی حصہ سنادیا جاتا ہے یا اب وہ ڈش انٹینا پر اپنے خلیفہ کا خطبہ سنتے ہیں۔ اس لئے بہت کم قادیانی اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ میں تین مختلف موقف مرزاقادیانی کی تصانیف میں موجود ہیں۔ چنانچہ جب کسی قادیانی کے سامنے مرزاقادیانی کے یہ تینوں موقف رکھ دیئے جاتے ہیں تو اس کی کیفیت ایسی ہوجاتی ہے جسے قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''اس پر متحیر رہ گیا وہ کافر۔'' (البقرہ:۲۵۸)

عقیدۂ ختم نبوت مسلمانوں میں اس قدر راسخ تھا اور راسخ ہے کہ اس میں نقب لگانے والے کو اس امت نے کبھی برداشت نہیں کیا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے ائمہ تلبیس بھی چند دن کی تحریک کے بعد قعر مذلت میں گر گئے۔ مرزاغلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت چلانے کے لئے تین کام کئے۔ پہلا کام شہرت حاصل کرنا تھا، اس کے لئے انہوں نے اسلام کے حق میں اور دیگر مذاہب کے خلاف مناظرے شروع کئے۔ وہ اپنے ہر مناظرے کے لئے بڑی تعداد میں اشتہار شائع کرتے۔ مناظرہ کرنے اور مناظرہ کے نتیجہ میں وہ کبھی بھی سنجیدہ نہیں ہوتے تھے۔ لیکن

مناظرہ کی اطلاع دوردور تک پہنچانے میں بہت اہتمام کرتے تھے۔اس لحاظ سے انہیں دور حاضر کے پروپیگنڈہ سسٹم کا امام بھی کہا جاسکتا ہے۔جب کچھ شہرت نصیب ہوئی تو انہوں نے پہلا دعویٰ یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دور میں اسلام کی خدمت کے لئے مامور کیا ہے۔چنانچہ دوسرا کام نبوت کے مقام تک پہنچنے میں تدریج سے کام لینا۔پہلا دعویٰ انتہائی بے ضرر جس کا کسی نے کوئی خاص نوٹس ہی نہیں لیا۔مناظر سے مامور من اللہ، مجدد، ظل نبی اور ۱۹۰۱ء تک مکمل نبی بن گئے۔اس تدریج کے باوجود ان کو معلوم تھا کہ یہ امت کسی نئے نبی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔البتہ امت میں یہ خیال ضرور موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں اور وہ قیامت سے قبل دنیا میں دوبارہ آئیں گے۔چنانچہ تیسرا کام انہوں نے یہ کیا کہ اپنے پہلے موقف کو تبدیل کر کے یہ موقف اختیار کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہوگئے تھے ان کی جگہ ان کا مثیل آئے گا اور وہ مثیل مسیح خود مرزا قادیانی ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات ووفات کا مسئلہ قادیانیت کا ستون ہے۔جس کے ساتھ پوری قادیانیت لٹکی ہوئی ہے۔جب بھی کسی قادیانی سے گفتگو کا موقع ملتا ہے تو وہ بحث کا آغاز یہیں سے کرتا ہے۔اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے بلکہ قبل از قیامت بنفس نفیس دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو قادیانیت کی ساری عمارت چشم زدن میں زمین بوس ہو جاتی ہے۔

مسئلہ زمان ومکان

آگے بڑھنے سے پہلے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ زمان ومکان ایک اضافی (**Relative**) چیز ہے۔جس وقت کی قید میں ہماری زندگیاں ہیں اس کا صرف اسی زمین سے تعلق ہے اور کائنات کے دوسرے مقامات پر وقت کے پیمانے مختلف ہیں۔جو اصحاب فزکس کے طالب علم ہیں انہیں معلوم ہے کہ جو چیز روشنی کی رفتار سے زیادہ رفتار سے سفر کرے گی۔وہ وقت کی قید سے آزاد ہو جائے گی۔چنانچہ قرآن مجید سے ہمیں اس کی گواہی اس طرح ملتی ہے: ’’کہا اس شخص نے کہ نزدیک اس کے تھا علم کتاب سے میں لے آؤں گا تمہارے پاس اس کو پہلے اس سے کہ پھر آوے طرف تمہاری نظر تمہاری (یعنی پلک جھپکنے سے پہلے)۔‘‘

(سورۂ نمل:۴۰، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں جس شخص نے بھی یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ پلک

جھپکنے سے پہلے ملکہ سبا کا تخت لاسکتا ہے۔اس نے اس طرح کا کوئی عمل نہیں کرنا تھا جس طرح کوئی جادو کے زور سے بکری کو مرغی میں تبدیل کرتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے رفتار نور سے بھی زیادہ رفتار کی قوت پرواز دی تھی اور اس رفتار سے اس کا سفر وقت کی قید سے آزاد تھا۔ چنانچہ اس نے دعویٰ کر دیا کہ وہ پلک جھپکنے میں ملکہ سبا کا تخت حاضر خدمت کر سکتا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام جس سرعت سے وحی الٰہی کو عرش الٰہی سے نبی اکرم ﷺ تک لاتے تھے اگر ان کی رفتار وقت کی قید سے آزاد نہ ہوتی اور روشنی کی رفتار سے بھی پرواز کرتے تو ان کو صرف ایک دفعہ کے سفر کے لئے بھی ایک طویل عرصہ درکار ہوتا۔لیکن حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رفتار روشنی کی رفتار سے زیادہ تھی جو وقت کی قید سے آزاد تھی۔ اس لئے جیسے ہی ان کو جناب الٰہی سے کوئی حکم ملتا وہ ایک ثانیہ سے بھی کم وقت میں اس حکم کو لے کر نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہو جاتے۔

خود نبی اکرم ﷺ کا سفر معراج بھی وقت کی قید سے آزاد تھا۔ میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ یہ سفر روحانی تھا یا جسمانی۔ کیونکہ مجھے نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ میرا یہ منصب ہے لیکن اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو جو سواری مہیا کی اس کی رفتار یقیناً روشنی کی رفتار سے زیادہ تھی اس لئے نبی اکرم ﷺ نے یہ سفر جو پہلے مرحلہ میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اور دوسرے مرحلہ میں بیت المقدس سے ساتویں آسمان تک تھا اور وہاں سے واپس مکہ مکرمہ تک تھا۔ بغیر وقت صرف کئے مکمل کر لیا۔ یہ اس لئے ممکن ہو سکا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ سفر روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے طے کیا اور اس پورے سفر میں وہ وقت کی قید سے آزاد تھے۔ جیسے جیسے انسانی علوم ترقی کرتے جائیں گے انسان پر ثابت ہوتا جائے گا کہ قرآن برحق ہے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''ہم عنقریب ان کو نفس وآفاق میں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھا دیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ (قرآن) حق ہے۔ تو کیا آپ کے رب کی یہ بات کافی نہیں ہے وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔''

(حم سجدہ:۵۳، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات زمان ومکان کی پابند نہیں ہے۔ زمان ومکان کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے تخلیق کیا ہے اور انسان ہی زمان ومکان سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب بھی اپنی حکمت بالغہ سے چاہتا ہے اپنے کسی بندے کو اس سے اثر پذیر نہیں ہونے دیتا۔ اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے راز نہیں رکھا بلکہ قرآن مجید میں ایک سے زیادہ

مقامات پر اپنی اس قدرت کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم کی گواہی سے ہمیں معلوم ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نوصد پچاس سال تبلیغ کی۔

’’اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا۔ سو وہ ان میں پچاس کم ایک ہزار برس رہے اور قوم کو سمجھاتے رہے......‘‘ (العنکبوت:۱۴، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اگر حضرت نوح علیہ السلام نے نوصد پچاس برس تبلیغ کی تو ان کی عمر ہزار سال سے زیادہ ہی ہوگی۔ جب کہ ہمارے لئے اس قدر لمبی عمر کا تصور ہی محال ہے۔ اسی طرح اصحاب کہف کا معاملہ ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک غار میں (بغیر کھلائے پلائے) تین صد نو سال سلائے رکھا۔

’’اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اوپر رہے۔‘‘

(الکہف:۲۵، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اگر اللہ تعالیٰ اصحاب کہف کو تین سو سال تک زمان و مکان کی اثر پذیری سے آزاد رکھ سکتا ہے تو اگر وہ چاہے تو تین ہزار سال تک بھی ایسا کر سکتا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس قدرت کا (کہ وہ اپنے کسی بندے کے لئے زمان و مکان کے قوانین جب چاہے ساقط کر سکتا ہے) اس طرح اظہار کیا ہے: ’’......کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی (کے مردوں) کو اس کے مرے پیچھے کس کیفیت سے زندہ کریں گے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سو برس تک مردہ رکھا۔ پھر اس کو زندہ کر اٹھایا (اور پھر) پوچھا کہ تو کتنے (دنوں) اس حالت میں رہا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تو (اس حالت میں) سو برس رہا ہے تو اپنے کھانے (کی چیز) اور پینے (کی چیز) کو دیکھ لے کہ نہیں سڑی گلی......‘‘

(البقرہ:۲۵۹، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس آیہ مبارکہ میں تو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو کھانا بھی سو سال تک محفوظ رہ سکتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ اصحاب کہف کو تین سو سال تک اور اپنے ایک دوسرے بندے کو سو سال تک مع اس کی خوراک کے زمان و مکان کی اثر پذیری سے محفوظ رکھ سکتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہو تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو ہزاروں سال بھی محفوظ رکھ سکتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کون تھے؟

حضرت عیسیٰ ابن مریم دنیا میں دوبارہ آئیں گے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب تلاش

کرنے سے پہلے ہمارے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ وہ کون تھے۔ جب ہم حضرت عیسیٰ ابن مریم کی شخصیت کا پوری طرح تعارف حاصل کرلیں گے تو ہم اس سوال کو آسانی سے حل کر سکیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم سے متعارف ہونے کے لئے سب سے پہلے ہم قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ جو ہم مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ یقینی ذریعہ علم ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ’’(اس وقت کو یاد کرو) جب کہ فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا اس کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ باآبرو ہوں گے دنیا میں اور آخرت میں اور منجملہ مقربین کے ہوں گے اور آدمیوں سے کلام کریں گے گہوارہ میں (یعنی بالکل بچپن میں) اور ادھیڑ عمر میں اور شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے اور حضرت مریم بولیں اے پروردگار میرے بچہ کس طرح ہوگا۔ حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویسے ہی بلا مرد کے ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں۔ جب کسی چیز کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہوجا بس وہ چیز ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو تعلیم فرماویں گے (آسمانی) کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور (بالخصوص) تورات اور انجیل اور ان کو (تمام) بنی اسرائیل کی طرف بھیجیں گے (رسول بنا کر) کہ میں تم لوگوں کے پاس (اپنی نبوت پر) کافی دلیل لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر اس کے اندر پھونک ماردیتا ہوں جس سے وہ (جاندار) پرندہ ہی بن جاتا ہے خدا کے حکم سے اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص (جذام) کے بیمار کو اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے اور میں تم کو بتلا دیتا ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھا (کر) آتے ہو اور جو رکھ آتے ہو بلاشبہ ان میں (میری نبوت کی) کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے اگر تم ایمان لانا چاہو۔‘‘

(آل عمران:۴۵تا۴۹، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا ہے: ’’عیسیٰ علیہ السلام تو محض ایک ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے فضل کیا تھا اور ان کو بنی اسرائیل کے لئے ہم نے (اپنی قدرت کا) ایک نمونہ بنایا تھا۔‘‘ (الزخرف:۵۹، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

قرآن کریم میں ایک اور جگہ بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ’’اور اسی طرح وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا

بھیجا ہوا (رسول) آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے تورات (آچکی) ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والا ہے جن کا نام (مبارک) احمد ہوگا۔ میں ان کی بشارت دینے والا ہوں پھر جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو وہ لوگ ان دلائل (معجزات کی نسبت) کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے۔" (الصّف:۶، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

ان آیات مبارکہ سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا اور اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزات (جو درحقیقت پروانہ تقرری تھے) عطاء فرمائے تھے تاکہ بنی اسرائیل ان پر ایمان لائیں اور فلاح پائیں۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم نہ تو کسی دوسری قوم (یا پوری نوع انسانی) کی طرف بھیجے گئے تھے اور نہ ہی کسی دوسری قوم کو انہوں نے ایمان کی دعوت دی۔ اس مقصد کے لئے جب ہم بائبل کی طرف رجوع کرتے ہیں تو وہاں سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

"پھر یسوع وہاں سے نکل کر صور اور صیدا کے علاقہ کی طرف روانہ ہوا اور دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی اے خداوند ابن داؤد مجھ پر رحم کر ایک بدروح میری بیٹی کو بہت ستاتی ہے۔ مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا اور اس کے شاگردوں نے پاس آکر اس سے عرض کی کہ اسے رخصت کردے۔ کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مگر اس نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب میں کہا لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔ اس نے کہا کہ کیونکہ کتے بھی ان ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو ان کے مالکوں کی میز سے گرتے ہیں۔" (متی باب:۱۵، فقرہ:۲۱ تا ۲۷)

بائبل میں ایک اور جگہ اپنے شاگردوں کو تبلیغ کے لئے روانہ کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو ہدایات دیں وہ اس طرح ہیں: "ان بارہ (رسولوں) کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔" (متی باب:۱۰، فقرہ:۵ تا ۷)

بائبل اور قرآن کریم سے یہ بات حتمی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کی بعثت صرف اور صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی اور جتنا عرصہ بھی وہ دنیا میں رہے، انہوں نے اپنے خطاب کو بنی اسرائیل کے لئے ہی مخصوص رکھا۔ اگر وہ اب تک دنیا میں موجود رہتے تو بھی اپنے

خطاب کو بنی اسرائیل تک ہی محدود رکھتے اور اپنے شاگردوں کو بھی یہی تلقین کرتے رہتے یا اگر وہ اب دنیا میں دوبارہ تشریف لے آئیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ وہ اپنی دعوت کے مخاطب تبدیل کر لیں اور یہودیوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو خطاب کرنا شروع کر دیں۔ (جیسا کہ مرزاغلام احمد قادیانی نے کیا ہے) کہ مجھ پر ایمان لاؤ۔ حالانکہ وہ تو پہلے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ آئندہ بھی اگر انہوں نے کسی وقت خطاب کیا تو وہ یہودیوں سے ہی ہوگا البتہ وہ عیسائی مبلغین سے ضرور دریافت کریں گے کہ جو کام میں نے اپنے لئے حرام سمجھا اسے تم نے اپنے لئے کس طرح حلال کر لیا۔

دوسری بات جو صرف بائبل سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ غیر یہودی تو حضرت عیسیٰ کے نزدیک انسان تصور کئے جانے کے بھی لائق نہیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ جو رعایت وہ کسی غیر یہودی کو دینے کے لئے تیار تھے وہ یہ کہ اسے پالتو کتے کا مقام دے دیں اور اپنے دسترخوان سے روٹی کا کوئی بچا ہوا ٹکڑا اٹھا کر ان کے آگے پھینک دیں۔ کسی غیر یہودی کو دعوت ایمان دینا تو دور کی بات ہے وہ تو اس کے لئے دعا کرنا بھی نامناسب تصور کرتے تھے۔

یہ بات واضح ہو جانے کے بعد کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کی بعثت صرف اور صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی نہ کہ کسی دوسری قوم کی طرف تو ایک مسلمان کا ان سے وہی تعلق ہوگا جو نبی اکرم ﷺ سے پہلے آنے والے دیگر انبیاء کے ساتھ ہوگا۔ یعنی ہم ان پر ایمان رکھیں گے، ان کی تکریم کریں گے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم مسلمانوں کا طرز عمل بھی وہی ہوتا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود کا ہے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی طرف کوئی رسول مبعوث کرتا ہے تو اسے واضح معجزات عطاء کر کے بھیجتا ہے تاکہ جو ایمان لائے وہ پہچان کر ایمان لائے اور جو انکار کرے وہ بھی پہچان کر انکار کرے۔ معجزہ ایک طرح کا نبی کے لئے پروانہ تقرری ہوتا ہے۔ اگر معجزہ (پروانہ تقرری) نبی کے پاس نہ ہو تو اس بات کا کیا ثبوت ہو کہ اسے واقعی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے یا مدعی نبوت نے مرزاغلام احمد قادیانی کی طرح نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے قبل جو بھی انبیاء مبعوث ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ نے حسی معجزات عطاء کئے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضاء...... لیکن نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں معنوی معجزہ عطاء فرمایا۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ پر نبوت کو ختم کرنا مقصود تھا اور کار نبوت امت کے سپرد کرنا تھا۔ اس لئے وہ معنوی معجزہ بھی امت کے سپرد کر دیا گیا تاکہ جس طرح قرآن کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ نے

فریضہ شہادت حق ادا کیا تھا۔ اسی طرح امت مسلمہ بھی قرآن ہی کے ذریعہ اقوام عالم پر فریضہ شہادت حق ادا کر کے حجت تمام کرتی رہے۔

گروہ انبیاء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے حسی معجزات عطاء کئے جو اس سے قبل کسی نبی کو نہیں عطاء کئے تھے۔ مثلاً مٹی سے پرندہ بنا کر اس کو پھونک مار کر اڑا دینا یا مردے کو زندہ کر دینا۔ یہ ایسے معجزات ہیں کہ انہیں دکھانے کے بعد ہمارے ملک میں تو کوئی خدائی دعویٰ کر دے تو گمان غالب یہ ہے کہ لوگ اس کے دعویٰ خدائی کو بھی تسلیم کر لیں گے۔ لیکن حیرت ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ رسالت کو بھی قبول نہ کیا۔ بلکہ بزعم خود انہیں مصلوب کر دیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کے صحیفوں میں ان کے مسیح کی نشانی مختلف تھی۔ چنانچہ یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو جادو قرار دیا۔

یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سلوک

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس بارے میں چار گروہ ہیں:

۱...... ایک گروہ یہودیوں کا ہے جن کا خیال ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، جو ان کے نزدیک فتنہ پرور شخص تھا، مصلوب کر دیا گیا۔

۲...... ایک گروہ عیسائیوں کا ہے جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے صلبی بیٹے تھے (نقل کفر کفر نہ باشد) اور انہوں نے اولاد آدم کے اصلی گناہ (**Original Sin**) کا کفارہ ادا کرنے کے لئے صلیب پر جان دے دی، اس کے بعد تین دن قبر میں بسر کرنے کے بعد زندہ ہو کر آسمانوں پر چلے گئے۔

۳...... ایک گروہ قادیانیوں کا ہے جن کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب ضرور دیئے گئے لیکن وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ اتار لئے گئے۔ اس کے بعد ان کا علاج ہوا۔ اس کے بعد:

الف...... وہ اپنے وطن گلیل میں دفن ہوئے۔

ب...... وہ کشمیر میں سری نگر کے محلہ خان یار میں دفن ہوئے۔

۴...... ایک گروہ مسلمانوں کا ہے جن کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو صلیب دیئے گئے اور نہ قتل کئے گئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھا لیا۔

دوسرے گروہوں کے نظریہ یا عقیدہ سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر کی بنیاد احادیث کے علاوہ قرآن مجید بھی ہے۔ مثلاً: ’’......اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے۔‘‘

(المائدہ:۱۱۰، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

’’اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو کہ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے، قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا۔‘‘

(النساء:۱۵۷، ۱۵۸، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

سورۂ مائدہ کی مذکورہ بالا آیت یہ ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے باز رکھا یعنی بنی اسرائیل کی گرفت میں آنے سے باز رکھا۔ اگر قادیانیوں کے نقطۂ نظر کو تسلیم کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر چڑھا تو دیئے گئے لیکن ان کو صلیب پر موت نہیں آئی تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی گرفت میں تو آ گئے اور صلیب بھی دے دیئے گئے اس کی بعد اس بات کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی کہ وہ صلیب پر فوت ہو گئے یا زندہ اتار لئے گئے۔ جب کہ مذکورہ بالا آیات ثابت کر رہی ہیں کہ:

۱...... اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی گرفت میں نہیں آنے دیا۔
۲...... وہ صلیب نہیں دیئے گئے۔
۳...... وہ قتل بھی نہیں کئے گئے۔

مذکورہ بالا تینوں صورتیں نہیں ہیں۔ اس وقت جب کہ یہودی بزعم خود یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب کر دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں نہ تو یہودیوں کی گرفت میں آنے دیا نہ ہی وہ صلیب دیئے جا سکے نہ ہی وہ کسی دوسرے طریقہ سے قتل کئے گئے۔ اس جگہ ’’نہ وہ صلیب دیئے گئے‘‘ پر یہ اضافہ بڑا معنی خیز ہے کہ ’’نہ وہ قتل کئے گئے۔‘‘ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کہہ دینا کافی نہیں تھا۔ ’’وہ صلیب نہیں دیئے گئے۔‘‘ اس بیان سے یہودیوں کے اس زعم کی تردید ہو جاتی ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دے دیا اور عیسائیوں کے اس عقیدہ کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا کے صلبی بیٹے ہونے کی وجہ سے اپنے ماننے والوں کے اصلی گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لئے صلیب پر جان دے دی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ''وہ نہ صلیب دیئے گئے'' پر یہ اضافہ کہ ''نہ وہ قتل کئے گئے'' اس لئے کیا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم اپنا دعوتی کام چھوڑ کر منظر سے اچانک غائب ہوگئے تھے۔ اب اگر کوئی شخص جہاں رہائش پذیر ہے اور کاروبار کر رہا ہے اچانک غائب ہو جائے تو اس کے بارے میں لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اسے قتل کر دیا گیا ہوگا چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اچانک غائب ہوگئے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ''نہ وہ صلیب دیئے گئے'' پر یہ اضافہ بھی کر دیا کہ ''نہ وہ قتل کئے گئے'' بلکہ دوسری دفعہ کہا کہ وہ ''یقیناً قتل نہیں کئے گئے'' تاکہ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے انہیں قتل کر دیا گیا تھا۔ اس لئے ان کا کوئی سراغ نہیں لگ سکا۔

اگر صورت حال یہی ہے اور واقعتاً یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ تو یہودیوں کی گرفت میں آئے نہ قتل کئے گئے تو پھر وہ اچانک کہاں غائب ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ: ''بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔'' (النساء:۱۵۸، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اب اس جگہ ''بل رفعه الله اليه'' سے مراد لینا جیسا کہ قادیانی حضرات مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند کئے اس سوال کا جواب نہیں بنتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اچانک کہاں غائب ہوگئے تھے۔ جہاں تک بلندی درجات کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے درجات بلند کئے ہیں بلکہ اپنے تمام نیک بندوں کے درجات بلند کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ کوئی انوکھی خصوصیت نہیں تھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ''رافعک'' کا ترجمہ بلندی درجات نہیں کرتے۔ وہ براہین احمدیہ میں ص۶۲۰ پر ''انی متوفیک ورافعک الیّ'' کا ترجمہ کرتے ہیں: ''میں تجھ کو پوری نعمت دوں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔'' اس کے بعد کم از کم قادیانی حضرات کو تو یہ زیب نہیں دیتا کہ ''بل رفعه الله اليه'' سے بلندی درجات مراد لیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح الفاظ میں اس سوال کا جواب دے دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اچانک غائب ہوکر کہاں چلے گئے۔

اگرچہ قرآن مجید کو کسی خارجی تائید کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ تفصیل اگر مطلوب ہو تو بائبل کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بائبل میں اس کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے: ''وہ (شاگرد) یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ یسوع آپ ان کے بیچ میں آ کھڑا ہوا اور ان سے کہا کہ تمہاری سلامتی ہو۔ (یعنی السلام علیکم کہا...... راقم) مگر انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں۔ اس نے ان سے کہا تم کیوں گھبراتے ہو اور کس واسطے تمہارے

دل میں شک پیدا ہوتے ہیں۔ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں۔ مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ کہہ کر اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا کہ کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔ اس نے ان کے روبرو کھایا۔'' (لوقا باب:۲۴، فقرہ:۳۶ تا ۴۰)

بائبل کے مذکورہ بالا حوالہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد یہ یقین کر چکے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہونے کے بعد دفن ہو چکے ہیں۔ جب شاگردوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اچانک اپنے درمیان پایا تو گھبرا گئے اور خوفزدہ ہو گئے۔ چنانچہ بڑی مشکل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ پاؤں دکھا کر انہیں یقین دلایا کہ وہ کوئی بھوت یا روح نہیں ہیں بلکہ جیتے جاگتے اپنی حقیقی شخصیت کے ساتھ ان کے سامنے موجود ہیں اور یہ کہ ان کو بھوک بھی لگی ہوئی ہے (روح کو بھوک نہیں لگتی) انہوں نے شاگردوں سے کھانا مانگا اور ان کے سامنے کھایا۔ اس کے بعد کیا ہوا اس کا ذکر بائبل میں اس طرح درج ہے:

''پھر وہ انہیں بیت عنیاہ کے سامنے تک باہر لے گیا اور اپنے ہاتھ اٹھا کر انہیں برکت دی۔ جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھایا گیا۔''

(لوقا باب:۲۴، فقرہ:۵۰ تا ۵۲)

قرآن حکیم سے ہمیں یہ تو معلوم ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ یہودیوں نے ان کو پہچاننے میں غلطی کی اور بزعم خود انہیں مصلوب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بحفاظت اٹھالیا۔ اب ہم معلوم کرتے ہیں کہ رسول کون ہوتے ہیں اور ان کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت کیا ہے؟

رسول کون ہوتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے انہیں میں سے کسی کو منتخب کر کے مقام نبوت پر سرفراز فرما دیتا ہے تاکہ وہ اس کے بندوں کو صراط مستقیم کی طرف پھیر دیں۔ پھر ان منتخب بندوں میں سے کسی کو رسول مقرر کر کے کسی خاص قوم پر اتمام حجت کا حکم دے دیتا ہے۔

''ان سب کو خوش خبری دینے والے رسول بنا کر اس لئے بھیجا تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان رسولوں کے بعد کوئی عذر نہ رہے اور اللہ تعالیٰ پورے زور والے اور حکمت

والے ہیں۔'' (النساء:۱۶۵، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی قوم کی طرف اپنے کسی بندے کو رسول بنا کر بھیجا اور اس نے حجت تمام کردی تو وہ قوم یا تو اس رسول پر ایمان لے آئی جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی قوم اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم یا پھر اس قوم پر رسول کی نگاہوں کے سامنے عذاب آ گیا اور یہ عذاب بالکل اس طرح آیا جس طرح کہ اس قوم کو اس کے رسول نے اطلاع دی تھی۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی اقوام۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اتمام حجت کے بعد اس قوم پر عذاب نہ آیا ہو۔ جس نے اپنی طرف مبعوث کئے گئے اللہ کے رسول کی تکذیب کی ہو۔ نہ کبھی ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی رسول کو اس کی قوم کے مقابلہ میں شکست ہوئی ہو۔ وہ ہر حال میں اتمام حجت کے بعد محفوظ و مامون رہے۔

''اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے حکم ازلی میں لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔'' (المجادلہ:۲۱، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

قرآن کریم سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی رسول بھی اپنی قوم کے مقابلہ میں ناکام نہیں ہوا۔ اگرچہ مادی لحاظ سے رسول کا اور اس کی قوم کا کوئی مقابلہ ہی نہ تھا۔ مناسب ہوگا کہ اس موقع پر ہم اللہ تعالیٰ کے چند رسولوں کا تذکرہ ذہن میں تازہ کرلیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت ہود علیہ السلام کے بارے میں ہمیں اطلاع دیتے ہیں: ''ہم نے ان (ہود علیہ السلام) کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔''

(الاعراف:۷۲، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ''پس آ پکڑا ان کو زلزلے نے سو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ اس وقت صالح علیہ السلام ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔''

(الاعراف:۷۸،۷۹، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو بیان فرمایا ہے وہ اس طرح ہے: ''اور تم (اس طوفان سے بچنے کے لئے) ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرلو۔ (اور یہ سن لو کہ) مجھ سے کافروں (کی نجات) کے بارہ میں کچھ گفتگو مت کرنا۔ (کیونکہ) وہ سب

غرق کئے جاویں گے اور وہ کشتی تیار کرنے لگے (اور اثنائے تیاری میں) جب کبھی ان کی قوم میں سے کسی رئیس گروہ کا ان پر گزر ہوتا تو ان (حضرت نوح علیہ السلام) سے ہنسی کرتے اور آپ فرماتے اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا تم ہم پر ہنستے ہو۔‘‘

(سورۂ ہود:۳۷، مولانا تھانویؒ)

’’سو وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح علیہ السلام کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے بچالیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کردیا بے شک وہ لوگ اندھے ہورہے تھے۔‘‘ (الاعراف:۶۴، ترجمہ: مولانا تھانویؒ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ’’اور ہم نے بنی اسرائیل کو (اس) دریا سے پار کردیا۔ پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون مع اپنے لشکر کے ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے (دریا) میں چلا۔ یہاں تک کہ وہ ڈوبنے لگا (اور ملائکہ عذاب نظر آنے لگے) تو (سراسیمہ ہوکر) کہنے لگا میں ایمان لاتا ہوں بجز اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں۔‘‘ (سورۂ یونس:۹۰، ترجمہ: مولانا تھانویؒ)

قرآن مجید میں حضرت لوط علیہ السلام کے واقعات اس طرح مذکور ہیں: ’’اور ہم نے لوط کو بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا (یعنی) تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم حد (انسانیت) ہی سے گزر گئے ہو اور ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوط (علیہ السلام) کو ان کے متعلقین کے ساتھ بچالیا۔ بجز ان کی بیوی کے کہ وہ ان ہی لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا (کہ وہ پتھروں کا تھا) سو دیکھو تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔‘‘

(الاعراف:۸۰تا۸۴، ترجمہ: مولانا تھانویؒ)

قرآن کریم سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم عذاب کے لئے مقرر کئے گئے وقت سے قبل ایمان لے آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کو قبول فرماتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے وقت مقررہ سے کچھ پہلے ہی اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ جب قوم نے حضرت یونس علیہ السلام کو غائب پایا تو وہ فکرمند ہوگئی اور اسے یقین ہوگیا کہ حضرت یونس علیہ السلام کا غائب ہوجانا اس بات کی علامت ہے کہ اب عذاب نازل ہوگا۔ چنانچہ پوری قوم نے

توبہ کی اور حضرت یونس علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور بے شک یونس علیہ السلام بھی رسولوں میں سے تھے۔ جب کہ وہ بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے۔ یونس علیہ السلام بھی شریک قرعہ ہوئے تو یہی ملزم ٹھہرے اور پھران کو مچھلی نے (ثابت) نگل لیا اور یہ اپنے کو ملامت کررہے تھے سو اگر وہ (اس وقت) تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے۔ سو ہم نے ان کو ایک میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت مضمحل تھے اور ہم نے ان پر ایک بیل دار درخت اگا دیا تھا اور ہم نے ان کو ایک لاکھ اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تو پھر ہم نے ان کو ایک زمانہ تک عیش دیا۔'' (سورۂ صف:۱۳۹-۱۴۸، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

قرآن کریم سے ہم نے جن رسولوں کے حالات کا مطالعہ کیا ہے ان سے چند باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں۔

۱...... جب اللہ تعالیٰ کا کوئی رسول اپنی قوم پر حجت تمام کردیتا ہے اور وہ قوم اپنی طرف مبعوث کئے گئے۔ رسول پر ایمان نہیں لاتی اور تکذیب پر قائم رہتی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لازماً نازل ہوتا ہے۔

۲...... اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو معجزانہ طور پر اس عذاب سے بچالیتا ہے۔

۳...... رسول کی تکذیب کرنے والی قوم کو رسول کی آنکھوں کے سامنے برباد کردیا جاتا ہے۔

۴...... عذاب آنے کے بعد اس قوم کا کوئی فرد ایمان لائے تو وہ ایمان قبول نہیں ہوتا۔

۵...... جس قوم پر عذاب آتا ہے اسے خوب معلوم ہوتا ہے کہ وہ عذاب رسول کی تکذیب کی وجہ سے آیا ہے یعنی اتمام حجت اور عذاب آنے میں کوئی بعد زمانی نہیں ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات

مذکورہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا اور (پروانہ تقرری کے طور پر) ان کو انتہائی اعلیٰ درجے کے حسی معجزات عطاء فرمائے۔ اس قدر اعلیٰ درجے کے معجزات کہ اس سے بڑھ کر معجزات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی قوم نے ان کی مسلسل تکذیب کی اور ان کے لیڈر اپنی دانست میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا کر

مطمئن ہوگئے کہ جان چھوٹ گئی اور اس وقت سے لے کر آج تک وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب پر قائم ہیں۔ ایسا نہیں ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے بعد یہودیوں پر اس طرح عذاب آیا ہو کہ بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ہلاک کر دیئے گئے ہوں۔ جیسا کہ ان سے قبل کے رسولوں کی اقوام کے ساتھ ہوا بلکہ تقریباً دو ہزار سال تک دھکے کھانے کے بعد آج وہ اسرائیل کے ملک میں اتنی بڑی طاقت بن گئے ہیں کہ جس وقت چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں اپنی سے چالیس گنا بڑی عربوں کی طاقت کو روند ڈالتے ہیں اور عرب (بے چارے) سوائے اقوام متحدہ کو دہائی دینے کے اور کچھ نہیں کر سکتے بلکہ اس معاملہ میں تو پوری دنیا کے تقریباً ایک ارب مسلمان بھی سوائے شور مچانے کے اسرائیل کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہودی اپنے منصوبہ پر عمل جاری رکھے ہوئے ہیں اور جب بھی انہوں نے کسی علاقے پر قبضہ کیا۔ خواہ وہ جولان کی پہاڑیاں ہوں یا یروشلم کا شہر۔ انہوں نے اپنا قبضہ برقرار رکھا اور اقوام متحدہ کی کارروائی تشستند، گفتند، برخواستند سے آگے نہ بڑھ سکی۔ یہ سب کچھ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد نہیں بلکہ ان کی تکذیب کے باوجود حاصل کیا ہے۔ گزشتہ تقریباً دو ہزار سال میں ان پر نکبت وادبار کے کئی ادوار آئے لیکن ایسا کبھی نہ ہوا کہ انہوں نے اپنی کسی مصیبت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کا نتیجہ سمجھا ہو۔ مثلاً جب نازی جرمنی میں یہودیوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا تھا تو انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ ان پر یہ مصیبت حضرت عیسیٰ ابن مریم کی تکذیب کی وجہ سے آئی ہے۔ اس طرح جب آج سے پچاس برس قبل تک اگر سلطنت برطانیہ میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا تو اس کی وجہ بھی یہ نہیں تھی کہ انگریز حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم پر ایمان لے آئے تھے اور اب وہ صرف اپنے جزیرے میں محدود ہو کر رہ گئے ہیں تو اس کی وجہ بھی یہ نہیں ہے کہ انہوں نے کسی رسول کی تکذیب شروع کر دی ہے۔

جس طرح ایک فرد کی ترقی اور نکبت کے کچھ اصول اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیئے ہیں اور جو شخص ان اصولوں کی پیروی کرتا ہے وہ ترقی کرتا جاتا ہے اور جو ان اصولوں کے برعکس عمل کرتا ہے وہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتا ہے۔ اسی طرح اقوام کے عروج وزوال کے بعد اللہ تعالیٰ نے کچھ اصول مقرر کر دیئے ہیں جو قوم ان اصولوں پر عمل کرتی ہے عروج حاصل کر لیتی ہے جو نہیں کرتی اس کا حال وہی ہوتا ہے جو آج کل مسلمانوں کا ہے۔ آج مسلمان ذلیل ہو رہے ہیں اور دنیا میں کہیں سے بھی مسلمانوں کے بارے میں خواہ بوسنیا ہو، کشمیر ہو، فلسطین ہو یا صومالیہ، کوئی اچھی خبر

نہیں موصول ہورہی تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے کسی رسول کی تکذیب کی ہے۔[1]

اور اگر جاپان دنیا کے سات بڑے ملکوں کی صف میں شامل ہوگیا ہے تو اس کی وجہ بھی یہ نہیں ہے کہ جاپانی قوم نے کسی رسول کی تصدیق کردی ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف اپنے رسول کو مبعوث کرتا ہے اور اتمام حجت کے بعد وہ قوم ایمان نہیں لاتی تو (قطع نظر اس کے کہ قوم حالت عروج میں ہے یا زوال میں) اس پر عذاب نازل ہوجاتا ہے بلکہ عذاب بھی وہی ہوتا ہے جس کی اس رسول نے خبر دی ہے۔ مثلاً ایسا نہیں ہوتا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اطلاع تو پانی کے عذاب کی دی ہو اور آجائے اس قوم پر زلزلہ کا عذاب۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں ہمیں دیکھنا ہے کہ صورتحال کیا ہے۔ کیا انہوں نے اپنی قوم پر اتمام حجت کردیا تھا اور اس کے باوجود عذاب نہیں آیا یا کوئی دوسری صورت بھی ہوسکتی ہے۔

یہ بات ناقابل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی سنت تبدیل کرے۔ اگر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے جاسکتے ہیں۔ حالانکہ ان کی بیوی اس قوم میں موجود تھی۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ غرق ہونے والوں میں ان کا بیٹا بھی شامل تھا۔ اگر فرعون کی بادشاہی کا لحاظ کئے بغیر اسے غرق کیا جاسکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب پر یہودیوں کے ساتھ اتمام حجت کے بعد امتیازی سلوک کیا جائے اور ان پر عذاب نازل کرنے کی بجائے دو ہزار سال بعد ہی سہی ایک سپر پاور بنادیا جائے۔ یقیناً اس کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ جب آج سے دو ہزار سال قبل یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی تکذیب کی اور ان کو بزعم خویش مصلوب کر کے ان سے نجات حاصل کرلی تو ان پر عذاب نازل نہیں ہوا۔ ہمیں اس وجہ کو تلاش کرنا ہے۔ یہاں یہ امر بھی ذہن میں رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کو اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت تو دی لیکن قرآن کریم سے اور بائبل سے ہمیں اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ تکذیب کی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کو کسی عذاب کی نوید سنائی ہو۔

---

[1] ممکن ہے قادیانی حضرات خوش ہوتے ہوں کہ مسلمانوں پر یہ مصائب مرزاغلام احمد قادیانی کی تکذیب کی وجہ سے نازل ہورہے ہیں تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی کا یہ دعویٰ تھا ہی نہیں کہ وہ مسلمان قوم کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ مرزا قادیانی کے پاس کوئی پروانہ تقرری (معجزہ) بھی نہیں تھا کہ مسلمان اسے دیکھ کر قبول یا رد کرتے۔ علاوہ ازیں خود قادیانی امت کا حال یہ ہے کہ ان کو بھی اب اپنے اسی سرپرست کے پاس پناہ لینا پڑی ہے جس نے یہ پودا ہندوستان کی سرزمین میں لگایا تھا۔

یہود کو حضرت مسیح علیہ السلام کا انتظار

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور حکومت بنی اسرائیل کی تاریخ میں یہودیوں کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے۔ اس کے بعد جب زوال شروع ہوا تو اس کی بھی انتہاء ہوگئی۔ بخت نصر نے یروشلم پر حملہ کیا۔ ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور لاکھوں یہودیوں کو غلام بنا کر بابل لے گیا۔ کافی مدت کے بعد سائرس اعظم، جو غالباً ذوالقرنین ہے، نے بابل کو فتح کیا اور یہودیوں کو یروشلم واپس جاکر آباد ہونے اور ہیکل سلیمانی کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دی۔

اسی دور غلامی میں جو بلاشبہ کئی سالوں پر محیط تھا، یہودیوں کے علماء اور انبیاء نے انہیں ایک مسیح (نجات دہندہ) کی نوید دی جس کی قیادت کو تسلیم کر کے یہودی اپنا دور عروج دوبارہ حاصل کر لیں گے۔ اس امید نے یہودیوں کو دور غلامی میں اپنا تشخص برقرار رکھنے میں بڑی مدد دی۔ چنانچہ یہودیوں نے اپنے مسیح کا ہمیشہ انتظار کیا جس کے بارے میں ان کے صحف میں بڑے واضح اشارے موجود تھے۔

عہد نامہ قدیم (جو یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان یکساں الہامی تسلیم کیا جاتا ہے) میں مسیح کے بارے میں چند بشارتیں اس طرح مرقوم ہیں: ’’جب سے میں نے حکم دیا کہ میری قوم اسرائیل پر قاضی ہوں اور میں ایسا کروں گا کہ تجھ کو تیرے سب دشمنوں سے آرام ملے۔ ماسوا اس کے خداوند تجھ کو بتاتا ہے کہ خداوند تیرے گھر کو بنائے رکھے گا اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائے گا تو میں تیرے اور تیری نسل کو جو تیرے صلب سے ہوگی کھڑا کر کے اس کی سلطنت کو قائم رکھوں گا۔ وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور میں اس کی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لئے قائم کردوں گا اور میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا۔ اگر وہ خطا کرے تو میں اسے آدمیوں کی لاٹھی اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کروں گا پر میری رحمت اس سے جدا نہ ہوگی۔ جیسے میں نے اسے ساؤل سے جدا کیا جسے میں نے تیرے آگے سے دفع کیا اور تیرا گھر اور تیری سلطنت سدا بنی رہے گی۔ تیرا تخت ہمیشہ کے لئے قائم کیا جائے گا۔‘‘

(سیموئیل نمبر:۲، باب:۷، فقرہ:۱۱تا۱۷)

اس نوید ’’جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کے ساتھ سو جائے گا۔‘‘ یہود کے دور زوال کی خبر ہے۔ اس کے بعد ایک ایسے شخص کے ذریعہ جو خدا کا بیٹا ہوگا

ان کو ایسی سلطنت حاصل ہوگی جو سدا رہے گی۔

عہد نامہ قدیم میں ایک دوسری جگہ یہ نوید اس طرح ہے: ’’تب اس نے کہا اے داؤد کے خاندان! اب سنو کیا تمہارا انسان کو بیزار کرنا کوئی ہلکی بات ہے کہ تم میرے خدا کو بھی بیزار کررو گے۔ لیکن خداوند آپ تم کو ایک نشان بخشے گا۔ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا اور وہ اس کا نام عمانویل رکھے گا۔‘‘ (یسعیاہ باب:۷، فقرہ:۱۳ تا ۱۷)

ایک اور مقام پر یہ نوید اس طرح بیان کی گئی ہے: ’’ہمارے لئے ایک لڑکا تولد ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا اور سلطنت اس کے کندھے پر ہوگی اور اس کا نام عجیب، مشیر خدائے قادر ابدیت کا باپ، سلامتی کا شہزادہ ہوگا۔ اس کی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہاء نہ ہوگی۔ وہ داؤد کے تخت اور اس کی مملکت پر آج سے ابد تک حکمران رہے گا اور عدالت اور صداقت سے اسے قیام بخشے گا۔ رب الافواج کی غیوری یہ کرے گی۔‘‘ (یسعیاہ باب:۹، فقرہ:۶ تا ۸)

بائبل کے عہد نامہ قدیم میں اور بھی کئی مبہم اور کئی واضح اشارے اس موضوع پر موجود ہیں۔ لیکن طوالت سے بچنے کے لئے انہیں نظر انداز کر رہا ہوں۔ ایک بات جو سب جگہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ آنے والا مسیح ایک صاحب عظمت بادشاہ ہوگا، داؤد کے تخت پر بیٹھے گا اور زمین کو انصاف سے بھر دے گا۔

’’اور اس کی شادمانی خداوند کے خوف میں ہوگی اور وہ نہ اپنی آنکھوں کے دیکھنے کے مطابق انصاف کرے گا اور نہ اپنے کانوں کے سننے کے موافق فیصلہ کرے گا بلکہ وہ راستی سے مسکینوں کا انصاف کرے گا اور عدل سے زمین کے خاکساروں کا فیصلہ کرے گا اور وہ اپنی زبان کے عصا سے زمین کو مارے گا اور اپنے لبوں کے دم سے شریروں کو فنا کر ڈالے گا...... پس بھیڑیا برہ کے ساتھ رہے گا اور چیتا بکری کے بچے کے ساتھ بیٹھے گا۔‘‘ (یسعیاہ باب:۱۱، فقرہ:۳ تا ۶)

یہ تھیں پیش گوئیاں جن کی روشنی میں یہودی اپنے مسیح کے منتظر تھے۔ یعنی مسیح ایسا زبردست بادشاہ ہوگا جو زمین کو انصاف سے بھر دے گا۔ حضرت داؤد کی طرح صاحب عظمت وجلال بادشاہ، جس کے دور حکومت میں شیر اور بکری ایک ساتھ رہیں گے۔ لیکن جب حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لے آئے اور انہوں نے اپنے منصب کے شایان شان معجزے بھی پیش کر دیئے کہ وہ کوئی معمولی رسول نہیں ہیں (ویسے تو کوئی رسول بھی معمولی نہیں ہوتا البتہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت ضرور دی ہے) بلکہ ایک صاحب عظمت رسول ہیں تو وہ جو کچھ بھی تھے ایک بادشاہ بہرحال نہیں تھے اور نہ اس قابل تھے کہ زمین کو انصاف سے بھر دیتے اور نہ حضرت داؤد علیہ السلام

کے تخت پر بیٹھے ہوئے تھے بلکہ ان کے وعظ اس طرح کے تھے: ’’مبارک ہیں جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہی ان ہی کی ہے۔ مبارک ہیں وہ جو غمگین ہیں کیونکہ وہ تسلی پائیں گے۔‘‘ (متی باب:۵، فقرہ:۳)

حضرت مسیح علیہ السلام جب بھی بات کرتے آسمان کی بادشاہی کی بات کرتے۔ جب کہ یہودیوں کو اس وقت زمین کی بادشاہی درکار تھی۔ وہ ایسے مسیح کے منتظر تھے جو انہیں رومیوں کی غلامی سے نکال کر ان کی عظمت رفتہ بحال کردے۔ اس کے برعکس حضرت مسیح علیہ السلام ان سے یہ کہتے: ’’میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے۔‘‘ (متی باب:۶، فقرہ:۲۵،۲۶)

کہاں وہ بادشاہی جو حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے نصیب ہوئی اور کہاں حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ درویشی کہ نہ ایک وقت کا کھانا پاس ہے اور نہ تن ڈھانپنے کے لئے دوسرا جوڑا۔ چنانچہ نہ صرف یہودیوں نے ان کو اپنا مسیح تسلیم نہ کیا بلکہ ان سے گلوخلاصی کے لئے تدابیر سوچنا شروع کردیں۔ بھلا وہ ایسے شخص کو اپنا پیشوا کس طرح تسلیم کرسکتے تھے جس کا حال ہو کہ: ’’یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی جگہ نہیں۔‘‘ (متی باب:۸، فقر:۲۰)

حضرت مسیح علیہ السلام کا ایک طرف تو یہ حال تھا کہ نہ تن ڈھانپنے کو مناسب کپڑا اور نہ سر چھپانے کے لئے کوئی ٹھکانہ، اس پر بھی جب کسی صاحب حیثیت یہودی سے بات کرتے تو خطاب اس طرح فرماتے: ’’خداوند نے اس سے کہا اے فریسیو! تم پیالے اور رکابی کو اوپر سے تو صاف کرتے ہو لیکن تمہارے اندر لوٹ اور بدی بھری ہے...... لیکن اے فریسیو! تم پر افسوس کہ پودینے اور سداب اور ہر ایک ترکاری پر دہ یکی (۱/۱۰) دیتے ہو اور انصاف اور خدا کی محبت سے غافل رہتے ہو۔‘‘ (لوقا باب:۱۱، فقرہ:۳۹،۴۰)

’’اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ نبیوں کی قبریں بناتے اور راست بازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانہ میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے۔ اس طرح تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو۔ غرض اپنے باپ دادا کا پیمانہ بھردو۔ اے سانپو! اے افعی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے

کیونکر بچو گے۔'' (متی باب:۲۳،فقرہ:۲۹تا۳۳)

جب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھتے کہ خدا کی بادشاہی کب آئے گی یعنی وہ دور کب آئے گا جب آپ داؤد علیہ السلام کے تخت پر مسند نشین ہوں گے تو جواب دیتے:''جب فریسیوں نے اس سے پوچھا کہ خدا کی بادشاہی کب آئے گی تو اس نے جواب میں ان سے کہا کہ خدا کی بادشاہی ظاہری طور پر نہ آئے گی۔'' (لوقا باب:۱۷،فقرہ:۲۰)

غرض حضرت عیسیٰ ابن مریم نہ ان پیش گوئیوں کے مصداق ثابت ہوئے جو عہد نامہ قدیم میں مسیح کے بارے میں تھیں اور نہ ہی انہوں نے صاحب اثر یہودیوں سے بنا کر رکھنے کی ضرورت محسوس کی۔ نہ ہی جمہور یہودیوں میں یہ امید پیدا ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ وہ رومیوں کی غلامی سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر یہودی علماء ان حسی معجزات پر غور کرتے جو حضرت عیسیٰ ابن مریم نے پیش کئے تھے تو ان کو یہ سمجھنے میں دشواری نہ ہوتی کہ حضرت مسیح کے معجزات برحق ہیں۔ جب کہ عہد نامہ قدیم میں مسیح کے بارے میں جو پیش گوئیاں موجود ہیں وہ بے سند اور ناقابل اعتبار...... اور ایسی صورت میں ان کی تکذیب نہ کرتے۔

صورتحال یہ بن گئی تھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والے تو چند ہی تھے لیکن ایک ہجوم ہر وقت ان کے پیچھے رہتا تھا جو دعا کا طالب ہوتا یا کسی ناقابل علاج مرض سے حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھوں شفا کا خواہش مند۔ چنانچہ یہودی علماء نے فیصلہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام سے نجات حاصل کر لیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ قوت حاصل کر کے ان کی گرفت سے باہر ہو جائیں۔ اس مقصد کو انہوں نے جس طرح حاصل کیا اس کی تفصیل چاروں گاسپلز[1] (**Gospels**) میں موجود ہے جسے میں اس لئے نظر انداز کر رہا ہوں کہ میرے موضوع سے متعلق نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہودیوں نے بزعم خود حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب کے سپرد کر کے ان سے نجات حاصل کر لی اور عیسائیوں نے یہ عقیدہ گھڑ لیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے، جو خدا کے اکلوتے صلبی بیٹے تھے، صلیب پر جان دے کر آدم کی اولاد کے اصلی گناہ کا کفارہ ادا کر دیا۔ البتہ موت کے تین دن بعد قبر سے زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔

---

[1] عام طور پر چاروں گاسپلز کو عیسائی حضرات اور ان کی دیکھا دیکھی مسلمان اردو میں اناجیل اربعہ کہتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ انجیل اسی طرح اسم معرفہ ہے جس طرح قرآن۔ اگر قرآن کی جمع نہیں ہو سکتی کہ وہ اسم معرفہ (**Proper Noun**) ہے تو انجیل کی جمع کیسے ہو جائے گی۔ انجیل اس کتاب کا نام ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ لیکن بائبل میں انجیل نام کی کوئی کتاب نہیں۔

قرآن کی گواہی

مسلمانوں میں ہمیشہ یہ خیال موجود رہا ہے کہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم جن کو اللہ تعالیٰ نے زندہ اٹھالیا تھا دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اگرچہ میرے علم کے مطابق جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کا مسئلہ عقیدہ اور ایمان کا مسئلہ نہیں ہے۔ میری رائے میں جو مسلمان یہ خیال رکھتا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ دنیا میں نہیں آنا وہ کوئی خارج از اسلام عقیدہ نہیں رکھتا۔ مرزا غلام احمد قادیانی جو خود مسیح موعود ہونے کے مدعی ہیں اور جو ان کے اس دعویٰ کو تسلیم نہ کرے اسے خارج از اسلام قرار دیتے ہیں۔ ابتداء میں خود بھی یہی نظریہ رکھتے تھے کہ نزول مسیح کا مسئلہ کفر اور ایمان کا مسئلہ نہیں ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' جو پہلی دفعہ ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوئی کے (ص۱۴۰، خزائن ج۳ص۱۷۱) پر مرزا قادیانی لکھتے ہیں: ''اوّل تو یہ جاننا چاہئے کہ مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہماری ایمانیات کی کوئی جز ہو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو۔''

اسی کتاب کے (ص۱۹۹، خزائن ج۳ص۱۹۳) پر مرزا قادیانی رقمطراز ہیں: ''میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار مثیل مسیح آجائیں[۱]۔''

۱؎ مرزا قادیانی نے یہ نہیں بتایا کہ دس ہزار مثیل مسیح دنیا میں آکر کیا کریں گے اور لوگ اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (اصلی مسیح) واقعی فوت ہوگئے ہیں اور اب ان کی جگہ دس ہزار مثیل مسیح آئیں گے جن میں سے ایک مرزا قادیانی ہیں تو لوگ سچے اور جھوٹے مثیل مسیح کی پہچان کس طرح کریں گے۔ اگر مرزا قادیانی نے وہ کام کر دیا ہے جس کے لئے مثیل مسیح نے آنا تھا تو مرزا قادیانی کے دعویٰ کو تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چونکہ دعویٰ کا ثبوت مدعی کے ذمہ ہے۔ اس لئے ہم مرزا قادیانی سے ہی دریافت کرتے ہیں کہ مثیل مسیح نے کیا کارنامہ انجام دینا ہے۔ اگر مرزا قادیانی نے وہ کارنامہ انجام دے دیا تھا تو مرزا قادیانی سچے ورنہ جھوٹے۔ مرزا قادیانی کا ایک خط جو ان کے اپنے اخبار (البدر قادیان ج۲، نمبر۲۹ کالم۲ ص۳، مورخہ ۱۹؍جولائی ۱۹۰۶ء) میں شائع ہوا ہے اس میں مرزا قادیانی نے اس کارنامہ کا ذکر کیا ہے جو مثیل مسیح نے انجام دینا ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ اگر اپنی موت سے پہلے وہ مذکورہ کام سرانجام نہ دے سکے تو وہ اپنے دعویٰ میں کاذب ہوں گے۔ ہم مرزا قادیانی کے خط کے متعلقہ حصہ کا مطالعہ کر لیتے ہیں جو اس طرح ہے: ''اور جو میرے لئے نشان ظاہر ہوئے وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں اور کوئی مہینہ بغیر نشانوں کے نہیں گزرتا۔ مگر باوجود ان تمام علامتوں کے طالب حق کے لئے میں یہ بات پیش کرتا ہوں کہ میرا کام جس کے لئے میں اس میدان میں کھڑا ہوں یہ ہی ہے کہ میں عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑ دوں اور بجائے تثلیث کے توحید کو پھیلاؤں اور آنحضرت ﷺ کی جلالت اور عظمت اور شان دنیا پر ظاہر کر دوں۔ پس اگر مجھ سے کروڑ نشان بھی ظاہر ہوں اور یہ علت غائی ظہور میں نہ آوے تو میں جھوٹا ہوں۔ پس دنیا مجھ سے کیوں دشمنی کرتی ہے اور میرے انجام کو کیوں نہیں دیکھتی۔ اگر میں نے اسلام میں وہ کام کر دکھایا جو مسیح موعود اور مہدی مسعود کو کرنا چاہئے تھا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بلکہ مرزاغلام احمد قادیانی اس بات کے بھی قائل تھے: ’’پس اس بیان کی رو سے ممکن ہے اور بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۲۰۰، خزائن ج۳ ص۱۹۷)

یہ تسلیم کہ نزول مسیح کا مسئلہ دین اور ایمان کا مسئلہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کے لئے اس بارے میں کوئی عقیدہ اختیار کرنا ضروری ہو۔ بایں ہمہ ہم دیکھ لیتے ہیں کہ قرآن مجید نے حضرت مسیح علیہ السلام کے قبل از قیامت دنیا میں دوبارہ آنے کے بارے میں کوئی اشارہ کیا ہے۔ اس سے قبل میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ قرآن مجید نے دو باتیں واضح طور پر بیان کی ہیں:

۱…… حضرت مسیح علیہ السلام قتل نہیں ہوئے۔

۲…… حضرت مسیح علیہ السلام نہ یہودیوں کی گرفت میں آئے اور نہ صلیب دیئے گئے۔

اگر وہ قتل بھی نہیں ہوئے اور صلیب بھی نہیں دیئے گئے تو پھر کیا ہوا؟ اس بارے میں قرآن مجید سے ہمیں معلوم ہوتا ہے: ’’لیکن ان کو اشتباہ ہوگیا اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ شک میں ہیں ان کے پاس اس بارے میں کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے ان کو یقین بات ہے کہ قتل نہیں کیا۔‘‘

(سورۂ نساء:۱۵۷، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ فی الواقع کیا معاملہ پیش آیا ہے۔ اس بارے میں تمام لوگ گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ کسی کے پاس بھی کوئی یقینی علم نہیں اور ایک بار پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کئے جانے کی تردید کی گئی ہے اور یہ تردید اس شدت سے اس لئے کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس غلط فہمی میں نہ پڑے کہ حضرت مسیح علیہ السلام قتل کر دیئے گئے ہوں گے۔ جیسا کہ اس قسم

(بقیہ گزشتہ صفحہ) تو پھر میں سچا ہوں اور اگر کچھ نہ ہوا اور میں مر گیا تو پھر سب گواہ رہیں کہ میں جھوٹا ہوں۔‘‘

مرزاقادیانی مرگئے اور عیسیٰ پرستی کے ستون کو کس طرح توڑ گئے۔ اس کا اندازہ آپ کو مندرجہ ذیل خبر سے ہو جائے گا جو روزنامہ جنگ لاہور کے ۲۱؍ستمبر ۱۹۸۵ء کے شمارہ میں شائع ہوئی: ’’روزانہ چھ ہزار افریقی عیسائیت اختیار کر رہے ہیں۔‘‘

’’نیویارک (جنگ فارن ڈیسک) جتنی تیزی سے عیسائیت افریقہ میں پھیل رہی ہے اتنی تیزی سے دنیا کے کسی حصہ میں نہیں پھیل رہی۔ ایک امریکی جریدے کے مطابق افریقہ میں روزانہ چھ ہزار افراد عیسائیت قبول کر رہے ہیں اور ماہرین کے مطابق یہ سرزمین رومن کیتھولک چرچ کے فروغ کے لئے خاصی زرخیز ہے۔‘‘

اب یہ فیصلہ قادیانی حضرات خود کرلیں کہ اپنی موت سے پہلے مرزاقادیانی نے عیسیٰ پرستی کے ستون کو توڑا یا نہیں توڑا؟

کے حالات میں لوگ گمان کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ چنانچہ آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ’’بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست اور حکمت والے ہیں۔‘‘

(سورۂ نساء:۱۵۹، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

اب بات واضح ہوگئی کہ حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم کے غائب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اب ہم قرآن مجید سے یہ معلوم کرتے ہیں کہ کیا اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا کوئی اشارہ موجود ہے۔ میرے نزدیک قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قبل از قیامت ایک بار پھر دنیا میں آنے کے بارے میں خاموش نہیں ہے۔ اس بارے میں درج ذیل آیات مبارکہ قابل غور ہیں: ’’اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے اور دن قیامت کے ہوگا اوپر ان کے گواہ۔‘‘

(سورۂ نساء:۱۵۹، ترجمہ: شاہ رفیع الدین)

اس آیہ مبارکہ کا ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر ’’تدبیر قرآن‘‘ میں اس طرح کیا ہے: ’’اور اہل کتاب میں سے کوئی نہیں جو اس کی موت سے پہلے اس کا یقین نہ کرلے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔‘‘

اس آیت مبارکہ میں ’’اس‘‘ کی ضمیر کا اشارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے۔ اسی آیت مبارکہ کا ترجمہ حکیم نورالدین صاحب نے، جو قادیانیوں کے خلیفہ اوّل ہیں، اس طرح کیا ہے: ’’اور نہیں کوئی اہل کتاب سے مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ اس کے پہلے موت اس کی کے اور دن قیامت کے ہوگا اوپر ان کے گواہ۔‘‘ (فصل الخطاب ص۸۰)

اس آیت مبارکہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جب موت آئے گی اس سے قبل اہل کتاب میں ہر شخص ان پر ایمان لاچکا ہوگا۔ اس مفہوم کو ہم اس طرح ادا کرسکتے ہیں کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے وقت زندہ ہوں گے وہ ان پر ایمان لاچکے ہوں گے۔ بعض حضرات نے اس سے یہ مفہوم مراد لیا ہے کہ اہل کتاب میں سے جب بھی کسی کو موت آتی ہے اس وقت اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حقیقت کھول دی جاتی ہے اور وہ ان کی رسالت پر موت سے ذرا پہلے ایمان لے آتا ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت مبارکہ میں اس کی ضمیر کا اشارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ اہل کتاب کے ہر شخص کی طرف فرداً فرداً ہے۔ اس میں اشکال یہ ہے کہ موت کو سامنے دیکھ کر ایمان لانے کا مرنے والے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایمان نام ہے

زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا۔ ایمان لانے میں ترتیب اس طرح ہے کہ زبان سے اقرار پہلے اور دل سے تصدیق بعد میں۔ اب آج تک تو سنا نہیں کہ کسی یہودی نے موت کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اقرار کیا ہو یا کسی عیسائی کے بارے میں معلوم ہوا ہو کہ موت کے وقت اس نے اقرار کیا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے صلبی بیٹے نہیں تھے بلکہ اس کے رسول تھے۔ اس آیت کریمہ کے مفہوم کو سمجھنے میں ایک مثال سے مدد لیتے ہیں۔ فرض کیجئے کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں یہ بات کہتا: ''اہل عرب میں سے کوئی نہیں جو ان (محمد رسول اللہ ﷺ) کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لاوے گا۔''

تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ کی موت کے وقت تمام اہل عرب ان پر ایمان لا چکے ہوں گے البتہ ان کی زندگی میں بہت سے ایسے ہوں گے جو کفر پر مر گئے ہوں گے۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جب یہی بات کہی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی زندگی میں تو ان کی تکذیب کرنے والے موت سے ہمکنار ہوتے رہیں گے۔ لیکن جب ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو موت آئے گی تو اس سے قبل تمام اہل کتاب ان پر ایمان لا چکے ہوں گے اور اہل کتاب میں یہودی اور عیسائی دونوں شامل ہیں۔ کیونکہ دونوں گروہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہودی ان کی اگر تکذیب کرتے ہیں تو عیسائی انہیں خدا کا اکلوتا صلبی بیٹا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم کرنے کی صورت میں اس آیت مبارکہ کا مطلب سمجھنے میں کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے قبل ایک دفعہ پھر دنیا میں آئیں گے اور ان کا آنا اس طرح معجزانہ ہوگا (جس طرح ان کی پیدائش معجزانہ ہے) کہ تمام یہودی اور عیسائی ان کو پہچان لینے پر مجبور ہوں گے اور ان کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔

قرآن کریم نے ایک اور مقام پر بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ جس کا ہم ابھی مطالعہ کر لیتے ہیں: ''وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ذی وجاہت اور اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔ وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی بات کرے گا اور ادھیڑ ہو کر بھی اور وہ صالحین کے زمرے میں ہوگا۔'' (سورۂ آل عمران:۴۶، ترجمہ: مولانا اصلاحی)

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر بھی اس کا اعادہ کیا ہے جو ہمارے لئے قابل غور ہے: ''جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ ابن مریم میرے اس فضل کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیا جب کہ میں نے روح القدس سے تمہاری تائید کی۔ تم لوگوں سے کلام کرتے تھے گہوارے میں بھی

اور ادھیڑ (عمر) ہو کر بھی۔“ (سورۂ المائدہ:۱۱۰، ترجمہ: مولانا اصلاحی)

قادیانی حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم فوت ہوگئے ہیں اور احادیث میں جس ابن مریم یا عیسیٰ ابن مریم کے دوبارہ آنے کا ذکر ہے اس سے مراد ان کا کوئی مثیل ہے اور وہ مثیل مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ مناسب ہوگا کہ مذکورہ بالا دونوں آیات مبارکہ کا وہ ترجمہ بھی دیکھ لیا جائے جو مرزا بشیر الدین محمود احمد (قادیانیوں کے خلیفہ ثانی) نے کیا ہے: ”پنگھوڑے (یعنی چھوٹی عمر) میں بھی لوگوں سے باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر ہونے کی حالت میں (بھی) اور نیک لوگوں سے ہوگا۔“ (سورۂ آل عمران:۴۶)

”اس وقت اللہ عیسیٰ ابن مریم سے بھی کہے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم جو نعمت میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر نازل کی تھی اس کو یاد کر (یعنی) جب کہ میں نے پاک وحی سے تیری مدد کی تھی تو لوگوں سے بچپن میں اور ادھیڑ عمر میں (بھی روحانیت کی) باتیں کرتا تھا۔“ (سورۂ المائدہ:۱۱۰)

سورۂ آل عمران میں خطاب حضرت مریم طاہرہ سے ہے کہ جب وہ ہیکل کے ایک کمرے میں حالت اعتکاف میں تھیں تو فرشتے نے آکر ان کو ایک بیٹا دیئے جانے کی بشارت دی اور اس کے بعد اس بیٹے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی کچھ خصوصیات بیان کیں۔ علاوہ دیگر خصوصیات کے ایک خصوصیت تو اس کی یہ بتائی کہ وہ گہوارے میں کلام کرے گا اور اس طرح یہ ایک معجزہ ہوگا کہ کس طرح ایک بچہ جو چند گھنٹوں یا زیادہ سے زیادہ چند دنوں کا ہے وہ گہوارے میں اپنے صاحب کتاب نبی ہونے کا اعلان کرے گا اور اس طرح سے اپنی ماں کی پاک دامنی ثابت کرے گا اور دوسری خصوصیت یہ بتائی گئی کہ وہ ادھیڑ عمر میں بھی کلام کرے گا۔ آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب بھی ان ہر دو آیات مبارکہ کا ترجمہ کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس خصوصیت کو (کہ وہ ادھیڑ عمر میں کلام کریں گے) حذف نہ کر سکے۔ اگرچہ سورۂ نساء کی آیت:۱۵۹ کا ترجمہ کرتے ہوئے انہوں نے پوری ہیرا پھیری کی ہے۔

سورۂ المائدہ آیت:۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ کا خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے جو اس روز ہوگا جس روز تمام رسول جمع کئے جاویں گے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان دو خصوصیات کا (یعنی گہوارے میں کلام کرنا اور ادھیڑ عمر میں کلام کرنا) ذکر کریں گے۔ غور فرمایئے کہ گہوارے میں کلام کرنا تو یقیناً ایک معجزہ ہے اور ایسا معجزہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے گروہ انبیاء میں سے شاید صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی عطاء کیا ہے۔ لیکن ادھیڑ عمر میں کلام کرنا آخر کون سی ایسی خصوصیت ہے کہ جب فرشتہ حضرت مریم کو بشارت دیتا ہے تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

اس خصوصیت کا ذکر کرتا ہے اور جب حشر کے روز اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے احسانات یاد دلائے گا تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ اپنے اس فضل کا ذکر کرے گا کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ادھیڑ عمر میں کلام کرنے کی توفیق بخشی۔ ادھیڑ عمر میں کلام کرنا آخر کس طرح ایک انوکھی خصوصیت ہوسکتی ہے جو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطاء کی گئی ہو۔ گہوارے میں کلام کرنا تو سب کو تسلیم ہے کہ ایک معجزہ ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں ادھیڑ عمر میں کلام کرنا بھی بالکل اسی طرح کا معجزہ ہو جس طرح گہوارے میں کلام کرنا یقیناً ایسا ہی ہے۔

یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں غائب ہوگئے تھے اور تینتیس سال کی عمر ادھیڑ عمر نہیں ہوتی۔ عمر کا یہ حصہ تو جوانی میں شمار ہوتا ہے۔ ادھیڑ عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام غائب ہوگئے تھے۔ اگر ان کو آج سے تقریباً دو ہزار سال قبل ادھیڑ عمر نصیب ہو جاتی تو ادھیڑ عمر میں کلام کرنا ایک خصوصی فضل کس طرح شمار کیا جاسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر حشر کے روز انہیں یاد دلائے۔ ادھیڑ عمر تو تقریباً تمام انبیاء کو نصیب ہوئی اور سب نے ادھیڑ عمر میں کلام کیا۔ ایسا تو نہیں ہوا کہ ادھیڑ عمر کو پہنچتے ہی باقی انبیاء تو گونگے ہوگئے ہوں اور صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ایسے ہوں کہ ادھیڑ عمر کو پہنچنے کے بعد ان کی قوت گویائی سلب نہ کی گئی ہو۔ اس لئے حشر کے روز اللہ تعالیٰ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہی یہ احسان جتلائے گا کہ اس نے حضرت کو ادھیڑ عمر میں کلام کرنے کا موقع فراہم کیا۔

مسئلہ واضح ہو جاتا ہے اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت دنیا سے زندہ ہی اٹھالیا تھا جب یہود انہیں اپنی گرفت میں لاکر صلیب دینا چاہتے تھے۔ جب کہ یہود یہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دے دیا ہے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جوانی کا وقت تھا لیکن اگر وہ دوبارہ دنیا میں آجائیں تب ہی ان کو ادھیڑ عمر نصیب ہوسکتی ہے اور اس وقت جب وہ تشریف لائیں گے تو باتیں بھی کریں گے۔ اس صورت میں گہوارے میں کلام کرنا اور ادھیڑ عمر میں کلام کرنا دونوں یکساں معجزے اور ایسے خصوصی فضل ہیں جو صرف انہیں پر کئے گئے اور گروہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی دوسرے پر نہیں کئے گئے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اب تک کی بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ احادیث مبارکہ، قرآن مجید اور حالات، واقعات یہ ثابت کررہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عالم شباب میں ہی اس دنیا سے زندہ اٹھا

لیا گیا۔ رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی جو سنت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے مقابلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ناکام نہیں ہو سکتے۔ ان کا دنیا میں دوبارہ تشریف لانا اسی طرح کا ایک معجزہ ہوگا جس طرح ان کا بن باپ کے پیدا ہونا اور پیدا ہونے کے چند گھنٹے بعد گھوارے میں کلام کرنا معجزہ تھا۔ جو شخص پہلے معجزہ کو تسلیم کر لیتا ہے اس کے لئے دوسرے معجزہ کو تسلیم کرنا کس طرح مشکل ہوسکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے چند بندوں کو تین سو سال (قمری ۳۰۹ سال) تک ایک غار میں بغیر کھلائے پلائے اپنی کسی حکمت بالغہ کی وجہ سے محفوظ رکھ سکتا ہے وہ کسی دوسرے بندے کو اگر اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہو تو تین ہزار سال بھی محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اگر ہمیں خالق و مالک کائنات کی اس حکمت کی سمجھ نہیں آرہی تو یہ علیحدہ بات ہے۔ البتہ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لے ہمیں عالم خیال میں چند ہزار سال پیچھے جانا پڑے گا۔ اس طرح کرتے ہیں کہ ہم عالم تصور میں خود کو اس روز موجود پاتے ہیں جس روز اصحاب کہف غائب ہوئے ہیں۔ وہ جیتے جاگتے سات صحت مند نوجوان ہیں جو اچانک غائب ہوگئے ہیں۔ جن لوگوں کو عام حالات میں ان کی نقل و حرکت اور آمد و رفت کا علم ہونا چاہئے۔ ان میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ ان کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ شہر میں یہ افواہ پھیل جاتی ہے کہ ان کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اسی روز یا اس سے اگلے روز ہمیں اللہ کا کوئی بندہ یہ خبر دیتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی گرفت سے بچا کر دنیا سے اٹھا لیا ہے اور آج سے چند سو سال بعد جس طرح وہ اچانک غائب ہوئے ہیں، اسی طرح وہ اچانک آ بھی جائیں گے تو کیا ہم اس خبر کو قبول کر لیتے؟ جواب سوچ کر دیجئے۔ اگر اس وقت کوئی قادیانی لال بجھکڑ ہمیں یہ بتاتا کہ وہ نوجوان تو فوت ہوگئے ہیں البتہ ان کی جگہ ان کے مثیل آئیں گے تو کیا ہمیں اس کی بات مان لینی چاہئے تھی؟

اب اصحاب کہف کے واقعہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر منطبق کر لیجئے اور بتایئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جس طرح وہ اچانک غائب ہوئے تھے اسی طرح ان کی اچانک واپسی کو کیوں نہ قبول کیا جائے؟

اس مرحلہ پر ایک شبہ کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں جو صرف قادیانی حضرات کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ قادیانی حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ جانے کو تسلیم کیا جائے تو اس سے نبی اکرم ﷺ جو امام الانبیاء ہیں، کی شان میں کمی واقع ہوتی ہے اور ان کی عظمت پہ اس طرح حرف آتا ہے کہ وہ تو امام الانبیاء ہونے کے باوجود اپنے روضہ مبارک میں زمین کی پستی میں محو استراحت ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی بلندی میں سیر کر رہے ہوں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ شبہ صرف قادیانی ذہن ہی میں پیدا ہوسکتا ہے۔ جب کوئی قادیانی (اکثر پڑھا لکھا قادیانی) اس شبہ کا اظہار کررہا ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ تصور ہوتا ہے کہ زمین ایک چٹائی کی طرح بچھی ہوئی ہے اور آسمان ایک سائبان کی طرح اس پر سایہ فگن ہے۔ اب جو شخص چٹائی پر بیٹھا ہے وہ لازماً اس شخص سے پستی میں ہے جو سائبان کی چھت کے ساتھ چپکا ہوا ہے۔ قصور قادیانی حضرات کا بھی نہیں، وہ بیچارے تو مٹھو طوطے ہیں۔ ان کو جو بات قصر خلافت سے پڑھادی جاتی ہے وہ اسے دہراتے رہتے ہیں۔ لہٰذا جب میرا کوئی قادیانی دوست اس شبہ کا اظہار کررہا ہوتا ہے تو میں اسے معذور سمجھتا ہوں اور اس کی مجبوری کا علم رکھتا ہوں۔ کیونکہ قادیانیوں کے گرو مرزاغلام احمد قادیانی نے لکھا ہے کہ: ’’علم طبعی کی نئی تحقیقاتیں اس بات کو ثابت کر چکی ہیں کہ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ کر اس طبقہ کی ہوا ایسی مضر صحت معلوم ہوئی ہے کہ جس میں زندہ رہنا ممکن نہیں۔ پس اس جسم کا کرہ ماہتاب یا کرہ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے۔‘‘

(ازالہ اوہام ص۴۷، خزائن ج۳ ص۱۲۶)

سبحان اللہ! انسانی جسم کا کرہ ماہتاب تک پہنچنا واقعی ’’کس قدر لغو خیال ہے۔‘‘ اگر مرزاغلام احمد قادیانی کا واقعی اللہ تعالیٰ سے وحی والہام کا کوئی تعلق ہوتا تو یہ تحریر اس کے قلم سے کبھی نہ نکلتی۔ کیونکہ مرزاقادیانی کی وفات کے صرف اور صرف اکسٹھ سال بعد انسان چاند پر اتر بھی گیا اور واپس بھی آگیا۔ اسی جگہ مرزاقادیانی مزید گوہرافشانی اس طرح فرماتے ہیں: ’’اگر فرض کیا جائے کہ حضرت مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں تو ظاہر ہے ہر وقت اوپر کی سمت ہی میں نہیں رہ سکتے۔ بلکہ کبھی اوپر کی طرف ہوں گے اور کبھی زمین کے نیچے آجائیں گے۔ (اس جگہ راقم کا اپنی طرف سے یہ اضافہ کرنے کو جی چاہتا ہے کہ جب زمین کے نیچے آئیں گے تو زمین کے وزن سے ان کا دم گھٹ جائے گا) اس صورت میں بات پر وثوق بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ ضرور اوپر کی ہی طرف سے اتریں گے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ زمین کے نیچے سے ہی نکل آویں۔ (یعنی کسی کنویں سے برآمد ہوجائیں...... راقم) کیونکہ درحقیقت ان کا ٹھکانا تو کسی جگہ نہ ہوا۔ اگر صبح آسمان کے اوپر ہوئے تو شام زمین کے نیچے۔ پس ایسی مصیبت ان کے لئے روا رکھنا کس درجہ کی بے ادبی میں داخل ہے۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۱۹)

ذرا غور فرمائیے کہ جب قادیانیوں کے گرو کا یہ حال ہو کہ اسے نظام کائنات کا ابتدائی تصور بھی نہ ہو تو قادیانی بیچارے واقعی زمین کو چٹائی سمجھیں گے اور آسمان کو اس کے اوپر سائبان۔ اب ان کے نزدیک چٹائی نشین کا درجہ اس شخص سے واقعی کم ہوگا جو سائبان کی چھت سے لٹک رہا

ہے۔اس موقع پر قادیانی حضرات سے یہ سوال پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ جب انسان چاند پر چہل قدمی کررہا تھا اس وقت وہ زمین کے اوپر تھا یا اس کے نیچے؟

قادیانی دوستو! زمین نہ تو چٹائی ہے نہ آسمان ایک سائبان کی طرح ہے۔لہٰذا اس مسئلہ میں بلندی وپستی کا تصور ہی جاہلانہ ہے۔اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہیں تو وہ بلندی پر نہیں ہیں اور نبی اکرم ﷺ زمین پر ہونے کی وجہ سے پستی میں نہیں ہیں۔

قادیانی دوستوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہزاروں سال عمر پانا اور نبی اکرم ﷺ کا صرف تریسٹھ برس عمر پانا بھی ’’ایسا مسئلہ ہے کہ ان کو نبی اکرم ﷺ رتبہ میں بمقابلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کمتر محسوس ہوتے ہیں۔قادیانی دوستوں سے عرض ہے کہ رسولوں کے درمیان اس طرح کے تقابل سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔علاوہ ازیں عمر کی طوالت سے رتبہ نہیں بڑھ جاتا۔اگر ایسا ہوتو حضرت نوح علیہ السلام کا مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے بڑا ہونا چاہئے۔کیونکہ حضرت نوح نے نوصد پچاس سال تو صرف تبلیغ ہی میں صرف کئے تھے۔

میں ان دوستوں کی خدمت میں، جن کے ذہن میں یہ شبہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اب تک زندہ تسلیم کرنے سے نبی اکرم ﷺ کے رتبہ میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کی دو زندگیاں ہوتی ہیں۔نبی کی ایک زندگی تو دنیوی ہوتی ہے جو ان کے پہلے سانس سے شروع ہوتی ہے اور آخری سانس پر ختم ہوجاتی ہے۔ہم اسے طبعی زندگی بھی کہہ سکتے ہیں۔لیکن اس کے علاوہ نبی کی ایک معنوی زندگی ہوتی ہے۔یہ زندگی اس روز شروع ہوتی ہے جس روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے حکم ملتا ہے کہ ’’قم فانذر‘‘یعنی جس روز نبی اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دینا شروع کرتا ہے اور اس روز ختم ہوجاتی ہے۔جس روز اس کے بعد آنے والا نبی مبعوث ہوجاتا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معنوی زندگی اس روز شروع ہوئی جب انہوں نے اپنی عمر کے ۳۰ویں سال یروشلم میں منادی شروع کی کہ ’’اللہ کے راستے میں میرا مددگار کون ہے؟‘‘اور نبی اکرم ﷺ کی بعثت پر ختم ہوگئی۔نبی اکرم ﷺ کی معنوی زندگی ان کی عمر کے چالیسویں سال شروع ہوئی اور قیام قیامت پر ختم ہوجائے گی۔اب اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی زندگی ہو بھی تو ان کی معنوی زندگی ختم ہوچکی ہے۔اب انسانوں کے لئے حجت وہ نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یا آئندہ فرمائیں گے۔بلکہ حجت وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اور نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک تاقیام قیامت حجت رہے گا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تینتیس سال ہو یا تینتیس سو سال، ان کی معنوی عمر اس روز ختم ہوگئی جس روز نبی اکرم ﷺ کی

معنوی عمر شروع ہوگئی۔ امید ہے اس بحث سے قادیانی ذہن کے اس شبہ کا ازالہ ہوگیا ہوگا جو قصر خلافت کی طرف سے ان کے ذہن میں ڈالا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم کرنے سے نبی اکرم ﷺ کے مرتبہ میں کمی واقع ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام

اب تک جو کچھ عرض کیا جاچکا ہے، مناسب ہوگا کہ آگے بڑھنے سے پہلے اس کو ذہن میں تازہ کرلیا جائے:

۱...... نبوت ختم ہوچکی ہے لیکن کار رسالت جاری ہے اور اب نسل انسانی پر اتمام حجت کا فریضہ امت مسلمہ کو ادا کرنا ہے۔

۲...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت صرف اور صرف یہود کی طرف تھی۔ یہودیوں کے علاوہ انہوں نے کسی کو مخاطب نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے حواریوں کو بھی تاکید کی کسی غیر یہودی کو دعوت ایمان نہ دیں اور اگر بائبل پر انحصار کیا جائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی غیر یہودی کے لئے دعا کرنا بھی ایسا ہی سمجھتے تھے جیسا کہ کسی کتے یا بلی کے لئے دعا کرنا۔

۳...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہودیوں کو دعوت ایمان دی تو یہودیوں نے ان کی تکذیب کی بلکہ بزعم خود انہیں صلیب دے دیا۔

۴...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود کی گرفت میں نہیں آئے۔ نہ انہیں صلیب دیا گیا نہ انہیں کسی دوسرے طریقے سے قتل کیا گیا بلکہ وہ اچانک غائب ہوگئے۔

۵...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جہاں اللہ تعالیٰ نے بلند پایہ حسی معجزات عطاء کئے وہاں ان پر دو خصوصی فضل بھی کئے یعنی معجزانہ طور پر گہوارے میں کلام کرنا اور ادھیڑ عمر میں کلام کرنا۔

۶...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم کرنے سے نبی اکرم ﷺ کی شان میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیوں آئیں گے؟

یہ ایک انتہائی اہم سوال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آکر کیا کریں گے۔ دین کا کون سا کام رکا ہوا ہے جسے انہوں نے آکر سرانجام دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ مکمل ہدایت پہنچادی ہے اور اسے محفوظ بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ بھی محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ تمام دنیا پر

بالواسطہ اتمام حجت بھی کر دیا ہے اور باقی دنیا پر اتمام حجت کرنا امت مسلمہ کا فریضہ ہے۔ ابتداء میں مرزاغلام احمد قادیانی کا مذہب بھی یہی تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: ’’ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ ’’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘‘ ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہم بہ فضل وتوفیق باری تعالیٰ اس عالم گزراں سے کوچ کریں گے۔ یہ ہے کہ حضرت سیدنا مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النّبیین وخیرالمرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ انسان راہ راست کو اختیار کر کے خداتعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۵۴)

جب صورتحال یہ ہے کہ جو اوپر بیان کی گئی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں دوبارہ آنے کی زحمت کس لئے کریں گے۔ کیا واقعی کوئی ایسا کام ہوسکتا ہے جو صرف وہ خود ہی آ کر سرانجام دے سکتے ہیں، کسی دوسرے کے لئے اسے سرانجام دینا ممکن ہی نہ ہو۔ اگر ہم یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں کہ ایک کام ایسا بھی ہے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود ہی آ کر انجام دیں گے، کسی دوسرے شخص کے لئے اسے کرنا ممکن ہی نہیں ہوگا تو ایسی صورت میں انہیں زندہ بھی ہونا چاہئے اور دوبارہ آنا بھی چاہئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصی مشن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کرنے کا کون سا کام باقی ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں یہود سے رجوع کرنا پڑے گا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف یہود کی طرف مبعوث ہوئے تھے، ان کا خطاب بھی صرف یہود سے تھا اور یہود کی گرفت سے ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محفوظ رکھا۔ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جو بھی مشن ہے اس کا محور ومرکز یہود ہیں۔ اب وہ پیش گوئیاں اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے جو عہدنامہ قدیم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بارے میں ہیں۔ ایک بشارت کو میں دوبارہ درج کر دیتا ہوں: ’’ہمارے لئے ایک لڑکا تولد ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا اور سلطنت اس کے کندھے پر ہوگی اور اس کا نام عجیب، مشیر خدائے قادر، ابدیت کا باپ اور سلامتی کا شہزادہ ہوگا۔ اس کی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہاء نہ ہوگی۔ وہ داؤد کے تخت اور اس کی مملکت پر آج سے ابد تک حکمران رہے گا اور عدالت اور صداقت سے قیام بخشے گا۔‘‘ (یسعیاہ باب:۹، فقرہ:۶ تا ۸)

ان پیش گوئیوں کی وجہ سے یہود کے ذہن میں یہ راسخ ہو چکا تھا کہ ان کا مسیح تو بادشاہ

ہوگا اور داؤد علیہ السلام کے تخت پر بیٹھے گا۔ یعنی اس کی سلطنت کی وسعت بھی اتنی ہی ہوگی جتنی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت کی وسعت تھی۔

اب ہم کچھ تاریخی حقائق ایک نظر دیکھ لیں۔

اٹھارہوں صدی کے آخری عشرہ میں جب سلطان ٹیپو شہید انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی جدوجہد کررہا تھا تو اس نے خلافت عثمانیہ کے پاس استنبول (قسطنطنیہ) ایک وفد بھیجا اور درخواست کی کہ انگریزوں کے خلاف اس کی مدد کی جائے۔ کیونکہ وہ ان کا دینی بھائی ہے اور اگر خلافت عثمانیہ بحراوقیانوس میں انگریزی جہازوں کی آمدورفت میں رکاوٹ پیدا کرے تو وہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن دربار خلافت سے ٹیپو شہید کا انکار کی صورت میں جواب ملا اور عذر یہ پیش کیا گیا کہ خلافت عثمانیہ کے تعلقات برطانوی حکومت سے انتہائی دوستانہ ہیں۔ اس لئے دربار خلافت انگریزوں کے خلاف سلطان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

وہی ترکی ہے، وہی دربار خلافت ہے اور وہی سلطنت عثمانیہ اور وہی انگریز کہ جن کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی بناء پر سلطان ٹیپو شہید کی مدد کرنے سے معذوری ظاہر کردی گئی تھی۔ ۱۹۱۴ء میں انگریزوں کے خلاف جرمنی سے اتحاد کر کے ترک محوری طاقتوں میں شامل ہوگئے۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ محوری طاقتوں کو جنگ میں شکست ہوگئی۔ سلطنت عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ خلافت صرف ترکی تک محدود ہوگئی اور اسے بھی بعد میں مصطفیٰ کمال پاشا نے ختم کر کے ترکی کو جمہوریہ بنادیا۔ آں قدح بہ شکست وآں ساقی نہ ماند...... انگریزوں کے خلاف جرمنی سے اتحاد نے نہ صرف سلطنت ختم کی بلکہ خلافت کا ادارہ ہی ختم کردیا۔ کیا یہ سب اتفاق ہے یا اللہ کی کسی بڑی سکیم کا حصہ؟

اب ذرا تصور کیجئے کہ ترکی کے جو تعلقات انگریزوں سے اٹھارہویں صدی کے آخر میں انتہائی دوستانہ تھے اگر ۱۹۱۴ء تک برقرار رہتے تو آج دنیا کا نقشہ کیا ہوتا۔ کیا اسرائیل کا وجود ہوتا، ہرگز نہیں۔ یہودیوں کو فلسطین کا کچھ علاقہ تو انگریزوں نے دیا اور بقیہ انہوں نے لڑکر حاصل کرلیا۔ ۱۹۴۸ء کی تقسیم فلسطین کے مطابق بیت المقدس ان کے پاس نہیں تھا۔ اب وہ بھی ان کے پاس ہے۔ ۱۹۱۸ء اور ۱۹۴۸ء کے درمیان تیس سال کے عرصہ میں یہودی دنیا کے مختلف علاقوں سے آکر فلسطین میں آباد ہوتے رہے۔ کچھ تو باقاعدہ آئے اور کچھ بے قاعدہ۔ اس تیس سال کے عرصہ میں تقریباً سو مختلف زبانیں بولنے والے یہودی آکر فلسطین میں آباد ہوئے۔ زبان کے

مسئلہ کو (جسے پاکستان آج تک حل نہیں کر سکا) اسرائیل میں یہودیوں نے اس طرح حل کیا ہے کہ اسرائیل کی سرکاری اور قومی زبان عبرانی ہے جو اگرچہ مردہ زبان تھی اور اسرائیل میں آباد ہونے والے کسی یہودی کی بھی مادری زبان نہیں تھی، اسے زندہ کر لیا گیا ہے۔ یہودیوں کے لئے عبرانی زبان کا وہی مقام ہے جو مسلمانوں کے لئے عربی کا ہے۔ کیا اب یہ محض اتفاق ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آجائیں تو وہ بھی صرف عبرانی زبان ہی سمجھتے ہوں گے جو ان کی پہلی آمد کے موقع پر تعلیم یافتہ یہود کی زبان تھی جیسے ہمارے ہاں اگرچہ عوامی زبان پنجابی ہے۔ لیکن تحریر وتقریر کی زبان اردو ہے۔ یہ سب محض اتفاق نہیں ہو سکتا اور میرے عقیدے کے مطابق اس کائنات میں ''اتفاق'' کا کوئی وجود نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہو رہا ہے ایک ایسی ہستی کی ہدایت پر ہو رہا ہے جس کا علم مکمل ہے۔ جس کا اختیار مکمل ہے (بلکہ حقیقت میں ذاتی اختیار تو ہے اس کا باقی جس کے پاس کوئی اختیار ہے وہ اسی کا عطاء کردہ ہے) اور جو ہمہ وقت نگراں بھی ہے۔

اب جب کہ اسرائیل ایک حقیقت ہے، خواہ ہم تسلیم کریں یا نہ کریں اور دنیا کے تمام مسلمان بشمول عربوں کے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے اور نہ ہی آئندہ اس کا کوئی امکان نظر آتا ہے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہودیوں نے اپنے مسیح کا انتظار ترک کر دیا ہے۔ اس سوال کے جواب کے لئے میں نے ۱۹۹۱ء میں ایک یہودی (**Henry Sandsman Lafayette** **U.S.A**) ربی (عالم) ملاقات کی۔ اس نے مجھے جواب دیا کہ اس مسئلہ میں اب یہودیوں کے دو گروہ بن گئے ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ آنے والا مسیح کوئی شخص خاص نہیں ہے بلکہ ایک دور کا نام ہے۔ یعنی دور مسیحیت جو اسرائیل کے قیام سے شروع ہو چکا ہے۔ جب کہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ آنے والا مسیح ایک خاص شخص ہی ہوگا۔ ''جو سلامتی کا شہزادہ ہوگا۔ اس کے سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہاء نہ ہوگی۔ وہ داؤد کے تخت پر بیٹھے گا اور اس کی مملکت (اسرائیل...... راقم) پر آج سے ابد تک حکمران رہے گا۔'' یہودیوں کا یہ گروہ اپنے مسیح کی آمد سے مایوس نہیں ہے۔ اب آئندہ کسی وقت یہودیوں کا کوئی سیاسی یا فوجی لیڈر وہ تمام علاقہ فتح کر لیتا ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت کا حصہ تھا۔ (اب اس امکان کو ہم خارج از قیاس (**Rule Out**) قرار نہیں دے سکتے اور اسرائیل کے راستے میں ایسا کرنے میں کوئی حقیقی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔ نہ عرب روک سکتے ہیں نہ دوسرے مسلمان۔ اسرائیل کو صرف ایک بہانہ کی ضرورت ہے جو کسی وقت اسے میسر آجائے گا) اور اس کے بعد اعلان کر دینا ہے کہ میں ہوں یہودیوں کا وہ مسیح جس کا ان کو انتظار رہے۔ میں داؤد علیہ السلام کے تخت پر بیٹھ گیا ہوں۔ اپنے صحیفے اٹھا کر دیکھ لو کیا وہ

تمام صفات مجھ میں موجود نہیں ہیں جو یہود کے صحیفوں میں مسیح کے لئے بیان ہوئی ہیں اور یہودی اس لیڈر کے دعویٰ مسیحیت کو اپنی کتابوں میں دی گئی بشارتوں کے مطابق پاتے ہوئے قبول کر لیتے ہیں اور اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ (یہودیوں کی گزشتہ دو ہزار سالہ تاریخ میں کئی یہودیوں نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا لیکن وہ زیادہ یہودیوں کو متاثر نہ کر سکے کیونکہ ان کے دعوے بشارتوں کے مطابق نہیں تھے) جب یہ سب کچھ ہو جائے گا تو اس کے رد عمل میں تین ممکنہ صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱...... اللہ تعالیٰ اس یہودی سیاسی یا فوجی لیڈر کے دعویٰ مسیحیت کو نظر انداز کر دے۔ کیونکہ کسی شخص کے جھوٹے دعویٰ مسیحیت سے اللہ تعالیٰ کی سلطنت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ جب ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی اور ایران میں بہاء اللہ نے بیک وقت دعویٰ مسیحیت کیا تھا تو اللہ تعالیٰ کا کیا بگڑ گیا تھا۔ اس طرح وہ شخص جھوٹا ہونے کے باوجود تا قیام قیامت یہودیوں کا مسیح بن جائے۔

۲...... قادیانی خلیفہ ایک وفد لے کر اسرائیل جائے اور یہودیوں کو یقین دلائے کہ یہ شخص جھوٹا ہے، یہودیوں کا مسیح تو قادیان میں دفن ہے، انہیں اس پر ایمان لانا چاہئے۔ قادیانی وفد کے بعد ایک بہائیوں کا وفد پہنچ جائے جو یہودیوں کو یقین دلائے کہ ان کا مسیح تو بہاء اللہ ہے، یہودی اس پر ایمان لائیں۔ اب ہر دو وفود میں سے کوئی ایک یہودیوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو جائے اور وہ اس جھوٹے مسیح کو برطرف کر کے اسرائیل سے نکال دیں اور مرزا غلام احمد قادیانی یا بہاء اللہ ایرانی کو اپنا مسیح تسلیم کر لیں۔ اس طرح اس جھوٹے مسیح کا مسئلہ حل ہو جائے۔ یہودی بھی خوش اور قادیانی بھی خوش۔ لیکن کیا اللہ تعالیٰ کی حمیت اسے گوارا کرے گی؟ اور کیا اس بات کا کوئی امکان ہے کہ اسرائیل میں قادیانی خلیفہ کی بات مان لی جائے؟ آج تک قادیانی ایک بھی یہودی کو قادیانی نہیں بنا سکے۔

۳...... اللہ تعالیٰ اصل مسیح کو اسرائیل کے اندر یہودیوں کے درمیان اس طرح معجزانہ طور پر نازل کر دے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزانہ طور پر پیدا کیا تھا۔ یہودی اپنے درمیان معجزانہ طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل ہوتے دیکھ کر اپنے جھوٹے مسیح (دجال مسیح) کو رد کر کے اصل مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پر ایمان لے آئیں بلکہ اپنے اصل مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی گواہی پر نبی اکرم ﷺ پر بھی ایمان لے آئیں اور عیسائی بھی ان کی گواہی پر اپنے عقیدہ (حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے صلبی بیٹے تھے اور کفارہ کے طور پر انہوں نے صلیب پر جان دے دی) سے تائب ہو جائیں اور وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت پر نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ اس طرح صلیب مستقل طور پر ٹوٹ جائے اور ''جس غلبہ کاملہ

دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا۔‘‘ (براہین احمدیہ ص۴۹۹، خزائن ج۱ص۵۹۳)

مجھے بتایا جائے کہ اس جھوٹے مسیح (جو داؤد کے تخت پر بیٹھا ہوگا) کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا ہوسکتی ہے کہ اصل مسیح سامنے آجائے اور اس طرح سامنے آئے کہ اسے پہچاننے کے سوا یہودیوں کے لئے کوئی چارہ ہی نہ رہے۔ جب وہ اس طرح سامنے آئے تو ادھیڑ عمر میں کلام بھی کرے اور جب اس کا انتقال ہو تو اس وقت موجود تمام اہل کتاب اس پر ایمان بھی لاچکے ہوں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی نبی اکرم ﷺ سے تعلق کی نوعیت

اب تک ہم اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ جب بھی یہودی من حیث الجماعت کسی (دجال) جھوٹے مسیح پر ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ کی ذات یہ گوارا نہیں کرے گی کہ اس کے مقرر کردہ مسیح کی جگہ لوگ کسی دجال مسیح کے پیچھے لگ جائیں۔ چنانچہ جھوٹے کا جھوٹ ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کو یہودیوں کے درمیان معجزانہ طور پر نازل کردیں گے۔ ہمارے قادیانی دوست ذہنی الجھن پیدا کرنے کے لئے یہ سوال کردیتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو وہ نبی ہوں گے یا نبی اکرم ﷺ کے امتی ہوں گے؟ وہ گرجا میں عبادت کے لئے جائیں گے یا مسجد کا رخ کریں گے؟ اس سوال میں الجھن یہ ہے کہ اگر آپ یہ کہیں کہ وہ نبی ہوں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ واجب الاتباع ہوں گے جو عقیدۂ ختم نبوت کے منافی ہے۔ کیونکہ اب تو نبی اکرم ﷺ ہی تا قیام قیامت واجب الاتباع ہیں اور اگر آپ جواب دیں کہ وہ امتی ہوں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ منصب نبوت سے معزول ہوگئے۔ چونکہ مجھے قادیانی حضرات کے اس سوال سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ قادیانی ذہن کی یہ الجھن دور کردوں۔

یہ سوال صرف اس ذہن میں پیدا ہوتا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ ایک شخص یا نبی ہوسکتا ہے یا امتی ہوسکتا ہے۔ اگر مرزاغلام احمد قادیانی سے یہی سوال دریافت کیا جائے تو ان کا جواب یہ ہے:

’’آنے والے مسیح کے لئے نبی اکرم ﷺ نے نبوت شرط نہیں رکھی۔‘‘

(توضیح المرام ص۱۷، خزائن ج۳ص۵۹)

جب آنے والے مسیح کے لئے نبوت شرط ہی نہیں تو مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی تسلیم نہ کرنا کفر کس طرح ہوسکتا ہے؟ بیشتر اس کے کہ میں اس سلسلہ میں کچھ عرض کروں میں اس سوال کو اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ اصل سوال یہ ہے کہ: ’’جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو نبی اکرم ﷺ سے ان کے تعلق کی نوعیت کیا ہوگی۔‘‘

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ تمام انبیاء اللہ تعالیٰ ہی کے مقرر کردہ ہوتے ہیں اور وہ سب ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (یہ صرف جھوٹے نبیوں ہی کی خصوصیت ہوتی ہے کہ نہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب۔ جیسے مرزا غلام احمد اور بہاء اللہ نے نہ ایک دوسرے کی تصدیق کی نہ تکذیب) اگر دنیاوی اصطلاح استعمال کرنے کی اجازت دی جائے تو میں یہ کہوں گا کہ وہ سب کے سب سی۔ایس۔پی ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی منصب کے حامل ہوتے ہیں۔ البتہ بعض کو بعض پر فضیلت ہوتی ہے۔ لہٰذا انبیاء کے معاملہ میں امتی یا نبی کا سوال ہی پیدا نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مقام نبوت پر سرفراز فرمایا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی: ’’تم فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے نکل گیا ہے۔ عرض کیا اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کردے اور میرا (یہ) کام (تبلیغ کا) آسان فرمادیجئے اور میری زبان پر سے بستگی (لکنت کی) ہٹا دیجئے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے واسطے میرے کنبہ میں سے ایک معاون مقرر کردیجئے یعنی ہارون کو کہ میرے بھائی ہیں اور ان کے ذریعہ سے میری قوت کو مستحکم کردیجئے اور ان کو میرے (اس تبلیغ کے) کام میں شریک کردیجئے تاکہ ہم دونوں خوب کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور خوب کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ بے شک آپ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ ارشاد ہوا تمہاری (ہر) درخواست منظور کی گئی اے موسیٰ علیہ السلام۔‘‘ (طٰہٰ:۲۴،۲۵، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت ہارون علیہ السلام کے بارے میں کبھی کسی قادیانی نے نہیں پوچھا کہ وہ امتی تھے یا نبی تھے؟ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہم عصر تھے۔ دونوں یہودی تھے اور دونوں ہی یہودیوں کو تبلیغ کرتے رہے۔ ان کے بارے میں بھی کسی قادیانی نے یہ سوال نہیں کیا کہ ان میں سے نبی کون تھا اور امتی کون؟

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت نہیں لائے تھے اور انہوں نے اس کا برملا اعلان بھی کیا۔ قرآن مجید نے ان کی جو تقریر درج کی ہے وہ اس طرح ہے: ’’جب کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نے فرمایا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا

(رسول) آیا ہوں کہ مجھ سے جو پہلے تورات (آ چکی) ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں۔“

(الصّف:۶، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

بائبل میں اس کی تفصیل اس طرح ہے: ”یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا۔“

(متی باب:۵، فقرہ:۱۶،۱۷)

قرآن اور بائبل کے حوالے سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی شریعت کی پیروی کی اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی۔ لیکن کسی قادیانی نے یہ سوال نہیں کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام امتی بن گئے تھے یا نبی ہی رہے؟

آخری بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو ازروئے قرآن اپنی رسالت کے اعلان کے ساتھ ہی نبی اکرم ﷺ کی تصدیق بھی کردی تھی۔ ”اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والا ہے جن کا نام (مبارک) احمد ہوگا میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔“

(الصّف:۶، ترجمہ: مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

بائبل سے بھی ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کی تصدیق کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آخری تقریر بائبل میں اس طرح درج ہے: ”اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق۔“ (یوحنا باب:۱۴، فقرہ:۱۷)

”اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار (رحمۃ اللعالمین......راقم) آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔“ (یوحنا باب:۱۴، فقرہ:۳۱)

بائبل کے یونانی ایڈیشن (یاد رہے کہ پرانی سے پرانی بائبل جو اس وقت دنیا میں موجود ہے وہ یونانی زبان میں ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی زبان میں یا ان کے حواریوں کی زبان میں کوئی بائبل دنیا میں موجود نہیں) میں مددگار کی جگہ فارقلیط کا لفظ ہے جس کے ہجے **Periqlytos** ہیں اور پروفیسر عبدالاحد داؤد (سابق بشپ یرمیاہ) نے اس موضوع پر تحقیق کر کے جو کتاب (محمد ﷺ بائبل میں) لکھی ہے اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ **Periqlytos** کا مطلب ہی محمد اور احمد ہے لیکن چرچ نے بعد میں اصل لفظ کی جگہ ترجمہ

کرتے ہوئے کہیں وکیل اور کہیں مددگار کر دیا۔

بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کی پہلے ہی تصدیق کر دی تھی۔ اگر اس وقت یہ سوال پیدا نہیں ہوا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی تصدیق کرنے کے نتیجہ میں وہ امتی بن گئے تھے یا نبی رہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلی آمد کے موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کی وجہ سے یہ سوال پیدا نہیں ہوا تھا کہ وہ امتی بن گئے تھے یا نبی رہ گئے تھے تو اپنی دوبارہ آمد کے موقع پر جب وہ شریعت محمد ﷺ کی پیروی کریں گے تو یہ سوال کیوں پیدا ہوگا کہ وہ نبی رہیں گے یا امتی بن جائیں گے۔

مسلمانوں کے لئے صحیح طرز عمل

جب یہ بات محقق ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضرور تشریف لائیں گے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں کا طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔ میرے نظریہ کے مطابق ہم مسلمانوں پر جو حق حضرت مسیح علیہ السلام کا ہے وہ ہم ادا کر ہی رہے ہیں۔ یعنی ہم مسلمان نبی اکرم ﷺ کی گواہی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہودیوں کی طرف مبعوث ایک رسول برحق تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ (حضرت مریم طاہرہ) کو تمام عورتوں سے افضل تسلیم کرتے ہیں اور انہیں پاک دامن مانتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہم مسلمانوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نہ تو کوئی حق ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارہ میں کوئی مطالبہ۔ اس لئے ہمیں وہ دعا مانگتے رہنا چاہئے جو نبی اکرم ﷺ نے سکھائی ہے جسے صدیقہ کائنات ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیحین میں رپورٹ کیا ہے، وہ ہے: ''اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قرض سے۔''

تاکہ اللہ ہمیں مرزا غلام احمد قادیانی جیسے دجال مسیحوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔

''واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم''

ضمیمہ

''پس آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔'' (حج:۴۶)

میری یہ کاوش ’’نزول مسیح آخر کیوں؟‘‘ جب پہلی بار شائع ہوئی تو ایک قادیانی دوست نے اس پر تبصرہ ’’حقائق درنزول مسیح‘‘ کے عنوان[1] سے تحریر فرمایا اور اشاعت سے قبل ہی مجھے اس کی ایک نقل مرحمت فرمائی۔ میں نے پہلی فرصت میں اس پر تبصرہ کر کے موصوف کی خدمت میں پیش کردیا۔ ’’نزول مسیح آخر کیوں؟‘‘ کو اب دوسری بار شائع کیا جارہا ہے تو میں ’’حقائق درنزول مسیح‘‘ پر اپنے تبصرہ کو ضمیمہ کے طور پر شامل کررہا ہوں۔

موصوف نے میری کتاب پر تبصرہ اس انداز میں نہیں کیا کہ پہلے پوری کتاب کو پڑھ لیا ہو اور اس کے بعد اس پر تبصرہ شروع کیا ہو۔ بلکہ موصوف کتاب لے کر بیٹھ گئے ہیں اور اس کے ایک ایک صفحہ پر تنقید شروع کردی۔ موصوف پہلے ہی صفحہ پر لکھتے ہیں: ’’جناب قریشی صاحب کا یہ کہنا حیرت انگیز ہے کہ دوران تحقیق ان کو حیات/ وفات مسیح کے متعلق کسی عالم دین کی کوئی کتاب نہیں ملی اور خدا خدا کر کے ایک ملی بھی تو وہ بھی ایک ایسے صاحب کی جو سرے سے نزول مسیح کے ہی منکر ہیں اور وفات مسیح کے قائل ہیں۔ مزید حیرت یہ ہے کہ اس کتاب کے مندرجات کی تائید کرنے والے اور اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے والے ایک عالم دین جناب محمد قاسم قاسمی صاحب نے بھی جناب قریشی صاحب کو اس غلطی کی طرف توجہ نہیں دلائی اور گویا اس طرح ان کے اس عقید[2]ے کی تائید فرمائی ہے کہ علماء دین میں سے کسی نے آج تک حیات و وفات مسیح کے موضوع پر آج تک قلم نہیں اٹھایا اور اگر کوئی کام کیا بھی گیا ہے تو وہ اس قابل ہی نہیں کہ مزید تحقیق کے لئے اسے بنیاد بنایا جائے۔‘‘

موصوف کو معلوم نہیں یہ غلط فہمی کس طرح ہوگئی کہ میری کتاب کا موضوع ’’حیات و وفات مسیح‘‘ ہے۔ ’’حیات مسیح‘‘ کے موضوع پر گزشتہ سو سال میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور علماء کرام نے اس کا حق ادا کردیا ہوا ہے۔ جناب پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب ’’سیف چشتیائی‘‘ اور ’’شہادت القرآن‘‘ تو ایسی ہیں کہ انہوں نے قادیانی امت کی بولتی بند کردی تھی اور آج تک بند ہے۔ قادیانی حضرات اپنے بزرگوں سے دریافت فرمالیں کہ قادیانی امت میں سے کسی کو ان کتب کا جواب لکھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ میری کاوش کا مرکزی مضمون ہے: ’’حضرت عیسیٰ دوبارہ کیوں آئیں گے؟‘‘

---

[1] بعد میں اسے سلطان النصیر کے نام سے قادیانی جماعت نے لندن سے شائع کیا ہے۔

[2] موصوف یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ عقیدے کا مسئلہ ہی نہیں، یہ راقم کی کم علمی تو ہوسکتی ہے اس کا عقیدے سے کیا تعلق ہے۔

موصوف لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ازروئے قرآن مکمل طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثیل ہیں۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں ایک مسیح مبعوث ہوئے تھے۔ لہٰذا ضروری ہے نبی اکرم ﷺ کی امت میں بھی ایک مسیح مبعوث ہوتا کہ یہ مماثلت ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ ان کے خیالات کو ان کے اپنے الفاظ میں مطالعہ فرمادیں: ''یہاں ایک نکتہ اور واضح کرنا چاہتا ہوں، جیسا کہ تمام علماء جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں حضرت رسول کریم ﷺ کو مثیل موسیٰ علیہ السلام قرار دیا گیا ہے اور موسیٰ علیہ السلام سے تیرہ سو سال بعد امت موسوی یعنی بنی اسرائیل کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم بطور مسیح مبعوث ہوئے۔ تشبیہ تبھی مکمل بنتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تیرہ سو سال بعد بھی امت کے لئے کوئی مسیح مبعوث ہو، خاص طور پر جب کہ امت میں موسوی امت کی طرح بہتر فرقے ہو چکے ہوں۔'' (ص۴۳،۴)

قادیانی امت نے اس بات کو فراموش کر دیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مکمل مماثلت صرف ایک مسیح کے مبعوث ہونے سے نہیں بنتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو بنی اسرائیل میں کئی انبیاء تشریف لائے۔ مثلاً حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ علیہم السلام وغیرہ۔ جب تک نبی اکرم ﷺ کی امت میں بھی اتنی ہی تعداد میں انبیاء کی بعثت نہ ہو تو مماثلت کس طرح مکمل ہو سکتی ہے؟ چونکہ قادیانی امت نے مرزا غلام احمد (امت مسلمہ کے غدار، صلیب پرست انگریزوں کے وفادار) کی نبوت کاذبہ کے لئے کسی نہ کسی طرح جواز نکالنا ہوتا ہے لہٰذا ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں صرف حضرت مسیح علیہ السلام ہی نظر آتے ہیں اور موصوف نے لکھ دیا کہ قرآن مجید رسول کریم ﷺ کو مکمل مثیل موسیٰ قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کی تائید میں موصوف نے قرآن کریم کی کوئی ایک آیت بھی پیش نہیں کی۔ بہتر (۷۲) فرقے بھی ایک افسانہ ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ ہر گمراہ شخص قرآن کی معنوی تحریف کرنے پر مجبور ہے۔ قادیانی امت بھی اس معاملہ میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ ان کے گرو نے تو قرآن میں لفظی تحریف بھی کر دی تھی۔ یقین نہ ہو تو (ازالہ اوہام ص۶۲۹، خزائن ج۳ ص۴۳۹) دیکھ لیجئے کہ سورۂ حج کی آیت:۵۲ میں کس طرح تحریف کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد آیات میں تحریف کر کے اپنی کتب میں نقل کیا ہے اور قادیانی امت نے ان مقامات کو درست کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں جانتا ہوں کہ قادیانی امت کے نزدیک قرآن میں غلطی تھی جسے مرزا قادیانی نے درست کر دیا۔ جو لوگ اس مقام پر پہنچ جائیں وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے۔ البتہ ان پر حجت پوری کی جا سکتی ہے جو میں کر رہا ہوں۔

آپ مطالعہ فرما چکے ہیں کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تین گروہوں کا ذکر کیا ہے اور اپنی دانست میں ان کے نقطہ ہائے نظر کی بنیاد کو بیان کیا ہے۔ اس سے جو نتائج موصوف نے نکالے ہیں وہ قادیانی ذہن کے **Pervert** ہونے کا ہی ثبوت ہے۔ آپ ملاحظہ فرماویں کہ موصوف کیا تحریر فرماتے ہیں: ’’مصنف نے ان دونوں گروہوں کے تقابل کے دوران پہلے گروہ کے دعوے کے دلائل کے طور پر صرف احادیث درج کی ہیں اور قرآن مجید کی کسی آیت کو بطور ثبوت پیش نہیں کیا اور اس طرح گویا یہ ظاہر کیا ہے کہ قرآن مجید سے نزول مسیح علیہ السلام کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ جب کہ منکرین نزول مسیح علیہ السلام کے اس عقیدہ کی تائید میں کہ دین اسلام مکمل ہو چکا ہے اور اس آخری اور اتم شریعت کی موجودگی میں کسی نبی کی آمد کی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید کی مختلف آیات نقل کی ہیں اور اس طرح بالواسطہ طور پر منکرین نزول مسیح جو درحقیقت منکرین حدیث ہیں، کا کیس نسبتاً مضبوط طریقے سے پیش کیا گیا ہے اور آخر میں نزول مسیح علیہ السلام کی احادیث کو کمزور ظاہر کر کے آمد مسیح کے عقیدے پر مزید ضرب لگائی گئی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود مصنف بھی نزول مسیح کا منکر ہے۔‘‘ (ص۵)

مجھے نہیں معلوم کہ موصوف نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے یا واقعی وہ لاعلم ہیں کہ منکر حدیث کون ہوتا ہے۔ منکر حدیث تو وہ ہوتا ہے جو سرے سے حدیث کو ماخذ دین ہی نہ سمجھتا ہو جو شخص بھی چند احادیث کے بارے میں یہ رائے رکھتا ہے کہ اسماء الرجال کی رو سے وہ احادیث کمزور ہیں وہ منکر حدیث نہیں ہوتا۔ میری کتاب کے مطالعہ کے بعد تو کوئی شخص (سوائے قادیانی کے) یہ رائے نہیں قائم کر سکتا کہ راقم منکر حدیث ہے یا اس نے منکرین حدیث کا مقدمہ پیش کیا ہے۔ میں نے نزول مسیح علیہ السلام کی تائید میں قرآن مجید کی آیات بھی پیش کی ہیں۔

موصوف لکھتے ہیں: ’’بانی جماعت احمدیہ کے دعوے کے نام نہاد تضادات بیان کرنے سے پہلے مصنف نے ان کے الہام کی بنیاد پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ بانی جماعت احمدیہ کے الہام ’’الرحمن. علم القرآن ‘‘ کو پیش کر کے مصنف نے یہ مفروضہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس الہام کے بعد بانی جماعت احمدیہ نے قرآن مجید کی کسی آیت کا جو بھی ترجمہ کیا یا اس کی جو بھی تشریح کی وہ الہامی تھی اور خدا کی سکھائی ہوئی تھی۔

اس الہام سے، جو دراصل سورۂ رحمٰن کی پہلی اور دوسری آیت ہے، یہ غلط استنباط کرتے ہوئے مصنف ان آیات سے اگلی دو آیات بھول گئے جن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’خلق الانسان. علمہ البیان ‘‘ یعنی ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان سکھایا۔ اب اگر مصنف کا

وضع کردہ اصول ان آیات پر بھی چسپاں کیا جائے تو ان آیات کا مطلب یہ نکلے گا کہ انسان جو کچھ بھی بولتا ہے وہ تمام کا تمام الہامی ہوتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تکلم کی طاقت اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ ہے جسے انسان اپنی مرضی سے استعمال کرتا ہے۔'' (ص۶)

میں سورۂ الرحمٰن کی ابتدائی آیات بھولا نہیں تھا۔ میں تو سورۂ رحمٰن کا حوالہ ہی نہیں دے رہا تھا۔ میں تو مرزا قادیانی کے الہام کا حوالہ دے رہا تھا اور وہاں ''تذکرہ'' کے ص۴۴ پر ''الرحمن. علم القرآن'' سے آگے ''خلق الانسان. علمه البیان'' نہیں ہے۔ بلکہ اس سے آگے ہے۔ ''لتنذر قوما ما انذر اباوهم'' ہے اور اس کا ترجمہ اس طرح ہے۔ ''خدا نے تجھے قرآن سکھلایا تاکہ تو ان لوگوں کو ڈراوے جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے۔''

موصوف کی عبارت کو دوبارہ پڑھئے: ''اس الہام کی رو سے جو دراصل سورۃ الرحمٰن کی پہلی اور دوسری آیت ہے۔''

موصوف اس عبارت کے ذریعہ کیا سمجھانا (**Convey**) چاہتے ہیں، یہی کہ اصل میں (دراصل کا یہی مطلب ہے) تو یہ قرآن کی سورۂ الرحمٰن کی دو آیات ہیں لیکن مرزا قادیانی نے ان آیات کو الہام بنا کر اپنی طرف منسوب کرلیا تھا۔ لہٰذا مرزا قادیانی پر گرفت کرنے کے لئے اس الہام کو بنیاد نہ بناؤ بلکہ سورۃ الرحمٰن کی آیات ہی تصور کرو نہ کہ مرزا قادیانی کا الہام۔ مجھے بتایئے کہ مذکورہ بالا تحریر کا اس کے سوا کیا مطلب ہے اور موصوف نے ایسا ہی کیا ہے اور موصوف ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ ذرا اپنے ضمیر (اگر زندہ ہے) کے اندر جھانک کر دیکھ لیں۔

سورۂ الرحمٰن کی پہلی دو آیات میں خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے اور جملہ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو قرآن سکھایا اور انہوں (نبی اکرم ﷺ) نے قرآن کی جو بھی تعلیم دی اور جو بھی تشریح بیان کی وہ اللہ تعالیٰ کی سکھائی ہوئی تھی لیکن تذکرہ میں جو الہام ''الرحمن. علم القرآن'' ہے۔ وہ الہام مرزا قادیانی کو ہوا ہے اور اس کے مخاطب مرزا قادیانی ہیں۔ اگر موصوف ''تذکرہ'' کے اسی صفحہ پر (**Foot note**) دیکھتے تو وہاں موصوف کو مرزا قادیانی کے یہ الفاظ نظر آجاتے: ''اس الہام کی رو سے خدا نے مجھے قرآنی علوم عطاء کئے ہیں۔''

اب دو میں سے ایک بات کا فیصلہ کر لیجئے۔ کیا قادیانی واقعی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ مرزا قادیانی کو یہ الہام ''الرحمن. علم القرآن'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ اگر قادیانی واقعی یہ ایمان رکھتے ہیں تو پھر ان کا یہ ایمان بھی ہونا چاہئے کہ اس الہام کے بعد مرزا قادیانی نے قرآن

مجید کی کسی آیت کی جو تشریح بیان کی یا جو بھی ترجمہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا تھا۔ یہ منطقی نتیجہ ہے اس بات کا اگران کا ایمان یہی ہے کہ یہ الہام مرزا قادیانی کو خدا کی طرف سے تھا (غالباً منطق اور قادیانیت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں) اگر قادیانی میری طرح یہ ایمان نہیں رکھتے کہ ''الرحمن. علم القرآن'' مرزا قادیانی کو اللہ تعالیٰ سے الہام ہوا تھا بلکہ مرزا قادیانی نے قرآن مجید سے دو آیات چوری کر کے اپنی طرف الہام منسوب کرلیا تو یہ علیحدہ بات ہے۔

موصوف لکھتے ہیں: ''الہام کے بارے میں ایک اصول یہ ہے کہ اس کی صرف وہی تشریح وتعبیر قابل قبول ہوگی جو صاحب الہام خود کرے گا۔ بانی جماعت احمدیہ کی ساری تصانیف میں کہیں آپ کو یہ دعویٰ نظر نہیں آئے گا کہ میری تصانیف ساری کی ساری الہامی ہیں۔ الہام صرف وہی ہے جو آپ کی مختلف تصانیف میں جابجا مذکور ہیں اور جن کو جمع کر کے تذکرہ کے نام سے شائع کردیا گیا ہے۔'' (ص۷)

مجھے قادیانی حضرات کی اس بات سے اتفاق ہے کہ الہام کی صرف وہی تشریح قابل قبول ہوگی جو صاحب الہام خود کرے اور صاحب الہام نے اس کی تشریح کردی کہ ''خدا نے مجھے قرآنی علوم عطاء کئے ہیں۔'' اس کا منطقی نتیجہ یہی ہے کہ اس الہام کے بعد مرزا قادیانی قرآن مجید کی کسی آیت کا جو بھی ترجمہ کریں یا جو بھی تشریح بیان کریں وہ خدا کی طرف سے سکھائی ہوئی ہے۔ لہٰذا جب (براہین احمدیہ ص۴۹۹، خزائن ج۱ ص۵۹۳) پر ''ھو الذی ارسل رسولہ'' کی تشریح کرتے ہوئے مرزا قادیانی لکھتے ہیں کہ ''یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں پیش گوئی ہے...... جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق واقطار میں پھیل جائے گا۔'' تو وہ خدا کی سکھائی ہوئی ہے۔ اسی طرح وہ (براہین احمدیہ ص۵۰۵، خزائن ج۱ ص۶۰۱) پر قرآن مجید کی ایک دوسری آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ آیت اس مقام میں حضرت مسیح کے جلالی طور پر ظاہر ہونے[۱] کا

۱؎ آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ اس آیت کے مطابق جس کی تعلیم مرزا قادیانی نے خدا سے حاصل کی ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے جلالیت کے ساتھ دنیا میں اترنا ہے نہ کہ جمالیت کے ساتھ۔ اب موصوف اپنے مضمون کے ص۲۸ پر مرزا غلام احمد قادیانی کی حضرت مسیح علیہ السلام سے مشابہت نمبر۱ پڑھ لیں: ''اسی طرح بانی جماعت احمدیہ نے آنحضرت ﷺ کی حدیث مبارکہ ''یضع الحرب'' کو پورا فرماتے ہوئے تلوار کی جنگ کی بجائے دلائل وبراہین کے جہاد کا آغاز کیا (ورنہ اس سے قبل تو دلائل وبراہین کسی کے پاس تھے ہی نہیں...... راقم) اور جنگ کی بجائے امن کی تعلیم دی جو رسول اکرم ﷺ کی جمالی شان یعنی شان احمدیت کا ظہور ہے۔'' آپ نے ملاحظہ فرمالیا، موصوف فرماتے ہیں کہ مسیح موعود جمالی شان کے ساتھ ظاہر ہوا ہے، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اشارہ ہے...... اور حضرت مسیح علیہ السلام نہایت جلالیت کے ساتھ دنیا میں اتریں گے۔‘‘

موصوف لکھتے ہیں: ’’الہام ’’الرحمن. علم القرآن‘‘ کے اس غلط استنباط کے بعد مصنف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بانی جماعت احمدیہ کا ابتدائی عقیدہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور اصالتاً تشریف لائیں گے۔ الہام الٰہی کی بنیاد پر تھا۔ یہ ایک عجیب وغریب توجیہ ہے جس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مصنف اس بات کا قائل ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ پر اللہ تعالیٰ الہام نازل فرمایا کرتا تھا اور دوسرا یہ کہ مصنف بانی سلسلہ احمدیہ کے حالات زندگی اور جماعت احمدیہ کے لٹریچر سے افسوس ناک حد تک ناواقف اور نابلد ہے۔ (اگر راقم مرزا قادیانی کی کتب سے افسوس ناک حد تک نابلد ہے تو وہ مرزا قادیانی کے صاحب الہام ہونے کا قائل کیسے ہوگیا...... راقم) حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں فرمایا کہ حیات مسیح علیہ السلام کے متعلق میرا دعویٰ الہام پر مبنی ہے بلکہ جب آپ کو مختلف الہامات میں مسیح کہہ کر پکارا جاتا تھا تو آپ اپنے تئیں مثیل مسیح قرار دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اصلی مسیح زندہ آسمان پر بیٹھا ہے اور اپنے وقت پر ظاہر ہوگا۔‘‘ (ص۷)

اگر تو مرزا قادیانی کو واقعی یہ الہام ’’الرحمن. علم القرآن‘‘ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا تو محولہ بالا دونوں آیات کی جو تشریح مرزا قادیانی نے کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی سکھائی ہوئی ہے۔

موصوف ص۱۲ پر لکھتے ہیں: ’’چونکہ بانی جماعت احمدیہ کی پہلی بات کہ مسیح علیہ السلام گلیل میں فوت ہوگیا کی بنیاد پر الہام پر نہیں تھی اور نہ ہی انہوں نے کبھی اس بات کا دعویٰ فرمایا تھا۔ لہٰذا اس میں تبدیلی سنت انبیاء کے عین مطابق ہے۔‘‘

انبیاء کی یہ سنت ہرگز نہیں رہی کہ انہوں نے اخبار میں کبھی تبدیلی کی ہو خواہ اخبار کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے۔ علاوہ ازیں حیات ووفات مسیح علیہ السلام کا مسئلہ قادیانی امت کی بنیاد ہے۔ یہ احکام کا مسئلہ نہیں ہے کہ پہلے روزے فرض نہیں تھے۔ بعد میں فرض ہوگئے۔ یا پہلے شراب حرام نہیں تھی بعد میں حرام ہوگئی۔ یا پہلے قبلہ بیت المقدس تھا بعد میں بیت الحرام ہوگیا۔

(بقیہ گزشتہ صفحہ) ان کا گرو کہتا ہے کہ ’’حضرت مسیح علیہ السلام نہایت جلالیت کے ساتھ دنیا میں اتریں گے۔‘‘ ان میں سے سچا کون ہے، موصوف سچے ہیں یا ان کا گرو؟ غالباً موصوف سچے ہیں کیونکہ شکل سے تو موصوف ہی شریف آدمی دکھائی دیتے ہیں۔

اس موقع پر قادیانی امت سے ایک سوال ہے۔ دین کے لئے تو قتال حرام ہوگیا، کیا برٹش گورنمنٹ کی سربلندی کے لئے قتال حلال تھا؟ اگر نہیں تو جنگ عظیم اوّل ودوم میں برٹش گورنمنٹ کی سربلندی کے لئے جو قادیانی مرگئے وہ حرام موت مرے؟

کیا موصوف کو اخبار اور احکام میں نوعی فرق معلوم نہیں یا دانستہ غلط مبحث کرتے ہیں۔ اگر بنیادی مسئلہ ہی میں قادیانیوں کے تین موقف ہوں اور تینوں ایک دوسرے سے متصادم تو میں ان کو سچا کس طرح تسلیم کرلوں؟ باقی رہ گیا یہ مسئلہ کہ ''مسیح گلیل میں فوت ہوا کی بنیاد الہام پر نہیں تھی'' تو مجھے کیا معلوم کہ کہاں تحقیق ختم ہوتی ہے اور الہام شروع ہو جاتا ہے اور کہاں الہام ختم ہوتا ہے اور تحقیق شروع ہو جاتی ہے۔ موصوف نے اسی صفحہ پر مرزاقادیانی کی کتاب ست بچن سے درج ذیل عبارت نقل کی ہے: ''ہاں ہم نے کسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بلاد شام میں قبر ہے مگر اب صحیح تحقیق ہمیں اس بات کے لکھنے کے لئے مجبور کرتی ہے کہ واقعی قبر یہی ہے جو کشمیر میں ہے۔'' (ست بچن ص۴، خزائن ج۱۰ ص۳۰۹، حاشیہ درحاشیہ)

کیا موصوف بتاسکتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کے بارے میں مرزاقادیانی کا موقف الہام پر مبنی ہے یا تحقیق پر یا جزوی طور پر الہام اور جزوی طور پر تحقیق پر مبنی ہے۔ ست بچن کی مذکورہ بالا عبارت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے غلط تحقیق کی وجہ سے مرزاقادیانی نے حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر بلاد شام میں دریافت کی تھی۔ لیکن صحیح تحقیق نے مرزاقادیانی کو مجبور کر دیا کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کو کشمیر میں دریافت کرلیں۔ ہمارا آدھا مسئلہ تو حل ہو گیا یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کا تعلق الہام سے نہیں بلکہ تحقیق سے ہے۔ ''**جزاک اللہ احسن الجزاء**'' کیا باقی آدھے مسئلہ کا تعلق بھی تحقیق سے ہے یا الہام سے ہے؟ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کا مسئلہ غالباً اس کا تعلق الہام سے ہوگا۔ کیونکہ اگر یہ بھی تحقیق کی نذر ہو گیا تو مرزاقادیانی کی نبوت کا کیا ہوگا۔ اب قادیانی دوست یہ اطلاع خاکسار کی فلاح کے لئے مرحمت فرماویں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کے بارے میں الہام مرزاقادیانی کو کس تاریخ کو ہوا۔ براہ کرم تذکرہ کا وہ صفحہ بھی بتادیں جہاں یہ الہام درج ہے (شکریہ) اور میری سہولت کے لئے ان کتب کی فہرست بھی مرحمت فرمادیں جن سے مرزاقادیانی نے مسیح علیہ السلام کی قبر کے بارے میں تحقیق میں مدد لی۔ سچ ہے کہ جب تک بے وقوف بننے والے دنیا میں موجود ہیں بے وقوف بنانے والے بھی موجود رہیں گے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت | کرلے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا | ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد

تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد[۱]

بہاءاللہ کے بارے میں موصوف نے بہت زور لگایا ہے کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ مسیح اور مہدی ہونے کا نہیں کیا تھا۔ لیکن خدائی کا دعویٰ تو مرزا قادیانی[۲] نے بھی کیا تھا اور انہوں نے زمین وآسمان بھی تخلیق کئے۔ بلکہ مرزا قادیانی کا دعویٰ تو یہ بھی ہے کہ وہ عورت[۳] ہیں اور خدا نے ان کے ساتھ وہی فعل کیا جو خاوند بیوی کے ساتھ کرتا ہے۔ لیکن کیا کسی قادیانی نے کبھی اس بات کی دعوت دی ہے کہ مرزا قادیانی کو خدا تسلیم کرو یا خدا کی بیوی تسلیم کرو۔ اس طرح کیا کسی بہائی نے اس بات کی دعوت دی ہے کہ بہاءاللہ کو خالق کائنات یا مالک یوم الدین تسلیم کرو ورنہ وہ تمہیں جہنم میں داخل کر دے گا۔ اگر قادیانی مرزا قادیانی کی اس قسم کی تحریروں کو اپنی دعوت کی بنیاد نہیں بناتے تو بہائی بھی تو ایسا نہیں کرتے۔ بہاءاللہ تو اپنی کتاب ''کتاب مبین'' کی ابتداء ہی اس طرح کرتا ہے: ''(اے بہاءاللہ) کہہ دو کیا تم اس پر اعتراض کرتے ہو جو کھلے کھلے نشان اور دلائل اور حجت اور آیات لے کر آیا ہے۔ یہ باتیں اس کی اپنی طرف سے نہیں بلکہ اس خدا کی طرف سے ہیں جس نے اس کو مبعوث کیا۔ سچائی کے ساتھ بھیجا اور تمام جہانوں کے لئے چراغ روشن بنایا۔''

---

۱ مرزا قادیانی نے تاویلات کے ذریعہ ہی لوگوں کو احمق بنایا۔ مثلاً خاتم النّبیین کا مطلب آخری نبی نہیں، بلکہ نبیوں کی مہر اور تاویل در تاویل یہ کہ مہر کا مطلب بھی نہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کی اطاعت ہے۔ خود اپنے بارے میں (تریاق القلوب ص۱۵۷، خزائن ج۱۵ ص۴۷۹) پر لکھتے ہیں: ''میں اپنے والدین کے لئے خاتم الاولاد تھا۔ کیونکہ میرے بعد ان کے ہاں کوئی بچہ نہیں ہوا۔'' اب قادیانیوں سے پوچھتے ہیں کہ خاتم الاولاد کا مطلب آخری اولاد ہے یا اولاد کی مہر؟ تو جواب نہیں ملتا۔

۲ مرزا غلام احمد قادیانی کا ایک کشف تذکرہ ص۱۹۳ پر اس طرح درج ہے: ''خدا تعالیٰ میرے وجود میں داخل ہو گیا اور میرا غضب اور حلم اور تلخی اور شیرینی اور حرکت اور سکون سب اسی کا ہو گیا اور اس حالت میں، میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو میں نے پہلے آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی، پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب اور تفریق کی اور میں دیکھتا ہوں کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا۔''

۳ مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک امتی قاضی یار محمد پلیڈر نے اسلامی قربانی کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ریاض ہند پریس امرتسر سے جنوری ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کے ص۱۲ پر قاضی صاحب لکھتے ہیں: ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے رجولیت کی طاقت کا اظہار فرمایا۔''

اس کے علاوہ حال ہی میں ''حضرت بہاء اللہ'' کے نام سے جو کتاب چھپی ہے اس کے ص۵۲،۵۳ سے ایک حوالہ پیش خدمت ہے: ''اے لوگو! کیا تم خیال کرتے ہو کہ مشیت الٰہیہ اور ارادۂ خداوندی کی عنان میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر امر الٰہی فقط میرے اختیار میں ہوتا تو میں ایک لمحہ کے لئے بھی تمہارے درمیان ظاہر ہونے کو تیار نہ ہوتا نہ ہی اپنی زبان پر کوئی کلمہ جاری ہونے دیتا۔ بلاشک خدا اس بات کا گواہ ہے۔''

اس پر بھی قادیانی تسلیم نہ کریں اور بضد ہوں کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا تو میں ان کی مجبوری کو سمجھتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس نے دعویٰ خدائی کیا بھی تھا تو اس نے ساتھ ہی مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ بھی تو کیا تھا۔ ''الفرائد'' ۱۸۹۸ء میں چھپ چکی تھی۔ کیا مرزاقادیانی نے بہاء اللہ کے دعویٰ مسیحیت کی اس لئے تکذیب نہیں کی تھی کہ اس نے دعویٰ مسیحیت کے ساتھ دعویٰ خدائی بھی کیا تھا؟

موصوف نے ص۲۸ پر مرزاغلام احمد قادیانی کی حضرت مسیح علیہ السلام سے پانچ مماثلتیں بیان کی ہیں۔ میں اپنے الفاظ میں (بوجہ اختصار) انہیں درج کر رہا ہوں۔

۱...... حضرت مسیح علیہ السلام نے موسوی شریعت کے جلالی رخ کی بجائے اس کے جمالی پہلو کو زیادہ اجاگر کیا[1]۔ مرزاغلام احمد قادیانی نے بھی تلوار کی جنگ کی بجائے دلائل وبراہین کا آغاز کیا۔

۲...... حضرت مسیح علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو وہاں غیرملکی حاکم تھے۔ مرزاغلام احمد قادیانی جب پیدا ہوئے تو ہندوستان میں بھی غیرملکی حاکم تھے۔

۳...... یہودی علماء نے رومی گورنر کو بھڑکایا کہ یہ شخص حکومت کا باغی ہے۔ مسلمان علماء نے بھی انگریزوں کو بھڑکایا کہ مرزاغلام احمد قادیانی انگریزوں کا باغی ہے۔ (یہ بالکل غلط ہے...... راقم)

۴...... یہ مماثلت موصوف کے اپنے الفاظ ہی میں نقل کرتا ہوں: ''آج تک یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر فوت ہوئے۔ چونکہ تورات میں لکھا ہے کہ جو کاٹھ پر لٹکایا گیا وہ ملعون ہے۔ لہٰذا مسیح علیہ السلام (نعوذ باللہ من ذالک) لعنتی موت مرے اور لعنتی موت مرنے والا نبی نہیں ہوسکتا۔ بعینہ یہی عقیدہ مسلمان علماء نے حضرت بانی جماعت احمدیہ کے متعلق عوام میں پھیلا رکھا ہے۔'' (موصوف کی رائے میں مسلمان بھی مرزاغلام احمد قادیانی کو لعنتی سمجھتے ہیں، جزاک اللہ...... راقم)

---

[1] شریعت کا جلالی رخ اور جمالی رخ کیا چیز ہے؟ شریعت تو شریعت ہے۔

۵...... یہ مماثلت بھی موصوف کے اپنے الفاظ میں درج ہے: ’’تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تیرہ سو برس بعد پیدا ہوئے تھے۔ اسی طرح بانی جماعت احمدیہ بھی حضرت محمد ﷺ سے تیرہ سو برس بعد پیدا ہوئے۔‘‘ (تاریخ کی کس کتاب میں لکھا ہے، یہ موصوف کو بھی معلوم نہیں......راقم)

موصوف نے مرزا غلام احمد قادیانی کی حضرت مسیح علیہ السلام سے مذکورہ بالا جو پانچ مماثلتیں بیان کی ہیں وہ کس حد تک درست ہیں؟ اس کا فیصلہ تو میں قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ البتہ میں اس پر اضافہ کرتا ہوں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی حضرت مسیح علیہ السلام سے تین مماثلتیں اور بھی ہیں:

۱...... حضرت مسیح علیہ السلام بھی ایک عورت کے عشق میں گرفتار تھے[۱]۔ بلکہ اس سے عطر بھی لگوایا کرتے تھے۔ لیکن اس سے ان کا نکاح نہ ہوسکا۔ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ایک نا کتخدا کے عشق میں گرفتار تھے۔ خدا نے اس خاتون سے مرزا قادیانی کا عقد نکاح بھی باندھ[۲] دیا تھا۔ مگر افسوس کہ قادیانی امت کی مذکورہ ام المؤمنین کی رخصتی کسی اور کے ساتھ ہوگئی اور مرزا قادیانی اس کے وصل کی حسرت قبر ہی میں لے گئے۔

۲...... حضرت مسیح علیہ السلام کے امتی بے غیرت تھے۔ لہٰذا جب حکومتی کارندے انہیں گرفتار کر کے صلیب دینے کے لئے لے جارہے تھے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے کسی امتی کو غیرت نہ آئی کہ جان پر کھیل کر انہیں رہا کروالیتا۔ اسی طرح مرزا غلام احمد قادیانی کے امتی بھی بے غیرت تھے کہ جب ایک شخص ان کی ’’ام المؤمنین‘‘ کی ڈولی لے جارہا تھا تو کسی امتی کو غیرت نہ آئی کہ اس شخص کو قتل کر کے ام المؤمنین کو مرزا قادیانی کے حجلہ عروسی میں پہنچا دیتا کہ مرزا قادیانی کو شب زفاف نصیب ہوجاتی۔

---

[۱] نقل کفر کفر نہ باشد۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا حضرت مسیح علیہ السلام پر یہ الزام ہے کہ وہ پاک دامن نہیں تھے۔ اس لئے قرآن نے انہیں حصور نہیں کہا۔

[۲] مرزا غلام احمد قادیانی نے اس خاتون سے نکاح کے بارے الہام ان الفاظ میں درج کیا ہے: ’’اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے کہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ یہ سچ ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے نہیں روک سکتے۔ ہم نے خود اس سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔ میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات حصہ اوّل ص۳۰۱)

۳...... حضرت مسیح علیہ السلام رومی حکومت کے پاس یہودیوں کی جاسوسی کیا کرتے تھے؟ مرزاغلام احمد قادیانی بھی انگریزی حکومت کے پاس مسلمانوں کی جاسوسی کیا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو: ’’چونکہ قرین مصلحت ہے کہ سرکار انگریزی کی خیر خواہی کے لئے ایسے نافہم مسلمانوں کے نام بھی نقشہ جات میں درج کئے جاویں جو درپردہ اپنے دلوں میں برٹش انڈیا کو دارالحرب قرار دیتے ہیں اور ایک چھپی ہوئی بغاوت کو اپنے دلوں میں رکھ کر اسی اندرونی بیماری کی وجہ سے فرضیت جمعہ کے منکر ہو کر اس کی تعطیل سے گریز کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ نقشہ اسی غرض سے تجویز کیا گیا کہ تا اس میں ان ناحق شناس لوگوں کے نام محفوظ رہیں جو ایسی باغیانہ سرشت کے آدمی ہیں...... اس لئے اپنی محسن گورنمنٹ کی پولیٹیکل خیر خواہی کی نیت سے اس مبارک تقریب پر یہ چاہا کہ جہاں تک ممکن ہو ان شریر لوگوں کے نام ضبط کئے جاویں...... لیکن ہم گورنمنٹ میں باادب اطلاع کرتے ہیں کہ ایسے نقشے ایک پولیٹیکل راز کی طرح اس وقت تک ہمارے پاس محفوظ ہیں جب تک گورنمنٹ ہم سے طلب کرے[۱]۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات ج۲ص۲۲۷)

لہٰذا ثابت ہوا کہ مرزاغلام احمد قادیانی کی حضرت مسیح علیہ السلام سے پانچ نہیں آٹھ مماثلتیں ہیں۔ موصوف ص۳۲ پر لکھتے ہیں: ’’قرآن مفتری علی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ پر الہام کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا شخص ’’اظلم‘‘ یعنی سب سے بڑا ظالم ہے اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاسکتا، کبھی پھل پھول نہیں سکتا۔‘‘

اس کے بعد آپ سورۂ الحاقہ کی آیات نمبر ۴۵ تا ۴۸ کا حوالہ دیا ہے۔ جناب عالی! سورۂ

---

[۱] فرضیت جمعہ کا مسئلہ اس نسل کو معلوم نہیں ہے جو آزادی کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ میں نے چونکہ قبل از پاکستان نماز شروع کر دی تھی۔ اس لئے مجھے اس کا علم ہے۔ ہوا اس طرح کہ جب ۱۸۵۷ء میں مسلمانان ہند انگریزوں کو نکالنے میں ناکام ہوگئے تو مسلم علماء میں یہ بحث چھڑ گئی کہ نماز جمعہ فرض بھی رہی کہ نہیں۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ ہندوستان دارالحرب ہے اور مسلمان حالت جنگ میں ہیں۔ اس لئے نماز جمعہ فرض نہیں رہی۔ دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ ۱۸۵۷ء میں ناکامی کے باوجود چونکہ برٹش حکومت ہمارے مذہبی معمولات میں مداخلت نہیں کرتی۔ اس لئے نماز جمعہ بدستور فرض ہے۔ اس مسئلہ کا حل یہ نکالا گیا کہ نماز جمعہ کو باجماعت ادا کیا جاوے۔ لیکن اس کے بعد نماز ظہر بھی ادا کی جائے اور مجھے بھی اس طرح سکھایا گیا تھا جو مسلمان نماز جمعہ ادا نہیں کرتے تھے وہ برٹش انڈیا کو دارالحرب سمجھتے تھے اور ان کے بارے میں صلیب پرست انگریزوں کی حکومت کو اطلاع دینے کا کام مرزاقادیانی نے اپنے ذمہ لے لیا تھا اور اپنی امت کو ہدایت کی کہ وہ ان لوگوں کے کوائف مرزاقادیانی کو مہیا کریں تاکہ وہ برٹش گورنمنٹ کو اطلاع کرسکیں۔

الحاقہ میں خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے۔ لیکن ’’تذکرہ‘‘ میں خطاب مرزا قادیانی سے ہے۔ اگر الحاقہ والی آیات سے ملتا جلتا الہام مرزا قادیانی کو بھی ہوا ہے تو بات کریں ورنہ سورۂ الحاقہ کا حوالہ دینے کا کیا فائدہ؟ رہ گئی یہ بات کہ ظالم کبھی پھل پھول نہیں سکتا یہ بات بھی خلاف واقعہ ہے۔ دنیا میں تو ظالم خوب پھلتے پھولتے ہیں۔ آخرت کی بات دوسری ہے۔ ہزاروں لوگ جو ہر روز عیسائی ہو رہے ہیں تو کیا یہ عیسائیت کے برحق ہونے کی دلیل ہے؟ دنیا میں بدھ مذہب والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے تو کیا یہ بدھ مذہب کے برحق ہونے کی دلیل ہے؟ کیا قادیانی امت نے قرآن مجید میں یہ آیت نہیں پڑھی: ’’پس تو مجھ کو اور ان کو جو اس کتاب کو جھٹلاتے ہیں چھوڑ دے ہم ان کو درجہ بدرجہ تباہی کی طرف ان طرفوں سے کھینچ لائیں گے جن کو وہ جانتے بھی نہیں اور میں ان کو ڈھیل دوں گا۔ میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔‘‘ (الحاقہ:۴۴،۴۵، ترجمہ مرزا محمود احمد قادیانی)

کیا بہاء اللہ کے دعویٰ کو بھی سو سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزر گیا۔ کیا ان کی تعداد بھی نہیں بڑھ رہی تو یہ بات کیا بہاء اللہ کے دعویٰ کی صداقت کی دلیل نہیں بن جاتی؟ اگر نہیں بنتی تو قادیانی امت کے لئے کس طرح دلیل بن سکتی ہے؟

موصوف ص۴۳ پر لکھتے ہیں: ’’حضرت بانی جماعت احمدیہ نے فرمایا ہے کہ باوجودیکہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے مگر پھر بھی مٹی کی مٹی کے ہی تھے اور کہیں خداتعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ وہ زندہ بھی ہوگئیں۔ اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ ان پرندوں میں جان پڑنے اور حقیقی پرندوں کی طرح ان کی پرواز کے حضرت بانی جماعت احمدیہ کبھی بھی قائل نہ تھے۔‘‘

مجھے اس سے غرض نہیں کہ مرزا قادیانی کس بات کے قائل تھے اور کس کے نہیں تھے۔ میرا سوال تو قادیانی امت سے صرف اتنا ہے کہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن سے ثابت ہے یا نہیں؟ جواب دوٹوک ہونا چاہئے۔ اگر مگر چونکہ چنانچہ والا جواب نہیں اور یہ بات ذہن میں رہے کہ قرآنی علوم مرزا قادیانی نے خدا سے حاصل کئے تھے۔ اگر ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے تو بعد میں یہ کہنا کہ ان کا ہلنا بھی قرآن سے ثابت نہیں کیا ظاہر کرتا ہے؟ جھوٹ بولنے والے کے پاس حافظہ کہاں ہوتا ہے کہ ہر بات یاد رکھے کہ پہلے کیا کہا تھا۔

موصوف اپنے مضمون کے ص۴۵ پر لکھتے ہیں: ’’اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ روحانیت میں کسی کا شاگرد نہیں کوئی شخص میرا مرشد نہیں۔‘‘

اس جگہ روحانیت سے موصوف کی کیا مراد ہے۔ تعلیم کتاب وسنت یا کچھ اور؟ پہلی تین

صدیوں میں کوئی مسلمان بھی سلاسل اربعہ میں داخل نہیں تھا۔ تو کیا وہ سب روحانیت سے محروم تھے۔ یہ دعویٰ بھی خوب ہے کہ چونکہ میں کسی پیر سے بیعت نہیں ہوا اس لئے بن باپ کے پیدا ہو گیا۔

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں روحانی باپ صرف وہی نہیں ہوتا جو ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر وظیفہ پڑھنا سکھائے بلکہ روحانی باپ وہ ہوتا ہے جس سے انسان تعلیم (خواہ دین کی ہو یا دنیا کی) حاصل کرتا ہے، یعنی استاد۔ ان لوگوں کی بات دوسری ہے جو استاد کو بھی نوکر ہی سمجھتے ہیں ورنہ ہر شریف آدمی استاد کی عزت بھی باپ کی طرح کرتا ہے۔

مرزا قادیانی اپنی کتاب (کتاب البریہ ص۱۴۹، خزائن ج۱۳ ص۱۸۰ حاشیہ) میں لکھتے ہیں: ''جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر[1] رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں۔ اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے جن کا نام فضل احمد تھا...... بعد اس کے جب سترہ اٹھارہ سال کا ہوا تو ایک مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا...... آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا...... ان دنوں کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی گویا دنیا میں نہ تھا۔''

جن کتب کے مطالعہ میں مرزا قادیانی غرق تھے ان میں فلمی کہانیاں تو نہیں تھیں، دین کا علم ہی تھا۔ مرزا قادیانی کے تینوں استاد اور وہ مصنّفین جن کی کتب مرزا قادیانی اس طرح پڑھ رہے تھے گویا دنیا میں نہ تھے۔ کیا ان کی حیثیت مرزا قادیانی کے روحانی باپ کی نہ تھی۔ تین استادوں سے تعلیم حاصل کرنے کے باوجود اور کئی مصنّفین سے استفادہ کے باوجود دعویٰ یہی ہے کہ میرا کوئی روحانی باپ نہیں ہے تو پھر روحانیت ہوتی کیا شئے ہے۔ مرزا قادیانی کو کتنے روحانی باپ درکار تھے، کیا یہ کافی نہ تھے؟

موصوف اپنے مضمون کے ص۳۶ پر لکھتے ہیں: ''مصنف کا یہ الزام بھی خلاف حقیقت ہے کہ احمدیوں نے تمام مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہے...... جماعت احمدیہ نے تکفیر المسلمین میں پہل نہیں کی بلکہ علماء نے احمدیوں کو کافر قرار دے کر خود کو حضرت رسول کریم ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث کا مصداق بنالیا ہے۔''

کیا موصوف اس قدر بے خبر ہیں یا دوسروں کو بے خبر سمجھتے ہیں۔ کیا انہوں نے مرزا

[1] مرزا قادیانی نے اپنے اساتذہ کو ہمیشہ نوکر ہی سمجھا۔

بشیرالدین محمود احمد کی کتاب ’’آئینہ صداقت‘‘ نہیں پڑھی جس میں وہ لکھتے ہیں: ’’کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔‘‘ (ص۳۵)

موصوف ص۳۹ پر تحریر فرماتے ہیں: ’’خدا اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔۔۔۔۔ وہ کوئی ایسا قانون نہیں بناتا جسے اس کو بعد میں خود ہی توڑنا پڑے۔‘‘

خدا نے یہ قانون بنایا ہے کہ جب تک ایک عورت کسی مرد سے ہم بستر ہو کر اپنے رحم میں مرد کا مادیہ منویہ وصول نہ کرے اسے حمل نہیں ٹھہرتا۔ کیا قادیانیوں کو یہ تسلیم ہے کہ خدا کا قانون یہی ہے؟ لیکن کیا خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کی پیدائش کے معاملہ میں اس قانون کو توڑا یا نہیں؟ اگر قادیانی یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کے معاملہ میں بھی خدا نے اس قانون کو نہیں توڑا تو پھر وہ میرے مخاطب نہیں ہیں یا ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک دفعہ ہی اپنے بنائے ہوئے قانون کو توڑ سکتا ہے؟

مرزا غلام احمد قادیانی حضرت مسیح علیہ السلام کے بن باپ معجزانہ طور پر پیدا ہونے کے قائل ہیں لیکن اس کے باوجود قادیانی امت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بنائے ہوئے قوانین کو نہیں توڑتا تو یہ ان کی مجبوری ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی ایک وطن فروش شخص تھے اور ان کا جملہ کاروبار ظلی نبوت صلیب پرست انگریزوں کی امداد سے چل رہا تھا اور مقصد حصول دولت کے سوا کچھ نہ تھا۔ دولت کی ہوس اس قدر تھی کہ بغیر معاوضہ مرزا غلام احمد قادیانی کسی کے لئے دعا بھی نہیں کرتے تھے[1]۔

---

[1] سیرت المہدی میں مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد نے حصہ اوّل ص ۲۵۷ پر ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب جو رئیس تھے لیکن اولاد نرینہ نہ رکھتے تھے۔ اولاد نرینہ کے لئے ایک دوست کے ذریعے مرزا غلام احمد قادیانی سے دعا کی درخواست کی۔ اب جواب سن لیجئے: ’’آپ اس سے جا کر کہہ دیں کہ وہ اسلام کی خدمت کے لئے (یعنی مرزا قادیانی کو۔۔۔۔۔ راقم) ایک لاکھ روپیہ دے یا دینے کا وعدہ کرے، پھر ہم اس کے لئے دعا کریں گے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ پھر اللہ اسے لڑکا دے دے گا۔‘‘ آج کے حساب سے ایک کروڑ ستر لاکھ روپے۔ ’’اس وقت گوشت ایک روپیہ کا سولہ سیر آتا تھا۔‘‘ حوالہ کے لئے دیکھئے۔ (سیرت المہدی حصہ اوّل ص۱۸۲) جہاں اس طرح درج ہے: ’’(مرزا قادیانی) بھیڑ کا گوشت ناپسند فرماتے تھے۔ میٹھے چاول، گڑ یعنی قند سیاہ میں پکے ہوئے پسند فرماتے تھے۔ ابتداء میں چائے میں دیسی شکر (جو گڑ کی طرح ہوتی ہے) ڈال کر استعمال فرماتے تھے۔ شوربہ کے متعلق فرماتے تھے کہ گاڑھا کیچڑ جیسا ہم کو پسند نہیں۔ ایسا پتلا کرنا چاہئے کہ ایک آنہ کا گوشت آٹھ آدمی کھائیں۔ اس وقت ایک آنہ کا سیر خام گوشت آتا تھا۔‘‘ (ایک روپیہ میں سولہ آنے ہوتے تھے اور ایک سیر میں نوصد تیس گرام یعنی ایک سیر، تقریباً ایک کلو کے برابر۔۔۔۔۔ راقم)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں جو واقعہ ہوا موصوف اس سے بھی انکاری ہیں اور ص۵۲ پر لکھتے ہیں: ’’اہل زبان اچھی طرح جانتے ہیں کہ پلک جھپکنے کا محاورہ مختلف زبانوں میں رائج ہے اور یہ جلدی پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ اس کے لفظی معنی ہرگز نہیں لئے جاسکتے۔ چنانچہ قرآن کریم سے ہرگز ثابت نہیں کہ اس اہل علم درباری کو نور سے زیادہ رفتار کی قوت عطاء کی گئی تھی۔ ایسا ہوتا تو خداتعالیٰ اس فعل کو اپنی طرف منسوب کرتا۔‘‘

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار والے واقعہ کے بارے میں موصوف قرآن کریم کی تحریف معنوی کر رہے ہیں، میں اس واقعہ کو دوبارہ یہاں درج کرتا ہوں: ’’کہا سلیمان نے اے سردارو! کون تم میں سے لے آتا ہے میرے پاس تخت اس کا پہلے اس سے کہ آوے میرے پاس مسلمان ہوکر۔ کہا ایک دیو نے جنوں میں سے میں لے آؤں گا تمہارے پاس اس کو پہلے اس سے کہ اٹھو تم جگہ اپنی سے اور تحقیق میں اوپر اس کے البتہ زور آور ہوں باامانت۔ کہا اس شخص نے کہ نزدیک اس کے تھا علم کتاب سے میں لے آؤں گا۔ تمہارے پاس اس کو پہلے اس کے کہ پھر آوے طرف تمہاری نظر تمہاری۔ پس جب دیکھا اس کو ٹھہرا ہوا نزدیک اپنے کہا یہ ہے فضل پروردگار میرے کا تاکہ آزماوے مجھ کو شکر کرتا ہوں میں کہ ناشکری کرتا ہوں۔‘‘ (نمل:۳۸تا۴۰)

اب مذکورہ بالا آیات پر غور فرمائیے۔ حاضرین مجلس سے حضرت سلیمان علیہ السلام دریافت کرتے ہیں کہ آپ میں سے کون ہے جو ملکہ سبا کا تخت اس کے یہاں آنے سے قبل اٹھا کر یہاں لے آئے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب کہتے ہیں کہ آپ کی مجلس برخواست ہونے سے قبل میں اسے اٹھا کر یہاں لے آتا ہوں۔ کوئی مجلس بھی گھنٹہ دو گھنٹہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ دوسرے لفظوں میں وہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ آپ گفتگو جاری رکھیں۔ میں ابھی اسے جاکر لے آتا ہوں۔ لیکن حاضرین میں سے ایک اور صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہ صاحب تو اسے لانے میں دیر لگائیں گے۔ میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لے آتا ہوں اور اسی لمحے حضرت سلیمان علیہ السلام اس تخت کو اپنے سامنے موجود پاتے ہیں تو بے اختیار کہتے ہیں کہ یہ میرے پروردگار کا مجھ پر فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اس سارے **Context** میں دیکھئے کہ پلک جھپکنا یہاں جلدی کے معنوں میں محاورتاً استعمال ہوا ہے یا اس کا مطلب وہی ہے جو الفاظ کا ہے۔

موصوف حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں بھی قائل نہیں ہیں کہ ان کی عمر

نوسو پچاس برس سے زیادہ تھی۔ موصوف اپنی کتاب کے ص ۵۳ پر لکھتے ہیں: ’’حضرت نوح علیہ السلام کی نوسو پچاس سالہ عمر سے بھی مراد ان کی جسمانی زندگی نہیں بلکہ ان کا دور نبوت ہے۔‘‘

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں بھی موصوف کا خیال ہے کہ ۹۵۰ سال کا عرصہ ان کی طبعی عمر نہیں ہے۔ طوفان نوح علیہ السلام سے بچنے کے لئے کشتی بھی حضرت نوح علیہ السلام نے خود نہیں بنائی، ان کی زندگی کے بعد کسی اور شخص نے بنائی ہوگی اور اتفاق سے اس کا نام بھی نوح ہوگا۔ اسی طرح جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے دعا کی تھی تو وہ دعا کرنے والے بھی حضرت نوح علیہ السلام خود نہیں تھے کوئی دوسرا نوح تھا۔ جب دل اندھا ہو جائے تو پھر اسی طرح ہوتا ہے۔

قادیانی امت کے ساتھ بات کرنا ممکن نہیں کیونکہ قادیانی الفاظ کے وہ معانی نہیں لیتے جو ان کے معروف معانی ہوتے ہیں بلکہ باطنیوں کی طرح ان کے نزدیک زندگی کا مطلب بھی زندگی ہے اور موت کا مطلب بھی زندگی ہے۔ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مر گئے اور نبی اکرم ﷺ پر بھی موت وارد ہو چکی۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی ابھی تک زندہ ہے۔

اصحاب کہف کے معاملہ میں موصوف نے قرآن مجید کی آیات کی جو معنوی تحریف کی ہے وہ ان کے الفاظ میں ہی مطالعہ کیجئے۔ موصوف نے خاصا زور لگایا ہے کہ ان کی تعداد سات نہیں تھی بلکہ ان کی تعداد خدا کو معلوم ہے لاریب۔ ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ لیکن میں نے اصحاب کہف کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ وہ بھی تین سو سال بغیر کھائے پئے سوئے رہے۔ اگر وہ تین سو سال بغیر خوراک کے زندہ رہ سکتے ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام کیوں لمبے عرصے تک زندہ نہیں رہ سکتے۔ اصحاب کہف کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں: ’’مصنف نے حضرت مسیح علیہ السلام کی غیر معمولی لمبی زندگی کے ثبوت میں اصحاب کہف کا قصہ بھی بیان کیا ہے اور قرآنی آیات سے یہ استنباط کرنے کی کوشش کی ہے کہ گویا وہ سات نوجوان تھے جو تین سو سال تک ایک غار میں پڑے سوتے رہے۔ مجھے افسوس اس بات پر ہے کہ مصنف نے اگر نام نہاد تحقیق کا بیڑا اٹھایا ہی تھا تو ان کے لئے زیادہ بہتر تھا کہ قرآنی علوم اور واقعات پر جدید انداز میں تحقیق کرتے اور پرانے مفسرین جو کچھ بیان کر گئے ہیں اس علمی اور تحقیقی کام کو آگے بڑھاتے اور جدید علوم کے ذریعے قرآن مجید میں موجود واقعات کا ثابت کر کے اس کی حقانیت لوگوں پر واضح کرتے۔ لیکن وہ گویا اس بات پر مطمئن ہو بیٹھے ہیں کہ آج سے ہزار سال پیشتر مفسرین جو کچھ بیان کر گئے ہیں وہ حرف آخر ہے اور قرآن مجید کے علوم کے گہرے سمندر میں سے جتنے

موتی نکل سکتے تھے وہ اب نکل چکے ہیں اور اس سلسلے میں مزید تحقیقی کام نہیں ہوسکتا۔ اگر کچھ ہوسکتا ہے تو وہ یہ کہ ہر جائز وناجائز طریقے سے الٰہی سلسلہ کی مخالفت کی جائے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد عرض کرتا ہوں کہ قرآن مجید اسی بات کی تو نفی کر رہا ہے کہ وہ نہ سات نہ پانچ نہ نو بلکہ ان کی صحیح تعداد خدا کو ہی معلوم لیکن ہمارے مسلمان بھائی اس بات پر بضد ہیں کہ وہ سات آدمی ہی تھے اور آٹھواں ان کا کتا یا نو آدمی تھے اور دسواں کتا۔

بہرحال اصحاب کہف کی اصل حقیقت یہ ہے جو کہ اب جدید تحقیق کے ذریعے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اصحاب کہف دراصل ابتدائی مسیحی تھے جو رومیوں اور یہودیوں کے مظالم سے بچنے کے لئے مختلف جگہوں پر غار بنا کر چھپا کرتے تھے اور امن کے زمانہ میں باہر آجایا کرتے تھے۔ بنجمن اسکاٹ نامی ایک محقق نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا ''کیٹا کومبز ایٹ روم'' اس کتاب کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیحی ابتدائی زمانہ میں مشرک نہ تھے اور اس کا ثبوت اس نے یہ پیش کیا ہے کہ روم کے پاس ایسے غار ملے ہیں جن میں ابتدائی زمانہ میں مسیحی لوگ رومی حکومت کے ظلم سے بچنے کے لئے چھپ جایا کرتے تھے۔ وہاں بہت سے کتبے پائے گئے ہیں جن میں اس وقت کے حالات ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع عیسائیت میں شرک کا نام نہ تھا اور وہ لوگ مسیح علیہ السلام کو صرف ایک نجات دہندہ نبی سمجھتے تھے۔ ظلم اس کتاب کے مطابق صدیوں تک ہوتا رہا۔ آخر تین سو سال بعد جب روم کا بادشاہ عیسائی ہوگیا تو انہیں نجات ملی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں بھی لکھا ہے کہ نیرو بادشاہ روم کے زمانہ میں مسیحیوں پر مجموعی طور پر بہت ظلم ہوتا تھا۔ اسی زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری پطرس روم گیا اور وہیں مرا۔ تاریخ کلیسیا کے لفظ کے تحت بھی انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے کہ ۲۵۰ء تک عیسائیوں کے خلاف قوانین پاس ہوتے رہے۔''

(ص۵۳،۵۴)

اصحاب کہف کے بارے میں موصوف نے کھل کر قرآن مجید کی معنوی تحریف کی ہے۔ ہر گمراہ شخص قرآن مجید کی معنوی تحریف کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ موصوف نے اگر ایسا کیا ہے تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ ان کے گرو مرزاغلام احمد قادیانی زندگی بھر یہی کام کرتے رہے۔ ان کی تحریر کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ موصوف نے سورۂ کہف کا مطالعہ ہی نہیں کیا۔ اصحاب کہف اسی لئے تو چھپے تھے کہ وہ موحد تھے، موصوف نے یہ دریافت کر کے کوئی تیر نہیں مارا۔

اللہ تعالیٰ تو یہ کہتا ہے کہ وہ غار میں ۳۰۹ سال رہے اور ہم نے ان کو سلا دیا۔ جب وہ بیدار ہوئے تو انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ ہم اس غار میں کتنا عرصہ رہے۔ اس کے بعد انہیں

کھانے کی فکر ہوئی کہ کسی طرح چھپ چھپا کر کھانا حاصل کیا جائے تاکہ ان کی موجودگی کی شہر والوں کو خبر نہ ہو ورنہ وہ انہیں سنگسار کر دیں گے یا عقیدہ تبدیل کرنے پر مجبور کریں گے۔ موصوف ص۴۲ پر فرماتے ہیں: ''اصحاب کہف دراصل ابتدائی مسیحی تھے جو رومیوں اور یہودیوں کے مظالم سے بچنے کے لئے مختلف جگہوں پر غار بنا کر چھپا کرتے تھے اور امن کے زمانہ میں باہر آجایا کرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ ہم نے انہیں سلا دیا۔ مرزا بشیرالدین محمود بھی سورۂ کہف نمبر:۲۰ کا ترجمہ کرتے ہیں: ''اے مخاطب تو انہیں بیدار سمجھتا ہے حالانکہ وہ سوتے ہیں۔''

موصوف تو اس آیہ مبارکہ کا ترجمہ اس طرح کریں گے: ''(اے مخاطب) تو انہیں بیدار سمجھتا ہے حالانکہ امن کے دنوں میں وہ غاروں سے باہر آجاتے ہیں۔''

واقعی آنکھیں نہیں دل اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔ موصوف نے حسب معمول سورۂ بقرہ کی آیت:۲۵۹ میں بھی معنوی تحریف کی ہے جو ان کے الفاظ میں درج ہے: ''مصنف نے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۹ کا حوالہ دیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''یا اس طرح کا کوئی شخص جو ایک ایسی بستی کے پاس سے گزرا جو اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی تھی، اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو اس کی ویرانی کے بعد کب دوبارہ آباد کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے سو برس تک مارے رکھا۔ پھر اسے اٹھایا اور پھر پوچھا کہ تو کتنی دیر اس حالت میں رہا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ بلکہ سو برس تک۔ تو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کی طرف دیکھ کہ وہ ابھی گلی سڑی نہیں۔'' مصنف نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر خدا چاہے تو کھانا بھی سو برس تک محفوظ رہ سکتا ہے۔ گویا اگر باقی نہیں رہ سکتے تو ''نعوذ باللہ من ذالک'' محمد رسول اللہ نہیں رہ سکتے۔'' (ص۵۵)

موصوف نے جو معنوی تحریف کی ہے وہ آپ نے مطالعہ فرمالی۔ میں سورۂ بقرہ کی آیت:۲۵۹ کا ترجمہ دوبارہ درج کر دیتا ہوں۔ ''یا مانند اس شخص کے کہ گزرا اوپر ایک بستی کے اور وہ گری ہوئی تھی اوپر اپنی چھتوں کے۔ کہا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ پیچھے موت اس کی کے۔ پس مار ڈالا اس کو اللہ نے سو برس پھر جلایا اس کو کہا کتنی دیر رہا تو کہا ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہا ہوں۔ کہا بلکہ سو برس تو رہا۔ پس دیکھ لے اپنے کھانے پینے کی طرف کہ نہیں سڑا اور اپنے گدھے کی طرف دیکھ تاکہ لوگوں کے لئے تمہیں ایک نشانی بنا دیں اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کیونکر چڑھاتے ہیں ہم ان پر پہناتے ہیں ان کو گوشت۔ پس جب ظاہر ہوا واسطے اس کے کہا جانتا ہوں تحقیق اللہ

ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

موصوف نے اس آیت میں معنوی تحریف کرتے ہوئے’’ کیونکر‘‘ کو’’ کب دوبارہ‘‘ میں تبدیل کر دیا۔ میں قادیانی امت کی خدمت میں **Arbury** کا ترجمہ پیش کرتا ہوں جو نہ قادیانی امت کا دوست ہے اور نہ ہی دشمن۔

"Or such as he who passed by a city that was fallen down upon its turrets: he said, How shall God give life to this now it is dead."

Arbury نے بھی ترجمہ **How** کیا ہے۔ **When** نہیں کیا۔ موصوف اگر معنوی تحریف کرتے ہیں تو اپنے گرو کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کی مجبوری یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے پاس تو کچھ ہے نہیں، سوائے محکمہ موسمیات کی طرح پیش گوئیوں کے۔ ان میں بھی کوئی صحیح نکل آتی تو کوئی غلط۔ لہٰذا ان کی کوشش ہوتی ہے کہ قرآن کی معنوی تحریف کر کے یہ ثابت کیا جائے کہ کسی کے پاس بھی کچھ نہیں تھا۔ اسی صفحہ پر آگے چل کر موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’مصنف نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر خدا چاہے تو کھانا بھی سو برس تک محفوظ رہ سکتا ہے گویا اگر باقی نہیں رہ سکتے’’نعوذ باللہ من ذالک ‘‘محمد رسول اللہ باقی نہیں رہ سکتے۔‘‘

معلوم نہیں موصوف اس عبارت سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ان کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے بھی تو کھانا سو برس تک محفوظ نہیں رہ سکتا یا ان کا مطلب ہے کہ چونکہ کھانا خدا کے حکم سے سو برس تک محفوظ رہ سکتا ہے تو نبی اکرم ﷺ کو بھی اب تک زندہ ہونا چاہئے تھا۔ کیا نبی اکرم ﷺ دین مکمل کر کے نہیں گئے؟ کیا انہوں نے نسل انسانی پر اللہ کی حجت پوری نہیں کر دی؟ وہ اپنا کام مکمل کر کے رخصت ہوئے ہیں۔ کیا ان کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ نبی اکرم ﷺ صرف تریسٹھ سال دنیا میں رہے اس لئے ہمیں حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کو بھی تریسٹھ سال سے کم سمجھنا چاہئے۔ قادیانی امت غالباً نیوٹن کی طرح یہ خیال کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ اس کائنات کی مشین کو چلا دیا ہے اور اب وہ خود بخود اس کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق چل رہی ہے اور خالق کائنات اسے صرف دیکھ رہا ہے۔ (دیکھنے کی بھی کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ تھکن ہو جاتی ہوگی)

موصوف نے سورۂ مریم کی آیت نمبر:۳۰ میں بھی معنوی تحریف کی ہے۔ موصوف اپنی کتاب کے ص۹۱،۹۲ پر لکھتے ہیں:’’سورۂ مریم کی آیت:۳۰ میں ذکر ہے کہ جب حضرت مریم علیہا

السلام حضرت مسیح علیہ السلام کو لے کر بنی اسرائیل کی طرف آئیں اور انہوں نے ان سے یہ پوچھا کہ اے مریم تو نے یہ بے حیائی والا کام کیوں کیا تو مریم علیہا السلام نے جواب دینے کی بجائے مسیح علیہ السلام کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا: ''انہوں نے کہا کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو کل تک پنگھوڑے میں بیٹھنے والا بچہ تھا۔'' اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے بعد وہاں سے کہیں اور چلی گئیں تھیں اور اس وقت واپس آئیں جب حضرت مسیح علیہ السلام جوان ہو چکے تھے۔ وطن واپسی پر قوم کے لوگوں نے جو ابھی اس واقعہ کو بھولے نہیں تھے حضرت مریم علیہا السلام سے پوچھا کہ تم نے یہ بدکاری کا کام کیوں کیا تھا۔ جوان بچے کی موجودگی میں اس طرح کا شرمناک الزام سن کر حضرت مریم علیہ السلام شرما گئیں اور اپنے بیٹے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا کہ اسی سے پوچھ لو۔ تمہیں اس سے بات کر کے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ بدکاری کی پیداوار ہے یا خدا کی قدرت کا نشان۔ جس پر انہوں نے کہا کہ اس کل کے بچے سے ہم کیا پوچھیں۔''

مرزا محمد حسین صاحب مرحوم نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ قادیانی ہونے کی پہلی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ملتی ہے کہ عقل مفلوج ہو جاتی ہے۔ کیا ایک جوان بیٹے کی شہادت اس کی ماں کی پاک دامنی ثابت کر سکتی ہے؟ یہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے؟ حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزانہ طور پر گہوارے میں کلام کرنے سے ثابت ہوئی۔ قادیانی امت یہ خیال کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزانہ طور پر پیدا تو ہو سکتے تھے لیکن معجزانہ طور پر گہوارے میں کلام نہیں کر سکتے تھے۔ موصوف لکھتے ہیں: ''انہوں نے کہا کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو کل تک پنگھوڑے میں بیٹھنے والا بچہ تھا۔''

اس میں ''کل تک'' معنوی تحریف ہے۔ ''کل'' سے موصوف کی مراد یقیناً Yesterday نہیں ہے بلکہ کچھ سال ہے۔ لیکن موصوف بھی تو کچھ سال قبل پنگھوڑے میں بیٹھنے والے بچے تھے، وہ تو خوب چہکتے ہیں۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام بات نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ کچھ سال قبل بچے تھے۔ موصوف کو اپنی بات میں کوئی تضاد نظر نہیں آیا۔ دونوں عبارتوں کو دوبارہ پڑھئے:

۱...... ''ہم اس سے کیسے بات کریں جو کل تک پنگھوڑے میں بیٹھنے والا بچہ تھا۔''

۲...... ''اور اپنے بیٹے یعنی حضرت مسیح کی طرف اشارہ کیا کہ اسی سے پوچھ لو تمہیں اس سے بات کر کے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ بدکاری کی پیداوار ہے یا خدا کی قدرت کا نشان۔

جس پر انہوں نے کہا کہ اس کل کے بچے سے ہم کیا بات کریں۔“

مرزا بشیرالدین محمود احمد بھی سورۂ آل عمران کی آیت:۴۶ کا ترجمہ کرتے ہیں: ”پنگھوڑے میں لوگوں سے باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر ہونے کی حالت میں بھی......“

موصوف کے نزدیک تو پنگھوڑے سے مراد ایک باشعور اور جوان شخص ہے۔ موصوف ص۹۶ پر تحریر فرماتے ہیں: ”تاریخ ہمیں بتاتی ہے (تاریخ کی کون سی کتاب؟ موصوف کو معلوم نہیں...... راقم) کہ اس وقت فلسطین میں بنی اسرائیل کے بارہ میں سے صرف دو قبائل موجود تھے، باقی دس افغانستان اور کشمیر کی طرف آ کر بس چکے تھے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ ان گمشدہ قبائل کی طرف آئے اور ان قبائل نے ان کو مان لیا۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل افغانستان، کشمیر، تبت اور نیپال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ گو لوگ آباد تھے۔ کشمیر اور افغانستان میں اکثریت عیسائیت ترک کر کے مسلمان ہوگئی۔ البتہ تبت اور نیپال میں ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمہ گو ہی آباد ہیں۔ واقعی جب انسان جھوٹ بولے تو چھوٹا موٹا جھوٹ کیوں بولے، بڑا جھوٹ کیوں نہ بولے۔

خلاصہ کلام حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں مرزا غلام احمد کے تین موقف ہیں، ہم ان کا اعادہ کر لیتے ہیں:

۱...... حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر موجود ہیں اور قبل از قیامت نازل ہوں گے۔
۲...... حضرت مسیح علیہ السلام فلسطین میں دفن ہیں۔
۳...... حضرت مسیح علیہ السلام کشمیر کے شہر سری نگر کے محلہ خان یار میں دفن ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات یا موت ایسا مسئلہ ہے جو قادیانی امت کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر اس مسئلہ میں بھی مرزا غلام احمد قادیانی کے تین موقف ہوں اور ایک دوسرے سے متصادم ہوں تو مرزا غلام احمد کو کس طرح سچا تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ بلکہ میرا تو دعویٰ ہے کہ قادیانی امت ایک مسئلہ بھی ایسا پیش نہیں کر سکتی جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے متعارض بیانات موجود نہ ہوں۔ سوائے ایک مسئلہ کے اور وہ ہے صلیب پرست انگریزوں کی چاپلوسی اور ان کے لئے جاسوسی۔ بلاشبہ اس مسئلہ میں مرزا غلام احمد قادیانی تمام عمر ثابت قدم رہے۔ میرا یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے۔ مرزا قادیانی ابتدائی عمر میں ہی برٹش سیکرٹ سروس میں ملازم ہوگئے تھے۔ یہ میں الزام نہیں لگا رہا۔ اس کے شواہد موجود ہیں۔ غور فرمائیے مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے

صاحبزادہ بشیر احمد (سیرت المہدی حصہ اوّل ص۴۸) پر لکھتے ہیں: ''بیان کیا مجھ سے جھنڈا سنگھ ساکن کالہواں نے کہ میں بڑے مرزا قادیانی کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ایک دفعہ مجھے بڑے مرزا قادیانی نے کہا کہ جاؤ غلام احمد کو بلالاؤ۔ایک انگریز حاکم میرا واقف ضلع میں آیا ہے۔اس (مرزا غلام احمد قادیانی) کا منشاء ہو تو کسی اچھے عہدہ پر نوکر کرادوں۔ جھنڈا سنگھ کہتا ہے کہ میں مرزا قادیانی (مرزا غلام احمد قادیانی) کے پاس گیا تو دیکھا کہ چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا کر اس کے اندر بیٹھے ہوئے کچھ مطالعہ کر رہے ہیں۔ میں نے بڑے مرزا قادیانی کا پیغام پہنچا دیا۔مرزا قادیانی (مرزا غلام احمد قادیانی) آئے اور جواب دیا۔ میں تو نوکر ہو گیا ہوں۔ بڑے مرزا قادیانی کہنے لگے کہ اچھا واقعی نوکر ہو گئے ہو؟ مرزا قادیانی (مرزا غلام احمد قادیانی) نے کہا ہو گیا ہوں۔اس پر بڑے مرزا صاحب نے کہا، اچھا نوکر ہو گئے ہو تو خیر ہے۔''

میں قادیانی دوستوں کو دعوت فکر دیتا ہوں کہ وہ درج ذیل نکات پر غور کریں:

۱...... بڑے مرزا قادیانی نے مرزا غلام احمد قادیانی سے سرکاری ملازمت کے لئے سوال کیا، کسی دوسری نوکری کے لئے نہیں۔

۲...... اس کا جواب مندرجہ ذیل میں سے کوئی ایک ہی ہو سکتا ہے:

الف...... مجھے سرکاری ملازمت سے دلچسپی نہیں ہے۔

ب...... مجھے سرکاری ملازمت درکار ہے۔

ج...... میں پہلے ہی سرکاری ملازمت کر رہا ہوں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے والد کو تیسرا جواب دیا، قادیانی امت کے نزدیک اس میں سچ ہی بولا ہوگا۔اب وہ کس قسم کی سرکاری ملازمت ہے کہ جسے صاحبزادہ بشیر احمد نے بیان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔وہ ہے برٹش سیکرٹ سروس کی ملازمت۔اس ملازمت کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کو باقاعدہ تنخواہ ملتی تھی۔وہ تنخواہ کس قدر تھی؟ اس کا جواب صاحبزادہ بشیر احمد (سیرت المہدی حصہ سوم ص۱۰۱) پر بیان کرتے ہیں: ''مرزا دین محمد صاحب ساکن لنگروال ضلع گورداسپور نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود نے مجھے صبح کے قریب جگایا اور فرمایا کہ مجھے ایک خواب آیا ہے۔میں نے پوچھا کیا خواب ہے؟ فرمایا، میں نے دیکھا ہے کہ میرے تخت پوش کے چاروں طرف نمک چنا ہوا ہے۔ میں نے تعبیر پوچھی تو کتاب دیکھ کر فرمایا کہ کہیں سے بہت سا روپیہ آئے گا۔اس کے بعد میں چار دن یہاں رہا۔میرے سامنے ایک منی آرڈر آیا جس میں ہزار سے زیادہ

روپیہ تھا۔ مجھے اصل رقم یاد نہیں۔ جب مجھے خواب سنائی تو ملاوامل اور شرن پت کو بھی بلا کر سنائی۔ جب منی آرڈر آیا تو ملاوامل وشرن پت کو بھی بلایا اور فرمایا کہ لو بھئی یہ منی آرڈر آیا ہے جا کر ڈاک خانہ سے لے آؤ۔ ہم نے دیکھا تو منی آرڈر بھیجنے والے کا پتہ اس پر درج نہیں تھا۔‘‘

قارئین کرام! خود اندازہ لگالیں کہ اس زمانہ میں ہزار روپیہ سے زائد کا منی آرڈر بھیجنے والا کون ہوسکتا ہے جب کہ اس پر بھیجنے والے کا نام پتہ بھی درج نہ ہو سوائے برٹش سیکرٹ سروس کے۔ اس وقت جب کہ گوشت ایک روپیہ کا سولہ سیر تھا اور آج فروری ۲۰۰۰ء میں ایک سو بیس روپے کلو ہے۔ (ایک سیر نوصد تیس گرام کا ہوتا ہے) اس حساب سے ایک ہزار روپیہ آج کے دولاکھ اڑتیس ہزار اسی روپے بنتے ہیں۔ غور فرمایئے ایسا کون سا سخی داتا تھا جو مرزاغلام احمد کو اس قدر رقم پیش کرے اور اپنا نام بھی ظاہر نہ کرے سوائے برٹش سیکرٹ سروس کے۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر ہی نہیں دنیا میں جہاں کہیں بھی انگریزوں کو جاسوسی کے لئے کارکنوں کی ضرورت محسوس ہوئی قادیانیوں نے اس پر لبیک کہا۔ پہلی جنگ عظیم میں عربوں اور ترکوں کو آپس میں لڑانے کے لئے لارنس آف عریبیا کو جو عملہ مہیا کیا گیا تھا، میری اطلاع کے مطابق وہ سب قادیانی تھے۔ اس قدر خدمات کے باوجود انگریز قادیان کو ہندوؤں کے حوالے کر کے رخصت ہوگئے۔ کیا یہ مقام عبرت نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بنا رکھا ہے کہ ہدایت اسے ہی ملتی ہے جو ہدایت کا طلبگار ہوتا ہے[۱]۔ زیڈ اے سلہری مرحوم پیدائشی قادیانی ہونے کے باوجود مرزاغلام احمد قادیانی کی کتاب پڑھ کر ہی قادیانیت سے تائب ہوئے۔ کوئی قادیانی طلب ہدایت کی نیت سے مرزاغلام احمد قادیانی کی کتب پڑھے بھی۔ جو بھی مرزاقادیانی کی کتب اس نیت سے پڑھے گا، لازماً قادیانیت سے تائب ہوجائے گا۔ طلب ہدایت کے لئے کوشش شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتہ کو ہدایت کا تھیلا دے کر کسی راستہ میں کھڑا نہیں کیا کہ جو بھی گزرے اسے ہدایت تقسیم کرتے جاؤ۔ اگر ایسا ہوتا تو چرچل، برٹرنڈرسل اور نہرو جیسے دانشور ضرور ہدایت یافتہ ہوتے۔ کیا قادیانی حضرات میری گزارشات پر غور فرمائیں گے؟

’’واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ وسلام علی رسولہ الکریم‘‘

احقر العباد: نورمحمد قریشی

۱؎ ’’جو بھی ہماری راہ میں (ہدایت کے لئے) جدوجہد کرے گا اسے ہم ضرور راستہ دکھادیں گے۔‘‘ (روم:۶۰)

کتابیات

اس رسالہ میں جن کتب کے حوالے دیئے گئے وہ درج ذیل ہیں:

۱...... براہین احمدیہ (پہلی چار جلدیں): اس کتاب کو ۷/دسمبر ۱۹۵۷ء کو ربوہ نے شائع کیا۔ یہ مرزاغلام احمد قادیانی کی تصنیف ہے۔

۲...... تذکرہ: یہ مرزاغلام احمد قادیانی کے الہامات کا مجموعہ ہے۔ اس کی حیثیت قادیانی امت کے نزدیک وہی ہے جو مسلمانوں کے لئے قرآن کی ہے اور عیسائیوں کے لئے بائبل کی۔ اسے اکتوبر ۱۹۴۹ء میں ربوہ نے شائع کیا۔

۳...... ازالہ اوہام: میرے پاس جونسخہ ہے اس پر تاریخ اشاعت درت نہیں ہے۔ یہ مرزاغلام احمد قادیانی کی تصنیف ہے۔

۴...... راز حقیقت: یہ مرزاغلام احمد قادیانی کی تصنیف ہے۔ اسے ربوہ نے شائع کیا ہے۔ تاریخ اشاعت درج نہیں ہے۔

۵...... الہامی توضیح المرام: مرزاغلام احمد قادیانی کی تصنیف ہے۔ پہلی دفعہ مطبع ریاض ہند امرتسر طبع ہوا۔ میرے پاس جونسخہ ہے اس پر تاریخ اشاعت درج نہیں ہے۔

۶...... الفرائد: مصنف علامہ ابوالفضل گلپایگانی۔ اس کا اردو ترجمہ سید ابوالعباس رضوی چارجوی نے کیا اور محفل ملی بہائیاں پاکستان بہائی ہال دیپ چنداوجھا روڈ کراچی نمبر۵ نے جون ۱۹۷۵ء میں شائع کیا۔

۷...... بائبل (اردو): اس کا جونسخہ میں نے استعمال کیا ہے اسے سی.ٹی.پی.ایس ہانگ کانگ نے چھاپا ہے اور بائبل سوسائٹی لاہور نے ۱۹۸۲ء میں شائع کیا ہے۔

۸...... فتح اسلام: یہ مرزاغلام احمد قادیانی کی تصنیف ہے۔ میرے پاس جونسخہ ہے اسے صیغہ تالیف وتصنیف جماعت ربوہ نے اکتوبر ۱۹۵۱ء میں شائع کیا ہے۔

۹...... نشان آسمانی: یہ مرزاغلام احمد قادیانی کی تصنیف ہے۔ پہلی بار جون ۱۸۹۲ء میں چھپا۔

۱۰...... آئینہ کمالات اسلام: از مرزاغلام احمد۔ پہلی دفعہ ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی۔ میرے سامنے جونسخہ ہے وہ ۲۵/مارچ ۱۹۷۰ء کو ربوہ سے چھپا ہے۔

۱۱...... آئینہ صداقت: از مرزابشیرالدین محمود احمد۔

۱۲...... اسلامی قربانی: از قاضی یارمحمد پلیڈر۔

۱۳...... سیرت المہدی: از صاحبزادہ بشیراحمد۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

فیصلہ آسمانی

در باب

مسیح قادیانی

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فیصلہ آسمانی درباب مسیح قادیانی

عین اسی شب میں جب کہ مسلمانوں کی قسمت کا آفتاب گہنا رہا تھا، یعنی ’’بالمؤمنین رؤف رحیم صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ ‘‘پر مرض الموت کی تکلیف کی ابتداء ہو چکی ہے۔ تقریباً نصف رات گزرے آپ ’’ابومویہبہ‘‘ اپنے خاص غلام کو جگاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اٹھو! قبرستان ’’بقیع غرقد‘‘ کی طرف چلیں کہ مجھے ان کے لئے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ آپ مع ابومویہبہ اس سنسان بھیانک رات میں مقبرہ کے اندر داخل ہوئے اور قبروں کے قریب ہوکر ایک دردناک لہجہ میں زمین کے نیچے سونے والوں کو ان لفظوں کے ساتھ مخاطب فرمایا: ’’بہت مبارک تھے وہ دن جن میں تم نے زندگی گزری، بخلاف ان دنوں کے جس میں دنیا آج داخل ہوتی ہے، رات کے سیاہ تاریک ٹکڑوں کی طرح فتنے سامنے آرہے ہیں۔ ایک فتنہ دوسرے فتنہ کے پیچھے لگا ہوا ہے اور ہر پچھلا پہلے سے زیادہ ابتر ہے۔‘‘

عزیز علیہ عنتم صلوات اللہ علیہ وسلامہ، تو آخر چند ہی دنوں کے بعد رفیق اعلیٰ سے جا ملے، پر وہ نکبت انگیز قروں ہماری قسمت میں تھے کہ فتنوں کا تار بندھا ہوا ہے، ایک نہ ختم ہونے والا تانتا ہے۔ جو کسی طرح نہیں ٹوٹتا اور ایک ہی بات نہیں، بلکہ شرارتوں کے سینکڑوں دروازے کھل پڑے ہیں۔ اسلامی معاملات کے ہر شعبہ، ہر سلسلہ میں مفاسد کے سمندر ہیں، جو امڈے چلے آتے ہیں اور بلاشبہ اہل بصیرۃ کے نزدیک اس سمندر کے ہر موج اخیر، اوّل سے زہرناک، خطر آفرین ہے۔

اوروں کو جانے دو تم تھوڑی دیر کے لئے اس دجالی لائن پر ایک آدھ نظر ڈالو، جس پر مسیلمہ، سجاح، اسود عنسی وغیرہ کے علاوہ تمہارے سامنے مصر کا مہدی، جونپور کا مہدی، اصفہان کا نبی اسحاق، جوزستان کا مہدی (بانی فرقہ باطنہ، یا قرامطہ) نیشاپور کا فرندین، فروزین، مدعی نبوت، جبل سوس کا مہدی، محمد بن تومرت، دولت عثمانیہ کا مشہور عیسیٰ، جو دراصل یہودی تھا اور عیسیٰ ہونے کا مدعی ہوا، اخیر میں خلیفۃ المسلمین سلطان محمد کی تہدید کے بعد تائب ہوکر مسلمان ہوا۔ اسی کے ساتھ ایک مسلمان نے مہدیت کا بھی دعویٰ کیا۔ مغیرہ بن سعید اسلام کا دوسرا عیسیٰ، فارسی بن

یحییٰ مصری تیسرا عیسیٰ، نیا بن بن سمعان مدعی نبوت، مقنع مدعی الوہیت اور پھر آدمیت، عیسائیت، موسویت، ادریسیت، ابراہیمیت، محمدیت، تہدیت، مجددیت، محدثیت، امامیت وغیرہ دعاوی کو ایک صندوق میں بند کر کے اپنے سر پر تین تنہا اٹھنے والا، عربی اور فارسی کا مشہور انشاء پرداز احمد کیال، جو کہا کرتا تھا کہ ان تمام صفتوں کو خدا نے گھول کر ایک ہی گھونٹ میں سب ہمارے اندر پیوست کر دیا ہے۔ ایران کا بہاء اللہ نبوت کا مدعی ''وغیرہ ذلک من المہدثین، والمجانبین، والمتنین، العسائین'' کی ایک غول نظر آئے گی، جو یقیناً تاریک راتوں کے سیاہ ٹکڑوں سے کسی طرح کم نہیں۔

اسلام کی بہت کم صدیاں ایسی ہیں، جن میں اس قسم کی شرارتوں کا سیلاب اسلامیوں میں تہلکہ انگیز نہ ہوا، ہر قرن میں ان ابلیسی غیاہب وظلمات نے مسلمانوں کے دل ودماغ میں روحانی تاریکیاں پیدا کی ہیں۔ لیکن الحمدللہ کہ جہاں ان صورتوں کے ساتھ شیطان اپنے سوار و پیادوں کے جلو میں ظاہر ہوتا رہا ہے، وہیں قہار قدوس کی جبروتی طاقتوں نے ایسے روشن وتیز شعاعوں والے آفتاب بھی پیدا کئے، جن کی تاباں اور گرم گرم کرنوں نے ان ناپاک چشموں کو خشک کر دیا، جو اس قسم کے نجس دلوں سے پھوٹ پھوٹ کر روحانی آبادیوں میں اکھٹے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ تم دیکھتے ہو کہ آج نہ مہدیوں کا پتہ ہے، نہ ان جعلی عیسوں کا کوئی ذکر، نہ ان متبعیوں کا کوئی نام لیوا۔ بلکہ نہ اس نبوت بوقلمونی کے مدعی احمد کیال کا، جو اپنے کو عیسیٰ بھی کہتا تھا اور موسیٰ بھی، مہدی بھی، محدث بھی۔ لیکن آج ان تمام دعوؤں سے کسی ایک کی بھنک نہیں سنی جاتی اور اگر کہیں ہیں بھی تو اس کی وقعت کسی تاریک کوچہ کی ان پرنالوں سے زیادہ نہیں۔ جن پر آفتاب کی روشنی پہنچ سکتی، یا پہنچتی ہے تو مٹی کی موٹی تہیں اس کی شعاعوں کو وہاں تک نافذ ہونے نہیں دیتی اور ایسا ہونا ضروری ہے کہ وہ باطل تھا۔ جس کی قسمت میں زہوق، فرسودگی کے علاوہ اور کچھ نہیں اور یہ حق وصداقت تھا، جس کی پیشانیوں پر ہمیشہ بلندی کے تاروں کو چمکتا ہوا دیکھا گیا ہے اور جب کہ ایسا ہے تو پھر تم قادیان کے اس فتنہ مظلمہ سے کیوں خوف کرتے ہو، جو اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، اس زنجیر کی اور کڑیاں، جہاں ناپید ہوئیں، آخر کیا وجہ ہے کہ اس کا حشر بھی وہی نہ ہوگا۔ ''ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا''

اور رب قدیر تو یہ کر بھی چکا، جس کی بعض وجوہات کا علم، لاہور وقادیان دونوں پر نظر

ڈالنے کے بعد ہوسکتا ہے اور سب سے مستحکم، متین تدبیر الٰہی وہ ہے، جو مونگیر (صوبہ بہار) خانقاہ رحمانی کی مسلسل مجاہدات، متعدد رسائل منشورات کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کو خدا جزاء خیر دے کہ بلاخوف ''لومۃ لائم'' آپ ادھر متوجہ ہوئے اور چند ہی دنوں میں آپ کی مرکزی جماعت علمیہ نے اس فتنہ کے سدباب میں علی الخصوص صوبہ بہار میں نہایت شاندار کامیابی حاصل کی۔ حتیٰ کہ مقدمہ کی بھی نوبت آئی، مناظرے بھی ہوئے۔ لیکن جیسا کہ سنت اللہ جاری ہے کہ اس نے ہمیشہ جھوٹ کے سر کو سچائی کے چٹانوں سے کچل دیا ہے۔ ان موقعوں میں بھی یہی ہوا۔ ''والقصۃ بطولہا''

اس وقت ہمارے سامنے اسی مجاہدہ دینیہ، وسعی ملی کے شاداب نتائج کا ایک خوبصورت پھول ''فیصلہ آسمانی'' کے نام سے مضمون ہوکر رکھا ہوا ہے۔

میں اس رسالہ کو دیکھ رہا تھا، جب کتاب ختم ہوئی تو یکایک میرے ذہن میں معلومات کا ایک سلسلہ مرتب ہوگیا جو گویا رسالہ کا ایک عکس تھا، میں نے اسی وقت ارادہ کیا کہ اسے قلم بند کرلوں، تاکہ ناظرین ''الرشید'' (جن میں اکثروں کو قادیانیوں کے ساتھ معاملہ پڑتا ہوگا) بھی اس سے مستفید ہوسکیں۔ ذیل کے خیالات اسی آسمانی فیصلہ سے ماخوذ ہیں۔ گرچہ مولانائے ممدوح نے اس سے بہت زیادہ ارقام فرمایا ہے۔ وہیں بطور تقریظ کے اس کے جستہ جستہ مضامین کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ درج کروں گا۔

''اس رسالہ میں نہایت شدومد سے ثابت کیا گیا ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی، سکنہ قادیان، علاقہ پنجاب میں ہرگز اس کی صلاحیت نہ تھی کہ کوئی مسلمان اس کی اتباع کرے اور نہ صرف یہ بلکہ اس کی پیروی براہ راست انسان کو گرم مقام تک پہنچادیتی ہے۔''

اس دعوے کو جس خوبی سے مدلل کیا گیا ہے، درحقیقت اتنی ملائمت پسندی اور متانت کی نظیر تردیدات قادیانی کی کسی اور کتاب میں مل نہیں سکتی۔ فرماتے ہیں، جس کا ماحصل یہ ہے کہ امت اسلامیہ اس وقت تین طائفوں میں منقسم ہے:

۱...... صوفیاء کرام جنہیں خداوند عزیز نے نور باطن، صفاء قلب، روشنی، بصیرت، فراست ایمانیہ سے نوازا ہے، جس کے ذریعہ سے وہ حق وباطل کو الگ الگ کرکے دیکھ لیتے ہیں۔

۲...... علماء عظام جن کے ہاتھ میں قرآن وحدیث، آثار وسنن موجود ہیں، جس میں مہدی، عیسیٰ علیہما السلام کی علامات واضح طور پر بیان کی گئی ہیں۔

۳...... مسلمانوں کا وہ طائفہ جو نہ نور باطن رکھتا ہے اور نہ علم ظاہر سے کوئی بہرہ۔

اب ظاہر ہے کہ ارباب باطن میں سے کسی نے مرزا کی تصدیق نہ کی، حالانکہ اگر وہ واقع مہدی ہوتا، تو سب سے پہلے اس کے قدموں میں سرڈالنے والا گروہ ہوتا۔ اسی طرح علماء میں بجز چند عبدالدراہم والطاغوت کے اور سبھوں نے انکار کیا کہ مہدی، یا مسیح کی کوئی علامت اس میں نہیں، ہم اسے مکرر کرتے۔ لیکن چونکہ وہ طریقہ علماء کے دریافت کرنے کا ہے اور وہ اسے جانتے ہیں، اس لئے ضرورت نہیں۔

البتہ عوام بیچاروں کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے، وہ دل کی بینائی سے محروم ہیں اور ان کے ہاتھ میں حدیث وآثار کی شمع بھی نہیں۔ بے شک ان کے لئے سخت وقت ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ آزادی کا زمانہ ہے۔ مشکلات اور بھی پیچیدہ ہوگئے۔ کیونکہ آسان طریقہ توان کے لئے یہی تھا کہ صوفیہ وعلماء کی تقلید کرتے، مگر کچھ علماء شرار وصوفیاء بداطوار اور کچھ اثر زمانہ نے ان کی تقلید کے بازار کو سرد کر دیا ہے۔ اس لئے میں نے ان لوگوں کے لئے کسی عالم کا نہیں، کسی صوفی کا نہیں، کسی مناظر کا نہیں، کسی فقیہ کا نہیں، حتیٰ کہ کسی نبی کا بھی نہیں بلکہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کا ایک آسمانی فیصلہ جو آسان بھی ہے اور مختصر بھی ہے، مسلمانوں کے ہاتھ میں دیتا ہوں، ان شاء اللہ ان پر خود حق واضح ہو جائے گا اور معلوم ہوگا۔ زمین پر تو خیر، آسمانوں پر مرزا کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہوگا اور خدائے برتر کی نگاہوں میں اس کی سیاہ حقیقت کیا رتبہ رکھتی تھی۔ اس کے بعد تیرہ بختی ہے کہ انسان اپنے مالک یگانہ کے فیصلہ سے بھی منہ موڑے، اگر انسانوں کی آراء قابل سماعت نہیں، تو نہ ہو، لیکن کیا خدا بھی اس قابل نہیں کہ اس کی آواز نہ سنی جائے اور اس کے فیصلہ کے آگے گردن نہ ڈال دی جائے۔ یقیناً اتباع ہوئی ہے، اگر ان کے بعد لوگ خدا کی طرف خلوص دل کے ساتھ نہ بھاگے اور مرزا قادیانی کی اتباع میں جو کچھ ناسزا باتیں ان سے سرزد ہوئیں، اس سے تائب نہ ہوئے۔

’’ففروا الی اللہ انی لکم منہ نذیر‘‘ پس بھاگو طرف خدا کی، میں اس سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

پوری تفصیل کا علم بغیر رسالہ کے دیکھنے کے ممکن نہیں۔ لیکن اختصاراً جو ممکن ہے مطلب کے ادا کرنے میں شاید کافی ہو، یہ ہے:

وہ آسمانی فیصلہ ہم تک بذریعہ خاتم النّبیین، السید العربی الامی ﷺ نسلاً بعد نسل تواتر کے ساتھ منتقل ہوتا رہا ہے۔ یہ ہے:

۱...... ’’فلا تحسبن اللہ مخلف وعدہ (ابراھیم)‘‘ ﴿ہرگز ہرگز خدا کو گمان نہ کرو کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا۔﴾

یہ ایک صریح وناطق فیصلہ ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ رسولوں کی علامت یہ ہے کہ خدا ان سے وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

۲...... ’’لن یخلف اللہ وعدہ‘‘ ﴿ہرگز نہیں خدا وعدہ کا خلاف کرتا ہے۔﴾

۳...... ’’ان اللہ لا یخلف المیعاد‘‘ ﴿یقیناً خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔﴾

۴...... ’’لا یخلف اللہ وعدہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون‘‘ ﴿نہیں خلاف کرتا ہے خدا اپنے وعدوں کا، لیکن آدمی نہیں جانتے۔﴾

۵...... ’’ما یبدل القول لدّی‘‘ ﴿ہمارے نزدیک (ہمارے اقوال میں) تغیر نہیں۔﴾

۶...... ’’لا تبدیل لکلمات اللہ‘‘ ﴿اللہ کی باتوں میں تبدیل وتغیر نہیں۔﴾

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ خدا عموماً کسی سے وعدہ خلافی نہیں کرتا اور خصوصاً رسولوں سے، جیسا کہ ہر ایک شخص ان فیصلوں کے بعد سمجھ سکتا ہے۔ بس اب تمام دنیا کے علماء اور صوفیاء سے قطع نظر کر کے محض ان فیصلوں کو ہاتھ میں لو اور مرزا غلام احمد قادیانی ولد مرزا غلام مرتضیٰ، پسر مرزا عطاء محمد، سکنہ قصبہ قادیان (احاطہ پنجاب) پر اسے جاری کر کے دیکھو کہ وہ نبی ہے، یا نہیں، اگر نہیں ہے، تو پھر بیچارہ مسلمان بھی تھا، یا نہیں، اگر مسلمان نہیں ہے تو صرف گمراہ ہے، یا گمراہ ہونے کے ساتھ مغضوب اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا تھا۔ ان شاء اللہ! اسی کے ذریعہ سے تمام سوالوں کا جواب مل سکتا ہے۔

چاہئے کہ تمہارا دماغ اس وقت جب کہ تم انصاف، وعدالت کی کرسی پر بیٹھ کر آسمانی فیصلہ کے ماتحت ہوکر رائے قائم کرنے والے ہو، کسی مولوی، یا ملا، یا صوفی کے خیالات سے متاثر نہ ہو، محض آزاد ومخلّی بالطبع ہوکر سوچو، پس سنو:

اگر مرزا قادیانی نبی ہوتا تو آسمانی فیصلہ کے اعتبار سے ضرور تھا کہ خدا اس سے خلاف وعدگی نہ کرتا، لیکن معمولی معمولی پیش گوئیاں تو خیر سب سے عظیم الشان، منیع القدر پیش گوئی (یعنی دختر احمد بیگ سے نکاح کی پیش گوئی) جس کے متعلق مرزا قادیانی کو ہر ایک قسم کا بھروسہ تھا اور جس کی صداقت پر اعتماد کر کے آپ کی پنجابی اردو نما الاپ یہ تھی ؎

پیش گوئی کا جب انجام ہویدا ہوگا قدرت حق کا عجب ایک تماشا ہوگا
جھوٹ اور حق میں جو ہے فرق وہ پیدا ہوگا کوئی[۱] پاجائے گا عزت کوئی رسوا ہوگا

اور جس کے متعلق مرزا قادیانی سترہ برس انتظار کرتا رہا، دھوم مچائی شور کیا، لیکن تمام عالم کو معلوم ہے اور اس وقت کم از کم ہزاروں، بلکہ لاکھوں آدمی گواہ ہیں کہ اس پیش گوئی کے متعلق مرزا قادیانی کا لفظ لفظ، حرف حرف غلط ہوا۔ بتاؤ کہ آسمانی فیصلہ:''فلا تحسبن اللّٰہ مخلف وعدہ رسولہ''﴿ہرگز ہرگز خدا کو گمان نہ کرو کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا۔﴾ کا کیا اقتضاء یہ نہیں کہ مرزا قادیانی نبی نہ تھا؟ بلاشبہ ایسا ہی ہے، ورنہ لازم آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کا قول غلط ہو اور جب کہ نبی نہ تھا، تو کیا مسلمان تھا۔ اس کے لئے بھی تمہارے سامنے ایک آسمانی فیصلہ پیش کرتا ہوں:''ومن اظلم ممن افتری علی اللّٰہ کذبا''﴿اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے، جس نے خدا پر جھوٹ باندھا۔﴾

اس فیصلہ کا حاصل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے سے زیادہ ظالم نہ کافر ہے، نہ مشرک ہے، نہ بدعتی، نہ فاسق، خدا پر جھوٹ باندھنا سب سے بدترین کفر ہے۔ جیسا کہ اسی فیصلہ کی شرح میں دوسرے مقام میں وارد ہے:''قل ان الذین یفترون علی اللّٰہ الکذب لا یفلحون متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعھم ثم ندیقھم العذاب الشدید بما کانوا یکفرون''

لاقومی الٰی المخدع فقد ھئی لک المضجع
فان شئت ففی البیت وان شئت ففی المخدع
وان شئت سلقناک وان شئت علی اربع
وان شئت بثلثیہ وان شئت بہ اجمع

سجاح پہلی صورت سے راضی ہوگئی، چونکہ اشعار فحش ہیں۔ اس لئے ترجمہ سے معذور سمجھا جائے۔

''سو کہو (اے محمد) جو لوگ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں، کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے، دنیا کی ایک ذلیل پونجی (کے علاوہ اور ان کے افتراء سے کوئی فائدہ نہیں) پھر ہماری طرف ان کی

---

[۱] اس فصاحت وبلاغت کی بھی کوئی انتہاء ہے''پاجائے گا'' میں''جائے گا'' کی ترکیب کتنی صحیح ترکیب ہے۔ سجاح کو مخاطب کرتے ہوئے مسیلمہ نے جو کچھ کہا تھا، اس سے مرزا قادیانی نے باوجود مقصد مشترک ہونے کے، یعنی دونوں نکاح وہم بستری کی خوشخبری دے رہے ہیں۔ مرزا قادیانی کا بیان ذرا مہذب ہے، مسیلمہ نے بھی جب سجاح (ایک عورت تھی) پہلے ایک وحی پڑھی جو از حد فحش ہے۔ لیکن اس کے بعد کچھ اشعار پڑھے۔

بازگشت ہے، ہم پھرانہیں دکھ چکھائیں گےان کے کفر کی وجہ سے۔‘‘

اس سے صاف معلوم ہوا کہ ’’افتراء علی اللہ‘‘ کفر ہے، اب ظاہر ہے کہ جب فیصلہ آسمانی کے حکم سے مرزا قادیانی کی نبوت باطل ہوگئی اور ثابت ہوا کہ وہ نبی نہ تھے، تو پھر اب مرزا قادیانی کا یہ دعویٰ کرنا: ’’میں نبی ہوں، میرا انکار مستوجب سزا ہے۔‘‘

(توضیح المرام ص۱۸، خزائن ج۳ص۲۰)

یا کہنا: ’’سچا خدا وہی ہے، جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔‘‘

(دافع البلاء ص۱۱، خزائن ج۱۸ص۲۳۱)

’’خداوند تعالیٰ نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا، جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے اور اس نے اس دوسرے مسیح کا نام غلام احمد رکھا۔‘‘ (دافع البلاء ص۱۳، خزائن ج۱۸ص۲۳۳) یہ سب خدا پر افتراء نہیں تو اور کیا ہے اور جو شخص خدا پر جھوٹ باندھا کرتا تھا، کیا اب وہ: ’’ثم نذیقهم العذاب الشدید بما کانو یکفرون‘‘ ﴿ہم پھرانہیں دکھ چکھائیں گے ان کے کفر کی وجہ سے۔﴾ کے عواقب میں مبتلا نہ ہوگا اور کیا اس کے پیروکاروں کو بھی اس آسمانی تخویف سے کانپنا نہیں چاہئے؟

مندرجہ بالا بحثوں سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ مرزا غلام احمد پسر غلام مرتضیٰ، سکنہ قادیان نہ نبی تھا اور نہ ولی اور نہ مسلمان، بلکہ ایک مفتری، اظلم، کاذب، کافر شخص تھا اور جو ایسا ہو، اس کی پیروی کرنے والا اپنا ٹھکانہ اگر ہاویہ کی خندقوں میں نہیں بنا رہے ہیں تو کہاں بنا رہے ہیں؟ خدا ان کو اپنے غضب سے بچائے کہ شیطان نے اپنی کامیابیوں کا انہیں اچھا آلہ بنا رکھا ہے اور اپنی پرانی تمنا: ’’لا قعدن لهم صراطک المستقیم ثم لا تینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن ایمانهم وعن شمائلهم ولا تجد اکثرهم شاکرین‘‘ ﴿یقیناً ضرور بیٹھوں گا تیرے سیدھے راستہ پر ان کے لئے، پھر ان کے سامنے سے بائیں دائیں جانب سے آؤں گا، تو (اے خدا) ان میں اکثروں کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا۔﴾

اس زمانہ میں ان سوختہ عقلوں کے ذریعہ سے نکال رہا ہے، کتنے ہیں جن کے دلوں پر مہر اور آنکھوں پر پردے اور کانوں میں ڈاٹ ڈال دیئے گئے، جو اب سیدھا راستہ نہیں پاسکتے۔

فقیر: سید مناظر احسن عفی عنہ (گیلانی)

مشاہیر کے خطباتِ ختمِ نبوّت

مرتّب

مناظرِ ختمِ نبوّت

حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

حضوری باغ روڈ، ملتان ۔ 061-4783486

www.amtkn.com, www.laulak.info, www.khatm-e-nubuwwat.info,
www.khatm-e-nubuwwat.com, ameer@khatm-e-nubuwwat.com